UNIVERSAL
LIBRARY
OU_224514
UNIVERSAL
LIBRARY

DAMAGE BOOK

UnEven Page Numbers within the book only

جملہ حقوق محفوظ ہیں

معاشیات دیہات

مصنفہ

مسٹر

تھامس نکسن کارور

پی - ایچ - ڈی

ایل - ایل - ڈی (امریکن)

جسکو

پنجاب کوآپریٹو یونین لاہور نے شایع کیا

معاشیات دیہات

یہ نہایت ہی فاضلانہ اور فلسفیانہ کتاب جس کے تعارف کرانے کا راقم الحروف شرف حاصل کر رہا ہے اقتصادیات اور معاشیات دیہات کے باب میں اپنی نظیر نہیں رکھتی ۔ اس کے مصنف تھامس نکسن کارور پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ ایل ۔ ایل ڈی امریکہ کے نامور فاضل اور علامۂ دہر ہیں ۔ آپ نے اقتصادیات اور معاشیات کے جن گوناگوں شعبوں پر بحث ہو سکتی تھی ۔ ان پر ایسے حکیمانہ موثر اور بصیرت افروز طریق پر خامہ فرسائی کی ہے کہ اگر اس لاجواب کتاب کو قاموس معاشیات یا اکنامک انسکائیلوپیڈیا کہا جائے تو بالکل درست ہے ۔ فاضل مصنف نے کسب معاش کے ذرائع ۔ کاشتکاری ۔ زراعت کی اجمالی تاریخ ۔ امریکن زراعت کا آغاز ۔ قومی ترقی تنظیم مزارعین ۔ زراعتی پیدائش کے عاملین ۔ طریقہ ہائے استعمال زمین ــــ آلات محنت تنظیم ۔ زراعتی پیداوار ۔ زراعتی آمدنی کی تقسیم ۔ اجرت قدر و قیمت ۔ لگان ۔ سود ۔ نفع ۔ دیہات کی اجتماعی زندگی ۔ خدمت خلق معیار زندگی ۔ دیہاتی کھیل ۔ کاشتکار ۔ مالک ، خود کاشت ۔ غیر حاضر رہنے والے زمیندار ۔ امداد باہمی ۔ معاشیات دیہات میں تحریک امداد باہمی کا درجہ وغیرہ وغیرہ عنوانات کثیرہ پر ایسا جامع و مانع تبصرہ کیا ہے اور ان کے ماتحت متعدد اقتصادی مسائل کو ایسی بالغ نظری اور علمی شان سے حل کیا ہے کہ اس کے متعلق بجز اس کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا

لذت بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

اگرچہ یہ کتاب زیادہ تر امریکہ کے احوال و ظروف پر مشتمل ہے مگر اس کا اسلوب بیان اور پیرایۂ توضیح عالمگیر حیثیت رکھتا ہے ۔ اس میں جو محکم اصول بیان کئے گئے

ہیں۔ ان کا تعلق کسی ایک ملک سے نہیں بلکہ سارے جہان سے ہے۔ پنجاب کیلئے جسکی فلاح بہبود دیہات کی اصلاح پر موقوف ہے۔ اس کتاب کے بیان کردہ اصول مشعل راہ اور چراغ ہدایت کا حکم رکھتے ہیں۔ اس نادر کتاب کے عمیق مطالعہ کے بعد ہر ایک ذی علم اور نکتہ رس پر عیاں ہو سکتا ہے۔ کہ اقتصادیات کسقدر مفید اور لازمی علم ہے۔ اور یہ کہ آج اگر ہمارا ملک اپنے آپ کو عروج و خوشحالی کی مسندوں پر متمکن دیکھنا چاہتا ہے۔ تو ضروری ہے کہ اس کے ایسے فرزند جنکے ہاتھ میں وطن اور قوم کی باگ ڈور ہے۔ اقتصادیات جہان کا مطالعہ کریں۔ کیونکہ اس کے بغیر اس زمانہ میں کوئی رہنما قوم اور ملک کا حقیقی رہنما کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ امداد باہمی دنیا میں اقتصادی سوراج قائم کرنا چاہتی ہے اور اقتصادی سوراج کو اپنی منزل مقصود قرار دینے والوں کا فرض اولین ہے کہ ادھر ادھر کے تمام خیالات سے ماورا ہو کر اقتصادیات کے معلومات حاصل کریں اور ان کی روشنی میں عملی اور تعمیری کاموں کی بنیادیں استوار کریں۔

تعلیم اور امداد باہمی

تعلیم امداد باہمی کی جان ہے اس تحریک نے علم کی نشر و اشاعت پر ہمیشہ ہی زور دیا ہے۔ یہ تحریک اپنے اندر بے حد فوائد لئے ہوئے ہے۔ یہ تحریک انسانیت کے علم کو بلند کرتی۔ مساوات کا پیغام سُناتی اور ساری کائنات کو اور آدم کے تمام فرزندوں کو خواہ وہ کالے بھجنگ ہوں یا سانولے۔ گورے ہوں یا سُرخ اس راز سے آگاہ کرنا چاہتی ہے کہ دنیا کی نجات اس اصول میں ہے کہ

میں سب کے کام آؤں سب میرے کام آئیں
اک فرض آدمیت امداد باہمی ہے

باایں ہمہ حقیقت یہ ہے۔ کہ جب تک انسان اس تحریک کے اصول کی گیرائی اور گہرائی اور اس کے اثرات سے آگاہ نہ ہو۔ اس پر یہ راز کھل نہیں سکتا۔ کہ

امداد باہمی دنیا کی معاشی زندگی میں کیسا حیرت انگیز مگر خوشگوار انقلاب پیدا کر سکتی ہے۔ یہی باعث ہے کہ پنجاب نے امداد باہمی کی تعلیم پر بے حد زور دیا ہے اور مختلف عملی طریقوں سے امداد باہمی کے مقاصد و مطالب کی عام اشاعت کے لئے کوشش کی ہے۔ اسی کوشش کا نتیجہ ہے کہ پنجاب کو کواپریشن کا تیرتھ تصور کیا جاتا ہے۔

پنجاب کے دیہاتیوں میں امداد باہمی کی لہر عام طور پر پھیلی ہوئی ہے اور سیدھے سادھے بھولے بھالے کسان بھی سمجھ گئے ہیں کہ اگر انہیں اپنی ساکھ قائم کرنا ہے۔ مناسب اور ارزاں شرح سود پر قرضہ حاصل کرنے میں کامیاب ہونا ہے۔ اپنی ضرورتیں خود پوری کرنا ہے۔ اپنے آپ کو دوسروں کی محتاجی سے بے نیاز کرنا ہے۔ اپنی پیداوار کو معقول داموں فروخت کرنا ہے۔ امن کی زندگی بسر کرنا ہے۔ تباہ کن جنگ و جدال سے مجتنب رہنا ہے۔ بری رسموں سے دامن بچانا ہے۔ اصلاح اخلاق پر زور دینا ہے۔ یا مختصر یہ سمجھئے کہ ایک ایک گاؤں کو امن اور خوشحالی کا گہوارا اور راحت و رحمت کا فردوس بنانا ہے۔ تو ان اغراض کی تکمیل کیلئے امداد باہمی کی ان گنت برکتوں سے بہرہ اندوز ہونا لازمی ہے۔ اس کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ امداد باہمی کو ایک نیا اقتصادی نصب العین۔ نئی عملی سائنس اور نئے اصول حیات کے اعتبار سے کم سمجھا گیا ہے۔ اسلئے کہ اس صداقت کی گہرائی تک پہنچنے کے لئے کافی بصارت اور کافی علم کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے لازمی ہے کہ اہل علم طبقہ دنیا کی معاشی تاریخ سے واقف ہو۔ اسے معلوم ہو کہ اقتصادی اعتبار سے دنیا نے کیا کیا انقلابات دیکھے ہیں۔ اس کرۂ ارضی نے کیسے کیسے چکر کاٹے ہیں۔ ابن آدم مختلف حالات اور اثرات کے ماتحت کن کن مشاغل کو اختیار کرنے پر مجبور ہوا ہے کون کونسی تحریکیں اس جہان کے پلیٹ فارم پر نمودار ہوئیں۔ انہوں نے کیسے کیسے پلٹے کھائے۔ قدرت کے خزانوں سے اہل عالم نے مختلف زمانوں میں کس طریق سے فائدہ اٹھایا۔ ان تمام حقایق سے آگاہی حاصل کرنے کیلئے طویل فرصت اور

عمیق مطالعہ کی ضرورت ہے۔ مبارک ہیں وہ انسان جو ان امور کو شرح اور بسط سے بیان کرنے پر قادر ہیں۔ فاضل کارور بھی انہی نفوس عالیہ میں سے ہیں۔ آپ نے اپنی بے عدیل تصنیف میں سب کچھ بیان کر دیا ہے۔ آپ نے سمندر کو کوزہ میں بند کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اقتصادیات اور معاشیات کے طالب علم اس کتاب سے بے حد فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔

پنجاب کواپریٹو یونین لاہور

پنجاب کواپریٹو یونین لاہور نے جسے ۲۰ ہزار سے زائد انجمن ہائے امداد باہمی کا واحد مشترکہ مرکز اور ترجمان ہونے کا فخر حاصل ہے۔ فیصلہ کیا کہ مذکرہ صدر قاموس معاشیات کا ترجمہ شائع کرائے۔ اور اس کیلئے زر کثیر برداشت کرے۔ اس سے پیشتر یونین "امداد باہمی اور برما" کے نام سے ایک کتاب شائع کر چکی ہے۔ اس کتاب میں تحریک کے ابتدائی اصول اور طریقہ ہائے کاروبار نہایت شستہ اور سیدھے سادے الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں۔ "معاشیات دیہات" یونین کی دوسری تصنیف ہے یہ کتاب ازبس عالمانہ ہے۔ اس سے زیادہ تر اہل علم ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یونین نے اس کے ترجمے۔ کتابت۔ طباعت۔ اشاعت میں زر خطیر صرف کیا ہے اس کی یہ کوشش ہندوستان کے تمام علمی حلقوں میں بالعموم اور اقتصادی دائروں میں بالخصوص خاص قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھی جائیگی۔

اردو ترجمہ

اس کتاب کا اردو ترجمہ آسان نہیں بلکہ سخت مشکل تھا اول اسلئے کہ اردو زبان ابھی اتنی ہمہ گیر اور علمی نہیں ہوئی۔ کہ ہر فن اور ہر علم کا ترجمہ اس میں آسانی سے کیا جا سکتا ہو۔ دوئم اقتصادیات ایک جدید علم کا حکم رکھتا ہے اسمیں اردو تصانیف عملاً عنقا کا حکم رکھتی ہیں۔ اسلئے اصطلاحات فنی کا ترجمہ

کرتے ہوئے جو دقت مترجم کو پیش آسکتی ہے۔ اس کا احساس اُسی کو ہو سکتا ہے۔

۵ شبِ فراق کو ہم جانیں یا خدا جانے
بلاکشوں پہ جو گذرے تری بلا جانے

سوم ویسے بھی کسی زبان کی اعلیٰ پایہ کی کسی تصنیف کو کسی دوسری زبان کا جامہ پہنانا کارے دارد کا حکم رکھتا ہے۔ ترجمے سے زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اصل کا مدعا واضح طریق پر بیان کر دیا جائے۔ لیکن جو خوبی لکھنے والے کے اسلوب تحریر میں ہوتی ہے اسے ترجمہ میں قائم نہیں رکھا جا سکتا۔

علمی اضافہ

اس کتاب کا ترجمہ دقیق ہے۔ آسان نہیں۔ آفرین کہنے والے تو بہت کم ہوتے ہیں۔ لیکن نکتہ چین زیادہ ہوتے ہیں۔ میں نکتہ چینوں کی خدمت میں بصد ادب نیاز عرض کرتا ہوں کہ اگر انہیں ترجمہ میں آسانی دکھائی نہ دے تو انہیں اس نکتہ کو ضرور مدنظر رکھنا چاہیئے۔ کہ اتنی بڑی علمی کتاب کو جو اصطلاحات علمی وفنی سے لبریز ہے۔ آسان زبان میں نہیں بیان کیا جا سکتا۔ ہاں یہ ہو سکتا تھا کہ تشریح کر دی جاتی۔ اور کتاب کے ایک ایک فقرہ کو طویل اور آسان عبارت کی صورت میں پیش کر دیا جاتا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کتاب بے حد ضخیم ہو جاتی۔ مجھے کامل یقین ہے کہ علمی طبقہ جب اس کتاب کا ترجمہ پڑھے گا۔ تو پنجاب کواپریٹو یونین کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکیگا۔ کہ اس نے ملک کی علمی کتابوں میں ایک بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کتاب کی علمی طبقوں میں عام اشاعت کی جائے۔ اسکے لئے تحریک امداد باہمی کے حامیوں اور پڑھے لکھے کواپریٹرز کا فرض ہے کہ اسکو نہ صرف خود خریدیں بلکہ دوسروں کو بھی اسکی خریداری پر مائل کریں۔ تمام انجمنوں۔ یونینوں کا بالعموم اور کواپریٹو سنٹرل بنکوں کا فرض ہے۔ کہ کتاب کی فروخت اور اشاعت میں پنجاب کواپریٹو یونین کی امداد کریں۔ کتاب کی کتابت اور طباعت دلفریب ہے باایں ہمہ محاسن اسکی قیمت بہت کم ہے۔

ایڈیٹر

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ
۱	پہلا باب۔ اصول عامہ۔ کسب معاش کے ذرائع	۱
"	کاشتکاری ذریعہ معاش کی حیثیت سے	۱۷
۲	دوسرا باب۔ زراعت کی اجمالی تاریخ	۳۵
"	" جدید انگریزی زراعت کا آغاز	۵۶
"	" امریکن زراعت کا آغاز	۷۵
"	" قومی ارتقاد	۸۷
"	" مغرب کی جانب وسعت کا دور	۱۱۰
"	" از سر نو تنظیم کا دور	۱۲۸
۳	تیسرا باب۔ زراعتی پیدائش کے عاملین	۱۳۸
"	" زمین کے بکفایت استعمال کے طریقے	۱۵۴
"	" محنت زراعتی پیدائش کے ایک عامل کی حیثیت سے	۲۰۵
"	" اصل زراعتی پیدائش کے ایک عامل کی حیثیت سے	۲۳۸
۴	چوتھا باب۔ انتظام زراعتی پیداوار کے ایک عامل کی حیثیت سے	۲۶۲
"	" بنیادی مسائل یعنی شغل اصل کے متعلق مسائل	۲۶۴
۵	پانچواں باب۔ زراعتی آمدنی کی تقسیم	۳۳۸
"	" اُجرت	۳۳۹
"	" سود	۳۵۷
"	" نفع	۳۶۸

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ
۶	چھٹا باب ۔ دیہات کی اجتماعی زندگی کے متعلق چند مسائل	۳۸۹

پہلا باب

اصُولِ عامہ

ا۔کسبِ معاش کے ذرائع

معاشیات کا موضوع۔ انسان کی کسب معاش کے لئے جدوجہد جو معاشیات کا موضوع ہے۔ بجا طور پر ان سنجیدہ ترین اور اہم ترین مباحث میں شمار ہوسکتی ہے۔ جنکی طرف کسی طالب علم کی توجہ مبذول ہونے کا امکان ہے۔ نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اپنے مطالعہ کا آغاز اس عام مقولہ سے کریں کہ نوع انسانی کو اپنی روزی اپنے اردگرد کی مادی دنیا سے حاصل کرنی پڑتی ہے۔ یعنی زمین اور پانی اس کی قوت لایموت کے قطعی و آخری ذرائع ہیں۔ لیکن اگر ہم انسان کو بحیثیت نوع کے نہیں۔ بلکہ بحیثیت فردِ واحد کے دیکھیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی روزی کبھی کبھی براہ راست دوسرے افرادِ نوع سے بھی حاصل کرتا ہے اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ وہ ہر حالت میں زمین اور پانی ہی کا محتاج ہو۔ تمدن سے پہلے یا بربریت کی حالت میں جب حسِ انصاف یا کسی ضابطۂ قانونی کا خیال اس کو مانع نہ تھا۔ وہ بالعموم کوئی ایسا طریقہ اختیار کرتا تھا جس میں کوشش بھی تھوڑی سے تھوڑی کرنی پڑے اور حاصل بھی زیادہ سے زیادہ ہو۔ اگر جنگ وجدل

اور قتل وغارت میں فائدہ دیکھتا تو انہی کو اختیار کر لیتا جانوروں میں فائدہ نظر آتا تو انسانوں کی بجائے جانوروں کا شکار کرنے لگتا لیکن جب بالآخر ان میں سے کوئی طریقہ کافی فائدہ بخش ثابت نہ ہوا تو اس نے جانوروں کی گلہ بانی اور بعض اوقات انسانوں کو بھی غلاموں کے طور پر پرورش کرنا شروع کیا۔ اور کبھی زمین جوتنے اور اپنی مرضی کی اجناس چن کر بونے اور کاٹنے کا طریقہ اختیار کیا:۔

جنگ وسیلۂ معاش کی حیثیت سے } "جنگ" اور "قتل وغارت" کے الفاظ کا اطلاق عموماً کسی قوم یا قبیلہ یا جماعت کی اُن مجموعی کوششوں پر ہوتا ہے۔ جو وہ کسی دوسری جماعت سے زمین یا دولت یا کوئی اور معاشیاتی فائدہ حاصل کرنے کے لئے عمل میں لائے جس صورت میں کسی قوم یا قبیلہ یا جماعت کے افراد یہ طریقے اپنے آدمیوں کے ساتھ برتیں۔ اُن کا نام قتل۔ رہزنی اور چوری رکھا جاتا ہے۔ مردم خوری اور بردہ فروشی کے طریقے اکثر و بیشتر غیر جماعت کے لوگوں ہی کے ساتھ روا رکھے گئے ہیں یعنی ان لوگوں کے ساتھ جن کے ساتھ مل جل کر رہنے کی کوئی رعایت ملحوظ نہ تھی یہ امر بالکل عیاں ہے کہ اس قسم کے وسائل معاش نفع رساں ہونے کی بجائے باعثِ تخریب ہیں۔ مثلاً جنگ اور قتل و غارت سے دنیا کی کوئی مجموعی معاشی بہتری متصور نہیں۔ گو یہ ممکن ہے کہ فریقین میں سے جو کامیاب رہے وہ کچھ مالی فائدہ اُٹھائے اور وہ بھی اس شرط پر کہ مالِ غنیمت اتنا ہو کہ جنگ کے اخراجات نکال کر بچ رہے۔

ایک ہی قوم۔ قبیلہ یا جماعت کے افراد کے درمیان بعض اوقات ایسے دستور ہوتے ہیں۔ کہ ایک شخص یا گروہ دوسروں کو نقصان پہنچا کر خود کو دولت مند بناتا ہے۔ ایسے دستور ہمیشہ ایک کمزور اور نا قابل یا رشوت ستان حکومت کے نزدیک مستحسن ہوتے ہیں۔ اور جیسے جیسے حکومتیں دیانتدار اور قابل ہوتی جاتی ہیں۔ ان رواجوں میں کمی آتی جاتی ہے۔ بعض رواج ایسے بھی ہیں۔ جن کے مطابق

لوگ دوسرے لوگوں کی یا اپنی جماعت کی خدمت کرکے روزی کماتے ہیں۔ ان میں صنعت اور بیوپار کے مروجہ طریقے اور پیشہ وری اور ملازمت کی مختلف صورتیں شامل ہیں۔ کسی قوم میں ایسے اشخاص جو اپنی روزی دوسروں کو نقصان پہنچا کر حاصل کرتے ہیں جتنے کم ہونگے اور ایسے اشخاص جن کا وسیلۂ معاش پیدا آور اور مفید اخلاق کام ہیں جتنے زیادہ ہونگے اتنا ہی اس کے حق میں بہتر ہے اور اتنی ہی زیادہ قوم خوشحال ہوگی۔

معاشیاتی اور غیر معاشیاتی ذرائع } چنانچہ کسب معاش کے مختلف ذرائع ہیں جو پہلی اور بنیادی تفریق کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ کون سے ذرائع غیر معاشیاتی اور غیر پیدا آور ہیں اور کونسے معاشیاتی اور پیدا آور ہیں۔ غیر معاشیاتی ذرائع بعض اوقات تباہ کن ہوتے ہیں۔ اور ان میں وہ تمام مشاغل شامل ہیں۔ جن میں کامیابی کا انحصار تباہ کرنے۔ ضرر پہنچانے اور دھوکا دینے کی طاقت پر ہوتا ہے۔ جنگ۔ قتل و غارت رہزنی اور جعلسازی کے تمام طریقے اس صنف میں شمار ہوتے ہیں۔ ان ذرائع کو "غیر معاشیاتی" اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے مطابق جب ایک شخص کوئی چیز حاصل کرتا ہے تو کوئی دوسرا شخص اس سے مستفید نہیں ہوتا بلکہ کسی نہ کسی شخص کو مضرت پہنچنا یقینی ہوتا ہے بعض دوسرے ذرائع گو ایجابی طور پر مہلک نہیں ہیں۔ تاہم غیر پیدا آور اور بے ثمر ضرور ہیں۔ ان معنوں میں کہ جو روزی ان کے مطابق جماعت سے حاصل کیجاتی ہے اس کے بدلے میں جماعت کو کوئی واقعی نقصان نہیں پہنچتا۔ شادی کے ذریعے مالدار ہو جانا۔ یا ورثہ میں دولت پانا یا اراضی کی قیمتیں چڑھ جانے سے نفع کثیر اٹھانا یہ سب اسی ذیل میں شمار ہوتے ہیں۔ معاشیاتی اور پیدا آور ذرائع وہ ہیں جن میں کامیابی کا دارومدار پیدا کرنے یا خدمت کرنے کی قابلیت پر ہو۔ تمام پیدا آور صنعتیں۔ تمام مفید تجارتی کاروبار اور پیشے اس صنف میں شامل ہیں۔ ان کو معاشیاتی ذرائع اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی بدولت جب کوئی فرد کوئی چیز حاصل کرتا ہے تو کسی دوسرے کو اس سے نقصان نہیں پہنچتا بلکہ کسی نہ کسی کو فائدہ یقینی ہوتا ہے۔ جو لوگ ان ذرائع سے

کسبِ معاش کرتے ہیں وہ دوسروں کو مفلس نہیں بناتے بلکہ ان کی دولت میں اضافہ کا باعث ہوتے ہیں ۔ ان پیداآور ذرائع سے کوئی شخص جتنا دولتمند ہوتا جائے ۔ اُتنی ہی دنیا دولت مند ہوتی جاتی ہے اور جس نسبت سے کوئی جماعت یا ساری دنیا یہ طریقے اختیار کرے گی اُسی نسبت سے وہ جماعت یا ساری دنیا مرفہ الحال ہوگی ۔ غیر معاشیاتی ذرائع پر اس قول کا عکس صادق آتا ہے ۔

قانون اور حکومت کا مقصد جس قدر تہذیب ترقی کرتی ہے ۔ جسقدر حسن انصاف زیادہ ہوتی جاتی ہے ایک قوم میں نیک بد کا امتیاز پیدا ہوتا جاتا ہے ۔ اور جسقدر قانون کے ضوابط اور حکومت کا نظم و نسق نشوو ارتقا پاتا ہے ۔ اسی قدر غیر معاشیاتی ذرائع کا سدِ باب کرنے اور صرف معاشیاتی ذرائع کو جائز قرار دینے کا رجحان ترقی کرتا جاتا ہے ۔ کسی حکومت کو ہم اسی حد تک انصاف پرور اور قابل کہہ سکتے ہیں ۔ جس حد تک وہ ان ذرائع میں باہم امتیاز کرے اور غیر معاشیاتی ذرائع کا استیصال کرے ۔ تا حال کسی حکومت نے ان میں سے کسی امر میں درجۂ کمال حاصل نہیں کیا ۔ تاہم چند حکومتیں مسلسل ترقی کر رہی ہیں ۔ بہر کیف ہر حکومت کا فرضِ اولین یہ ہے کہ اس کے ممالک محروسہ میں جو غیر معاشیاتی طریقے متداول ہوں اُن کا سدِ باب کرے ۔ حکومتیں بعض اوقات دوسرے ممالک میں غیر معاشیاتی طریقوں کی ترویج روا رکھتی ہیں ۔ بلکہ اُن کی اشاعت میں مدد دیتی ہیں ۔ یعنی دوسرے الفاظ میں یوں کہیئے کہ وہ ملک گیری کیلئے جنگ کرتی ہیں ۔ یہ بھی ایک غیر معاشیاتی طریقہ ہے اور اس کے انسداد کی طرف ترقی کی رفتار بہت آہستہ ہے ۔

دورِ حاضرہ کی حکومتیں بعض مرتبہ خود اپنی حدودِ ملک میں مختلف قسم کی دھوکہ بازیوں کو جائز قرار دیتی ہیں بہر حال یہاں اس اجمال کی تفصیل ضروری نہیں ۔ وہ توانا گداگر جو گذرنے والوں کے دل پر اثر کرنے کیلئے لولے لنگڑے کا روپ بھرتا ہے ۔ وہ جعلساز اور بددیانت جو دوسروں کی جہالت اور طمع سے فائدہ اٹھاتا ہے ۔ اور وہ قمار باز جو دوسروں کی ناتجربہ کاری اور عاقبت نا اندیشی کو اپنی غرض کا وسیلہ بناتا ہے ۔ یہ اس قماش کے

لوگ ہیں۔ جن کو برباد کرنے کیلئے اکثر مہذب ممالک کے قوانین کوشاں ہیں۔ لیکن وہ شخص جو مجہول الاجزا دوائیں بناتا ہے اور انہیں اکسیر مجربات کہہ کر بیچتا ہے۔ گھٹیا اور رملاوٹ والی چیزیں تیار کرتا ہے اور خالص کہہ کر فروخت کرتا ہے۔ سنسنی پیدا کرنے والی دروغ بافیاں کرتا ہے اور اُن کا نام معتبر خبریں رکھتا ہے۔ بعید از عقل توہمات کی تعلیم دیتا ہے اور انہیں مذہب سے موسوم کرتا ہے۔ القصہ وہ تمام شخص جو دوسروں کو دھوکا دیکر فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اسی ذیل میں آتے ہیں۔ یہ بیان کرنا غیر ضروری ہے کہ اس قسم کے کام سوائے اُن کے کرنے والوں کے باقی سب کیلئے بجائے نفع کے نقصان کا موجب ہوتے ہیں۔ یہ یکسر غیر معاشیاتی ہیں۔ اور ان پر عمل کرنے والے لوگوں کی تعداد جتنی زیادہ کسی ملک میں ہوگی اتنا ہی اس ملک کے حق میں بُرا ہے اور اتنا ہی مفلس ہونا چاہئیگا۔

معاشیاتی ذرائع کی تقسیم } کسب معاش کے معاشیاتی وسائل تین بڑے گروہوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں۔ یعنی ابتدائی صنعتیں۔ ثانوی صنعتیں اور ذاتی یا پیشہ وارانہ خدمت۔ ابتدائی صنعتیں جنہیں بعض اوقات اخراجی صنعتیں بھی کہتے ہیں۔ وہ ہیں جو زمین اور سمندر سے مفید مطلب مصالحہ کے نکالنے پر مبنی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ شکار۔ مچھلیاں پکڑنا۔ زراعت چوب بری اور کانکنی۔ ثانوی صنعتیں وہ ہیں جو ابتدائی صنعتوں کے مہیا کئے ہوئے مواد کو استعمال میں لاتی ہیں۔ اور اس کو ایسے مقامات پہ پہنچاتی ہیں۔ جہاں وہ کسی کام آسکیں یا ایسی صورت میں منتقل کرتی ہیں۔ جس میں وہ زیادہ مفید ثابت ہوسکیں۔ یا اس کو محفوظ رکھتی ہیں۔ تاآنکہ اس کی مانگ زیادہ ہو جائے اور وہ حسب ذیل ہیں۔

بار برداری۔ دستکاری۔ سوداگری۔ ذاتی اور پیشہ وارانہ خدمتوں کے فوائد اگرچہ اعلیٰ قسم کے ہیں تاہم وہ براہ راست مادی اشیا کے پیدا کرنے یا استعمال میں لانے پر مبنی نہیں ہیں۔ حجام۔ طبیب۔ معلم۔ گویا اور اس قسم کے اور بہت سے پیشہ ور اس طرح کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اساسی صنعتیں } وہ صنعتیں جو مادی دنیا سے مفید مواد حاصل کرتی ہیں ہمیشہ

اساسی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور یہ انسان کے گذارے کا اصل اور اولین وسیلہ تھیں۔

تمدن سے پہلے انسان کی جو حالت تھی۔ اس سے ہم بہت کم واقفیت رکھتے ہیں تاہم یہ خیال کرنا بعید از قیاس نہیں کہ انسان شروع شروع میں اپنی روزی یوں کماتا تھا۔ کہ یا تو ایسے پھل پھول اور جڑی بوٹیاں جمع کرتا جو بغیر زراعت کے خود بخود زمین سے پیدا ہوتی ہوں۔ یا وحشی جانوروں کا شکار کرنا یا مچھلیاں پکڑنا۔ اس دور میں انسان کی معاشی زندگی جانوروں کی زندگی سے چنداں مختلف نہ تھی۔ ان جانوروں کی طرح اسکی کامیابی کا انحصار اس امر پر تھا۔ کہ وہ اتنی مقدار میں یہ قدرتی چیزیں فراہم کرے جو اسکی قُوتِ لایموت کیلئے کافی ہوں جانوروں کا تعلق طبیعی دنیا کے ساتھ اب بھی وہی ہے جو قدیم الایام میں تھا۔ اور ان کی زندگی یا موت کا دار ومدار اب بھی اسی امر پر ہے۔ کہ اُن کو قدرتی اشیا بغیر کسی مشقت کے تیار کی تیار ملتی ہیں یا نہیں۔ برخلاف اس کے انسانوں نے ایک فاعلانہ عمل اختیار کر لیا ہے۔ اور اپنے ماحول کو اپنی ضروریات کے مطابق بنا لیا ہے۔ جانوروں نے فقط چند مبتدیانہ کام انجام دیئے ہیں۔ مثلاً بل کھودنا۔ گھونسلا بنانا۔ یا ایسی جائے پناہ بنا لینا جیسی کہ اودبلاؤ بناتا ہے۔ اس کے سوا اُنہوں نے اپنے طبعی ماحول کے بہتر بنانے کیلئے کوئی کوشش نہیں کی۔ زمانۂ ماقبل تمدن میں انسان کی حالت چاہے کچھ بھی کیوں نہ رہی ہو لیکن آج تو غیر متمدن سے غیر متمدن ملک کے لوگ بھی اس امر میں جانوروں سے بہت آگے نکل گئے ہیں وہ یہی نہیں کہ اپنے لئے رہنے کی جگہ بنا سکیں۔ بلکہ اوزار اور ہتھیار بناتے ہیں۔ آگ جلا لیتے ہیں اور چند کس کے سوا باقی کے تمام کسی نہ کسی طرح کے کپڑے بھی تیار کر سکتے ہیں۔ اور زیادہ ترقی یافتہ اقوام نے تو اپنے حالاتِ گرد وپیش کی اصلاح وترمیم اس درجہ کی کامیابی حاصل کی ہے کہ گویا اپنے لئے ایک نئی اور پہلے سے بدرجہا اچھی دنیا بنالی ہے۔

تبدیلِ ماحول ادبیات میں یہ ایک مرغوب اور دلچسپ حکایت ہے۔ کہ آپ[1] وان ونکل

---

[1] ریپ امریکہ کے مشہور مصنف واشنگٹن ارون کے افسانہ کا ایک ہیرو ہے امریکہ کی تحریک آزادی کے آغاز میں وہ اپنی بیوی کے ہاتھوں تنگ آکر ایک پہاڑ کی طرف نکل گیا۔ وہاں جن پریوں نے اسے ایسی شراب پلادی جس کے نشے نے اسے مدتوں سلائے رکھا۔ جب وہ جاگا اور اپنے گھر کو لوٹا تو دنیا بدل چکی تھی۔ برطانوی حکومت کا دور امریکہ میں گذر چکا تھا اور اسکی جگہ نظامِ جمہوریت قائم ہو چکا تھا۔ (مترجم)

کی طرح کوئی شخص ایک معاشرتی یا سیاسی انقلاب کے آغاز میں سو جاتا ہے اور پھر ایسا مردوں سے شرط باندھ کر سوتا ہے کہ جب آنکھ کھولتا ہے تو انقلاب اس وقت تک مکمل طور پر صحت پذیر ہو چکتا ہے اور وہ کیا دیکھتا ہے کہ جگہ تو وہی پرانی جگہ ہے۔ لیکن اب اس میں ایک نئی دنیا آباد ہے۔ لیکن ہم یہ واضح کرنے کیلئے کہ ہماری تہذیب زندگی دورِ ماقبل تمدن کی زندگی سے کس حد تک مختلف ہے اس سے بہت سادہ طریقہ اختیار کرینگے۔ ہم یہ تصور کریں گے کہ ایک فلسفی مزاج وحشی فضائے بسیط میں کسی طیارے کے ذریعے اڑتا ہوا آتا ہے اور کسی ایسے مرکزی مقام پر اتار دیا جاتا ہے جہاں تہذیب حاضرہ اپنی مکمل ترین شکل میں جلوہ گر ہے۔ یوں خیال کیجئے کہ وہ کسی بڑے شہر کے ایک نہایت بارونق چوک میں آتا ہے۔ جہاں گھاس کی قدرتی چادر کے بجائے پتھر کا فرش ہے۔ تہ خانوں اور زمین دوز راستوں۔ بدرؤوں اور نالیوں کی کثرت سے زمین شہد کے چھتے کی ہم صورت بن رہی ہے۔ جہاں کئی کئی منزل کے مکانات آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور سطح فلک زمین سے اونچی ریل کی لائینوں۔ تار کے کھمبوں اور دوسری حایل اشیاء کی وجہ سے آنکھوں سے اوجھل ہو گئی ہے۔ یا یوں تصور کیجئے کہ وہ ایک عدالت میں پہنچتا ہے۔ جہاں جان ڈو اور رچرڈ رو کے لامتناہی مقدمات میں سے ایک مقدمے کی سماعت ہو رہی ہے اور وکلاء کے عالمانہ بحث و مباحثہ کے ضمن میں سنداتِ قدیم اور نئی نظیروں کا دفتر بے پایاں کھلا ہوا ہے۔ یا یوں اپنے ذہن میں سما باندھیئے کہ وہ ایک دفترِ مبادلۂ اجناس (STOCK EXCHANGE) میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں انتہائی موٹاپے سے لیکر انتہائی دُبلے پن تک کے تمام درجوں کے آدمی جو ایسے حقوق کے خریدنے یا بیچنے میں مصروف ہیں۔ جو مادی صورت میں محسوس نہیں کیئے جا سکتے۔ تاکہ اپنی مالکیت کے ثبوت ملکیت کی غیر محسوس صورتوں میں بہم پہنچائیں! اور اپنے آپ کو یہ خیال کر کر کے دھوکا دیتے ہیں کہ ان طریقوں سے ساری دنیا کی خوراک اور پوشاک مہیا ہوتی ہے۔ اب ہم اپنے دوست فلسفی مزاج وحشی کی حیرت اور استعجاب کا اندازہ کرنے کی کوشش کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ جسے تہذیب زندگی کہتے ہیں وہ کس قدر پیچیدہ اور مصنوعی چیز ہے؟

اور ہمیں یہ بھی پتہ چل جائیگا کہ اس تہذیب زندگی کے تمام شعبوں کا تعلق براہ راست یا بالواسطہ کسبِ معاش کے ساتھ ہے۔

انسان نے روزی کی جستجو میں روئے زمین کو کچھ کا کچھ کر دیا ہے اور اُسے اپنی ضرورتوں کے حسبِ حال بنا لیا ہے۔

انسان فطرت پر کیوں غالب ہے؟

انسان نے بحیثیت نوع جو یہ اہم کام انجام دیا ہے تو یہ سب اس امر کے طفیل ہے کہ اس کو فطرت کی قوتوں پر قبضہ کرنے اور انہیں استعمال میں لانے کا گر معلوم تھا۔ اس نے سلسلہ علت و معلول کا بغور مطالعہ کیا۔ اس نے یہ دیکھا کہ خاص خاص حالات و عوارض کے ہونے کی صورت میں خاص خاص خاطر خواہ نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس لئے اس نے یہ اہتمام کیا کہ وہ حالات و عوارض پیدا کرے تاکہ مطلوبہ نتائج مرتب ہوں۔ اس نے بعض میکانی کے اصولوں سے استفادہ کیا۔ مثلاً کمان کی لچک۔ کلہاڑی کے کاٹنے کی طاقت۔ ڈھینکلی کی اُٹھانیکی قوت اور ان کی بدولت اُسے کائینات فطرت پر کسی قدر غلبہ حاصل ہوا۔ جسے اُس نے بالآخر درجہ بدرجہ ترقی کے بعد تکمیل کی حد تک پہنچا دیا۔ حتّٰی کہ اب وہ یہ محسوس کرنے لگا ہے کہ اگر چاہے تو ضرور اپنی دنیا طیار کر سکتا ہے۔ کم از کم جس دنیا میں وہ رہتا ہے اس کو از سر نو تعمیر کر سکتا ہے۔ اور اپنے لئے ایک نئی اور پہلے سے بہتر رہنے کی جگہ بنا سکتا ہے۔ جہاں بیش از بیش اور اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کی خوراک پیدا ہوتی ہوتی ہو۔ جہاں جھاڑیوں اور غاروں کے بجائے مصنوعی مکانات ہوں۔ جن میں مصنوعی گرمی اور روشنی ہو۔ اور جہاں دھوپ اور سردی۔ کانٹوں اور کیڑوں مکوڑوں سے بچنے کیلئے کپڑے پہنے جاتے ہوں۔ علاوہ بریں اُسکی دنیا ایک ایسی دنیا ہے۔ جس سے موذی جانوروں کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔ اور رہے سہے خطرناک کیڑے مکوڑے اور زہریلے جانور گھٹتے ہیں۔ اُن کا نام و نشان بھی یقیناً بہت جلد معدوم ہو جائیگا اور جہاں نقل و حمل کے مصنوعی ذرائع ایسے ہیں کہ وہ اگر

قدرتی ذرائع کا بدل نہیں تو اُن کا تتمہ ضرور ہیں۔
معاشیات کے طالب علم کا رجحان زیادہ تر اس فلسفے کی طرف ہوتا ہے کہ انسان کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فرض زمین کو اپنے قبضے میں لانا اور اپنے لئے کار آمد بنانا ہے۔ اس فلسفے کے مطابق تمام کردار انسانی۔ تمام ادارات اجتماعیہ بلکہ تمام اخلاقی ضابطوں کی صحت کا معیار یہ سوال ہے کہ آیا یہ چیزیں اس کام میں جو نوع انسانی کے پیش نظر ہے مدد دیتی ہیں یا رکاوٹ پیدا کرتی ہیں؟ اگر وہ مدد دیتی ہیں تو وہ اچھی اور درست ہیں۔ اگر رکاوٹ پیدا کرتی ہیں تو بُری اور نادرست ہیں لیکن یہ زمین کو اپنے قبضۂ اختیار میں لانے کا کام کسب معاش کے کام کا فقط ایک جزو ہے۔ کیونکہ جیسا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ کسبِ معاش کے معنی ہیں۔ اپنے ارد گرد کی مادی دنیا سے گزران زندگی۔ آرام اور عیش و مسرت کے سامان بہم پہنچانا۔

بدویت کا دور جو لوگ شروع شروع میں شکار سے روزی کماتے تھے۔ یعنی جنکی خوراک زیادہ تر غذائے حیوانی تھی۔ اُن کے صنعتی ارتقا کی دوسری منزل عموماً بدویت کی زندگی ہوتی تھی۔ یہ وہ دور تھا کہ جس میں انسان کی گذران زیادہ تر پالتو اور گھریلو جانوروں کی گلہ بانی اور پرورش پر تھی۔ یہ کام مختلف وجوہ کی بنا پر شکار سے زیادہ پیدا آور اور با کفایت تھا۔ اوّل لوگ اس کے ذریعے اپنے کام کے جانوروں کو موذی جانوروں کی دستبرد سے محفوظ رکھ سکتے تھے۔ دوسرے وہ وحشی جانوروں کو جو کم کار آمد تھے جنگل کی طرف نکال دیتے تھے۔ اور اس طرح وہ گھاس جو اُن کے پالتو جانوروں کو درکار تھی بچی رہتی تھی۔ ان ترکیبوں سے ہر علاقے میں کار آمد جانوروں کی تعداد بڑھنا شروع ہوئی اور انسانوں کیلئے پہلے سے زیادہ بہتر گذران کا انتظام ہو گیا۔ نہ صرف یہ کہ ان کی روزی کی مقدار میں اضافہ ہوا بلکہ اس کے مہیا کرنے میں زیادہ باقاعدگی اور سہولت پیدا ہو گئی۔ زمانۂ بدویت کی صنعت و حرفت۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ صرف اس امر پر مشتمل تھی کہ خاص قسم کے جانوروں کو ترجیح دی جائے اور دوسرے جانوروں کو جو ان کی افزائش نسل اور نشوونما میں

خارج ہوں نکال دیا جائے۔ بعدہٗ دیکھا گیا کہ بعض پودے جانوروں کے چارہ یا انسان کی خوراک کے طور پر دوسرے پودوں کی بہ نسبت زیادہ مفید ہوتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان پودوں کی تعداد میں اضافہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ دوسرے پودے جو زمین پر قبضہ جمانے کے لئے مفید پودوں کے ساتھ برسرپیکار تھے۔ انکے دور کرنے کا تدارک کیا جائے۔ جب انسان نے ان مفید پودوں کو ترجیح دینا۔ ان کے لئے زمین تیار کرنا اور بیکار پودوں کا دور کرنا شروع کر دیا تاکہ مفید پودوں کی تعداد میں ترقی ہو تو اس وقت زراعت ظہور میں آئی۔ آج تک زراعت انہی کاموں پر مشتمل ہے۔ اور جس طرح جانوروں کا پالنا شکار سے بہتر طریقہ تھا۔ اسی طرح زراعت جانوروں کے پالنے پر ایک اصلاح تھی۔ جتنے مفید پودے پہلے اُگتے تھے۔ اُن سے کہیں زیادہ اُگنے لگے تو اس طرح گذران زندگی کے سامان میں معتدبہ اضافہ ہوا۔ اور یہ اضافہ آج تک لاانتہائی طور پر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جو قومیں اپنی روزی شکار کے ذریعے سے نہیں بلکہ خودرو پھلوں اور جڑی بوٹیوں سے حاصل کرتی تھیں۔ وہ غالباً بغیر بدویت کی منزل کو طے کئے براہ راست دورِ زراعت کو پہنچ گئیں۔

شکار اور مچھلیاں پکڑنے کا طریقہ ناقص تھا

یہ امر کہ شکار اور مچھلیاں پکڑنے کا وحشیانہ ذریعہ معاش نہایت ناقص اور ناکافی ہے۔ ذیل کے امور پر غور کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ ارباب رائے کا خیال ہے کہ ریاستہائے متحدہ کے اس حصے میں جو مسسپی اور مسوری کے مشرق کی طرف واقع ہے۔ کسی زمانے میں بھی انڈین وحشیوں کی تعداد ۵ لاکھ سے متجاوز نہیں ہوئی۔ لیکن یہ مختصر سی تعداد بھی اپنے وسائل معاش کی بدولت جو زیادہ تر شکار اور مچھلیاں پکڑنے پر مشتمل تھے بمشکل اتنی خوراک حاصل کر سکتی تھی کہ جس سے گذارہ چل سکے۔ ہر قبیلہ کو اپنی شکارگاہ کی حفاظت کیلئے مستعد رہنا پڑتا تھا۔ کہ کہیں دوسرے قبیلے حملہ آور نہ ہو جائیں اور اسے اپنی زندگی کے آسرے سے محروم نہ کر دیں۔ لیکن زمانۂ حاضرہ میں یہی رقبہ چھ کروڑ آدمیوں کے لئے سامان

معاش مہیا کرتا ہے۔ اور اس کے مزرعوں سے اس عظیم آبادی کی خوراک اور پوشاک کا جُوو غالب پیدا ہوتا ہے۔ یہ محال قطعی ہے کہ کوئی ملک جس کا رقبہ اتنا ہو چاہے وہ قدرتی طور پر کتنا ہی حاصل خیز کیوں نہ ہو۔ شکار اور مچھلیاں پکڑنے کے وسائل سے اتنی بڑی آبادی کے لئے گذرانِ زندگی کا سامان مہیا کر سکے۔

فی زمانہ مہذب ممالک میں تمام اخراجی صنائع سے زیادہ اہمیت کاشتکاری نے حاصل کر رکھی ہے۔ بعض قلیل التعداد جماعتوں میں یہ بہت ممکن ہے کہ چوب بری اور کانکنی کاشتکاری کو پسِ پشت ڈال دیں۔ لیکن بڑے رقبوں میں اور طویل مدت کے لئے تمام اخراجی صنائع میں سے کوئی زراعت کا پاسنگ بھی نہیں۔ علاوہ بریں چوب بُری (جس کو جنگل داری FORESTOR سے جو کاشتکاری کی ایک صنف ہے ممتاز سمجھنا چاہیئے) اور کانکنی یہ دونو وسائل قدرتی کے اس ذخیرے کو جسے یہ نکالتی ہیں یکدم ختم کر دیتی ہیں۔ یعنی ایک بار نکل کر پھر وہ اُن کے مصرف کا نہیں رہتا۔

کاشتکاری کا معاملہ ان سے جداگانہ ہے۔ اگر زمین کی حفاظت عقلمندی سے کی جائے تو اس کی قوتِ نمو کو برقرار رکھا جا سکتا ہے بلکہ بہتر بنایا جا سکتا ہے اسلئے کاشت کا کام ایک غیر متعین اور غیر محدود مدت تک جاری رہ سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ زراعت پیشہ جماعتوں کی امتیازی خصوصیت اُن کا ثبات و قیام ہے۔ برخلاف اس کے چوب بُروں اور کانکنوں کی جماعتوں کی خصوصیت ان کا عدمِ ثبات ہے۔

زراعت کی اہمیت عظیمہ

اگر ہم دنیا پر ایک عام حیثیت سے غور کریں یا اُس کے کسی ایسے خطے پر غور کریں جو اپنی روزی کا آپ کفیل ہو۔ تو ہمیں معلوم ہوگا کہ مقابلۃً ثانوی حرفتوں کے زراعت اب بھی بدرجہا زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن زراعت چند اسباب کی بنا پر جن سے آگے چل کر بحث کی جائیگی۔ یہ فوقیت آہستہ آہستہ ضائع کر رہی ہے اب بھی بعض ایسے خطے ہیں۔ بلکہ بعض ایسے ممالک ہیں جہاں بہ نسبت اس مقدار کے جو صرف ہوتی ہے مصنوعی چیزیں بہت زیادہ بنائی جاتی ہیں اور پیداوار بہت

کم ہوتی ہے ۔ یہ ملک اپنی ضرورت سے زائد مصنوعی اشیاء دیگر دوسرے خطوں یا دوسرے ممالک سے جہاں زمین زیادہ ہے اور آبادی کم فاضل زرعی پیداوار لیتے ہیں ۔ ایسے خطوں یا ممالک میں یہ ہو سکتا ہے کہ زراعت کی حیثیت کچھ مدت کیلئے ادنیٰ اور دوسرے درجہ کی ہو کر رہ جائے ۔

زراعت کیوں زوال پذیر ہے؟

مزید براں جیسے جیسے تہذیب ترقی کرتی ہے اور لوگ اپنے استعمال کے لئے عمدہ تر مصنوعات طلب کرتے ہیں ۔ فنون دستکاری ۔ تجارت اور باربرداری بمقابلہ اخراجی صنائع کے زیادہ اہمیت اور عظمت حاصل کرتے جاتے ہیں ۔ اس غرض کیلئے کہ دنیا جن مصنوعات کو طلب کرتی ہے ان کو بہم پہنچایا جا سکے یہ ضروری ہے کہ وہ موادِ خام جو اخراجی صنائع فراہم کرتے ہیں ۔ اس کو آمیزش سے پاک و صاف کر کے عمدہ اور خالص بنایا جائے ۔

یہ گو کلی طور پر نہیں تاہم بالعموم ثانوی دستکاریوں کا کام ہے اور اس طرح ان کی اہمیت بمقابلہ اخراجی صنائع کے زیادہ ہوتی جاتی ہے ۔ تاہم عمدہ تر مصنوعات کی یہ طلب کاشتکاری کے بعض عمدہ اقسام مثلاً بازاری سبزی ترکاری کی کاشت پھلوں کی کاشت ۔ دودھ پیدا کرنا وغیرہ ۔ ان کیلئے زبردست محرک ثابت ہوتی ہے ۔ مثال کے طور پر اعلیٰ سے اعلیٰ دودھ پیدا کرنے کیلئے بہ نسبت معمولی قسم کا دودھ پیدا کرنے کے زیادہ محنت درکار ہوتی ہے اور جب بازار میں اچھی قسم کے دودھ کی مانگ ہو اور معقول دام ملتے ہوں تو اس صورت میں ڈیری کے کام میں زیادہ آدمی مشغول ہوں گے ۔ اور یہ صنعت ان حالات کے ماتحت اہمیت میں ترقی کریگی ۔ گو دودھ جتنا اب پیدا ہوتا ہے اُس سے زیادہ پیدا نہ ہو ۔

اس سے ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجہ کے تمدن اور اعلیٰ درجے کے معیار زندگی سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ صرف ثانوی صنعتوں ہی کا حصہ نہیں ہوتے ۔ گو انہیں ان سے سب سے زیادہ نفع پہنچتا ہے ۔ بہر حال بعض دوسرے اسباب

ایسے ہیں جو ثانوی صنعتوں کی ترقی میں ممدو معاون ہیں۔ اور ابتدائی صنعتوں کے حق میں مضر۔ ان کی فہرست میں زراعتی کلوں کی ایجاد ہے جو شہر سے بنکر آتی ہے اور جن کے ذریعے کاشت میں محنت کی بہت بچت ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بمقابلہ شہر کی آبادی کے گاؤں کی آبادی میں تخفیف ہونے لگتی ہے۔ مستقبل بعید میں حالات چاہے کچھ بھی ہوں۔ فی زمانہ اگر دنیا پر مجموعی حیثیت سے غور کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ زراعت سب صنعتوں اور حرفتوں پر فوق رکھتی ہے۔

دوسرے افراد سے روزی حاصل کرنا اس باب کے آغاز میں یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ جب ہم انسان پر بحیثیت نوع غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اپنی روزی مادی دنیا سے حاصل کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اسکی انفرادی حیثیت کو لیا جائے تو پتہ چلیگا کہ اس صورت میں بھی جب وہ کسبِ روزی کے کسی معاشیاتی طریقے پر کاربند ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنی روزی مادی دنیا ہی سے حاصل کرے۔ اور اسکی انفرادی کامیابی ہر حالت میں اس امر پر نہیں کہ اسے قوائے فطری پر کہاں تک اقتدار و اختیار حاصل ہے۔ بعض اوقات اسکی کامیابی اس امر پر منحصر ہوتی ہے کہ وہ دوسرے ابنائے نوع پر کہاں تک غلبہ و اقتدار رکھتا ہے اور بعض اوقات اس امر پر کہ وہ ان کو کہاں تک خوش کر سکتا ہے۔ دوسرے انسانوں پر غلبہ و اقتدار رکھنا۔ ان معنوں میں کہ ان پر حکومت کرنا۔ ان کو راہ راست اختیار کرنے کی ترغیب دینا۔ ان کی صحیح صحیح طور پر رہنمائی کرنا۔ اور ان کو مزید مساعی کی تحریک کرنا۔ یہ کام فطرت کے تسخیر کرنے اور زمین کو از سرِ نو تعمیر کرنے کے کار عظیم میں ایک بہت بڑی اعانت ہے اور جو شخص اس کام کے کرنے کے قابل ہیں وہ دنیا کے سب سے بڑے آدمی ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ عموماً عالمِ فطری سے بہت کم واقفیت اور قوائے فطری کے مغلوب و محکوم بنانے کی طرف بہت کم میلان رکھتے ہیں۔ تاہم وہ انسانوں کو خوب جانتے ہیں۔ وہ دلِ انسانی کے راز آشنا ہوتے ہیں اور ان قوتوں کو جو جماعت انسانی پر حکمران ہیں اپنے تابع فرمان کرنے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ انسانوں کو

خوش کرنا۔ بلکہ ان کی تفریح طبع کا سامان بہم پہنچانا بھی بعض اوقات اس کارِ عظیم میں ممد و معاون ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اسکی بدولت کام کرنے والوں میں تازہ جوش اور نئی روح پیدا ہو جائے۔

وہ مشاغل جن میں انفرادی کامیابی کا انحصار قوائے فطری اور اشیاء سے مادّی کے مغلوب کرنے کی مہارت پر ہے۔ اور وہ مشاغل جن میں کامیابی قوائے اجتماعیہ اور انسانوں کو مطیع فرمان کرنے کی قابلیت پر موقوف ہے ان دونوں کے درمیان حد فاصل قائم کرنا بہت مشکل کام ہے۔ ہر شخص کی کامیابی۔ باستثنا اس شخص کے جس نے کسی غیر آباد ویرانے کی سیاحت اور انکشاف کا بیڑا اٹھایا ہو۔ کسی نہ کسی حد تک اس امر پر منحصر ہے کہ اس میں کہاں تک اپنے آپ کو اجتماعی و طبیعی حالات و عوارض کے مطابق بنانے کی صلاحیت ہے۔ بعض وہ کہاں تک دوسرے افراد انسانی سے اور اشیائے مادّی سے عہدہ برا سکتا ہے۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں۔ سوائے سیاسی رہنماؤں کے جس کی کامیابی کا دارو مدار کسی نہ کسی حد تک قوائے فطری اور خواص اشیا کے علم اور اس علم کے عمل میں لانے کی استعداد پر نہ ہو۔ تاہم بعض مشاغل ایسے ہیں۔ جن میں کامیابی کا انحصار اولاً اس بات پر ہوتا ہے کہ اشیائے مادّی پر قدرت حاصل ہو اور بعدہٗ اسباب پر کہ قدرے قلیل انسانوں پر بھی قدرت حاصل ہو۔ اور اس کے بالعکس بعض مشاغل ایسے ہیں جن میں کامیابی اس بات پر منحصر ہے کہ پہلے انسانوں پر اور بعدہٗ اشیاء سے مادّی پر قدرت حاصل ہو۔ ملّاح۔ مکینک۔ انجینیر اور تجرباتی سائینس کا عالم یہ سب قسم اوّل میں شامل ہیں۔ دوسری قسم میں علاوہ سیاست دان کے جو اس کی سب پر فائق نظیر ہے۔ قانون پیشہ۔ ایکٹر۔ واعظ۔ مدرّس اور دلّال شمار ہو سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں تمام وہ لوگ جن کا کام زیادہ تر باتیں بنانے پر مبنی ہے اور جن کی کامیابی اکثر و بیشتر فطرتِ انسانی کے نبض شناس ہونے پر موقوف ہوتی ہے

اس موضوع پر طامس کارلائل کے الفاظ نہ صرف نصیحت آمیز ہیں۔ بلکہ طبع سلیم کیلئے مہمیز ہیں:۔

میں صرف دو شخصوں کی عزت کرتا ہوں اور کسی تیسرے کی عزت نہیں کرتا۔ اوّل تو وہ مشقت زدہ دستکار جو انسانوں کے بنائے ہوئے اوزاروں سے انتہائی محنت کے ساتھ روئے زمین کو فتح کرتا ہے اور اُسے انسان کی ملکیت بناتا ہے قابلِ تعظیم ہیں میرے نزدیک وہ کھُردرے ٹیڑھے میڑھے اور بھونڈے ہاتھ جن میں ایک ایسا جوہر پنہاں ہے جو کسی وصفِ شاہانہ سے کم نہیں۔ یہ ہاتھ کرۂ ارض کا عصائے فرمانروائی ہیں اور قابلِ تعظیم ہے میرے لئے وہ کھُردرا چہرہ جس کی رنگت موسم نے سیاہ کردی ہے جو گرد و غبار میں اٹا ہُوا ہے۔ اور جس نے گنوار پن لیکن اس کے ساتھ ہی ذہانت ٹپک رہی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ چہرہ اس شخص کا چہرہ جو حقیقی معنوں میں انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ میرے مظلوم بھائی تو جتنا زیادہ بے سلیقہ اور اُجڈ ہے۔ اتنا ہی تو قابلِ عزت ہے۔ جتنا ہم تجھ پہ رحم کھاتے ہیں۔ اتنی ہی ہم تجھ سے محبت کرتے ہیں۔ آہ۔ تیری کمر جھکی تو ہماری خاطر۔ تیرے ہاتھ پاؤں اور تیری انگلیاں اگر ٹیڑھی ہوئیں تو ہماری خدمت کرتے کرتے۔ تو وہ غازی تھا جس کے نام پر بنی نوع کا قرعۂ فال پڑا۔ اور ہمارے لئے جنگ کرنے میں تیری یہ ہیئت کذائی ہو گئی۔

ایک دوسرا شخص بھی ہے۔ جسکی میں عزت کرتا ہوں اور پہلے شخص سے کہیں زیادہ۔ یہ وہ شخص ہے جو ضروریاتِ روحانی کیلئے جد و جہد کر رہا ہے۔ قوتِ لایموت کیلئے نہیں بلکہ غذائے معنوی کیلئے۔ وہ شخص جو تسکین باطن کیلئے کوشش کر رہا ہے اور اپنے افعال و اقوال میں اپنی تمام کوششوں میں چاہے وہ اعلیٰ قسم کی ہوں یا ادنیٰ قسم کی۔ اس جمعیت کا اظہار کر رہا ہے۔ کیا وہ اپنا فرض انجام نہیں دے رہا؟ وہ اپنا فرض اس وقت باحسن وجوہ انجام دیتا ہے جب اس کی ظاہری و باطنی مساعی متحد و موافق ہوں۔ جب ہم اس کا نام صنّاع رکھ سکیں۔ فقط ارضی و سفلی دستکار نہیں۔ بلکہ الہامی قوتیں رکھنے والا صاحبِ فکر۔ جو آسمانی آلات کے ساتھ آسمان کی مملکت کو ہماری خاطر فتح کرتا ہے۔ اگر غریب اور عاجز محنت و مشقت کرتے ہیں۔ کہ ہمارے لئے خوراک مہیا کر سکیں۔ تو کیا اونچے رُتبے

اور شان و شوکت والوں کو یہ زیبا نہیں کہ اسکی خاطر محنت و مشقت کریں تاکہ اُسے نورِ بصیرت - ہدایت - آزادی اور حیاتِ جاوید حاصل ہو۔

یہ ہیں وہ دو شخص جن کی تعظیم میں کرتا ہوں - باقی سب ہیچ مہلوچ اور خس و خاشاک ہیں - جنہیں ہوا جدھر چاہے اُڑا ئے لئے پھرے +

(”سارٹر ریسارٹس“)

۲- کاشتکاری ذریعۂ معاش کی حیثیت سے

زراعتی کامیابی کے لوازم) کسی مہذب ملک کے بڑے بڑے کاموں میں کوئی کام ایسا نہیں جس میں کامیابی کا انحصار اپنے بنی نوع سے واقفیت رکھنے پر اس قدر کم اور اپنے طبعی ماحول سے واقفیت رکھنے اور اپنے آپ کو اس کے مطابق بنانے کی صلاحیت پر اس قدر زیادہ ہو جتنا کہ کاشتکاری میں ہے۔ کوئی اور مشغلہ ایسا نہیں جس میں فطرت سے اسقدر زیادہ اور انسانوں سے اسقدر کم واسطہ پڑتا ہو۔ اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام دوسری جماعتوں کے افراد کے مقابلے میں دہقان آداب شائستگی اور فضائل مجلس بہت کم حاصل کرتا ہے وہ اپنے ہمجنسوں سے راہ و رسم رکھنے میں اتنا سمجھدار اور ہوشیار نہیں ہوتا اور آداب مجلس کی پیچیدگیوں سے اسقدر واقف نہیں ہوتا جتنے دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔ جو شخص دوسرے ابنائے جنس سے روزی حاصل کرتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ تفریح قلوب کے فن میں ید طولے رکھتے ہوں۔ یہ ان کے کاروبار کا ایک جزو لازمی ہے۔ برخلاف اس کے جو شخص اپنی روزی زمین سے حاصل کرتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی توجہ کا مرکز زمین اور اس کے متعلقات کو بنائیں اور جو مہارت و واقفیت وہ حاصل کریں اس کا بجائے اجتماعی راہ و رسم کے ان چیزوں سے زیادہ تعلق ہونا چاہیئے یہی وجہ ہے کہ شہری لوگوں کو اکثر دیہاتیوں پر گنوار اور اجڈ کی پھبتی کہنے کا موقعہ ہاتھ آجاتا ہے۔

بہرحال زمانۂ حال کے تجارتی کاشتکار میں یہ خصوصیت بہ نسبت پہلے زمانے کے آزاد کاشتکار کے جو تجارت سے مستغنی ہوتا تھا کم نمایاں ہوتی جارہی ہے اگلے وقتوں کا کاشتکار جو صرف کاشت پر گذارہ کرتا تھا اپنے کھیتوں میں ہر وہ چیز جو اس کے اور اس کے گھر کے آدمیوں کے مصرف کی تھی پیدا کرتا تھا۔ چونکہ اُسے خرید و فروخت کی ضرورت مطلق نہ

تھی۔ اور سفر کا اتفاق بہت کم ہوتا تھا اسلئے اُسے دوسرے لوگوں سے ملنے کا چنداں موقع نہ ملتا تھا اور اس بنا پر اُسے شائستگی کا نہ کوئی اقتصادی فائدہ تھا نہ اس کے حاصل کرنے کی کوئی صورت۔ بہر حال دورِ موجودہ میں زراعت کا رجحان روز بروز اختصاصیت کی طرف زیادہ ہوتا جارہا ہے یعنی ایک ایسے نظام کی طرف جس کے مطابق ہر مزرعہ صرف وہ پودے پیدا کرے جس کیلئے وہ سب سے زیادہ موزون و مناسب ہو۔ ظاہر ہے کہ اس نظام کے مطابق ہر کاشتکار خاص خاص اجناس بہ نسبت اُس مقدار کے جو وہ خود صرف کرے زیادہ پیدا کرتا ہے اس لئے اُسے اپنی ساری پیداوار یا اس کا بڑا حصہ فروخت کرنا پڑتا ہے۔ تاکہ اس کی قیمت سے وہ دوسرے سامانِ ضروری خرید سکے۔ اس امر کے لئے بہت خرید و فروخت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس طرح کاشتکار روز بروز انسانوں اور اشیائے مادّی سے روز بروز زیادہ واسطہ پڑنے لگا ہے زمانۂ حاضرہ میں یہ امر کاشتکار کو جماعت انسانی کی نقل و حرکت۔ اس کے رسوم و آئین اس کے بازاروں کے اُتار چڑھاؤ اسکی تجارتی اور سیاسی تحریکوں اور اس کے علمی انکشافات سے زیادہ واقفیت حاصل کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ ان حالات کی بنا پر شہری اور دیہاتی کی قدیم تفریق جو دیہاتی کے آداب شائستگی سے عاری ہونے پر مبنی تھی۔ آہستہ آہستہ مٹ رہی ہے۔ اور غالباً بہت جلد نیست و نابود ہو جائیگی

کاشتکار کس اعتبار سے خود مختار ہے اور کس اعتبار سے نہیں؟

سلسلۂ بحث میں یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ کاشتکار کہاں تک آزاد اور خود مختار ہے گذشتہ ایام میں جب زراعت ایک ایسا کام تھا جو قائم بالذات تھا۔ اور کسی دوسرے کام کا محتاج نہ تھا۔ کاشتکار تمام دوسری جماعتوں کے مقابلے میں تجارتی۔ اجتماعی اور سیاسی حالات کے یعنی اُن حالات کے جو انسانوں کی دنیا میں موجود ہوں۔ بہت کم پابند ہوتے تھے۔ صنعت و حرفت میں اگر کوئی بدنظمی ہوتی۔ مالی حالات میں اگر کوئی خطر کی صورت پیدا ہوتی۔ تجارت میں اگر کساد بازاری ہوتی تو ان کو خبر بھی نہ ہوتی تھی

اس قبیل کے تمام واقعات ان لوگوں کے لئے جن کی روزی کا سرچشمہ زمین تھی کچھ معنی نہ رکھتے تھے۔ اس نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو کاشتکار فی الواقعہ آزادانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن دوسری طرف وہ واقعات جو مادی دنیا میں ظہور پذیر ہوتے اسکے لئے بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ اور یہ تمام دوسری جماعتوں سے زیادہ ان کا تابع و محتاج تھا۔ طغیانی۔ خشک سالی۔ طوفان۔ بے وقت کی کہر۔ موسم کے غیر معمولی تغیرات۔ اور اس قسم کے بیشمار حالات اس کیلئے خطرے کی صورت پیدا کئے رکھتے تھے۔ اور اسے ہمیشہ اپنی محنت کے اکارت جانے اور اپنے حاصل کی تباہی کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ موسم کے بدلتے ہوئے تیور ہر وقت ان کی نگاہوں میں رہتے تھے۔ اس لئے موسم کے متعلق پیشین گوئی کرنے میں اس سے زیادہ ماہر شاید ملاح ہوں تو ہوں ورنہ اور کوئی نہ تھا۔ یہ موضوع اور فصل کی حالت بس یہ دو دیہاتیوں کی گفتگو کے بڑے بحث ہوتے تھے۔ اس سے دیہاتیوں کی کسر شان مقصود نہیں اور انہیں اس کا برا نہ ماننا چاہیئے۔ یہ وہ موضوع ہیں جو شہری لوگوں کی گفتگو کے عام مباحث سے کہیں زیادہ اہم اور دلچسپ ہیں۔ خراب موسم سے پودوں کی حفاظت کرنا تو ایک کام تھا۔ اس کے علاوہ کاشتکار کو خودرو گھاس پات کرم اور کیڑوں مکوڑوں۔ فصلیں ناس کر دینے والے جانوروں اور پرندوں۔ پھپھوندی اور اس قسم کی بیشمار نباتی بیماریوں کے خلاف متواتر جنگ کرنی پڑتی تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ کاشتکار کو اگر آزادی حاصل تھی تو وہ مکمل اور مطلق آزادی نہ تھی۔ وہ اگر آزاد تھا تو ان چیزوں سے جو شہر کے کاروباری آدمی کے لئے ہر وقت وبال جان بنی رہتی تھیں۔ مثلاً فیشن کی تبدیلیاں۔ ساکھ یا اعتبار کا جاتا رہنا۔ نئے نئے مدمقابل۔ مالی خطرات اور اس قسم کے بیشمار تغیرات جن سے اس کا دیوالہ نکلنے کا احتمال ہوتا تھا۔ یہ تمام تغیرات انسانی دنیا کے تغیرات تھے۔ اور ان میں سے بیشتر نفسانی نوعیت رکھتے تھے۔ شہر کا کاروباری آدمی جب اپنے تفکرات اور بکھیڑوں کا خیال کرتا تھا تو عموماً کاشتکاروں کی آزادی اور فارغ البالی پر رشک کرتا تھا۔

دوسری طرف دیکھئے تو کاروباری آدمی کو موسم کے معمولی تغیرات اور اس قسم کی اور چیزوں سے جو کاشتکار کیلئے کاوش کا باعث ہوتی تھیں۔ کچھ واسطہ نہ ہوتا تھا کوئی زبردست طغیانی یا شدید طوفان جس سے مال کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو آئے تو اس کو خبر ہوتی تھی ورنہ کوئی تغیرّ موسم اس کے کام کی باقاعدگی میں خلل انداز نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ کاشتکار اپنی جگہ اپنے تفکرات اور مصائب کا خیال کرکے کاروباری آدمی کی فارغ البالی پر رشک کرتا تھا۔

بہرکیف جب کاشتکار خالی کاشتکار نہ رہے۔ بلکہ ایک تجارتی کاشتکار بن جائے۔ یعنی جب وہ براہ راست اپنی کھیتی کی پیداوار پر گذارہ کرنے کی بجائے کاشت کے منافع پر بسر کرے۔ تو اس حالت میں اسکی آزادی ایسی ناقص اور نامکمّل نہیں رہتی۔ یہ سچ ہے کہ وہ پھر بھی موسم کے تغیرّات کو نگاہ میں رکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ مرطوب اور خشک موسم بدستور سابق اس کی فصلوں پر اثر کرتا ہے۔ فصلی بیماریاں پھپھوندی اور وبائیں اب بھی اُن پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ سیلاب اب بھی اُنہیں تباہ کردیتے ہیں۔ تاہم وہ اب یہ فن حاصل کررہا ہے کہ ان کی ضرر رسانی کی قوت کو کسی طرح کم کرے۔ وہ یہ سیکھ رہا ہے کہ زمین سے بیکار پانی کا نکاس کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ کس طرح زراعتی طریقوں کو موسم کی خصوصیات کے مطابق بنایا جا سکتا ہے اور وبائی بیماریوں سے بچنے کیلئے کیا کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں؟

لیکن اب بھی تمام دوسری جماعتوں کے افراد کے مقابلہ میں اس کا واسطہ قوائے فطری کے تغیر پذیر اور اور غیر یقینی مظاہر سے زیادہ قریبی ہے اور ہمیشہ رہیگا دوسری طرف اس امر کے باعث کہ کاشتکار اب مزرعہ کی پیداوار کے بجائے اسکے منافع پر گذران کررہا ہے اُس کا انحصار بازار اور بازار کے حالات وکیفیات پر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ اسلئے کوئی چیز جو اُس کے گاہکوں اور ان کی خرید کرنے کی قابلیت پر اثر کرے۔ یقیناً اس پر بھی اثر کریگی۔

اسی کے ساتھ ساتھ سوداگر اور حرفت پیشہ لوگ محسوس کرنے لگے ہیں

جیسا کہ ریلوے والوں نے اور بالیاتی کاروبار والوں نے مدت سے محسوس کر رکھا ہے کہ ان کی کامیابی کا دارو مدار لازمی طور پر ان موسمی حالات پر ہے جو پودوں پر اثر کرتے ہیں۔ ہمارا صنعتی نظام ایسا پیچ در پیچ ہے کہ کوئی بڑے کاروبار پر اگر کوئی چیز اثر انداز ہو تو ناممکن ہے کہ بہت سے دوسرے کاروبار بھی کسی نہ کسی حد تک اثر پذیر نہ ہوں۔ چند سال ہوئے کسی مصنف نے ایک مشہور اخبار میں سطور ذیل تحریر کیں تھیں:۔

"ملکی اور دساوری فصلوں کی مقدار کے متعلق تخمینہ جات کا انتظار اس موسم میں جس بیتابی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ وہ بالکل قدرتی امر ہے فصلوں کی مقدار پیمائش معاشیاتی اور صنعتی ترقی کا ایک ایسا عامل لازمی ہے جو کلیتہً انسان کے قبضۂ اختیار سے باہر ہے۔ انسانی دانشمندی زرِ رواجی کے متعلق عمدہ قانون نافذ کر سکتی ہے۔ وہ سونے کی مقدار میں بھی اضافہ کر سکتی ہے وہ سیاسی پیچیدگیوں سے پہلو بچا سکتی ہے۔ وہ ملکی تجارت کو فروغ دے سکتی ہے۔ وہ غیر ملکوں میں از سر نو تجارت کو وجود میں لا سکتی ہے۔ لیکن وہ کافی مقدار میں فصلیں پیدا نہیں کر سکتی یا پودوں کو خرابی سے نہیں بچا سکتی۔ جس پر بعض امور میں مذکورہ بالا پانچوں امور کا انحصار ہے۔ باوجود اس ترقی کے جو گذشتہ نیتق کرنوں میں دوسرے عوامل نے جن پر خوشحالی یا بدحالی کا دارو مدار ہے کی ہے۔ یہ بات آج بھی ایسی ہی درست ہے جیسی آج سے ایک صدی پہلے تھی۔ کہ من حیث الاوسط قوم کی صنعتی بہبودی بڑی حد تک بھرپور فصلوں کے پیدا کرنے اور اُن کے معقول قیمتوں پر فروخت کرنے پر منحصر ہے"۔

زراعت کا موسم سے تعلق } اس تذکرے سے کہ کاشتکار موسم اور دوسرے تغیراتِ آب و ہوا کا محتاج ہے۔ زراعت کی ایک اور خصوصیت بحیثیتِ وسیلۂ معاش کے ذہن میں نمایاں رہتی ہے وہ یہ کہ موسم کے ساتھ زراعت کی نوعیت تبدیل ہوتی رہتی ہے نہ صرف موسم کے تغیرات

یعنی بہار کے بعد گرمی۔ گرمی کے بعد خزاں۔ خزاں کے بعد سردی کا آنا ہی اس قول کا موید ہے۔ بلکہ ایک دن کے دوران میں بھی ساعت بساعت کام کی نوعیت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ منطقۂ معتدلہ میں یہ ناممکن ہے کہ سارا سارا دن۔ سارا سارا ہفتہ ایک ہی قسم کا کام مسلسل کیا جا سکے۔ جیسا کہ ہر میکانی صنعت میں کیا جاتا ہے ایک مزرعہ میں ایسے کام ہوتے ہیں جو ان کے خاص خاص اوقات میں کئے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ ہر روز۔ ہر ہفتے ہر مہینے کام تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ یہ عمومی تبدیلیاں ہیں۔ جن کے متعلق قبل از وقت اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ معمولی سے معمولی سے مزرعہ میں بھی لاتعداد ایسے کام ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے نوعیت میں بہت مختلف ہوتے ہیں۔ اور بالکل مختلف قسم کی قوت یا مہارت کے متقاضی ہوتے ہیں۔ اس خصوصیت کی بنا پر کاشتکار کا کام تمام جماعتوں کے کام کی بہ نسبت زیادہ متنوع اور متلون ہے۔

علاوہ ان معمولی تغیرات موسمی کے جن سے کاشتکار کے کام میں باقاعدہ تبدیلیاں لازم آتی ہیں۔ بعض اور غیر متوقع اور غیر معمولی تغیرات ہیں جو اس کے کام کے تسلسل میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً موسم کے یک بیک تبدیل ہو جانے سے ممکن ہے کہ کاشتکار کے سارے دن کے کام کا نقشہ جو اس نے ذہن میں سوچ رکھا ہو بگڑ جائے اور وہ ایسا کام کرنے پر مجبور ہو جائے جو اس کے سان گمان میں بھی نہ تھا۔ دوسرے پیشوں سے کہیں زیادہ کسان کا کام چاہتا ہے کہ آدمی ہر فن مولا اور حاضر دماغ ہو۔ اس کو ہر وقت یہ فیصلہ کرنے کیلئے مستعد رہنا چاہیئے کہ اگر ان نامساعد حالات میں سے کوئی مخل ہو تو اُسے کیا کرنا ہوگا۔ کارخانہ میں کام کرنے والے کو اس قسم کی خلل اندازی سے بہت کم دوچار ہونا پڑتا ہے۔ وہ ایک خاص قسم کا کام سیکھ لیتا ہے اور مہینوں بلکہ برسوں تک بغیر کسی نمایاں تبدیلی کے وہی کئے جاتا ہے۔ اس کیلئے نہ ہر فن مولا ہونیکی ضرورت ہے نہ حاضر دماغ ہونیکی۔ اسے فقط چابکدست ہونے اور متحمل مزاج ہونے کی ضرورت ہے۔

زراعت کا تعلق خانہ داری سے } مزید بریں کسان کے کام کا تعلق براہ راست اس کے گھر بار اور خاندان سے ہوتا ہے

اس امر کا کام دوسری بڑی صنعتوں مثلاً کانکنی۔ دستکاری وغیرہ سے بڑی حد تک متفاوت ہے۔ ابھی تک چند ایسی چھوٹی چھوٹی دکانیں موجود ہیں جہاں کاروبار اور خانہ داری کے معاملات یکجا انجام دیئے جاتے ہیں۔ اور گھربار کے کام کاج اور کسب معاش کے کام میں کوئی نمایاں مابہ الامتیاز قائم نہیں کیا جاتا۔ لیکن دکانیں ایک پرانے نظام کے باقیات ہیں صنعت وحرفت کے تمام شعبے مجموعی طور پر اب پہلے سے بہت مختلف ہو گئے ہیں۔ تاہم زراعتی جماعت میں یہ بات بالکل عام ہے۔ خاصکر ہمارے ملک میں۔ کہ کسان خود تو اپنے کاروبار کی جگہ یعنی مزرعہ ہی میں رہتا ہے۔ اور اس کے خاندان کے مختلف اراکین مزرعہ کے کام یا گھر کے آدمیوں کی روزی بہم پہنچانے کے کام میں اس کے شریک ہوتے ہیں۔ اسلئے دیہاتیوں کے یہاں کاروبار اور گھر کے کام کاج میں یا کاروبار کے اغراض ومقاصد اور گھر کے اغراض ومقاصد میں کوئی ایسا بیّن فرق نہیں۔ جیساکہ شہریوں کے یہاں ہوتا ہے۔ لیکن جب کاشتکار تجارت کرنے لگتا ہے تو وہ عموماً ان مروجہ طریقوں کا تتبع کرتا ہے جن پر شہر کے تاجر کاربند ہوتے ہیں۔ اور اس طرح خانگی زندگی کے نصب العین کو ترک کردیتا ہے۔ اس کے جواز کی دلیل وہ یوں پیش کرتا ہے "بھائی کیا کیا جائے۔ کاروبار ہے۔ اسکی طرف پوری پوری توجہ ہونی چاہیئے"۔ گویا وہ عملاً یہ تسلیم کرتا ہے کہ کاروبار کے معیار روزمرہ کی زندگی کے معیاروں سے مختلف ہیں۔

کاشتکار عموماً خود اپنے آقا ہوتے ہیں اوپر اس بات کا تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ کاشتکار کن معنوں میں آزاد اور خود مختار ہیں۔ ایک اور اعتبار سے بھی کاشتکاروں کی جماعت حقیقی معنوں میں دوسری جماعتوں کی بہ نسبت زیادہ آزاد ہے وہ اس اعتبار سے کہ تمام اعلیٰ درجہ کے متمدن ممالک میں انکی بہت بڑی تعداد آپ ہی آقا ہے اور آپ ہی مزدور۔ غالباً زراعت اور دوسری بڑی صنعتوں میں سب سے اہم امتیاز یہ ہے کہ زراعت چھوٹے پیمانے کی صنعت ہے۔ درانحالیکہ دوسری بڑی بڑی صنعتیں جیسے کانکنی۔ باربرداری۔ نیز تجارتی کاروبار اور بنکوں کے کام فی زمانہ بڑے پیمانہ پر

ہو رہے ہیں اور توسیع کا رجحان اُن میں نمایاں ہے یہ بجا ہے کہ اس کے ساتھ ایک متضاد رجحان بھی ہے جسے ان دوسری صنعتوں میں عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود بڑے پیمانے کے کاروبار بمقابلہ چھوٹے پیمانے کے کاروبار کے کم از کم جہاں تک ہمارے ملک کا تعلق ہے ۔ فائدے میں ہیں ۔ لیکن زراعت میں اس قسم کا کوئی رجحان تاحال نمایاں نہیں ہوا اور نہ اس کا امکان ہے ۔ الّا اس صورت میں کہ کوئی ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن کے متعلق کوئی اندازہ قبل از وقت نہیں لگایا جا سکتا اور جن کی بدولت بڑے پیمانے کے کاروبار کو چھوٹے پیمانے کے کاروبار پر فوق حاصل ہو جائے ۔ سنہ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے مزرعوں کی تعداد میں روز بروز کمی ہو رہی ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ مزرعے درمیانہ درجہ کے مزرعوں کے مقابلے میں کم پیدا آور ہیں ۔ زراعت کی یہ امتیازی خصوصیت بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ زراعت پیشہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد اپنی آقا آپ ہے اور اپنے کاروبار کی آپ مختار ہے ۔ کسی ایسی صنعت پر جس کی پیداوار بڑے پیمانے پر ہو یا جہاں بڑے پیمانے کی کارگاہوں کا دور دورہ ہو ۔ اس قول کا عکس صادق آتا ہے ۔ اُن کے کام کرنے والوں میں سے بہت قلیل تعداد اپنی آقا آپ ہوتی ہے یا اپنے کاروبار کی آپ مختار ہوتی ہے ۔

سنہ ۱۸۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق جہاں چودہ دیہاتی باشندے تھے جن سے عبارت وہ لوگ ہیں جو ۲۰۰۰ سے کم آبادی کے شہروں میں رہتے ہوں ۔ وہاں ایک مزرعہ تھا ۔ لیکن سنہ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق جہاں نو دیہاتی باشندے تھے وہاں ایک مزرعہ تھا ۔ اس فرق کی توجیہ کسی حد تک یوں کی جا سکتی ہے کہ پہلے وقت میں خاندان نسبتہً بڑے ہوتے تھے ۔ تاہم یہ اعداد و شمار کم از کم اتنا ظاہر کرتے ہیں کہ زراعت میں ایسا کوئی رجحان مرکز پسندی اور اجتماع کی طرف نہیں جیسا کہ دستکاری ، تجارت اور باربرداری میں ہے یعنی چھوٹے پیمانے کے بہت سے مزرعوں کو ایک بڑے مزرعے کی صورت میں مجتمع کرنے کا رجحان زراعت میں نہیں ۔ یہ امر کہ یہ مزرعے عموماً کافی بڑے پیمانے پر ہوا کرتے تھے اس سے ظاہر ہے کہ سنہ ۱۹۱۱ء میں ہر ۱۴۰۰ دیہاتی باشندوں کے

پیچھے ایک مزرعہ تھا جس کا رقبہ پچاس یا پچاس سے زیادہ ایکڑ ہوتا تھا اور جب ہم اس بات پر غور کریں کہ ۵۰۰۰ سے کم آبادی کے قصبوں اور گاؤں میں لاتعداد باشندے ایسے ہیں جو زراعت پیشہ نہیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ بات کس حد تک درست ہے کہ زراعت اب بھی چھوٹے پیمانے کی صنعت ہے ۔ مزید براں جیسا کہ متذکرہ اعداد و شمار سے ظاہر ہے مزروعوں کا رقبہ کوئی بڑھ نہیں رہا بلکہ آہستہ آہستہ چھوٹا ہوتا جا رہا ہے ۔ یہ اور بات ہے کہ یہ محض عارضی یا اتفاقی ہو ۔ ان اعداد و شمار کی بنا پر بلا خوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی اور بڑی صنعت ایسی نہیں جس میں کسی شخص کو آپ اپنا آقا یا اپنے کاروبار کا آپ مالک و مختار بننے کا اتنا اچھا موقعہ ہو جتنا کہ زراعت میں ہوتا ہے اور یہ تو یقینی امر ہے کہ کوئی بڑی صنعت ایسی نہیں جس میں آدمیوں کی اتنی کثیر تعداد خود اپنی مالک ہو ۔ اور اتنی تھوڑی تعداد ملازموں کی حیثیت رکھتی ہو ۔ عالی بینش ۔ آزاد طبع اور اولوالعزم آدمیوں کیلئے زراعت کی یہ خصوصیت ہمیشہ جاذب توجہ رہیگی ۔ لیکن دو جماعتیں ایسی ہیں جن کیلئے زراعت کے کام میں کوئی بات جاذب توجہ نہیں ۔ جن لوگوں کو تخمینی خطرات میں پڑنا ناپسند ہو اور جو اپنی ہر چیز کسی بڑے فائدے کیلئے معرضِ خطر میں ڈالنے پر آمادہ ہوں ان کو زراعت چنداں پسند نہ معلوم ہوگی ۔ زراعت میں اولوالعزمی کیلئے کوئی وسیع میدان نہیں اور اس میں بہت بڑی دولت بھی پیدا نہیں کیجا سکتی ۔ دوسرے وہ شخص جن میں پرواز کا مادہ بالکل نہیں ۔ اور جو اپنے دماغ کو سوچنے کی تکلیف نہیں دینا چاہتے کہ آئندہ کیا کرنا چاہیئے وہ ہمیشہ اُن صنعتوں کو ترجیح دینگے جن میں اس قسم کے مسائل و قضایا کا فیصلہ اُن کے مالک کارخانہ دار سپرنٹنڈنٹ خود کر لیا کریں ۔

کاروبار کا اثر عام زندگی پر

زراعت کی دو آخر الذکر خصوصیات باہم مل ملکر دیہاتی باشندوں کی زندگی اور سیرت پر نہایت گہرا اثر کرتی ہے ۔ زراعت چونکہ اب تک ایک ایسا پیشہ چلا آتا ہے ۔ جس میں کاروبار اور گھر کا کام کاج ایک دوسرے سے بالکل غیر متعلق نہیں ہوتے اور جس میں خاندان کے تمام ارکان گذرانِ زندگی کا وسیلہ پیدا کرنے کیلئے ایک دوسرے کے شریک کار ہوتے ہیں

اس لئے ہر ایک ایسی خانگی زندگی کو فروغ دیتی ہے - جس کا شہر میں قائم رکھنا بے حد مشکل ہے - ماہرانِ تعلیم بالعموم اس رائے سے اتفاق رکھتے ہیں کہ شہر کی خانگی زندگی کے بڑے نقائص میں سے ایک نقص یہ ہے کہ خاندان کے تمام ارکان میں کوئی مشترک کاروباری نصب العین نہیں ہوتا - شہر میں رہنے والے والدین جو عقلمند ہیں انہیں ہمیشہ اس نقص کو مدنظر رکھنا چاہیئے - اور اس کے دور کرنے کا انتظام کرنا چاہیئے - لیکن کسی کاشتکار کے خاندان کیلئے کوئی مصنوعی طریقے درکار نہیں جن سے اس کے تمام ارکان کو مشترک اغراض و مقاصد کی بنا پر یکجا کیا جائے - شہر کے خاندان میں جب کمائی والا شخص آپ اپنا آقا نہ ہو بلکہ دوسرے کا ملازم ہو - جیساکہ اکثر حالات میں ہوتا ہے - تو مذکورہ بالا نقص اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے - اس صورت میں کوئی کاروبار ایسا نہیں ہوتا جو باپ کی طرف سے بیٹے کو ورثہ میں ملے - بیٹے باپ کے ساتھ مل کر کام کرنے اور اس کے زیر ہدایت کام سیکھنے کی نعمت عظمٰی سے محروم رہتے ہیں - یہ نعمت دیہاتی لڑکے کو عموماً حاصل ہوتی ہے کچھ تو اس امر کے باعث جو اوپر بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ زراعت چھوٹے پیمانے کا کاروبار ہے - جس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ اس میں کام کر رہے ہیں - (اُن کی بڑی تعداد (اور ہمارے ملک میں تو اکثریت کی جماعت) اپنی آقا آپ ہے -

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے کاروباری مسائل علاوہ اخراجات خانہ داری کے دائمی مسئلہ کے مثلاً خرید و فروخت کے مسائل - گھر کی مجلسِ شوریٰ (پنچایت) میں زیر بحث لائے جاتے ہیں - یہ تمام چیزیں اُن رشتوں کو اور بھی مضبوط کر دیتی ہیں جو دیہاتی خاندان کے ارکان کو آپس میں وابستہ کئے ہوئے ہیں - اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دیہاتی خاندان مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم کرتے ہیں اور شہر کے خاندانوں کی بنیادیں نسبتاً کم استوار ہوتی جا رہی ہیں - یہ اضافی بے ربطی اور بے ثباتی شہری خاندان میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے - اوّل شہر میں بہ نسبت دیہاتی اضلاع کے طلاقوں کی تعداد بہت زیادہ ہے - دوم - شہر کے خاندان تجرّد وغیرہ کی بنا پر بہت جلد مٹ سکتے ہیں - اور ان کے مقابلے میں دیہاتی خاندان قیام و ثبات رکھتے ہیں - گاؤں کے کھیت شہروں کیلئے

نہ صرف پیداوار مادی مہیا کرتے ہیں۔ بلکہ وہاں سے مرد اور عورتیں بھی جا جا کر شہروں کو آباد کرتی ہیں۔

زراعت پیشہ جماعتوں میں جنسی تعلقات

اُن خصوصیات میں جو دیہاتی زندگی کو شہری زندگی سے ممتاز کرتی ہیں۔ ایک نہایت اہم خصوصیت یہی ہے۔ کہ اول الذکر میں بہ نسبت آخر الذکر کے مرد و عورت ایک دوسرے کی پابندی سے زیادہ آزاد ہوتے ہیں۔ ہمارے ذہن میں اس امر کے متعلق جو نئے خیالات ہیں کہ مرد اور عورت کیلئے کون کونسے کام مناسب ہیں اُن میں سے بیشتر خیالات ہمیں اپنے دیہاتی اسلاف سے ورثہ میں ملے ہیں۔ مثلاً یہ خیال کہ عورتوں کے لئے مناسب کام گھر کی چار دیواری کے اندر ہوتا ہے۔ اور مردوں کیلئے باہر یہ بھی دیہاتی حالات کا ایک قدرتی نتیجہ ہے۔ ایک مزرعہ میں اگرچہ کم محنت طلب کام بھی کافی ہوتا ہے۔ تاہم بعض ایسے کام ضرور ہوتے ہیں کہ جو جماعت مذکور کی قوت بدنی چاہتے ہیں جو جماعت اناث کی اوسط درجہ قوت بدنی سے زیادہ ہوتی ہے۔ جہاں مویشیوں وغیرہ کو سنبھالنے کا کام بھی ہو۔ وہاں بہت سی باتوں میں مردانہ جرأت حاضر دماغی اور قوت بدنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ امر واقعہ ہے کہ بہت کم مزرعے ایسے ہونگے۔ جن میں باہر کا کام عورتوں سے بخوبی بن آسکے۔ یہ بیشک درست ہے کہ جن مزرعوں میں اختصاصیت سے کام لیا جائے۔ یعنی صرف خاص خاص پیداوار کیجائے وہاں باہر کے کام کاج میں عورتوں کے کام کاج کی گنجائش ہے۔ لیکن ایسے مزرعے مستثنیات میں سے ہیں۔ یورپ کے بعض چھوٹے چھوٹے مزرعوں میں اور امریکہ کی جنوبی ریاستوں کے بعض چھوٹے مزرعوں میں عورتیں بہت سا کام انجام دیتی ہیں۔ لیکن ان مزرعوں میں ادنیٰ درجے کی کاشت ہوتی ہے۔ اور عموماً نہایت ناقص طور پر انکا انتظام ہوتا ہے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ ایسے قطعہ زمین سے جو اتنا چھوٹا ہے کہ اس میں محنت اور آلات کا استعمال عمدہ طور پر ممکن نہیں جتنا سامان معاش حاصل ہو سکے۔ اتنا زیادہ حاصل کیا جائے پھر ایسے مزرعوں میں بالعموم کاشتکار اور اس کے خاندان کا

معیارِ زندگی پست ہوتا ہے۔ دیہات میں مردوں کی مشقت کی جو ضرورت ہے۔ اُس کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ ایک عورت کیلئے کم از کم بمقابلہ شہر کے گھر کے باہر آزادانہ روزی کمانے کے مواقع بہت محدود ہوتے ہیں۔ لازماً نا کتخدا عورت کو بہ نسبت شہروں اور قصبوں کے دیہات میں رہنے سے نقصان ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی نا کتخدا کاشتکار کو بھی نقصان ہوتا ہے۔ بلکہ عورت سے بھی زیادہ نقصان۔ اس کیلئے بیشتر حالات میں ضرورتی ہوتا ہے کہ وہ اپنے کاروبار کی جگہ یعنی اپنے مزرعے میں رہے۔ اور تمام حالات میں یہ اسکے لئے نفع بخش ہوتا ہے کہ وہاں رہے۔ زراعتی آبادی کی کمی کی وجہ سے یہ بات ناممکن ہوتی ہے کہ کسی بورڈنگ ہوس میں وہ رہ سکے۔ دیہاتی زندگی کے اخلاقی اور اجتماعی دونو قسم کے حالات تقاضا کرتے ہیں۔ کہ ہر مزرعہ میں ایک علیحدہ خاندان ہو۔ شہر میں اس قسم کے حالات موجود نہیں ہوتے۔ کاروباری مرد اور عورت اگر نا کتخدا ہوں تو ان کو اخلاقی اور اجتماعی نقطہ نگاہ سے بیشک نقصان ہوتا ہے۔ لیکن خالص کاروبار کے نقطۂ نگاہ سے ہم یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ وہ کس طرح کے نقصان میں ہیں۔ کاشتکار کو جہاں اپنے کاروبار کے ساز و سامان کی ضرورت ہے۔ وہاں بیوی کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ زراعت میں خانہ داری کاروبار کا ایک حصّہ ہے اور کاروبار خانہ داری کا ایک حصّہ۔ دونو لازم و ملزوم ہیں۔ چنانچہ دیہات میں اس طرح کے رن بیاہے آدمی جیسے کہ شہروں کے کاروباری اور پیشہ ور لوگوں میں بھرے پڑے ہیں بہت کم ملتے ہیں۔ کیا دیہات کی زندگی اور کیا دیہات کا کاروبار۔ دونوں میں مرد و عورت ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ دیہات کے زیادہ قدرتی اور صحت بخش طریق بود و باش کے باعث۔ مرد و عورت کا خیال ایک دوسرے کی طرف بہت اچھا ہوتا ہے۔ شہروں میں اور بالخصوص بعض کاروباری اور پیشہ ور حلقوں میں جہاں زندگی کے تصنعات و تکلفات حدِّ اعتدال سے متجاوز ہو چکے ہوں۔ جنسی تعلقات کی حالت ناگفتہ بہ ہوتی ہے۔ برخلاف ازیں دیہات میں جہاں بیوی کے تعلقات بہت خوشگوار ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں کاشتکاری نے دے کر ایک ایسا کام رہ گیا ہے۔ جس میں بچہ موافق حالات کے ہونے کی صورت میں اپنے خاندان کے

کسب روزی کے کام میں شریک ہو سکتا ہے۔ بچے اگر اور پیشوں میں رہ کر کام کریں تو وہاں حالات کچھ ایسے غیر معمولی اور اخلاقی و جسمانی طور پر کچھ ایسے مضر ہو گئے ہیں۔ کہ رائے عامہ بچوں سے کام لینے کے بہت مخالف ہو گئی ہے۔ بچوں کے بیکار رہنے پر ہمارے خیال میں بہ نسبت ان کے محنت کرنے کے زیادہ اعتراض وارد ہو سکتے ہیں۔ کسی قدر کام موافق اور درست حالات میں متوسط درجے کے بچے کی جسمانی۔ ذہنی اور اخلاقی نشوونما کیلئے لازمی ہے۔ مزرعہ میں یہ حالات موافق موجود ہوتے ہیں۔ اوّل بچہ اپنے والدین کے زیر تعلیم کام سیکھ سکتا ہے۔ اور اُن کے ساتھ مل کر کام کر سکتا ہے۔ دوم ایک مزرعہ میں یا زراعتی خاندان میں بعض ایسے متفرق کام ہوتے ہیں۔ جو نہ زیادہ وقت چاہتے ہیں۔ نہ مسلسل اور متواتر توجہ۔ اس قسم کے کاموں سے بچے کو جسمانی و ذہنی لحاظ سے مناسبت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ فطرتاً متلوّن مزاج اور بے قاعدہ واقع ہُوا ہے۔ اور کسی ایسے کام کے لئے جو گھنٹوں اور دنوں تک توجہ چاہتا ہے وہ ہرگز موزوں نہیں۔ علاوہ بریں مزرعہ کے کام کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور گھر کی چار دیواری کے باہر انجام دیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے بچوں کو وہ جس کی تکلیف نہیں اُٹھانی پڑتی جو اُنہیں مالگداموں۔ کانوں اور کارخانوں میں اُٹھانی پڑتی ہے۔

چونکہ بچے بغیر کسی نقصان کے احتمال کے مزرعہ کے کام میں مدد دے سکتے ہیں اسلئے وہ تھوڑی بہت حد تک اپنی پرورش کے اخراجات خود ادا کر سکتے ہیں اس امر کی کہ بہ نسبت شہروں کے دیہاتوں میں شادیاں چھوٹی عمر میں ہو جاتی ہیں اور خاندان بڑے ہوتے ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے۔ بعض اوقات یہ تلقین کی جاتی ہے۔ کہ اس قسم کے مقاصد کو شادی اور خانگی زندگی کے مسائل سے علیحدہ رکھنا چاہیئے۔ لیکن اس قسم کی تلقین ایسی دور از کار اور تخیل پرستی پر مبنی ہے کہ یہی نہیں کہ اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ بلکہ قطعاً باعث شر و فساد ہے۔ ہم یہ تعلیم دیتے ہیں کہ معاشیاتی نصب العین کو شادی بیاہ کے معاملے میں نظر انداز نہ کرنا چاہیئے اور یہ معاشیات اور عشقیات کا مرکب ہرگز کسی معذرت کا محتاج نہیں کیونکہ ہر وہ چیز جو صحت پر مبنی ہے ایک معاشیاتی بنیاد پر قائم ہے۔ کسی قوم کی تاریخ کوئی عمدہ قسم کی اجتماعی یا خانگی زندگی اور اخلاق کی کوئی اعلیٰ مثال ایسی نہیں پیش کر سکتی۔ جسکی

اصل و بنیاد اور رُوح رواں کوئی پیدا آور کام نہ ہو۔ ایک خاندان کیلئے مشترک طور پر ضروریات فراہم کرنے کا نصب العین۔ ایک خاندان کی بنیاد ڈالنے اور خاندانی جاگیر کا مقصد یہ وہ چیزیں ہیں جو بجائے خانگی زندگی کی قدر کم کرنے کے اس میں اضافہ کرتی ہیں۔ اگر اس قسم کا کوئی مقصد پیش نظر نہ ہو تو جسے صحیح معنوں میں ازدواج کہتے ہیں وہ نہیں ہوتا۔ البتہ اگر معاشیاتی مقصد میں کوئی خلل واقع ہو جائے۔ جیسا کہ بعض اوقات ہوتا ہے اور والدین بچوں کو اپنے لئے جلب زر کا ذریعہ خیال کرنے لگیں اور جو کچھ بچے کما کر لائیں۔ اُسے اپنی ذاتی اغراض کیلئے استعمال میں لانے لگیں تو یہ بالکل جدا بات ہے۔

ایک خاندان کے بانی ہونے کا مقصد یا ایک ایسے خاندان کو قائم رکھنے کی کوشش کرنا۔ جس کی عزت بن چکی ہو۔ اور اس خاندان کی روایات کو زندہ رکھنا۔ یہ چیزیں کیا شہر میں اور کیا دیہات میں اتنی عام نہیں جتنی ہونی چاہئیں۔ ایسا مقصد انہی لوگوں کو جو ہمیشہ اپنی جماعتوں کے رہنما اور پیرو رہینگے۔ تاوقتیکہ تہذیب اخلاقی انحطاط کے باعث زوال پذیر نہیں ہوتی۔ لیکن اپنے مقاصد کے پورا کرنے کے مواقع دیہات میں بہ نسبت شہر کے زیادہ ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہری خاندان کے مقابلہ میں دیہاتی خاندان معاشیاتی اعتبار سے زیادہ متحد ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ دیہات میں خانہ داری کاروبار اور انتظام اراضی کا ایک جزو لاینفک ہوتا ہے۔

دیہات آبادی کا گہوارہ ہے } کہا گیا ہے کہ معاشرتی نقطہ نگاہ سے آجر و اجیر مالک و مزدور میں اتنا زیادہ فرق نہیں جتنا شہر کے رہنے والوں اور دیہات کے رہنے والوں میں ہے۔ یہ بیشک بجا ہے کہ شہری زندگی کے رجحانات دیہاتی زندگی رجحانات سے بالکل مختلف ہیں۔ شہری زندگی ایسے مقاصد۔ ایسے معیارات۔ ایسے جذبات اور ایسے اطوار کو ترقی دیتی ہے جو دیہاتی زندگی سے جداگانہ طرز کے ہوتے ہیں۔ اور اس طرح شہری اور دیہاتی باشندوں کے درمیان ایک حد فاصل قائم ہو جاتی ہے۔ اگر یہ رجحان چند نسلوں تک بغیر کسی مزاحمت کے ترقی کرتا چلا جائے۔ تو گمان غالب ہے کہ شہریوں اور دیہاتیوں کے درمیان بہ نسبت

حالتِ موجودہ سے زیادہ تعریف ہوجائے؟ لیکن یہ امر کہ دیہاتی آبادی نقل مکان کرکے شہروں میں جاتی رہتی ہے۔ اس کا سدِ باب کرتا ہے۔ زمانۂ جدید کے کسی شہر کا جائزہ لیجئے معلوم ہوگا۔ کہ جتنے سربرآوردہ لوگ ہیں۔ اُن میں بہت سے دیہات سے آئے ہیں۔ اور اکثرین کی حیثیت ایسی ہے۔ جن کے آباو اجداد دیہات میں رہتے تھے۔ جب یہ سلسلہ قائم ہے۔ اس وقت تک شہری اور دیہاتی لوگوں میں اتنا بڑا فرق نہیں ہوسکتا۔ جتنا کہ ان حالات کے نہ ہونے کی صورت میں ممکن ہے۔ بہرحال شہر کے لوگ خود زیادہ تر دیہاتی ہیں جو تازہ تازہ یعنی دو یا تین یا زیادہ سے زیادہ چار نسلیں پیشتر شہر میں وارد ہوئے ہیں۔

شہریوں کا دعوئ افضلیت

لیکن اگر ہم اس معاملے پر تاریخی نقطۂ نگاہ سے غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض بعض زمانے میں شہری اور دیہاتی کا باہمی فرق حقیقت میں بہت نمایاں رہا ہے۔ دیہاتیوں کے متعلق حقارت آمیز الفاظ اتنی تعداد میں موجود ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ لغوی اعتبار سے یہ الفاظ فقط "دیہاتی" کے معنوں میں استعمال ہوتے تھے۔ ان کے مجازی معنوں کے واضع یقیناً شہر کے لوگ ہیں۔ "PEASANT" تو اور "VILLAIN" اور "BOOR"، "PAGAN"، "HEATHEN" بھی ایسے الفاظ ہیں۔ جن کے اصلی معنے مختلف زبانوں میں تقریباً ایک ہی تھے۔ لیکن اب بدل کر کچھ اور ہوگئے ہیں۔ یہ ایسی مثالیں ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ شہر کے لوگ مختلف زبانوں میں دیہات کے لوگوں کو کیسی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن اگر اس کا استقصا کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس قسم کی حقارت عموماً اس امر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کہ جو لوگ اپنی روزی دوسرے ابنائے جنس سے حاصل کرتے ہیں وہ ان لوگوں کی قدرشناسی کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ جو اپنی روزی اپنی محنت کی بدولت زمین سے براہ راست حاصل کرسکتے ہیں۔

یہ قدرشناسی بعض اوقات اس وجہ سے عمل میں آتی ہے کہ کاشتکاروں کی حقیقی خوبیاں اور قابلِ تعریف صفات کو دوسرے لوگ عموماً نظرانداز کرجاتے ہیں۔ جب کوئی پیشہ نسلاً بعد نسلاً قدیم الایام سے چلا آرہا ہو تو اس میں دانشمندی اور تجربہ کاری کا ایک وافر ذخیرہ جمع ہوجاتا ہے۔ جس میں بہت سا حصہ کبھی صفحۂ کاغذ پر منتقل نہیں

ہونے پاتا۔ بلکہ بطور زبانی روایات یا زندہ مثالوں کے نسلاً بعد نسلاً باپ سے بیٹے تک سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ زراعت ایک اسی قسم کا پیشہ ہے۔ سنگ چقماق کے کام کو بعض علم والوں نے دنیا کا قدیم ترین پیشہ کہا ہے۔ لیکن فی الحقیقت زراعت کو تقدم زمانی کا حق پہنچتا ہے۔ ہاں اگر پیشہ کے لفظ کا اطلاق بعض میکانی مشاغل پر ہی کیا جائے تو یہ اور بات ہے۔ فنِ زراعت نے اپنی قدامت اور عالمگیری کی وجہ سے ایک ایسا ذخیرۂ معلومات اور خزینۂ صناعات فراہم کر لیا ہے۔ جس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ لیکن شہر کے لوگ یا تو اس سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ یا اسکی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ چونکہ اس کا بہت بڑا حصّہ مدرسوں کے باہر عملی طور پر حاصل کیا جاتا ہے۔ اس طرح کہ باپ بیٹا نسلاً بعد نسلاً مل کر کام کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اسے عرفِ عام میں "تعلیم" کے نام سے یاد نہیں کیا جاتا۔ علاوہ بریں دیہاتی کام کی حیرت انگیز اصطلاحی قابلیت ایک ایسے عام طریقے سے حاصل کی جاتی ہے کہ ہم اُسے ایک نہایت معمولی چیز خیال کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ صحیح صنعتی مہارت ہے۔ شاید اور کسی فن میں کوئی ایسی ضرورت کے عین مطابق ہوں۔ یا جو ہیئت اور ساخت میں خوبیوں سے اس قدر بھرپور ہوں جیسے کہ جدید کاشتکاری کے بعض سیدھے سادے اوزار ہیں۔ مثال کے طور پر معمولی ہل کو لیجئے۔ ہل کا ایسے طور پر بنانا کہ قلیل ترین مزاحمت کے ساتھ بیشترین کارگری اُس میں جمع ہو۔ ایک نہایت لطیف و نازک مسئلہ ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس پر طامس جیفرسن جیسا صاحب دماغ بھی برسوں تک غور و خوض کرتا رہا۔ اگرچہ اس کے اس کارنامے نے اتنی شہرت حاصل نہیں کی جتنی کہ اُس کام نے حاصل کی ہے جو اُس نے بہترین نظام حکومت ترتیب دینے کے متعلق انجام دیا۔ تاہم یہ بالیقین کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ کام اُس سے کم اہم نہ تھا۔

ان ملاحظات کی بنا پر یہ ضروری ہے کہ دیہاتی زندگی اور دیہاتی کاروبار کو ایک وقعت حاصل ہو۔ کم از کم ان لوگوں کے دلوں میں جن کی نگاہ ظاہری شائستگی۔ یا آداب معاشرت۔ اسلوب تقریر۔ یا طرز خطابت وغیرہ کی سطح سے گذر کر تہ تک

پہنچتی ہے۔ اور جو اس کے فیصلہ کرنے کے اہل ہیں۔ کہ مختلف وسائلِ معاش دنیا میں کیا اضافی قدر و قیمت رکھتے ہیں۔

جس طرح شہر میں ضرورت سے زیادہ آبادی مُضر ہے اُسی طرح دیہات میں تنہائی اندیشہ کا باعث ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہمیں اُن خطرات کو نظرانداز نہ کر دینا چاہیئے۔ جو دیہاتی زندگی کو عارض ہیں۔ گاؤں کی زندگی کی خلوت ہی ایک ایسی چیز ہے۔ کہ اُن لوگوں کی ذہنی زندگی پر جنہیں اپنے دماغ کو مشغول رکھنے کیلئے ہر وقت کسی خارجی محرک یا دو آدمیوں کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہایت مضر اثر کرتی ہے۔ ایسے لوگوں پر عموماً ایک دماغی سکتہ یا ایک اخلاقی جمود طاری ہو جاتا ہے۔ جسکی بنا پر وہ حقارت آمیز کلمات جو ان کے مخالفین ان کیلئے وضع کرتے ہیں۔ اُن پر صادق آتے ہیں۔ یہ ایک ایسا خطرہ ہے جس کا شکار ہونے کا ہمارے جیسے ملک میں زیادہ احتمال ہے۔ جہاں زندگی کی ضروریات ایسی آسانی سے بہم پہنچ جاتی ہوں۔ جیسی کہ ہمارے ملک میں اب تک بہم پہنچتی رہی ہیں۔ وہاں نہایت ناقص العقل اور ادنیٰ درجہ کی قابلیت کے آدمی بھی مقابلہ کی پروا کئے بغیر گذارہ کر سکتے ہیں۔ اگر خوش قسمتی سے اُنہیں کوئی ایسا قطعہ زمین ہاتھ آجائے جسکی طرف زیادہ روشن خیال کاشتکاروں کی توجہ نہ ہو۔ تو وہ اور اُن کے خاندان والے پشتہا پشت تک بلا مداخلتِ غیرے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ملک کے بعض دور دراز مقامات ایسے ہیں۔ جہاں اس درجہ کی جہالت ناقابلیت اور اخلاقی ذلت دیکھنے میں آتی ہے۔ جس کا وجود مغربی یورپ کے کسی ملک میں ہونا ناممکن ہے۔ ان یورپی ملکوں کی آبادی ایسی گنجان ہے اور کسب معاش کیلئے مقابلہ ایسا شدید کرنا پڑتا ہے کہ تمام ناقابل اشخاص کا قضیہ جلد پاک ہو جاتا ہے اور اُنہیں خیراتی غریب خانوں میں جانا پڑتا ہے یا چوری ڈکیتی کا پیشہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ جس کے بعد قید خانہ میں جا کر سڑنا یا پھانسی پر لٹک مرنا اُن کا دوسرا مرحلہ ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں چونکہ آبادی بڑھتی چلی جاتی ہے اسلئے زمین کی ضرورت روز بروز زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور زندگی کی کش مکش پہلے

زیادہ سخت اور کمزوروں کیلئے ناقابل برداشت ہوتی جاتی ہے ۔ چنانچہ ہمیں ایک صدی یا اس سے زیادہ مدت تک یہ منظر دیکھنا پڑے گا۔ کہ یہ ناکارے اور کمزور لوگ چُن چُن کر تباہ کئے جائینگے ۔

دیہات میں جو مفلوک الحال اور ناکارے لوگ ہیں ۔ یہ جہاں تک کسی انسان کے حالات کا اس کی سیرت کے ساتھ تعلق ہے ۔ تمدن اور اجتماعی زندگی سے دور رہنے کی وجہ سے ظہور میں آئے ہیں ۔ جس طرح کہ شہر کے آوارہ گرد لوگ انہی معنوں میں زیادہ گنجان آبادی کا نتیجہ ہیں ۔ گو ان دونو صورتوں میں اصل بنیاد شخصی و ذاتی حالات ہیں نہ کہ ماحول کے اثرات اثر سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ کمزور اخلاق کے آدمیوں پر عزلت اور تنہائی کا یہ اثر ہوتا ہے تاہم اسکے کہ وہ روایاتِ معاشرتی، امر ونہی اور اجتماعی رسمیات وقوانین کا احترام یک قلم کھو بیٹھتے ہیں معاشرت اپنے اجزائے لاتیجزیٰ میں تقسیم ہونا شروع ہو جاتی ہے ۔ ہر فرد اپنا علیحدہ قانون بنا لیتا ہے ۔ اور اپنے کمزور اور غیر مستقل ارادوں کا بندہ ہو کر کبھی ایسی زندگی بسر کرنے لگتا ہے ۔ جو نہ کسی کیلئے مضر ہوتی ہے ۔ نہ کسی کیلئے مفید ۔ اور کبھی جرائم وسیاہ کاری کو اپنا مشغلہ بنا لیتا ہے ۔ کمزور سیرت کا انسان جب اپنے معاشرتی ماحول کی پابندیوں سے آزاد ہو جائے ۔ تو وہ اپنے معاشرتی فرائض کے احساس سے خالی الذہن ہو کر یا تو اپنی طبعیت کا بندہ اور اپنی خواہشات کا محکوم ہو جاتا ہے ۔ یا انسانوں سے وحشت زدہ اور تنہائی پسند ہو جاتا ہے ۔ اور کسی قسم کی خارجی مداخلت یا مزاحمت برداشت نہیں کر سکتا ۔

دوسرا باب

زراعت کی اجمالی تاریخ

۱۔ ابتدائی مدارج

شکار عالمگیر نہیں مختلف ملکوں اور زمانوں میں غالباً بعض وحشی قومیں ایسی بھی ہوئی ہیں۔ جن کی روزی کا گذارہ شکار یا مچھلیاں پکڑنے پر منحصر نہ تھا بلکہ پھل پھول اور جڑی بوٹیاں کھا کر گذارہ کرتے تھے۔ بعض مصنفین کا قول ہے کہ اس قسم کے لوگ مستثنیات میں سے ہیں۔ اور انسان کی کسب معاش کیلئے جدوجہد میں جو ترقی کی اسکی پہلی منزل شکار اور مچھلیاں پکڑنا تھا۔ بہرحال دورحاضرہ کے چند مصنفین نے اس نتیجہ کی صداقت پر اظہار شک کیا ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ شکار اور مچھلیاں پکڑنے کا دور خاص خاص مقامات تک محدود رہا ہے۔ جہاں حالات زراعت کو ناموافق تھے۔ اور شکار اور مچھلیاں بکثرت تھیں۔ لیکن جن ملکوں میں نباتی غذا مقابلتہً بکثرت تھی وہاں قیاس چاہتا ہے کہ لوگ پھل پھول اور جڑی بوٹیاں کھا کر بسر کرتے ہونگے۔ جو کہ زراعت سے پیشتر خود بخود جنگلوں میں اُگتی تھیں۔ یہ بھی عام طور پر تصور کیا جاتا ہے۔ کہ دوسری منزل کسب معاش کی جدوجہد میں بدویت ہے۔ یعنی وہ دور جس میں لوگ ایسے جانوروں کا جن کا گوشت اور دودھ بطور غذا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور جن کی کھال اور پشم تن ڈھانکنے اور خیمے بنانے کے کام آسکتی ہے۔ پالتے تھے۔ اُن کی گلہ بانی کرتے تھے۔ ان کی نسل بڑھاتے تھے۔ اور یوں اپنی روزی کماتے تھے۔ برخلاف اس کے حقیقت یہ ہے۔ کہ کم از کم بعض صورتوں میں شکار کے دور کے بعد زمین کی کاشت کا دور فوراً شروع ہو گیا۔ اور کہیں کہیں تو شکار اور مچھلیاں پکڑنے کے بعد دوسری منزل یہی تھی۔ عام قاعدہ ہے۔ کہ وہ قبیلے اور قومیں جو پہلے جنگلی پھل پھول اور ترکاریاں کھا کر گذا ہ کرتی تھیں۔ وہ بغیر کسی بدوی صنعت کے

آشنا ہوئے فوراً زراعتی دور میں داخل ہوگئیں۔ یہ بھی محض قیاس نہیں کہ بعض صورتوں میں مثلاً ساحلِ قدیم کے باشندوں کے یہاں مچھلیاں پکڑنے کے مشغلہ نے براہ راست تجارت کی صورت اختیار کرلی۔ شمالی امریکہ کے اصلی باشندوں نے سفید رنگ کے آدمیوں کے آنے سے پیشتر سوائے کتے کے کوئی جانور نہ پالا تھا۔ پالتو کی اہمیت ان لوگوں میں بیحد کم تھی اور جتنی کچھ تھی وہ بھی مخصوص مقامات تک محدود تھی۔ اس لئے موجودہ بحث کے سلسلے سے ہم اُسے خارج قرار دے سکتے ہیں۔ کُتّا گو کبھی کبھی کھانے کے کام میں بھی آتا تھا۔ تاہم اسکا استعمال زیادہ تر شکار میں کیا جاتا تھا۔ اس لئے بجائے بدوی دور کے شکار کے دور کا جانور ہے۔ ان مثالوں میں بدوی معاشرت کا نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ دوسرے الفاظ میں کوئی باشندے شمالی امریکہ میں ایسے نہ تھے جو اپنی روزی کا کوئی قابل قدر حصّہ پالتو جانوروں کی گلّہ بانی اور نسل افزائی سے حاصل کرتے ہوں۔ سفید رنگ کی قوموں کے آنے کے بعد بھی لمبا سال تک گھوڑا اکیلا گھریلو جانور سمجھا جاتا تھا۔ جس کا اضافہ انڈین وحشیوں کی دولت میں ہوا۔ اور اس سے بھی کتّے کی طرح زیادہ تر جنگ اور شکار میں کام لیا جاتا تھا۔ اور اسلئے وہ بھی لازماً شکار کے دور کا جانور تھا۔ برخلاف اس کے زراعت سوائے انتہائی شمالی خطّے کے جہاں اُس کا سرے سے امکان نہ تھا۔ باقی ہر جگہ ہوتی تھی۔ بعض قبایل میں مثلاً پوبلوں میں اور مکسیکو کی اقوام میں کاشتکاری کا فن کافی ترقی کر چکا تھا۔ اس بنا پر ہم بآسانی کہہ سکتے ہیں۔ کہ شمالی امریکہ کے اُس حصّے کے باشندے جواب ریاستہائے متحدہ کے مقبوضات میں شامل ہے۔ بدویت کے دور سے گذرے بغیر شکار اور مچھلیاں پکڑنے کے دور سے براہ راست زراعتی دور میں آئے۔ اور ایک رائے ہے۔ جس کے مطابق وہ پہلے زراعت پیشہ تھے۔ لیکن اُنہوں نے شکار کی افراط کی وجہ سے خصوصاً جب بیزن کی کثرت ہوگئی۔ شکار کو وسیلہ معاش بنا لیا تھا۔

ہمارے بزرگ غالباً چرواہے تھے

بہرکیف امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ کہ خود ہمارے اسلاف یعنی مغربی ایشیا اور یورپ کے باشندے کاشتکار بننے سے پہلے عموماً ایک بدویت کے دورِ ارتقا سے گذرے تھے۔ اس وجہ سے زراعت کے ارتقا کی تاریخ

جیسا کہ ہم اُس سے واقف ہیں۔ لازماً بدوی زندگی اور بدوی معاشرت کے مطالعہ پر مشتمل ہونی چاہیئے۔ قدیم عبرانی پطریقوں کی زندگی جیسی کہ وہ کتاب "پیدائش" میں درج ہے۔ صاف طور پر بدوی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے ترک وطن کیا اور جانب مغرب اُس ملک میں جواب فلسطین کے نام سے مشہور ہے۔ ہجرت کر کے چلے گئے تو اس وقت وہ ایک چرواہے تھے۔ یعنی مویشیوں کو چراگاہوں میں لئے پھرتے تھے۔ وہ یوں تو ہمارے مغرب بعیدہ کے گلہ بانوں سے بہت سے جزئی امور میں مختلف تھے۔ لیکن خاصکر اس امر میں وہ کوئی مقررہ ٹھکانا نہ رکھتے تھے۔ بلکہ خیموں میں رہتے تھے اور اپنے گلّوں کو لیئے ہوئے چراگاہوں کی تلاش میں ادہر اُدہر پڑے پھرتے تھے۔ اس اعتبار سے ابراہیم کی زندگی زمانۂ جدید کے بدوؤں سے جو ابھی بدویت کے دور ہی میں ہیں۔ نہایت قریب کی مماثلت رکھتی تھی۔ یہ عبرانیوں کے قیام مصر کے بعد کا واقعہ ہے کہ اُنہوں نے ضرورۃً کاشتکاری کو اپنا پیشہ بنا لیا۔

جس طرز کی زندگی پطریق بسر کرتے تھے اور جدید بدو بسر کرتے ہیں۔ عین اُس طرح کی زندگی یورپ کی سرد آب وہوا میں بسر کرنا ناممکن ہے۔ اس کے باوجود یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ یورپی اقوام تاریخ کے آغاز سے پہلے اپنے قدیم ملک میں ابتداءً گلہ بان تھے۔ سب سے پہلے یونانی اور اطالوی باشندے غالباً خانہ بدوش چرواہے تھے۔ جو اپنے گلّوں اور ریوڑوں کیلیئے چراگاہیں ڈھونڈھتے پھرتے تھے۔ وہ اپنے جانوروں کو ہانکتے ہوئے اور اپنے بیوی بچوں کو اور اپنے خانگی اسباب کو بھونڈی سی گاڑیوں پر جن کے آگے بیل جُتے ہوتے تھے۔ لادے ہوئے چلے آتے تھے۔ اس کے بہت مدت تک شمالی یورپ کے لوگ اپنے گلّوں کی پیداوار پر گزارہ کرتے تھے۔ اگرچہ ٹیسی ٹس کے زمانہ میں جرمنی قوم نے سیدھے سادے طریقے پر زراعت شروع کر دی تھی۔ اور اسی طرح برطانوی قوم سیزر کے حملے کے وقت زراعتی دور میں قدم رکھ چکی تھی۔ یہ قریب قریب تحقیق شدہ امر ہے۔ کہ آئرلینڈ سن عیسوی کی ساتویں صدی کے آغاز تک ایک بدوی ملک تھا۔

جانوروں کا پالنا کیسے شروع ہوا؟ ظنِ غالب یہ ہے کہ جانوروں کو گھریلو بنانے کا طریقہ پالتو جانوروں سے شروع ہوا۔ اوّل اوّل جب کسی وحشی نے کوئی چھوٹا سا جانور پکڑا ہوگا

تو اس کو یہ سُوجھی ہو گی کہ اس سے کھیل کر اپنا دل بہلائے۔ اگر غذا اُسے کافی مقدار میں میسر آتی تھی تو وہ بآسانی اُس جانور کو اپنی بھوک کا ذریعہ تسکین بنانے کے بجائے اُسے بطور ایک پالتو جانور کے رکھ سکتا تھا۔ جب اس طرح کے بہت جانور اس گاؤں میں جمع ہو گئے ہونگے تو ایک اچھے خاصے گلّے کا آغاز ہو گیا ہو گا۔ جس کی تعداد میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا گیا۔ پھر یہ سمجھنے کیلئے کوئی زیادہ عقل درکار نہ ہو گی کہ جن دنوں میں شکار کی کمی ہو ایسے گلّہ کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ ان گلّوں میں بہت سے جانور بھاگ گئے ہونگے۔ اور از سر نو اپنی قدرتی جنگلی زندگی بسر کرنے لگے ہونگے۔ صرف صرف ان جانوروں نے جو بہت زیادہ آدمیوں سے رِل مِل گئے تھے یا جو آپنے مالکوں سے بہت زیادہ مانوس ہو گئے تھے۔ اپنی گھریلو زندگی کو جاری رکھا ہو گا۔ مزید براں یہ بھی قرین قیاس ہے۔ کہ جب کبھی ان پالتو جانوروں کو غذا کے طور پر استعمال کرنے کیلئے ذبح کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو گی تو بمقابلہ اُن جانوروں کے جو مانوس تھے۔ اُن پر نظرِ انتخاب پڑتی ہو گی جو سب سے زیادہ وحشی تھے۔ یہ عملِ انتخاب یعنی مانوس ہو جانے والے جانوروں کا تحفظ اور نہ مانوس ہونے والے جانوروں کا ذبح کرنا نسلاً بعد نسل جاری رہا ہو گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہو گا کہ پالتو اور گھریلو جانوروں کی پرورش کی گئی ہو گی۔ جو اپنے جنگلی بھائی بندوں سے بہت سے امور میں مختلف تھے۔

یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ نوعِ انسانی کی جس شاخ سے ہمارا سلسلۂ نسب ملتا ہے۔ اُس نے آغازِ تاریخ سے لیکر اس وقت تک کوئی نیا جانور گھریلو نہیں بنایا۔ ہمارے تمام زراعتی جانور فرداً فرداً ایسے زمانے میں گھریلو بنائے گئے تھے۔ جس کا کوئی نوشتہ ہمارے پاس موجود نہیں۔ اور نہ اُن حالات کا جن کے ماتحت یہ عمل ظہور میں آیا۔ ہمارے پاس کوئی تحریری بیان ہے [۱۵]۔ یہ ہمارے ماقبل تاریخ اسلاف کا ہم پر ایک اور احسان ہے کہ وہ ہمارے لئے وحشی جانوروں کو پالتو اور گھریلو بنا گئے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ وہ بہت سی ایسی چیزوں سے ناواقف تھے۔ جو بعد میں

---

[۱۵] ممکن ہے کہ زیبرا اس کلیہ سے مستثنیٰ ہو۔ کیونکہ گو بحیثیت نوع اس جانور کو رام (مطیع) نہیں کیا گیا۔ تاہم اس نوع کے بہت سے افراد گھروں میں پالے گئے۔ تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ زیبرا ایک گھریلو جانور بن گیا ہے۔ جس سے عام طور پر کام لیا جاتا ہے۔ سدھائے ہوئے سمندری شیر۔ بھیڑیئے۔ چوہے وغیرہ صحیح معنوں میں گھریلو جانور نہیں کہلا سکتے۔ کیونکہ ان کی وحشیانہ فطرت اب بھی ویسی کی ویسی ہی ہے یہی حال زیبرا کا ہے۔ (مصنف)

دریافت کی گئی ہیں۔ اور جن سے فائدہ اُٹھانے کا ہم کو موقع ملا ہے۔ تاہم ہمارے بہت سے کام اُنہوں نے انجام دیئے ہیں۔ جن کے ازسرِ نو کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں پڑتی۔

بدوی زندگی کا اثر سیرتِ انسانی پر جب ہمارے گھریلو جانوروں کے خصائل میں یہ تبدیلی ظہور پذیر ہو رہی تھی تو اس کے پہلو بہ پہلو اُس کے مشابہ تبدیلیاں اُن کے مالکوں کی سیرت میں ہو رہی تھیں۔ وہ افراد یا قبائل جنہوں نے سب سے پہلے گلّوں اور ریوڑوں کے فائدوں کو سمجھا ہوگا۔ اور اُن سے فائدہ اُٹھانے کا طریقہ سیکھا ہوگا۔ وہ اپنے کم سمجھدار ہمسایہ افراد یا قبائل کی بہ نسبت نفع میں رہے ہونگے۔ اُس شدید تنازع للبقا[1] میں جو وحشی اقوام کے درمیان ہمیشہ جاری رہتا تھا وہ لوگ زیادہ تر کامیاب ہوئے ہونگے۔ جو اس زیادہ وافر اور زیادہ پائدار ذریعہ معاش سے فائدہ اُٹھاتے ہونگے۔ جو لوگ اتنے سست و کم عقل تھے کہ اُس سے فائدہ نہ اُٹھا سکتے تھے وہ تباہ کر دیئے جاتے ہونگے۔ یا اُن کے زیادہ خوشحال یا زیادہ قوی ہمسائے اُنہیں اپنی زمینوں سے بے دخل کر کے نکال دیتے ہونگے۔ اس طرح ایک ایسے عملِ انتخاب کے ماتحت جو اُس عملِ انتخاب سے مشابہ تھا۔ جس کے مطابق گھریلو جانوروں کی نسل کا تحفظ عمل میں آیا۔ زمین ان زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ ذہین افراد یا قبائل کی ملکیت بن جاتی ہوگی۔ زمانۂ حال میں بھی مہذب ترین جماعتوں میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو جنگلی آدمی کہلانے کے مستحق ہیں۔ بہائم صفت مجرم۔ شورش انگیز اور فتنہ پرداز لوگ اور بعض جنگجو اشتراکیئں (بولشویک) المختصر تمام باغی جو مہذب زندگی کے اسباب اور ذرائع کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کئے ہوئے ہیں۔ سب کے سب انسانی گلّہ کے موذی اور وحشی جانور ہیں۔

تہذیب پر اثر لیکن یہ تغیّر صرف افراد کی ذات تک محدود نہ تھا۔ اس کا اثر اُن کے آئین و قوانین۔ اُن کے اداراتِ اجتماعیہ۔ اور اُن کے اخلاقی عقاید پر بھی ہُوا۔ اس کے جو نتائج سب سے پہلے رونما ہوئے ان میں ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ ملکیت کے متعلق ایک نیا خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گیا۔ جب لوگوں نے اپنے گلّوں کی ایک ذریعہ آمدنی کے طور پر قدر کرنی شروع کی۔ اور اُن سے جو حاصل ہوتا تھا۔ اس کو ذریعہ معاش خیال کرنا شروع کیا۔ تو اصل کا مفہوم وجود میں آیا۔ اصل کے مفہوم سے مراد دولت کا ایک ذخیرہ ہے۔ جو ذریعہ آمدنی بن سکے۔ اس ذخیرۂ دولت کی

[1] اپنی کو قائم رکھنے کیلئے مخالفوں کے مقابلے میں پوری کوشش کرنا

حفاظت آمدنی کی خاطر کرنی پڑتی تھی۔ اور اس امر کے لئے کسی قدر ضبط نفس اور عاقبت اندیشی کی ضرورت ہوتی تھی۔ کیونکہ اگر اسکی حفاظت نہ کی جاتی تو آیندہ کیلئے آمدنی کا ذریعہ مسدود ہو جاتا۔ جب ایک شخص یا گروہ کوئی غلہ جمع کر لیتا تھا تو یقینی امر تھا کہ وہ اپنی محنت کے پھل میں دوسروں کو شریک نہ ہونے دے۔ شکار اور مچھلیاں پکڑنے کے دور میں شخصی ملکیت بہت کم ہوتی تھی اور شخصی اصل تو بالکل نہ ہوتا تھا۔ لیکن جب بدویت کا دور آیا۔ تو وہ اپنے ساتھ اصل کو بھی لے آیا اور اس کو بہت فروغ دیا۔ دولت کا اندازہ مواشی کی تعداد کے مطابق کیا جانے لگا۔ اور کثیر دولت پر قابض ہونا اور جنگ اور شکار میں طاقت و زور آوری دکھانا بنائے امتیاز بن گیا۔

خانگی زندگی پر اثر } جب اصل کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اور اس سے جو نفع ہونا ممکن تھا۔ اُسکی خواہش دلوں میں پیدا ہو گئی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو محنت کی قدر کی جانے لگی اور دوسری طرف اس امر کو ضروری سمجھا جانے لگا کہ کسی دولتمند کے ساتھ وابستہ ہونا چاہیئے جس کے پاس کثیر تعداد میں مال مویشی ہو۔ خاص طور پر یہ محسوس کیا گیا کہ عورتیں اور بچے گلہ بانی کے کام میں مفید معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور عورتوں نے یہ دیکھا کہ اگر وہ کسی گلہ بان کے ساتھ رشتہ کر لیں تو وہ اُنہیں روٹی کپڑا اور گھر بار بہم پہنچا سکتا ہے۔ اسلئے اُنہوں نے بہ نسبت ایک شکاری سے وابستہ ہونے کے جو زیادہ سے زیادہ ایسی روزی اُن کیلئے مہیا کر سکتا تھا۔ جس کا کوئی اعتبار نہیں یہی بہتر سمجھا کہ ایک گلہ بان کے ساتھ رشتہ کریں۔ یہ وہ حالات تھے جن کے ماتحت پطریقی خاندان وجود میں آیا۔ یہ اُس خانگی زندگی کا جو شکار کے دور میں بسر کی جاتی تھی۔ ایک نعم البدل تھا۔ پطریقی خاندان میں گلہ کا مالک گھر کا سردار اور رئیس ہوتا تھا۔ اُس کی بیویاں فی الحقیقت لونڈیاں ہوتی تھیں۔ بلکہ عموماً ماں باپ سے خرید کر لی جاتی تھیں۔ رئیس خاندان کے جین حیات اُس کی اولاد جس میں اُس کے بیٹے بھی شامل تھے۔ اُسکی ماتحت ہوتی تھی۔ البتہ وہ اپنی بیٹیوں کو بیچ کر دوسرے گلہ بانوں کی بیویاں بنا سکتا تھا۔ اور اس صورت میں بیٹیاں اپنے نئے مالکوں کی ماتحت ہو جاتی تھیں۔ خاندان کے عموماً کثیر التعداد ارکان ہوتے تھے۔ بیٹے۔ بیٹیاں۔ پوتے پوتیاں۔ پڑپوتے۔ پڑپوتیاں۔ یہ سب کے سب گلہ کے محافظ اور گلہ بان کے ماتحت ہوتے تھے۔ جو اُن کے خاندان میں سب سے بڑی عمر کا مرد ہوتا تھا۔

پطریقی خاندان نے نشوونما پاکر قبیلہ کی صورت اختیار کی۔ قبیلہ بہت سے آپس میں رشتہ رکھنے والے خاندانوں کا ایک گروہ ہوتا تھا۔ جو ایک مشترک دادا یا پردادا کی اولاد ہوتے تھے۔ پطریقی معاشرت کے متعلق ایک قابل لحاظ امر یہ ہے۔ کہ اُس کی بنیاد بجائے ہمسائیگی یا ایک ہی جغرافیائی رقبہ میں سکونت رکھنے کے خون کے رشتہ پر ہوتی تھی۔ ایک ایسی معاشرت یا قبیلہ کے کسی فرد کے ذہن میں ہرگز یہ بات نہ آسکتی تھی۔ کہ کوئی شخص اگر اس کا ہمسایہ ہے۔ یا اتفاق سے اُس خطۂ زمین میں آباد ہے۔ جس میں وہ خود رہتا ہے تو محض رہنا پر اُس شخص کو اُس کی حکومت یا مذہب میں حصہ لینے کا حق پہنچتا ہے۔ جو شخص اس کا خون کا رشتہ دار نہ ہوتا وہ اس کے قبیلہ کا رکن نہ سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کے مذہب میں شریک نہ ہو سکتا تھا۔ الا اس صورت میں کہ وہ اس کے قبیلہ کے فرد کا متبنٰی بن کر اس کا مصنوعی قرابت دار بنجائے۔

ملکیت زمین } جس زمانہ میں اصلِ ذاتی بدوی زندگی میں اچھی خاصی اہمیت حاصل کر چکا تھا۔ تو زمین کی ملکیّت ابھی اپنے ابتدائی مرحلے طے کر رہی تھی۔ یہ بات کہ ایک شخص کو کسی خاص قطعۂ زمین پر اپنے گلّے چرانے کا بہ نسبت دوسروں کے زیادہ حق ہے۔ شروع شروع میں نہایت بیہودہ اور لغو معلوم ہوتی ہوگی۔ بہرحال رفتہ رفتہ بعض بعض صورتوں میں باہمی اتفاق سے یہ سمجھوتا ہونے لگا۔ کہ ہر گلہ بان یا ہر بدوی گروہ کا سردار اپنے مویشیوں کو خاص خاص اقطاع زمین تک محدود رکھے۔ مثلاً کتاب "پیدایش" کے تیرھویں باب میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ ابراہیمؑ اور لوطؑ نے ایک دوسرے سے جدا ہونے کا فیصلہ کیا۔ اور باہم یہ قرارداد کی کہ اپنے اپنے مویشیوں کو ایک مخصوص رقبہ اراضی کے اندر اندر محدود رکھیں کیونکہ زمین نایاب ہوتی جا رہی تھی۔ یا یوں کہیئے۔ کہ اُن کے گلّے اور گلّہ بان تعداد میں اتنے بڑھتے جا رہے تھے کہ آپس میں لڑائی جھگڑے کا ہر وقت ڈر رہتا تھا۔ یہ تھی زمین کی ملکیت کی ابتدا۔ جب آدمی "میرے" اور "تیرے" میں فرق کرنے لگیں تو یہ سمجھئے کہ ملکیت کا خیال اُن کے ذہن میں پیدا ہو گیا۔ بہرحال جس دَور کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اُس میں ابھی صحیح معنوں میں شخصی ملکیت کا مفہوم وجود میں نہ آیا تھا۔ بلکہ گروہ یا قبیلہ کی ملکیت وجود میں آئی تھی۔ کیونکہ جسے ہم پطریقی خاندان کہتے ہیں۔ وہ بہت سے خاندانوں کا ایک گروہ ہوتا تھا۔ جن کا سردار ایک پطریق یا

شیخ ہوتا تھا۔

گاؤں کی پنچائتیں } یہ عمل آہستہ آہستہ ہوتا رہا۔ خاندان نشوونما پاکر قبیلوں کی صورت اختیار کرتے رہے۔ اور قبیلوں کی تعداد میں ترقی ہوتی رہی۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر قبیلہ کا مخصوص رقبہ پہلے سے زیادہ محدود ہوگیا۔ ہوتے ہوتے جب یہ صورت حالات پیدا ہوگئی کہ ایک ایک متعین رقبہ جس کی وسعت حدود مقرر تھیں۔ ایک ایک قبیلہ کی ملکیت بن گیا تو خانہ بدوشی کی زندگی کی جگہ خانہ نشینی کی زندگی بسر کی جانے لگی۔ اور یہ زیادہ تر ایسے چھوٹے چھوٹے گاؤں میں جن کے چاروں طرف سبزہ زار یا جنگل ہوتے تھے۔ سالہا سال تک یہ رقبے افراد کی بجائے قبیلوں کی ملکیت رہے۔ جب ہر گاؤں کے اندر افراد کی تعداد نے ترقی کی۔ اور چراگاہوں کے رقبہ کی وسعت ناممکن ہوگئی۔ تو یہ امر اشد ضروری ہوگیا۔ کہ روزی کمانے کا کوئی زیادہ سودمند طریقہ نکالا جائے۔ پودوں کا اُگانا ایک اس قسم کا طریقہ تھا۔ اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ ایک رقبۂ زمین جو جانوروں کیلئے چارہ مہیا کرکے سو آدمیوں کو پال سکتا ہے۔ اُس میں اگر معمولی طریقے سے ہل جوتا جائے۔ اور اردگرد کی زمین کو چراگاہ اور جنگل کی صورت ہی میں چھوڑ دیا جاتا۔ اوّل اوّل ان کھیتوں میں غالباً مل جل کر کاشت کی جاتی تھی۔ لیکن تاریخ کے آغاز سے پہلے اشتراکیت کا طریقہ یورپ کے بعض حصّوں میں ترک کیا جاچکا تھا۔ اور بعض حصّوں میں اس کے کچھ مدّت بعد ترک کردیا گیا۔ البتہ اشتراکی زراعت کی ایک ترمیم شدہ صورت دورِ تاریخی کے اوائل تک باقی تھی۔ یہ زراعت کی ایک ایسی قسم تھی۔ جس میں زمین گاؤں کے لوگوں کی مشترکہ ملکیت ہوتی تھی۔ لیکن ہر خاندان کو کچھ حصّہ الگ دیدیا جاتا تھا۔ کہ اپنی گذران کیلئے اُس میں فصل اُگائے۔

پنچایتی کاشت } جب بدوی قبیلہ چند پشتوں تک گاؤں میں خانہ نشینی کی زندگی بسر کرچکا۔ تو رشتہ داری کو بنائے تنظیم بنانے کا پُرانا خیال آہستہ آہستہ کمزور ہونے لگا۔ اور مقامیت یعنی ایک قطعۂ خاص میں سکونت رکھنا تنظیم اجتماعی کی بنیاد بننا شروع ہوا۔ گاؤں مختلف خاندانوں میں تقسیم ہوگیا۔ جو کسی حد تک زمانۂ جدید کے خاندانوں سے مشابہ تھے۔ اس تغیر کو زراعت کے روزافزوں شوق سے بہت کچھ

مدد ملی - یہ خیال کہ جو شخص کام نہیں کرتا - اس کو کھانے کو نہ دیا جائے - اس کا سُراغ بہت دور تک پہنچتا ہے - جب تک گاؤں کے تمام مویشی مشترک تمام محنت کی بدولت مشترکہ قطعہ زمین سے چارہ کھاتے تھے - ایک شخص کی کارکردگی دوسرے شخص کی کارکردگی سے ممتیز نہیں ہوسکتی تھی - لیکن جب زمین صاف ہونی شروع ہوئی - اور پودے بوئے اور کاٹے جانے لگے - تو مختلف لوگوں کے کام میں تمیز کرنا آسان ہوگیا - جو سب سے زیادہ محنت اور سمجھ سے کام کرتے تھے - اُن کو سب سے زیادہ مقداریں پودے حاصل ہوتے تھے - اور قدرتی طور پر وہ یہ گوارا نہ کر سکتے تھے - کہ اُن سے کم محنتی ہمسائے اُن کی فصل میں شریک ہوں - اس طور پر زمانۂ تاریخی کی ابتدا ء کے قریب بالخصوص انگلستان میں حالات نے یہ صورت اختیار کی کہ پودوں کی اشتراکی تقسیم کا رواج ترک ہوگیا - گو زمین کی ملکیت اب بھی مشترک رہی -

صحیح طور پر معلوم نہیں - کہ شخصی فصلوں کے قاعدے کے نشو و نما سے کچھ مدت پہلے یا کچھ مدت بعد بہرحال اسی زمانہ کے قریب قریب گلّوں کی مشترک ملکیت کا طریقہ متروک ہوگیا - اور اس کی جگہ شخصی ملکیت کا طریقہ مروج ہوگیا - اشتراکی زراعت کی ترمیم شدہ صورت جو زمانۂ تاریخی کے اوائل میں رواج پذیر ہورہی تھی - اس کا اجمالی سا خاکہ حسب ذیل ہے :-

بلدیہ کے کسی مناسب مقام پر گاؤں واقعہ ہوتا تھا - اس گاؤں کے قرب وجوار میں مزروعہ کھیت اور سبزہ زار اور ان کی حدود کے باہر چراگاہیں اور جنگل ہوتے تھے گاؤں والوں کی اجازت تھی کہ اس مشترک جنگل ذاتی استعمال کیلئے لکڑیاں کاٹ لیں - اور مشترک چراگاہ پر اپنے ذاتی مویشیوں کو چرائیں - مویشیوں کی گلّہ بانی عموماً مشترک طور پر ہوتی تھی - اور اس کے خاص آدمی مقرر ہوتے تھے - مزروعہ کھیتوں کو پہلے متعدد مرتبہ نئے سرے سے تقسیم کیا جاتا تھا - ہر خاندان کو تقریباً مساوی رقبہ جو عموماً تیس ایکڑ کے قریب ہوتا تھا - اور ایک سا حاصل خیز ہوتا تھا - دیا جاتا تھا - بعض اوقات یہ تقسیم چھوٹے چھوٹے اور منتشر ٹکڑوں میں کی جاتی تھی - تاکہ ہر خاندان کو حتی الامکان

ہر قسم کی زمین کا کچھ نہ کچھ حصہ مل جائے۔ چنانچہ اگر ایک طرف زمین کی ملکیت اجتماعی اور اشتراکی تھی۔ تو دوسری طرف جنگلوں کی اور ان کی پیداوار کی ملکیت۔ نیز مزروعہ کھیتوں کی فصل کی ملکیت شخصی تھی۔ جب پودے کاٹ لئے جاتے تھے۔ تو تمام گاؤں کے مویشیوں کو بھوسہ کھانے کی اجازت ہوتی تھی۔ اور فرداً فرداً خاندانوں کو اپنے حصۂ زمین کی بلا شرکت غیرے ملکیت فقط پودوں کے اُگانے کی غرض سے حاصل ہوتی تھی۔

زمین کی ملکیت شخصی } عموماً ایسا ہوتا تھا کہ ایک خاندان کو ہر سال مزروعہ کھیتوں کا ایک ہی حصہ دے دیا جاتا۔ اور بعد میں ایسا پُشتہا پُشت تک ہونے لگا۔ تا آنکہ ہر خاندان کو یہ خیال پیدا ہوگیا۔ کہ وہ اپنے حصۂ زمین کی دائمی ملکیت کا حکم رکھتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جنگلوں اور چراگاہوں کی اجتماعی ملکیت کا دستور ترک ہونے سے مدتوں پہلے زمین کی شخصی ملکیت کا دستور رائج ہوگیا۔ جنگلوں اور چراگاہوں کی اجتماعی ملکیت اس زمانے میں بھی بعض جگہ "حقوق شاملات" کے نام سے باقی ہے۔ لیکن جب مزروعہ کھیتوں کی شخصی ملکیت کا قاعدہ رائج ہوگیا۔ تو اُس کے مدتوں بعد یہ ملکیت عموماً محدود ملکیت ہوتی تھی۔ یعنی خاندان اپنے کھیتوں کا محض اس غرض سے مالک تھا کہ اُن میں پودے اُگائے۔ جب فصل کٹ چکتی تو گاؤں والوں کا حق حاصل ہوتا تھا کہ اپنے دھوڑ ڈنگر کو ان کھیتوں میں ایسے ہی چھوڑ دیں۔ جیسے کہ وہ کوئی مشترک چراگاہ ہوں۔ جب مزروعہ زمین کی تقسیم کا رواج ترک ہوگیا۔ یعنی جب وہ شخصی ملکیت بن گئی۔ تو اس کے مدتوں بعد تک چراگاہوں کی ہر سال نئے سرے سے تقسیم ہوتی تھی۔ تاکہ سردیوں کے موسم کیلئے اُن میں سے چارہ حاصل کیا جا سکے۔ سوکھی گھاس کی فصل کٹ جانے کے بعد گاؤں کے مویشیوں کے لئے ان چراگاہوں میں چرنے کی عام اجازت ہو جاتی تھی۔

کھلے کھیتوں کا دستور } ملکیت اراضی کے ایک دستور کی حیثیت سے اس قاعدے کو بعض اوقات نشان بندی کا طریقہ کہتے ہیں۔ لیکن بحیثیت ایک زراعتی دستور کے اس کا نام عموماً کھلے کھیتوں کا دستور ہوتا ہے۔ جب قابل زراعت زمین گاؤں کے مختلف خاندانوں کی ذاتی ملکیت بن گئی۔ تو اس کے بعد بھی اُس کی حد بندی

باڑ سے نہ کی جاتی تھی۔ بلکہ چاروں طرف سے کھلے ہوئے کھیت ہوتے تھے۔ ان کھیتوں کی ثانوی تقسیم ایک نہایت عمدہ اور نہایت دلچسپ قاعدے کے مطابق کی جاتی تھی۔ اگرچہ ہر خاندان بڑے وسیع رقبۂ زمین کا مالک بن سکتا تھا۔ لیکن اُس کی مقبوضہ زمین سب کی سب ایک ہی جگہ نہ ہوتی تھی بلکہ متعدد چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہوتی تھی۔ جن کا رقبہ عموماً ایک ایک ایکڑ ہوتا تھا۔ یہ ایک ایک ایکڑ کے ٹکڑے ہمیشہ نہیں تو عموماً طول میں ایک فرلانگ کے برابر اور عرض میں بیس گز کے برابر ہوتے تھے۔ اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ایک ایکڑ زمین میں بالاوسط ایک جوڑی کو ایک دن میں ہل چلا لینا چاہیئے۔ ایک ایک ایکڑ کے ٹکڑے جو مختلف خاندانوں کی ملکیت تھے۔ ایک دوسرے کے برابر واقع ہوتے تھے۔ اور اُن کے درمیان حدّ فاصل فقط گھاس کی چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیاں ہوتی تھیں جنہیں مینڈ کہتے تھے۔ ان ٹکڑوں کے ایک مجموعہ کے کناروں پر غیر مزروعہ ٹکڑے ہوتے تھے۔ جنہیں راس زمین کہا جاتا تھا۔ اور جہاں پہنچکر ہل لوٹ آتا تھا۔ اس انتظام کے مطابق ہر فرلانگ یا ایک ایک ایکڑ کے ٹکڑوں کے مجموعہ میں گاؤں کا ہر خاندان ایک ٹکڑے کا مالک ہو سکتا تھا۔ اور اسی طرح کے ٹکڑے متعدد فرلانگوں میں اُسکی ملکیت ہوتے تھے۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ یہ انتظام غالباً فی الاصل اس مقصد کیلئے تھا۔ کہ ہر خاندان کو ہر قسم اور ہر درجہ کی زمین میں سے حصّہ دیکر مساوات قائم کی جائے۔

دو دو کھیتوں کا دستور ہر ملک کے کاشتکاروں نے شروع ہی میں یہ دریافت کر لیا تھا۔ کہ متواتر پودوں کے اُگتے رہنے سے زمین کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور اسکی حاصل خیزی کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ چند سال تک ایک کھیت سے پیداوار حاصل کرکے پھر اُسے خالی چھوڑ دیتے تھے۔ اور اسکی جگہ کوئی اور کھیت زراعت کیلئے تیار کر لیتے تھے۔ کچھ مدت کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ اگر کوئی کھیت چند سال کیلئے بن جتا چھوڑ دیا جائے تو اس کی اصلی زرخیزی کا کچھ حصّہ ضرور عود کر آتا ہے۔ اس طرح زراعتی پیداوار کا ایک بہت بڑا قانون زمانۂ تاریخی کے آغاز سے قبل دریافت کیا گیا۔ وہ یہ کہ اگرچہ متواتر پودوں کے اُگتے رہنے سے زمین فرسودہ ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اس کو چند سال بیکار رہنے دیا جائے تو اس میں نئے سرے سے زرخیزی

پیدا ہو جاتی ہے۔ شروع شروع میں غالباً اس کے متعلق کوئی قاعدہ یا ضابطہ نہیں تھا۔ کہ کب تک زمین کی کاشت کی جائے۔ اور پھر کب تک اُسے بیکار چھوڑ دیا جائے۔ گاؤں والے ایک قطعۂ زمین میں کاشت کیلئے چلے جاتے تھے تا آنکہ وہ اپنے دل میں یہ فیصلہ کرتے کہ بس اب اس کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور کوئی دوسرا قطعۂ زمین زراعت کیلئے تیار کرنا چاہیئے۔ بہرحال بتدریج ایک منظم قاعدہ وجود میں آگیا۔ اس کا نام "دو کھیتوں کا دستور" ہے۔ یہ دستور صرف اس امر پر مشتمل تھا۔ کہ زراعتی زمین کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جائے۔ اور ہر دوسرے سال ایک ٹکڑے میں کاشت کی جائے اور دوسرے کو بے کاشت رہنے دیا جائے۔

تین تین کھیتوں کا دستور:- اس کے بعد ایک اور انکشاف ہُوا۔ وہ یہ کہ فصل کے متواتر بدلتے رہنے سے اتنی جلدی زمین کی زرخیزی کو نقصان نہیں پہنچتا۔ جتنی جلدی ایک ہی چیز بار بار اُگانے سے اُس کو نقصان پہنچتا ہے۔ جب یہ دریافت ہو چکا تو معلوم ہوا کہ اگر کھیت میں دو سال تک پیداوار کی جائے۔ اور تیسرے سال اُسے بے کاشت رہنے دیا جائے۔ تو اس کی زرخیزی قائم رہ سکتی ہے۔ اس سے ایک قاعدہ جسے "تین کھیتوں کا دستور" کہتے ہیں۔ وجود میں آیا۔ اس کے مطابق زراعتی زمین تین حصوں میں تقسیم کی جاتی تھی۔ کوئی فصل خریف کا غلّہ مثلاً گیہوں یا دیوگندم اُس کھیت میں بویا جاتا جو ایک سال پیشتر خالی رہا تھا۔ آئندہ ربیع میں یہ کیا جاتا کہ جس کھیت میں گذشتہ خریف کا غلّہ کاٹا جا چکا تھا۔ اس میں ہل چلایا جاتا۔ اور اس میں ربیع کا غلّہ بویا جاتا۔ مثلاً جئی یا جَو۔ اور جس زمین میں ربیع کی فصل ہو چکی تھی۔ اس کو بے کاشت رہنے دیا جاتا۔ اس طرح ہر کھیت میں ایک سال تو خریف کی فصل ہوتی۔ دوسرے سال فصل ربیع اور تیسرے سال اُسے خالی چھوڑ دیا جاتا۔ یہ دستور چونکہ دو کھیتوں کے دستور سے زیادہ فائدہ مند تھا۔ اس لئے اُس نے اس کی جگہ لے لی۔ گو بعض بعض جگہ یہ عمل بڑی آہستگی سے انجام کو پہنچا۔

آزادی کی کمی:- یہ جتنے دستور تھے۔ ان سب کے ماتحت انفرادی خاندان کو جہاں زمین اور پیداوار دونو کا حق ملکیت حاصل ہوتا تھا۔ وہاں ایک چیز کی کمی تھی۔

یعنی آزادی کی ۔ پنچایت نے باری باری ایک ایک کھیت کے جوتنے کا جو قاعدہ بنا رکھا تھا ۔ اس پر انہیں مجبوراً کاربند ہونا پڑتا تھا ۔ اور اس کیلئے ضروری ہوتا تھا ۔ کہ ایک مقررہ تاریخ تک اپنی فصل کاٹ کر فارغ ہو جائے ۔ تاکہ اس کے کھیتوں میں گاؤں کے مویشی چرنے کیلئے جا سکیں ۔ اسی طرح اور بیشمار آئین و قوانین تھے جو ہر خاندان پر عائد ہوتے تھے ۔ بعض مؤرخین کا قول ہے ۔ کہ ہل اُس زمانے میں امداد باہمی سے چلایا جاتا تھا ۔ آٹھ بیل ہر ہل کے آگے جوتے جاتے تھے ۔ گو غالباً اس بارے میں کوئی قاعدہ مقرر نہ تھا ۔ اور بیلوں کی تعداد کے متعلق تو یقینی امر ہے کہ کوئی خاص تعداد معیّن نہ تھی ۔

اجناس کی محدود اقسام } جو فصل اُگائی جاتی تھی وہ اکثر غلّہ کی قسم سے ہوتی تھی یعنی گیہوں ۔ دیوگندم ۔ جئی ۔ جَو وغیرہ ۔ پھل اور ترکاریاں نہ تو زیادہ عام کاشتکاروں کو معلوم تھیں ۔ اور نہ زیادہ پیدا کی جاتی تھیں ۔ ان لوگوں کو غذا لازمی طور پر بلحاظ تنوّع بہت محدود تھی ۔ زیادہ تر یہ چیزیں کھائی جاتی تھیں ۔ روٹی ۔ دلیا ۔ دودھ ۔ مکھن ۔ پنیر اور نمک لگا کر سکھایا ہوا گوشت ۔ اور کبھی کبھی انڈے اور مُرغ مرغیاں وغیرہ شکر نادر الوجود سامانِ عشرت میں شمار ہوتی تھی ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے ۔ کہ اس کی مقدار بہت ہوتی تھی ۔ اس سیدھی سادی اور ایک ہی مزے کی خوراک کو لذیذ بنانے کیلئے اچھے کھاتے پیتے گھروں میں گھر کی کشید کی ہوئی جو کی شراب کھانے کے ساتھ شامل کر لی جاتی تھی ۔

تعلقہ داری کا دستور ۔ مینوریل سسٹم } دیہاتی تنظیم کی وہ اجتماعی صورت جس کے ماتحت یہ ترقیاں ظہور میں آئیں ۔ آہستہ آہستہ زوال پذیر ہوتی گئی ۔ اور اسکی جگہ ایک اور نظام وجود میں آیا جسے نظام تعلقہ داری (Manorial system) کہتے ہیں ۔ یہ زراعت کے قدیم قاعدے میں کوئی تبدیلی نہ تھی ۔ بلکہ ملکیّت زمین کے دستور میں ایک تبدیلی تھی ۔ ملکیّت زمین کے نشان بندی کے دستور (Mark system) کے بعد تعلقہ داری کا دستور آیا ۔ لیکن دونوں کے ماتحت زراعت کا دستور کھلے کھیتوں کا دستور تھا ۔ اس کی کوئی تاریخ نہیں بتائی جا سکتی کہ جب

اجتماعی دستور یا نشان بندی کا دستور کا آغاز ہوا۔ انگلستان جو ایک ایسا ملک ہے۔ کہ اس کی زراعتی تاریخ سے ہمارے ملک کے لوگوں کو سب سے زیادہ دلچسپی ہے۔ اُس میں یہ نیا دستور غالباً نارمن فتح یابی (۱۰۶۶ء) کے دو صدیاں پہلے وجود میں آیا۔ اس واقعہ کے تھوڑی مدت بعد اس تحریک کی عملی طور پر تکمیل ہو گئی۔ نارمن بادشاہوں نے دیکھا۔ کہ ملک کی از سر نو تنظیم و تنسیق کرنے کیلئے یہ دستور نہایت عمدہ ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے نہ صرف یہ کیا۔ کہ جو تعلقے داریاں پہلے موجود تھیں وہ ولیم فاتح کے ساتھیوں کو دیدیں بلکہ تمام سلطنت کا جائزہ لیا اور اُسے اپنی قوم کے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ ۱۰۸۵-۱۰۸۶ء کے موسم سرما میں سلطنت کی ایک عام پیمائش کا حکم دیا گیا۔ اور اس کے دوسرے سال اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ اسے (Domesday Survey) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اس کے نتائج ایک کتاب میں درج کئے گئے جو (Domesday Book) کے نام نامی سے مشہور ہے۔ یہ پہلی زراعتی پیمائش تھی۔ جو بہت بڑے پیمانے پر ہوئی۔ اور جس کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا۔ اور غالباً کسی قوم کے زراعتی وسائل کا اس سے مکمل جائزہ کبھی نہیں لیا گیا۔

ایک مینر (تعلقہ) کا اجمالی خاکہ؟ یوں تصوّر کیجیئے۔ کہ ایک گاؤں تمام کا تمام ایک جاگیردار کی ملکیّت بن گیا ہے۔ اور گاؤں والے villein کے نام سے نسلاً بعد نسل اُس کے مزارع بن گئے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ کاشت اُسی طرح کرتے ہیں جس طرح پنچایتی یا نشان بندی کے دستور کے ماتحت کرتے تھے۔ تاہم اپنے جاگیردار کو جنس یا خدمت کی صورت میں لگان ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک تعلقہ (manor) کا اجمالی سا خاکہ ہے۔ تعلقہ کا مالک صرف زمین کا مالک نہ ہوتا تھا۔ بلکہ وہ مقامی پنچایت کا سردار بھی ہوتا تھا۔ وہ عدالت کرتا تھا اور قانون نافذ کرتا تھا۔ اُس کے ذمّے بادشاہ کی طرف سے چند فرائض و خدمات بھی تھیں۔ ایک لحاظ سے ہم اُسے مقامی حکومت کا ایک عہدہ دار کہہ سکتے ہیں۔ جو کہ بادشاہ کے ماتحت ہوتا تھا۔ اور بجائے تنخواہ کے بادشاہ کی طرف سے اُس کو زمین عطا ہوتی تھی۔ اور ساتھ ہی اس کا لگان وصول کرنے کا

حق بھی بخشا جاتا تھا۔ بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ مقامی حکومت کے عہدہ دار کی حیثیت خود بخود اختیار کر لیتا۔ بغیر اس کے کہ بادشاہ کی طرف سے اس کا تقرر ہو۔ چونکہ تمام قرب و جوار میں وہ سب سے زیادہ مقتدر اور طاقت ور آدمی ہوتا تھا۔ اسلئے فتنہ و فساد یا بے آئینی کے زمانہ میں وہ ایک سردار یا حاکم کی حیثیت اختیار کر لیتا۔ جو لگان اسامی یا مزارع کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ اُسے ہم اسی نقطۂ نگاہ سے وہ محصول یا خراج کہہ سکتے ہیں۔ جو وہ مقامی حکومت یا مقامی حاکم کی امداد کیلئے ادا کرتے تھے۔ بعض صورتوں میں اور بالخصوص نارمن فتح کے بعد یہ بھی ہوتا تھا کہ ایک تعلقہ میں بہت سے گاؤں ہوتے تھے۔ ان میں جو مزارع ہوتے تھے وہ مختلف طبقوں کے لوگ ہوتے تھے اور ان میں سب سے زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی۔ جنہیں villein[له] کہتے تھے۔ ہر ایسے شخص کے پاس قابل زراعت زمین کا ایک قطعہ ہوتا تھا۔ جس کا رقبہ عموماً تیس ایکڑ کے برابر ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کو چراگاہ کی زمین کا بھی حصہ دیا جاتا تھا۔ اور اُس کو یہ حق حاصل ہوتا تھا کہ شاملات پر اپنے مویشی چرائے اور جنگل سے لکڑیاں کاٹے جیسا کہ وہ پنچایتی دستور کے ماتحت ہمیشہ سے کرتا چلا آیا تھا۔ لیکن وہ کسی اعتبار سے آزاد آدمی نہ تھا۔ وہ جس زمین کی زراعت کرتا تھا اس کے ساتھ وابستہ تھا۔ اور اپنے آقا یعنی جاگیردار کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جا سکتا تھا۔ البتہ ایک معمولی غلام کی طرح زمین سے علیحدہ نہ بیچا جا سکتا تھا۔ لگان اُسے جنس کی صورت میں دینا پڑتا تھا۔ لیکن[۵۲] انگلستان میں لگان ادا کرنے کی صورت یہ تھی کہ مزارع اپنے آقا کیلئے محنت کرتا تھا۔

له villein کے معنی تھے "گنوار" یعنی وہ شخص جو گاؤں میں رہتا تھا (vil or village) یہ گاؤں پرانے زمانے کے پنچایتی دستور کے باقیات میں سے تھے۔ گاؤں سے نکل کر villein اس زمین میں جو اس کو کاشت کیلئے الگ دی گئی تھی۔ یا اس زمین میں جو جاگیردار کی کاشت ذاتی ہوتی تھی۔ کام کرنے کیلئے جاتا تھا۔"

۵۲۔ ایشلے کی "انگلستان کی معاشیاتی تاریخ" حصہ اوّل صفحہ نمبر ۱ پر ایک انگریزی مینر (تعلقہ) کا نقشہ مندرجہ ذیل الفاظ میں نہایت خوبی سے پیش کیا گیا ہے۔

"گاؤں میں ایک بازار ہوتا تھا اور اس کے دو طرفہ کاشت کاروں کے مکان تھے۔ جن کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے احاطے ہوتے تھے۔ اس وقت تک اس قسم کی منتشر باڑیاں جو بجدہٗ وجود میں آئیں۔ کہیں دیکھنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۰)

ایک تعلقہ میں جتنی زمین ہوتی تھی وہ سب کی سب اسامیوں کو نہیں دیدی جاتی تھی۔ کچھ حصے جنہیں جاگیردار کی "خود کاشت زمین" (Demesne lands) کہتے تھے خود جاگیردار کے پاس رہتے تھے۔ اور ان میں وہ خود کاشت کرتا تھا۔ یا اپنے زیر اہتمام کراتا تھا۔ ان میں کام کرنے والے لوگ چھوٹے چھوٹے شکمی کاشتکار ہوتے تھے۔ ان شکمی کاشتکاروں کے مختلف نام تھے۔[۱] اور اُن کے قبضے میں بہت چھوٹے چھوٹے قطعے عموماً

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۴۹) میں نہ آتی تھیں گاؤں کے گرداگرد قابل زراعت زمین ہوتی تھی۔ جو عموماً تین کھیتوں میں تقسیم ہوتی تھی۔ جن میں سے ایک میں گیہوں یا دیو گندم اور ایک میں جئی یا جَو کی کاشت کی جاتی تھی۔ اور تیسرے کو بے کاشت چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ان کھیتوں کی تقسیم آگے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں ہوتی تھی۔ جنہیں فرلانگ کہتے تھے۔ پھر ہر فرلانگ کو ایکڑ یا آدھ ایکڑ کے ٹکڑوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ جو ایک دوسرے سے کانٹوں یا جھاڑیوں کی باڑ سے الگ نہ کئے جاتے تھے۔ بلکہ مینڈ کے ذریعے یعنی اسی زمین کے ذریعے جسے بن جتا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ یہ ٹکڑے اسامیوں میں اس طرح بانٹ دیئے جاتے تھے۔ کہ ہر شخص کی پٹی ایسے مختلف ٹکڑوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ جو ان تین کھیتوں میں ادھر اُدھر منتشر ہوتے تھے۔ کسی شخص کے پاس دو متصل ٹکڑے نہ ہوتے تھے۔ ہر اسامی کو اپنے قطعہ زمین کی کاشت اُس باری باری کے قاعدے کے مطابق کرنی پڑتی تھی۔ جو اس کے ہمساؤں میں رائج تھا۔ قابل زراعت کھیتوں کے علاوہ چراگاہیں بھی تھیں۔ جن کی حفاظت سوکھی گھاس کیلئے کی جاتی تھی۔ اور جو مختلف حصوں میں یا تو قرعہ اندازی سے یا باری باری سے یا رواج کے مطابق تقسیم کی جاتی تھیں۔ یہ چراگاہیں سوکھی گھاس کے کٹ چکنے کے بعد مویشیوں کے چرنے چگنے کیلئے چھوڑ دی جاتی تھیں۔ اکثر جگہ چند مستقل جنگل یا چراگاہیں بھی ہوتی تھیں۔ جن میں مویشی بے روک ٹوک چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ یا جُدا جُدا ایک ایک شخص کی پٹی کے مطابق اُن مویشیوں کی تعداد مقرر ہو جاتی تھی۔ جن کو وہاں چرنے کی اجازت تھی۔

بالفرض اگر یہ کھیت اور چراگاہیں آزاد آدمیوں کے ایک گروہ کی ملکیت ہوتیں تو اس صورت حالات کو ہم نشان بندی کا دستور کہتے۔ لیکن (مینوریل سسٹم) تعلقہ داری کا دستور بالکل مختلف چیز تھی۔ ایک تعلقہ (مینر) میں زمین مزارعوں کی ملکیت نہ سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ ایک جاگیردار کی "

---

[۱] Cotters Cofften Borders

پانچ ایکڑ کے رقبہ کے ہوتے تھے - جاگیردار کی خود کاشت زمین میں بیج بویا جاتا تھا - فصل کٹائی جاتی تھی اور اناج چھڑا جاتا تھا تو یہ سب اُن چھوٹے مزارعوں کی محنت ہے - ہر شکمی کاشتکار کا فرض واجبی تھا - کہ ہفتے بھر میں دو یا تین دن کے حساب سے بارہ مہینے اپنے جاگیردار کی خاطر کام کرے - اس کے علاوہ بعض مرتبہ فصل کٹنے کے دنوں میں بھی اُسے کام کرنا پڑتا تھا - علاوہ بریں اور بہت سے فرائض تھے - جو شکمی کاشتکار پر عائد تھے - اور یہ سب کے سب کسی نہ کسی حد تک جاگیردار کے ذاتی فائدے کیلئے ہوتے تھے - مثلاً شکمی کاشتکار مجبور تھا کہ اپنا غلہ جاگیردار کی مشین میں پسوائے اپنی گائیں جاگیردار کے سانڈ کے پاس لیجائے اور اپنی بھیڑوں کو تھوڑی دیر کیلئے ہر روز جاگیردار کی زمینوں پر کھڑا رکھے تاکہ جاگیردار کو کھاد کا فائدہ ہو جائے - بعض اوقات خاص تحفے تحائف کا بھی تقاضا ہوتا تھا - مثلاً شہد جو اس زمانے کے سامان عشرت میں نہایت بیش بہا چیز سمجھی جاتی تھی - انڈے - مرغ - مرغیاں - شراب وغیرہ جو زمین مزارع کی پٹی میں ہوتی تھی وہ پشت بہ پشت اُس کے خاندان کے پاس رہتی تھی - ایک مزارع مرجاتا تو زمین اس کے بیٹے کو دے دی جاتی - دوسرے بیٹوں کو اور جگہ روزگار تلاش کرنا پڑتا - مثلاً شہروں میں دستکاری یا جاگیردار کے گھر کی ملازمت یا فوج کی نوکری کرنی پڑتی - تعلقہ داری کے دستور کے ماتحت متعدد معافی دار ر [illegible] ایسے ہوتے تھے جن کی حیثیت مزارع سے کسی قدر اچھی ہوتی تھی - لیکن کچھ زمانہ گذرنے کے بعد ان دونوں جماعتوں کا باہمی فرق مٹتے مٹتے بالکل نابود ہو گیا -

مبنٰی کی اصلیت } جس عمل کے مطابق ایک گاؤں کی پنچایت نے تغیر پذیر ہو کر تعلقہ کی شکل اختیار کی وہ عمل کسی قدر پیچیدہ ہے - بالجملہ ہم اُسے تین رواجوں کا نتیجہ کہہ سکتے ہیں - (۱) پنچایتی دستور کے ماتحت بھی بادشاہ کو محصول لگانے یا گاؤں کے لوگوں کی خدمت حاصل کرنے کے متعلق چند حقوق پہنچتے تھے - بعض اوقات بادشاہ یہ حقوق اپنی سہولت کیلئے کسی راہب خانہ کو عطا کر دیتا تھا یا کسی شخص کو مرحمتِ خسروانہ کے طور پر بخش دیتا تھا - (۲) اُن فتنہ و فساد سے لبریز ایام میں ایک سیدھے سادے

کاشتکار کیلئے جو فنِ حرب سے بالکل عاری ہوتا تھا یہ آسان بات نہ تھی کہ قزاقوں یا ان سے بھی زیادہ خطرناک حملہ آوروں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکے۔ اُس کیلئے امن و عافیت کی بہترین ترکیب عموماً یہی ہوتی تھی کہ کسی ماہرِ جنگ یا زبردست سردار کی پناہ لے اور یہ معاہدہ کرلے کہ اپنی حفاظت کے عوض میں چند خدمات انجام دیگا یا لگان ادا کرے گا۔ (۳) کچھ مدت کیلئے یہ رواج ہو گیا تھا کہ ڈین قوم کے لوگوں کو جو ملک میں آفت مچائے رکھتے تھے کچھ ہدیہ زر دے دلا کر پیچھا چھڑایا جائے۔ اس روپیہ کے فراہم کرنے کیلئے محصول لگانا پڑتا تھا اور اس کا نام Danegeld تھا۔ گاؤں کے عام لوگوں سے اگر براہ راست چندہ طلب کیا جاتا تو فضول تھا۔ اس لئے بجائے اُن کے راہب خانوں اور بڑے بڑے جاگیرداروں سے تقاضا کیا جاتا تھا۔ اور یہ لوگ اپنے تحویل سے روپیہ وصول کرنے کے ڈھنگ نکال لیتے تھے۔ اس غرض کیلئے اُنہیں کافی اختیارات دے دیئے گئے تھے۔ چنانچہ اس طریقے سے جاگیرداروں کی قوت و اقتدار نے رفتہ رفتہ ترقی کی اور ادھر گاؤں والوں کی آزادی روز بروز کم ہوتی ہو گئی۔ تا آنکہ اُن کی حیثیت محض ان مزارعوں کی ہو گئی۔ جن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔

تعلقہ داری کے دستور کی سخت پابندیاں جیسا کہ عبارت بالا میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ کھلے کھیتوں کا دستور تعلقہ جات میں بھی رائج تھا۔ جیسے پہلے گاؤں کی پنچایتوں میں رائج رہ چکا تھا۔ کچھ زمانہ گذرنے کے بعد چند نئے پیشے پیدا ہو گئے۔ مثلاً گائے بھینسوں کی رکھوالی۔ بھیڑوں کی گلہ بانی۔ سؤروں کا چرانا وغیرہم۔ جو لوگ یہ کام کرتے تھے اُن کا فرض یہ تھا کہ گاؤں کے مویشی جب باہر چراگاہوں میں چر رہے ہوں تو یہ انکی نگہبانی کریں۔ یہ کام ہوتے ہوتے موروثی بن گئے۔ باپ بطور ایک حق قانونی کے اپنا کام بیٹے کے سپرد کر جاتا تھا اور اس طرح یہ سلسلہ پشت بہ پشت چلا جاتا تھا۔ مختلف اجناس کا باری باری بونا اور اُن کی فصل کاٹنے کے طریقوں اور اوقات کے متعلق بہت سخت قانون رائج تھے۔ اس بنا پر سوائے جاگیرداروں کے اور کسی کیلئے کوئی نئی بات سوچنے کی گنجائش بہت کم تھی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ فنِ زراعت نے بہت تھوڑی ترقی کی دو کھیتوں کا دستور ترک ہونے کے بعد تین کھیتوں کا دستور مروج ہوا۔ اس کے فائدے گو عیاں تھے۔ یہ تبدیلی بہت تاخیر سے وقوع

میں آئی۔ کسی گاؤں میں یہ تبدیلی نہ کی جا سکتی تھی۔ جب تک کہ گاؤں والوں میں سے اکثر
...... کو یقین نہ دلایا جاتا کہ اسکی ضرورت تھی۔ اور یہ بات صراحت کی محتاج نہیں کہ
اوسط درجے کی ذہنیت کے آدمی کو زبانی جمع خرچ سے یہ بات سمجھانا بہت مشکل ہے۔ کہ جس
طریقے سے وہ کوئی کام کر رہا ہے اُس سے بہتر طریقہ بھی کوئی ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی نظام ایسا
ہوتا کہ جس میں انفرادی آزادی قدرے زیادہ ہوتی تو جس وقت بھی کسی شخص کے ذہن میں
یہ بات آتی کہ نظام موجودہ میں تبدیلی کرنا فائدہ مند ہے۔ تو اُسی وقت وہ اپنے خیال کو
عملی جامہ پہنا سکتا تھا۔ اگر اس کو کامیابی ہوتی۔ تو اُس کے ہمسائے بہ نسبت اس کے کہ
منطقی دلائل اور ریاضی کی مدد سے بات اُنکی ذہن نشین کی جاتی۔ اس کی روشن مثال کو
آنکھوں کے سامنے دیکھ کر خود بخود قائل ہو جاتے اور سیدھے راستے پر آجاتے۔ لیکن
تعلقہ داری کے دستور میں اتنی انفرادی آزادی چونکہ موجود نہ تھی۔ اسلئے یہ کوئی امر اتفاقی
نہ تھا۔ کہ انگریزی زراعت کی تاریخ میں اس کے بعد کا جو دَورِ ترقی ہے وہ بہت مدت
کے بعد آیا۔ اور تعلقہ داری کے نظام کے درہم برہم ہو جانے کے بعد کہیں جاکر شروع ہوا۔

مینر (تعلقہ) کا انحطاط: نظام تعلقہ داری کا جدید انفرادی نظام میں تبدیل ہوتا ایک
طول طویل اور پیچ در پیچ سلسلۂ واقعات ہے۔ ہمیں یہاں اُن کے بالتفصیل بیان کرنیکی
ضرورت نہیں۔ اور ان تفصیلات کے متعلق مؤرخین کا اتفاق بھی نہیں ہے۔ دو رواج جو تیرہویں
صدی کے بعد انگلستان میں رائج ہوئے۔ اُن کو تعلقہ داری کے نظام کے زوال کا سب سے
بڑا اسباب کہا جا سکتا ہے۔ اُن کے نام یہ ہیں:۔

اوّل عوض معاوضہ۔ یعنی ان خدمات کے بجائے جو مزارع انجام دیتے تھے روپیہ
کی صورت میں لگان وصول کرنا۔

دوم۔ حد بندی یعنی ایسے قطعات زمین جو پہلے کھلے کھیتوں یا مشترکہ چراگاہوں کی
صورت میں تھے۔ اُن کی احاطہ بندی کرنا۔ اپنی جگہ یہ رواج ایک قائم بالذات زراعتی نظام
کے ایک تجارتی نظام میں تبدیل ہو جانے کا اگر نتیجہ نہ تھے۔ تو کم از کم اُس کے ساتھ
وجود میں آئے ؛

تجارتی زراعت کا آغاز اوایل ایام میں تعلقہ ایک قائم بالذات شئے تھی ۔ ہر چیز جو اُس کے صرف میں آتی تھی ۔ وہیں پیدا ہوتی تھی اور باہر سے کوئی چیز نہ خریدی جاتی تھی ۔ لیکن تجارت اور صنعت و حرفت کی اسکی ترقی کے ساتھ ساتھ جو پُرامن سیاسی حالات کے ازسرِنو قائم ہو جانے سے ظہور میں آئی اس کی اس صفت کو زوال آیا اور خارجی دنیا کے ساتھ اس کا تعلق زیادہ ہوتا چلا گیا ۔ یعنی تعلقہ کی پیداوار بیچنے اور باہر سے سودا خریدنے کا رواج پڑ گیا ۔ نئی نئی سڑکیں بن چکی تھیں ۔ نئے نئے شہر آباد ہو رہے تھے ۔ اور زرِ مسکوک کا رواج شروع ہو گیا تھا چنانچہ بعض مزارع جو اپنے ہمسایوں سے ذرا زیادہ کامیاب یا زیادہ سمجھدار تھے ۔ اُنہوں نے جاگیرداروں کے ساتھ اس طرح کا سودا کرنا شروع کر دیا کہ اگر وہ ان کو اپنی ذاتی زمین میں کام کرنے کی مجبوری سے آزاد کر دے تو اس کے بدلے میں وہ ہر سال اس کو کوئی مقررہ رقم ادا کر دیا کریں گے ۔ یہ رقم وصول کر کے جاگیردار اُن مزارعوں کی بجائے جو اسکی زمین میں پہلے کام کرتے تھے اور کمیروں سے اُجرت پر کام کرا سکتا تھا ۔ جہاں کہیں یہ تبدیلی کی گئی ۔ وہاں ثابت ہُوا کہ یہ طرفین کے مفاد کیلئے بہتر تھی ۔ مزارعوں کو یہ فائدہ تھا کہ وہ سارا وقت اپنی زمین کے کام میں صرف کر سکتے تھے ۔ اور جاگیردار کو یہ فائدہ تھا کہ وہ اپنی خود کاشت اراضی کیلئے مزدوروں کی ایک مستقل جماعت رکھ سکتا تھا ۔ اس بنا پر فریقین پہلے سے زیادہ منظم اور منضبط طریقے سے اپنا کام کر سکتے تھے ۔ پُرانے نظام کے ماتحت ایک دوسرے کے کام میں دخل دینے کی جو ضرورت پیش آتی تھی اور جو نہ صرف بے فائدہ تھی ۔ بلکہ حد درجہ تکلیف دہ بھی تھی ۔ اُس سے اب دونوں کو چھٹکارا ہو گیا ؎

احاطہ بند کھیت لیکن جب پیداوار زر کے عوض میں بیچی جانے لگی ۔ یا جب کاشتکاروں کے ذہن میں زر کا مفہوم پیدا ہُوا ۔ تو نفع اور نقصان کے خیالات پہلے سے زیادہ واضح ہو گئے ۔ یا اور پیداوار کے اخراجات کم کرنے کا محرک زیادہ قوی ہو گیا ۔ اس وقت یہ حال کھلنا شروع ہُوا ۔ جیسا کہ پہلے کبھی نہ کھلا تھا ۔ کہ پُرانا کھلے کھیتوں کا دستور کسقدر باعث نقصان تھا ۔ کہ جس کے مطابق ہر خاندان ایک ایکڑ اور آدھ ایکڑ کے ٹکڑوں کی جو کھلے کھیتوں میں بکھرے ہوتے تھے کاشت کرتا تھا ۔ ان منتشر ٹکڑوں کو زیادہ پیوستہ اور متصل بنانے کیلئے ایک تحریک بروئے کار آئی ۔

شروع شروع میں غالباً یہ تبدیلی باہمی رضامندی سے عمل میں آئی تھی۔ گو معلوم ہوتا ہے۔ کہ جاگیردار اس تحریک کے سربراہ اور قائد تھے۔ سب سے پہلے اُن زمینوں میں جو جاگیرداروں کی خود کاشت زمینیں تھیں۔ کھیتوں کو ملا کر حد بندی کی گئی۔ لیکن چونکہ وہ بعض اوقات مزارعوں کی زمینوں کے درمیان ادھر اُدھر ایک ایک ٹکڑوں کی صورت میں بکھرے ہوئے تھے۔ اسلئے تمام پٹیوں کی از سر نو تقسیم و ترتیب لازم آئی۔ مزارعوں کو بعض اوقات اس بات کی ترغیب دی جاتی تھی کہ مشترکہ چراگاہ کا جو حقِ استعمال اُن کو حاصل تھا۔ اُس سے دست بردار ہو جائیں۔ اور اس کے عوض میں مزید قابل زراعت زمین یا نفع کی صورت قبول کر لیں۔ اس طریقے سے جاگیرداروں نے چراگاہوں کے کچھ قطعات کو تو مزروعہ زمین کی صورت میں تبدیل کر دیا اور باقی کی حد بند کر لی۔ حد بندی کا عمل اس طور پر اور اسی کے مشابہ اور صورتوں میں ہوتا رہا۔ اور کھُلے کھیتوں کا پُرانا نظام رفتہ رفتہ معدوم ہو گیا۔ بہر حال یہ تبدیلی خاصکر اپنے آخری مدارج میں بغیر مخالفت و مزاحمت کے ظہور میں نہیں آئی۔ اور حد بندی کے طریق کار پر بہت کچھ سیاسی اور معاشرتی بحث و مباحثہ ہوا کیا۔ یہ بات خلاف قیاس نہیں کہ اس طریق کار کے مطابق بہت کچھ ناانصافیاں اور حق تلفیاں روا رکھی گئی ہونگی۔ اور یہ تو مسلّمہ امر ہے کہ اس سے بیشمار مضر نتائج پیدا ہوئے۔ لیکن اس بارے میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں۔ کہ اس تبدیلی کا انجام ایک زیادہ مفید اور کارآمد طریق زراعت تھا۔ اور اسلئے اُن اصلاحات کی داغ بیل ڈالی۔ جو بعد میں رونما ہوئیں۔ جدید زراعت کی نشو و نما اگر ہو سکتی تھی۔ تو صرف ایسے کھیتوں کے ذریعے جو ایک دوسرے سے متصل ہوں۔ نہ اس طریقے سے کہ ایک ایکڑ کا ٹکڑا یہاں ہو اور آدھ ایکڑ کا ٹکڑا وہاں۔ نئے نظام کے ماتحت یہ بات ممکن ہو گئی۔ کہ پٹی کا رقبہ اسامی کی قابلیت اور زراعت کی ضروریات کے مطابق جتنا چاہے کر لیا جائے۔ زیادہ قابل اور کاردان کاشتکاروں کیلئے اس بات کے مواقع پیدا ہو گئے۔ کہ اپنی ذہانت سے فائدہ اُٹھائیں۔ کیونکہ اب وہ پنچایت کے مقررہ آئین و قوانین کی قید میں نہ جکڑے ہوئے تھے۔ علاوہ بریں نئی اجناس کا اُگانا بھی بجائے اُس کے کہ اُس باری باری کی کاشت کے قاعدہ پر جو دو کھیتوں اور تین کھیتوں کے نظام کے ماتحت رائج تھا۔ کاربند رہا جائے۔ ممکن ہو گیا۔ حاصل کلام زراعت کے ایک انفرادی نظام کے اسباب ظہور میں آ گئے۔

(۲) جدید انگریزی زراعت کا آغاز

ہم[1] انگریزی زراعت کی کہاں تک ممنون ہیں؟ ہمارے ملک کی زراعتی تاریخ بہ نسبت دنیا کے اور کسی حصے کے برطانیہ عظمیٰ کی تاریخ سے زیادہ قریب کا تعلق رکھتی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ جو لوگ امریکہ کی نوآبادی میں آکر بسے وہ اپنے اصلی وطن یعنی انگلستان کے دیہاتی رسم و رواج اور آئین و قوانین اپنے ساتھ لے آئے۔ بلکہ وہ مدتوں تک باستثنائے زراعتی کلوں کے جن میں امریکہ تمام دنیا کے ممالک سے ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ باقی تمام زراعتی امور میں انگلستان کو دلیل ہدایت بنائے رہے۔ اور اب تک یہی حال ہے۔ امریکہ میں میووں۔ غلوں اور ترکاریوں کی تمام نئی نئی قسمیں اور بالخصوص مویشیوں کی اعلیٰ نسلیں زیادہ تر انگلستان اور اسکاٹ لینڈ سے لائی گئی ہیں۔ ہمارے ملک کے بعض حصوں میں یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ باغوں اور کھیتوں کی پیداوار کی اصلاح شدہ اور ترقی یافتہ اقسام اور مال مویشی کی بہتر اقسام کو "انگریزی" کہا جاتا تھا۔ مثلاً انگریزی سوکھی گھاس سے مراد وہ سوکھی گھاس تھی۔ جو خودرو گھاس سے بہتر قسم کی ہو۔ انگریزی پھل سے عبارت ہر وہ پھل تھا۔ جس کا پیوند لگایا گیا ہو۔ انگریزی مویشیوں۔ انگریزی گھوڑوں و علیٰ ہذا القیاس دوسرے جانوروں سے مراد ہر وہ جانور تھا جو معمولی ڈھور ڈنگر سے اعلیٰ ہو۔ گو ان اصطلاحات کا استعمال صحیح نہ تھا تاہم اس سے عام الفاظ میں یہ ظاہر ہوتا تھا۔ کہ ہمارا ملک انگلستان کی زیادہ ترقی یافتہ زراعت کا کس حد تک مرہونِ منت ہے۔ بالخصوص ابتدائی دور میں جب کہ نووارد مہاجرین برّاعظم امریکہ کو اپنے قبضۂ حکومت میں لانے اور اسکی زراعت کرنے کے کار عظیم میں زیادہ مصروف تھے۔ اور زراعتی اجناس اور مویشیوں کے بہتر بنانے کی طرف انکی توجہ کم تھی۔ انگریزی زراعت سے امریکہ نے بہت کچھ حاصل کیا۔

ہم دوسرے ممالک کے کہاں تک ممنون ہیں؟ اگرچہ فرانس نے ہمیں سیاسی آزادی حاصل کرنے میں مدد دی اور ہم نے اُس سے اپنے بہترین سیاسی خیالات حاصل کئے۔ تاہم اُس نے ہمیں زراعت کے بارے میں کوئی سبق نہیں دیا۔ البتہ ہم نے چند جانور فرانس سے لئے۔

---

[1] یعنی امریکہ کے لوگ۔ کیونکہ مصنف امریکہ کا باشندہ ہے۔ اس کتاب میں جہاں جہاں صیغہ جمع متکلم کا استعمال کیا جائے۔ وہاں مراد امریکہ کے لوگوں سے لینی چاہیئے (مترجم)

مثلاً پرچیرن (Percheron) گھوڑا۔ فرانس کا گاڑی کا گھوڑا جس کی نسل نہیں چلی اور جس نے اپنی خوبیاں زیادہ تر انگریزی اصیل گھوڑے (Thoroughbred) سے حاصل کی ہیں۔ اور مرینو (Merino) بھیڑوں کی وہ قسم جسے (Rambouillet) ریمبولے کہتے ہیں اور جو اصل میں ہسپانیہ سے لی گئی تھی۔ ڈچ لوگوں نے گو ہمارے سب سے بڑے شہر کی بنیاد ڈالی۔ اور ہم نے اپنی تعلیم عام کے بہت سے امتیازی خصائص اُن سے حاصل کئے۔ تاہم وہ سب سے گرانقدر احسانات جو اُنہوں نے ہماری زراعت پر کئے وہ یہ ہیں۔ کہ ہم نے اُن سے پچن گیہوں۔ سفید رنگ کی تپتیا گھاس اور ہالسٹین (Holstein) نسل کی گائے حاصل کی۔ اسپین سے ہم نے اپنا بنیادی سکہ لیا۔ لیکن ہماری زراعت کی ترقی اُس کی ممنون نہیں۔ سوائے اس امر کے کہ ہم نے (Merino) بھیڑیں لیں اور امریکی خچر جن جانوروں کی نسل ہے وہ جانور لئے۔ جرمنی اور اسکنڈے نیویا سے ہمارے یہاں کے بہت سے قوی اور تنومند کسان آئے۔ اور جرمنی کے سائنٹفک انکشافات کیلئے جن سے بالواسطہ زراعت اور دوسری حرفتوں کو نفع کثیر پہنچا ہے۔ جرمنی کا زیر بارِ احسان ہے۔ القصہ امریکہ نے بہت سے ممالک سے کچھ نہ کچھ حاصل کیا ہے۔ لیکن ان سب نے ہماری زراعتی ترقی میں اتنی مدد نہیں دی۔ جتنی اکیلے انگلستان نے دی ہے۔ انگلستان سے ہم نے ذیل کے جانور لئے ہیں۔ اپنے مویشیوں کی بہترین نسلیں باستثنائے ہالسٹائن (Holstein) اور براؤن سوس (Brown Swiss)[ا] نسل کے۔ اور اپنی بھیڑوں کی تمام بہترین انواع باستثنائے مرینو کے اپنے سؤروں کی بہترین اقسام اور اپنے مُرغ مرغیوں کی بعض اعلیٰ قسمیں۔ باربرداری کے گھوڑوں کے ذیل میں ہم نے شائر (Shire) کلائڈس ڈیل (Clydesdale) اور سفوک (Suffolk) انگلستان سے لئے۔ نیز اصیل گھوڑا (Thoroughbred) جس سے ہمارے تمام سواری اور گاڑی کے گھوڑوں کا بیج لیا گیا۔ علاوہ بریں ہم نے اپنے باغیچوں اور کھیتوں کی بہت سی اجناس انگلستان سے لیں باستثنائے اُن کے جو دیسی ہیں۔ مثلاً مکئی۔ آلو۔ تمباکو۔ نیز کپاس جو صریح طور پر انگلستان جیسے سرد ملک سے

ا؎ چونکہ جزائر جرسی و گرنسی انگریزوں کے زیر حکومت ہیں۔ اس لئے ان جزائر کے مویشیوں کو ہم برطانوی نسلوں میں شمار کریں گے۔

نہیں لائی گئی اور جس کی عام اقسام مشرقی حصہ زمین سے لائی جاتی ہیں۔ گو بعض بعض اقسام
امریکہ کی دیسی پیداوار ہیں۔ ہماری زراعت اور انگلستان کی زراعت کے درمیان یہ جو
براہِ راست رابطہ ہے اس کی بنا پر ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم انگلستان کی زراعت
کی عہد بعہد کی ترقیوں کے متعلق بالخصوص نئی دنیا کے آباد ہونے سے فوراً پیشتر اور اس
کے زمانہ میں جو ترقیاں ہوئیں ان کے متعلق واقفیت رکھتے ہوں۔

انگریز نئی دنیا کے کہاں تک ممنون ہیں؟ } تعلقہ داری کا نظام (Manorial system) جیسا کہ عبارت صدر میں بیان کیا گیا ہے۔ زوال پذیر ہو چکا تھا اور کھلے
کھیتوں کا دستور بھی متصل اور باڑ لگے ہوئے کھیتوں کے وجود میں آنے کی وجہ سے معدوم ہو چکا
تھا۔ چنانچہ جس وقت امریکہ میں انگلستان کی پہلی نوآبادیاں قائم ہوئی ہیں تو اس وقت انگریزی
زراعت ایک نئے دورِ ترقی میں قدم رکھنے والی تھی۔ بہرحال یہ اغلب ہے کہ نئی دنیا نے انگلستان
کی زراعت کی نئی زندگی اور بیداری میں بہت کچھ حصہ لیا۔ سونے اور چاندی کی وہ مقادیر عظیم جو
اسپین کی فتح اور جنوبی امریکہ کے بیشتر ممالک اور میکسیکو میں یورپ کے من چلے سیاحوں کے
آنے کے بعد یورپ میں لائی گئیں۔ اُن کی بدولت یورپ میں ایسا مینہ برسا کہ مبادلۂ زر کے وسیلہ
یعنی سکوں کی تعداد میں بیحد اضافہ ہوا اور قیمتیں چڑھنے لگیں۔ انگریزوں نے بھی اس گنج بادآورد
سے حصہ پایا۔ نہ صرف تجارت اور مبادلہ بین الاقوامی کے ذریعے بلکہ جنگ اور بحری قزاقی کے
طریقوں سے بھی۔ ایسا زمانہ جس میں قیمتیں چڑھ رہی ہوں۔ کاشتکاروں کی جماعت کے
لئے فائدہ بخش ہوتا ہے۔ خاصکر ایسے وقت میں جب کاشتکار خریدیں تو تھوڑا اور بیچیں بہت۔
اور دوسری جماعتوں کیلئے بعض اوقات ایسا زمانہ نقصان رساں ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی چڑھتی
ہوئی قیمتوں کا زمانہ جو زر کی کثرت کا نتیجہ تھا۔ بلاشک وشبہ سترہویں اور اٹھارہویں صدی
میں انگریزی زراعت کی ترقی کا ایک سبب بنا۔

نئی دنیا نے علاوہ اس کے کہ دنیا کی قیمتی دھاتوں کی مقدار کو زیادہ کر دیا۔ پرانی دنیا کو
زراعتی پیداوار کی بہت سی قسمیں بھی مہیا کیں۔ بالخصوص امریکی جوار۔ آلو اور تمباکو۔ نہ غلہ کی اور
نہ تمباکو کی کاشت بکثرت انگلستان میں کبھی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہاں کی آب وہوا بہت سرد ہے۔

اور کھیتی باڑی کا موسم بہت مختصر ہوتا ہے۔ لیکن آلو نے رفتہ رفتہ انگلستان میں ایک قیمتی پیداوار کی حیثیت حاصل کر لی۔ تاہم بہت مدت تک اسے محض ایک نئی چیز خیال کیا جاتا تھا۔ بعد میں اسے باغیچہ کی ترکاری خیال کیا جانے لگا۔ اور سترہویں صدی کے وسط میں کہیں جا کر اسے کھیتی کی پیداوار کی حیثیت دی گئی۔ لیکن یہ زمانہ وہ تھا جس میں انگریزی زراعت میں ایسی توسیع ہوئی۔ جیسی نہ پہلے کبھی ہوئی تھی اور نہ اب تک ہوئی ہے۔ اور یہ زمانہ امریکہ کی نوآبادیوں کے قیام کا زمانہ تھا۔

دیہاتی معیشت کے موجودہ نظام کا آغاز بہرحال اس سے بہت پہلے "سیاہ موت" (Black death) یعنی طاعون کی وبا جو ذیل کے سالوں میں پھیلی:- ۱۳۴۵ء سے ۱۳۴۹ء تک۔ ۱۳۶۱ء سے ۱۳۶۲ء تک۔ اور ۱۳۶۸ء سے ۱۳۶۹ء تک) دیہاتی انگلستان کا کچھ حصہ ویران بلکہ بالکل غیر آباد کر چکی تھی۔ اور زراعتی مزدوروں کی تعداد میں بہت کمی کر چکی تھی۔ مزدوروں کے اس قحط الرجال کے باعث بہت سی جاگیروں کے مالکوں نے اپنے منافع یا لگان میں تخفیف ہوتی دیکھی تو اپنی زمین سے فائدہ حاصل کرنے کے نئے نئے طریقے سوچنے لگے۔ روٹی چونکہ اس زمانہ میں انگلستان کی خوراک میں نمایاں حیثیت رکھتی تھی۔ اسلئے قابل زراعت زمین کو چراگاہ بنا دیں اور مویشیوں اور بالخصوص بھیڑوں کی پرورش شروع کر دیں۔ ہر ایسے دور میں جب کسی نظام کو تبدیل کر کے نئے سرے سے تنظیم کی جائے یہ ہمیشہ ہوتا چلا آیا ہے۔ کہ بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور لوگوں میں بہت رنجشیں اور شکایتیں پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس تبدیلی کا نتیجہ بھی یہی ہوا۔ اس کے بعد کے دور میں جو سیاسی شورشیں ہوئیں ان میں سے بیشتر معاشیاتی انقلابات کے عواقب میں سے تھیں۔ ایک طرف تو شکایت یہ تھی کہ انگلستان قابل زراعت اراضی اور احاطہ بند کھیتوں کے چراگاہ بن جانے سے تباہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ اس امر کو قانوناً مسدود کرنے کی بہت سی کوششیں عمل میں آئیں۔ دوسری طرف جاگیرداروں اور بڑے بڑے اسامی داروں کی طرف سے یہ شکایت ہوتی تھی کہ کھیتوں کے کمیرے اتنی اُجرت مانگتے تھے جو معمول سے زیادہ تھی۔ اور جماعت آجرین کے نقطۂ نگاہ سے مطالبۂ جائز کی حد سے گذری ہوئی تھی۔ اُجرت قانوناً مقرر کرنے کی متعدد

کوششیں کی گئیں۔ اور معمول سے زیادہ اُجرت طلب کرنے والے زراعتی مزدوروں کے لئے سخت سزائیں مقرر کی گئیں۔

اسامی داری کا وجود میں آنا: تعلقوں (مینروں) کے مالکوں کو اپنی خود کاشت اراضی کاشت کیلئے کیمروں کے فراہم کرنے میں جو مشکل پیش آئی۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہُوا کہ اجارہ کے رواج نے نشوونما پائی۔ جاگیرداروں نے کامیاب کاشتکاروں کو اور بعض اوقات اپنے گماشتوں اور کارکنوں کو بڑے بڑے قطعات زمین اجارے پر دیئے۔ اور اس طریقہ سے اپنے آپ کو مزدوروں کے وقت طلب مسئلہ کی اُلجھن سے بچایا۔ اسلئے اس کے تھوڑے عرصہ بعد پٹہ دار بڑے پیمانہ پر کاشت کرنے لگے۔ اور یہ دستور انگریزوں کے زراعتی نظام کی آجتک ایک خصوصیت چلا آتا ہے۔

۱۳۵۱ء اور اس کے بعد کے قوانین متعلقہ "مزدوران" (Statutes of Labourers.) مزدوروں کی اُجرت کو تھوڑا کرنے میں ناکام رہے۔ اور اُجرتی مزدوروں کی حالت روزبروز بہتر ہوتی گئی۔ اس وجہ سے شکمی مزارعہ بعض اوقات اپنی زمین کو چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ بلکہ یوں کہیئے۔ کہ بھاگ جاتے تھے اور دوسرے تعلقہ جات میں بطور اُجرتی مزدوروں کے روزگار تلاش کرتے تھے۔ اگرچند سال تک اُن کی گرفتاری عمل میں نہ آتی تو اس کے بعد وہ آزاد ہو جاتے۔ اس کے علاوہ شہروں نے جو ترقی کی تو شکمی مزارعوں کو بھاگ کھڑے ہونے اور شہر میں اہل حرفہ کے طور پر نوکری تلاش کرنے کے موقعہ ملنے لگے۔ بہت سے شکمی مزارعوں نے جب دیکھا کہ اُن کے بہت سے ساتھی آزادی حاصل کر چکے تھے تو انہوں نے ایک شخص مسمی وبٹ ٹائلر (Wat Tyler) کی سرکردگی میں ۱۳۸۱ء میں علم بغاوت بلند کردیا۔ اُن کا مقصد ایک تو یہ تھا۔ کہ شکمی رعیّت کو اپنے آقا یعنی جاگیردار کی جو خدمت کرنی پڑتی تھی اس کا رواج یکسر مٹا دیا جائے۔ اور دوسرے اُن کا مقصد یہ تھا کہ اپنے عہد کی سیاسی اور معاشیاتی عدم مساوات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں۔ اس بغاوت کو اگرچہ نہایت بے دردی اور بے رحمی سے فرو کیا گیا۔ تاہم ارباب رائے کا اعتقاد ہے کہ "تعلقہ داری" کے نظام کا انحطاط اور اس نظامِ زراعت کا وجود میں آنا جس کے مطابق آزاد کاشتکار جاگیرداروں سے زمین اجارہ پر لیتے تھے۔ ایک حدتک اس بغاوت کا مرہونِ منت تھا۔ یہ نیا نظام کیا تھا؟

خدمات کی بجائے زر کی رقم ادا کرنا۔ اس نئے نظام کے مطابق اسامی اور زراعتی مزدور کی حیثیت دن بدن بہتر ہوتی چلی گئی۔

نئی اجناس } اس سلسلہ تغیرات کے بعد بہت سے چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں اور اصلاحات زراعتی طریقوں اور زراعتی پیداوار میں ہوئیں۔ نئی اجناس مثلاً ( ) کی کاشت ہونے لگی۔ اور بہت سے پھل اور ترکاریاں جن کی کاشت پہلے تعلقہ اور اس کے متعلقہ باغات تک محدود تھی۔ اب مزارع اُن کی کاشت اپنی اراضی میں کرنے لگے۔ لیکن فن کاشتکاری کی ایک بہت بڑی توسیع سترہویں صدی کے وسط میں وجود میں آئی۔ اور یہ دراصل تپتیا گھاس اور شلغم کی کاشت شروع ہونے کا نتیجہ تھا۔ مسٹر کٹلر (Cutler) "انگریزی زراعت کی مختصر تاریخ" میں اس امر کو سترھویں صدی کا سب سے اہم زراعتی واقع کہتے ہیں۔ شلغم کو بطور ایک زمینی پودے کے جس کو باغیچہ میں لگایا جاتا تھا۔ انگلستان کے لوگ بہت مدت سے جانتے تھے۔ لیکن اس کی کاشت بڑے پیمانے پر اس وقت شروع ہوئی جب کہ ۱۶۴۵ء میں سر رچرڈ وسٹن (Sir Richard weston) نے اسکو ولندیزی طریقے کے مطابق اُگانے پر زور دیا۔ اس کے وقت کے بعد دو چیزیں تپتیا گھاس اور شلغم۔ آہستہ آہستہ لیکن مستقل ترقی کرتی رہیں۔

تپتیا گھاس اور شلغم } ان کے فائدے یہ تھے کہ تپتیا گھاس سے کسان کی سوکھی گھاس کی پیداوار بہت بڑھ جاتی تھی۔ اور شلغم سے یہ ہوتا تھا۔ کہ وہ بجائے اپنی زمین کے کسی کھیت کو ایک سال بے کاشت رکھنے کے اُس میں کھیتی باڑی کر سکتا تھا۔ علاوہ بریں شلغم کی یہ خوبی تھی۔ کہ اس سے زمین میں از سر نو نائیٹروجن پیدا ہوتی تھی اور زمین زیادہ زرخیز ہو جاتی تھی۔ تپتیا گھاس اور شلغم دونوں کر کاشتکار کو اس قابل بنا دیتے تھے۔ کہ وہ اپنی زمینوں اور زیادہ مویشی رکھے۔ اور اُن سے کھاد حاصل کرے۔ زمانہ سابق میں کاشتکار کیلئے ضروری ہوتا تھا کہ خریف میں جب جانور ذرا موٹے ہوتے تھے۔ اُنہیں ذبح کر لے

. . . .

. . . . اور سال کے باقی مہینوں میں اُن کا نمک لگا کر سکھایا ہوا

گوشت کھائے۔ تپتیا گھاس اور شلغم کی بدولت کاشتکار سردیوں میں بھی اپنے مویشیوں کو موٹا رکھ سکتا تھا۔ اور سارا سال لوگوں کو تازہ گوشت مہیا کر سکتا تھا۔ ان چیزوں کی کاشت نے جس رفتار سے ترقی کی۔ وہ اتنی آہستہ کیوں تھی؟ اسکی بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ انگلستان کے بہت سے حصوں میں کھلے کھیتوں کا دستور اب تک مروج تھا۔ بہرحال انکی ترقی کی رفتار اتنی زیادہ سست بھی نہ تھی۔ اور ان سے انگلستان کی دیہاتی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

بڑے بڑے دیہاتی کام } یہ زمانہ ایسا تھا۔ جس میں اور بھی بہت سے زراعتی کاموں کا بیڑا اٹھایا گیا۔ اضلاع مشرقی کی دلدلوں میں گندے پانی کے نکاس کا انتظام کیا گیا۔ جس کی بدولت یہ حصہ انگلستان کے سب سے زرخیز خطوں کی فہرست میں داخل ہو گیا ہے۔ زراعت کے متعلق مضامین لکھنے والوں نے کھیتی باڑی کی مختلف شاخوں پر کتابیں شائع کرنی شروع کیں۔ جنوبی اضلاع میں میووں کی کاشت نے ترقی کی۔ زمین میں چونا اور کھیتلی مٹی۔ دریائی نباتات اور سیپ ڈالنے کا رواج پہلے سے زیادہ عام ہو گیا۔ لیکن ان اصلاحات میں سے کوئی بھی تپتیا گھاس اور شلغم کی کاشت کو اہمیت میں نہیں پہنچتی تھی۔ ان کی کاشت نے اُن زبردست اصلاحات و ترقیات کی داغ بیل ڈالی۔ جو اٹھارہویں صدی میں ہوئیں۔

دوسری حرفتوں میں پہلو بہ پہلو ترقی } اٹھارہویں صدی کیا انگلستان کی دستکاری میں اور کیا زراعت میں ایک عجیب و غریب بیداری کا دور تھا۔ فی الحقیقت یہ مشکوک امر ہے۔ کہ کسی ربع صدی میں اس سے پیشتر یا اس کے بعد فنونِ دستکاری میں اتنی سریع اور وسیع الاثر تبدیلیاں ہوئیں جتنی کہ ۱۷۶۰ء اور ۱۷۸۵ء کی درمیانی مدت میں ہوئیں۔ ۱۷۶۰ء کے قریب نہریں بنانے کا دور مشہور انجینیئر برنڈلے (Brindley) کے زیر اہتمام شروع ہوا۔ برنڈلے کا یہ قول کہ "دریاؤں کا قدرتی طریقے پر استعمال یہ ہے۔ کہ اُن سے آبپاشی کی نہروں کو پانی پہنچایا جائے"۔ ایک تاریخی مقولہ بن گیا ہے۔ گو یہ بات ضرور ہے۔ کہ ریلوے کی جدید ترقیوں نے اسکی

اصلی اہمیت بہت کم رہی ہے۔ بہرحال اس زمانہ میں نہروں کے جاری ہونے سے انگلستان کی حدود کے اندر نقل و حمل بہت سستا ہوگیا۔ ۱۷۶۵ء میں واٹ (Watt) نے اس اصول کا انکشاف کیا۔ جس نے بعد میں اسٹیم انجن کو ایک کامیاب ذریعۂ تجارت بنایا۔ روبک (Roebuck) کی بھٹی (۱۷۶۰ء) نے اور دھاتوں کے صاف کرنے میں لکڑی کے کوئلے کی بجائے پتھر کے بجھے ہوئے کوئلوں کے استعمال نے اسٹیم انجن اور مشینری کے استعمال کی داغ بیل ڈالی۔ اور کارٹ (Cort) نے ۱۷۸۴ء میں ڈھلے ہوئے لوہے سے کام لینے اور لوہے کو پیٹنے کا جو طریقہ ایجاد کیا۔ اُس نے لوہے کی پیداوار کے اخراجات بہت سستے کردیئے۔ اس کے بعد بافندگی میں بعض اہم ایجادیں نہایت سرعت کے ساتھ یکے بعد دیگرے ہوئیں۔ ۱۷۶۰ء میں ماکھو۔ ۱۷۶۷ء میں ہارگریو (Hargreave) کی کاتنے کی کل۔ ۱۷۶۹ء میں آرک رائٹ (Ark wright) کا کاتنے کا بیلن۔ ۱۷۷۹ء میں کرامپٹن (Crompton) کا روئی کاتنے کا چرخہ۔ اور ۱۷۸۵ء میں کارٹ رائٹ (Cartwright) کا قوت سے چلنے والا کاتنے کا راچھ۔ ۱۷۸۵ء میں پہلی مرتبہ کپاس کا ایک کارخانہ بھاپ سے چلایا گیا۔ وجوڈ (Wadgewood) نے برتن بنانے کی حرفت کو بہت ترقی دی۔ اور اس طرح کی اور متعدد اصلاحات نے مل ملاکر اُس صنعتی و حرفتی انقلاب کو جو ظہور پذیر ہو رہا تھا نہایت سُرعت سے تکمیل تک پہنچایا۔

زراعتی اصلاح۔ جیتھرو ٹل } بہرکیف اس سے کسی قدر پہلے زراعتی اصلاحات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ جو انگلستان کے معاشیاتی ارتقاء اور خوشحالی کے لئے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ۱۷۵۱ء کے قریب جیتھرو ٹل (Jethro Tull) نے گیہوں اور دوسری چیزوں کو وبرنا یعنی پھال کے ذریعے بونا شروع کیا۔ اور اس کے لئے ایک وبرنے کیلئے کل ایجاد کی۔ اس کے کچھ مدت بعد اُس نے گھوڑوں کی طاقت سے اُگتے ہوئے کھیتوں کو گودنا شروع کیا۔ اور اس عمل کا نام "گھوڑوں کی طاقت سے کھودنا" رکھا۔ ۱۷۳۱ء میں اس کی تصنیف "گھوڑوں کی طاقت سے زمین کھودنا" شائع ہوئی۔

یہ زراعت کے متعلق سب سے اہم کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ ٹُل کے بعض نظریات اب ناقص خیال کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان نظریات پر وہ جو جو عمل مبنی کرتا تھا۔ اُن میں کوئی بڑی اصلاح نہیں کی گئی۔ اُس کے نظام زراعتی کا اساسی اصول زمین کی مٹی کا باریک کرنا تھا۔ اس مقصد کیلئے وہ نہ صرف گیہوں کا بیج ویرنے سے بوتا تھا۔ بلکہ فی الواقع بیج کی قطاروں کے درمیان ہاتھوں سے یا گھوڑوں کی طاقت سے زمین کو گودتا تھا۔ اگرچہ گیہوں اور دوسرے غلوں کی کاشت میں بیجوں کی قطاروں کے درمیان گودائی کرنے کے قاعدہ کی پیروی عام طور پر نہیں کی گئی۔ تاہم جہاں تک شلغم اور زمینی پیداوار کا تعلق ہے۔ یہ قاعدہ اب تک جاری ہے۔ اور ریاستہائے متحدہ میں جوار اور کپاس کے اُگانے کا معمولی دستور ہے۔ اس سے یہ ہوا کہ پہلے جو بعض بعض کھیتوں کو بے کاشت رکھنے کا دستور تھا۔ اُس سے چھٹکارا پانے کی ایک صورت پیدا ہوگئی۔ جیتھرو ٹُل یہ دلیل پیش کرتا تھا۔ کہ دوسرے تمام نظاموں کے مقابلے میں اس نظام کے ماتحت اجناس کی باری باری سے کاشت بہت کم ضروری تھی۔ یہاں تک کہ اس نے فی الواقع ایک ہی زمین میں گیہوں کی تیرہ[۱۳] فصلیں اُگائیں۔ بغیر کسی کھاد کے اور بمقابلہ اپنے ہمسایوں کے جو پُرانے قاعدے پر کاربند تھے۔ اس کی فصلیں اچھی رہیں۔

لارڈ ٹاؤن شنڈ (Lord Townshend) ۱۷۳۰ء کے قریب لارڈ ٹاؤن شینڈ نے ایک ایسے نظام پر عمل شروع کیا۔ جس کا نام بعد میں نارفوک سسٹم[۵۱] رکھا گیا۔ اُسکو دو چیزوں سے خاص طور پر دلچسپی تھی۔ اوّل شلغم اور دوم اجناس کا باری باری اُگانا۔ گو اس نے ہلکی ریتلی زمین میں کھیتلی مٹی ڈالنے کا طریقہ بھی رائج کیا۔ اس نے شلغم اس سرگرمی سے اُگائے۔ اور اُن کا اسقدر چرچا کیا۔ کہ عرفِ عام میں وہ Turnip Townshend[۵۲] کے نام سے مشہور ہو گیا۔ شلغموں کے اُگانے میں وہ ٹُل کے قاعدے پر عمل کرتا تھا۔ یعنی بیج کو ویر کے ذریعے بونے اور گھوڑوں کی طاقت سے زمین کھودنے پر۔ اس کا باری باری سے اجناس اُگانے کا قاعدہ چار سال کو محیط

۵۱ Norfolk System ۵۲ شلغموں والا ٹاؤن شنڈ۔

ہوتا تھا اور اس کی تقسیم یوں ہوتی تھی۔ (۱) شلغم (۲) جو (۳) تپتیا گھاس اور جئی۔ (۴) گیہوں۔ کہا جاتا ہے کہ جب اس نے اس قاعدہ پر عمل کرنا شروع کیا تو اس سے پیشتر اس کی جائداد کا بہت بڑا حصہ بنجر اور بن جُتا پڑا تھا۔ لیکن ۱۷۶۵ء تک وہ حصہ زمین زراعت کے ایک اعلیٰ معیار کو پہنچ گیا۔ اور قیمت میں دس گنا بڑھ گیا۔

کوک کی زیادہ نمایاں کامیابی کے ساتھ جو کام ٹل اور ٹاؤن شینڈ نے شروع کیا۔ وہ کوک نے جو ہاک ہم (Coke Holkham) کا باشندہ تھا۔ جاری رکھا۔ اُس نے ۱۷۲۹ء کے قریب ایک آدھ بنجر قطعہ زمین کو جو کلر سے بہتر نہ تھا۔ قابل زراعت بنانے کی کوشش شروع کی۔ وہ اپنے پیشرووں کے نقش قدم پر چلا۔ اس نے تپتیا گھاس اور شلغم کی کاشت کی اور اجناس کے باری باری اگانے کے قاعدے میں اصلاح کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی زمین کی قوتِ پیدایش دوگنی سے بھی زیادہ ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ اکثر کاشتکار اپنے ہلوں کے آگے ضرورت سے زیادہ گھوڑے جوتتے ہیں۔ دستور یہ تھا کہ تین سے لیکر چار تک گھوڑوں سے کام لیا جائے۔ اس نے دیکھا کہ دو بہت کافی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جس زمین کے حاصل پر پہلے ۸۰۰ بیکار گھوڑے پلتے تھے۔ اس پر اس نے ۲۵۰۰ نہایت اعلیٰ درجے کی بھیڑیں پالیں وہ ڈیون (The Devons.) مولیشیوں کا بھی بہت مداح تھا۔ اور ان کی پرورش کرتا تھا۔ اس کی جاگیر شہرۂ آفاق ہو گئی۔ اس کی سال بسال بھیڑوں کی جو پشم اُترتی تھی وہ اس وقت کا ایک اہم واقعہ بن گئی۔ لوگ امریکہ سے چل کر اسکی جاگیر میں پہنچتے تھے اور لے فیٹ (Lafayette.) کا قول تھا۔ کہ مجھے زندگی میں ایک حسرت یہ رہ گئی کہ میں نے کوک کی بھیڑوں کے بال کترنے کا نظارہ نہ دیکھا۔ کوک کا اثر و نفوذ انگلستان کے طول و عرض میں زراعتی اصلاحات کا سبب بنا۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا اور اُس کا اثر نہ ہوتا تو انگلستان کو نپولین سے جو جنگ کرنی پڑی۔ اسی کے دوران میں انگلستان اتنی خوراک پیدا نہ کرسکتا۔ کہ اس کی بقا کے لئے کافی ہوتی۔ اور اس لئے یقیناً تباہ ہو جاتا۔

زراعت پیشہ شرفاء ان تین آدمیوں یعنی ٹل ٹاؤن شینڈ اور کوک نے انگریزی

زراعت کی صرف اتنی خدمت انجام نہیں دی کہ بنجر زمین کو از سرِ نو قابلِ زراعت بنایا۔ اور دیہاتی جماعت کو زراعت کا بہتر طریقہ سکھایا۔ بلکہ اُنہوں نے اس سے زیادہ فیض پہنچایا اُنہوں نے زراعت کو ایک علمی پیشہ کے درجہ پر پہنچا دیا اور اُسے معززین اور اعلیٰ تعلیمیافتہ لوگوں کیلئے ایک جاذبِ نظر اور معزز پیشہ کی حیثیت دی۔ اُن کے کام کا اور اس مثال کا جو اُنہوں نے پیش کی یہ نتیجہ ہوُا کہ اُن کے بعد "اشراف کا شتکاروں (gentleman farmers) کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوُا۔ یہ لوگ متموّل اور تعلیم یافتہ تھے اور اُنہوں نے زراعت کی طرف اتنی ہی سرگرمی اور محبّت سے توجہ مبذول کی جتنی کہ کوئی صنّاع اپنے فن کی طرف یا ایک ملازمت پیشہ اپنی ملازمت کی طرف مبذول کرتا ہے۔ ان لوگوں نے انگریزی زراعت کو اس وقت سے لیکر اب تک ساری دنیا کی زراعت کے پیش پیش رہنے میں بڑی مدد دی ہو

آرتھر ینگ کا آرتھر ینگ اور چند دوسرے لوگوں کی تصنیفات نے یہی نتیجہ مرتب کیا اور آرتھر ینگ جو زراعتی مصنوعات پر انگریزی میں سب سے زیادہ مشہور انشار پرواز ہے سفوک (Suffolk) کا ایک کاشتکار تھا۔ اس نے ۱۷۶۷ء میں اپنی تصنیفات کا سلسلہ شروع کیا اور اڑتیس سال تک اُسے جاری رکھا۔ اس کی بہت سی تحریریں فرانسیسی۔ جرمن اور دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر مہینوں تک انگلستان اور دوسرے ممالک کا دورہ کیا کرتا۔ اور جو جو باتیں دیکھتا اُنہیں اپنے سفرنامہ میں شائع کرتا رہتا۔ ۱۷۷۲ء سے لیکر ۱۷۷۶ء تک اُس نے آئرلینڈ میں بہت سے دورے کئے۔ اور ۱۷۸۶ء سے لیکر ۱۷۷۶ء تک فرانس میں بہت دُور دُور تک چکر لگایا۔ اس کا سفرنامہ "فرانس" جو ۱۷۹۲ء میں شائع ہوُا۔ اس کی سب سے مشہور تصنیف ہے۔ اور اس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ اس کتاب میں اُس نے فرانسیسیوں کی اُس حالت کا نقشہ پیش کیا ہے۔ جو کہ "انقلابِ فرانس" کے آغاز کے قریب تھی۔ اور اس حادثۂ عظیم کے دوران میں ملک اور قوم کی جو حالت واقعی تھی۔ اُسے اُس نے ایسے طور پر بیان کیا ہے کہ آج تک لاجواب ہے۔ یہ مشہور جملہ کہ "اصل داری کا جادو مٹی کو بھی کندن بنا دیتا ہے"۔ اس کی ایجاد

ایجاد ہے۔ سیلابی ہوئی زمین کے خشک کرنے کے قاعدہ پر ۱۷۶۴ء میں جوزف الکنگٹن (Joseph Elkington) نے جو وارک شائر (Warwickshire) کا رہنے والا تھا۔ عمل شروع کیا۔

مال مویشی کی نسل بڑھانا۔ انگریزی مویشی جن دنوں زراعت میں بحیثیت عمومی یہ ترقیاں ہو رہی تھیں۔ انہیں دنوں میں جانوروں کی نسلیں بڑھانے کے کام میں ایسے ہی نمایاں کارنامے انجام دیئے جا رہے تھے۔ اس دور کے آغاز میں انگریزی مال مویشی کی جو حالت تھی اس کے متعلق بہت کچھ اختلاف بیان ہے گمان غالب یہ ہے۔ کہ دور کا تو کیا ذکر ایک ہی علاقے میں یکسانی بہت کم تھی۔ یقیناً بہت سے مویشی ایسے تھے جو نکمے اور بیکار تھے۔ بریڈلے (Bradley) نے اپنی ایک کتاب میں جو ۱۷۲۶ء میں تصنیف کی گئی۔ انگلستان کے مویشیوں کو رنگ کے اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ سیاہ۔ سفید اور سرخ۔ سیاہ رنگ کے مویشیوں کے متعلق وہ یہ کہتا ہے۔ کہ وہ گو چھوٹے ہوتے ہیں۔ تاہم کام کرنے کے حق میں سب سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ اور زیادہ تر پہاڑی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ قیاس چاہتا ہے کہ جدید زمانے کے ویلز (Welsh) کے مویشی انہی کے نسل سے ہیں۔ کیونکہ یہ تعریف انہی پر بجنسہٖ صادق آتی ہے۔ سفید رنگ کے مویشی قد میں بڑے ہوتے تھے اور جنوبی اور مشرقی حصوں میں زیادہ پائے جاتے تھے غالباً چھوٹے سینگوں والے مویشیوں (Shorthorns) کی نسل ہالینڈ سے جو مویشی وقتاً فوقتاً آتے رہتے تھے اُن سے خلط ملط ہونے کے بعد انہی سے چلی ہے سُرخ رنگ کے مویشی ان سے بھی بڑے تھے اور غالباً دورِ جدید کے ڈیون مویشیوں (Devons) کے اجداد تھے۔

ایک فرانسیسی مصنف پال ڈفلاتھ (Paul Diffloth) چھوٹے سینگوں والے مویشیوں کو نیدر لینڈز (The Netherlands) کے مویشیوں کی نسلوں سے بتاتا ہے۔ جن کی اور قسمیں براعظم یورپ میں پائی جاتی ہیں۔ ہالسٹائن (Hol

(Holsteins) فلیمش (The Flemish) ڈینش (The Denish) اولڈن برا (Oldenburghs) ڈیون (The Devons) مویشیوں کو وہ آئرلینڈ کے مویشیوں کی نسل سے بتاتا ہے۔ اس نسل کی اور قسمیں حسب ذیل ہیں۔
برٹن (The Britons) جرسی (The Jerseys) گرنسی (The Guernseys) آئرشائر (The Ayrsheres) اور کری (The Kerrys) ہرفورڈ (The Herefords) مویشی اس مصنف کے نزدیک جرمن نسل کی ایک شاخ ہیں۔ جس کی اور شاخیں یہ ہیں:۔
شمالی فرانس کے نارمن مویشی اس مصنف کے نزدیک ایک بہت سی جرمن نسلیں مثلاً برٹن برگ (The Breitonburgs) مکلن برگ (The Mechlenburgs) اور دوسری قسمیں ہیں
اس تقسیم کے حق میں جو شہادت ملتی ہے۔ وہ کسی صورت میں فیصلہ کن نہیں ہے۔ نیدرلینڈ (The Netherlands) اور ڈرہم (Durham) یارک شائر (Yorkshire) اور لنکن شائر (Lincolnshire) (یہاں کے شارٹ ہارن (The short horns) اصلی باشندے ہیں) کے مویشیوں میں بہت سی نمایاں مشابہتیں ہیں۔ مزید بریں اس امر کے حق میں شہادت بہت قوی اور فیصلہ کن ہے کہ دور جدید کے شارٹ ہارن مویشیوں (the short horns) کے اسلاف کی اصلاح ڈچ نسل کے مویشیوں کے اختلاط سے کی جاتی رہی ہے۔ ڈلتھ کا خیال ہے کہ ان خطوں کے اصلی مویشی کسی گذشتہ زمینی دور میں متحد تھے۔ اور بحیرہ شمالی کے تشکیل پذیر ہونے سے جغرافی طور پر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ کہاں تک درست ہے۔ البتہ یہ قرین قیاس ہے کہ ہرفورڈ مویشی (The Herefords) باقاعدہ بیج ملانے اور مختلف نسلوں میں سے انتخاب کرنے کے ذریعے پیدا کئے گئے۔ ہرفورڈ (The Herefords) اور نارمن مویشیوں (The Normans) کی بعض خصوصیتیں مشابہ ہیں۔ اور وہ جرمن نسل کے بعض مویشیوں سے بھی کچھ دور کی مشابہتیں رکھتے ہیں۔

لیکن سر دست یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں کوئی تاریخی تعلق ہے یا نہیں۔ کچھ زمانہ ہوا کہ یہ دعویٰ کیا جاتا تھا۔ کہ نارمنڈی (Normandy) سے مویشی لائے گئے تھے۔ اور کرٹلر (Curtler) بیان کرتا ہے۔ کہ لارڈ اسکوڈیمور (Lord Scudamore) نے سترہویں صدی کے نصف آخر میں فلینڈرز (Flanders) سے گائیں منگوائیں جن کے جسم کا رنگ سرخ تھا۔ اور منہ کا رنگ سفید۔ اس قدر مختلف اور متباین قلمیں جیسی ڈیون (The Devons) جرسی (The Jerseys) برٹن (The Bretons) اور کری (The Kerrys) (جن میں سے آخر الذکر تین سوائے رنگ کے باقی تمام باتوں میں بڑی حد تک متشابہ ہیں) اور آئرشائر (The Ayrshire) کیوں ایک نسل کی قسمیں متصور کی جاتی ہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس کا حل مشکل ہے۔ البتہ ایک بات ضرور ہے۔ وہ یہ کہ وہ قریب قریب کے اضلاع میں رہتی ہیں اور سب کی سب دودھ دینے کے حق میں نہایت اعلیٰ ہیں۔ باستثنائے ڈیون مویشیوں (The Devons) کے جن کی پرورش زیادہ تر گوشت اور کام کرنے والے بیلوں کیلئے کی گئی ہے۔ گو یہ بات ضرور ہے۔ کہ اس نسل کی گائیں دوسری نسل کی گاؤں کی طرح بہت اچھا دودھ دیتی ہیں۔

بیکویل اور لانگھارن مویشی } انگریزی مویشیوں کی اصلی نسلیں چاہے کچھ بھی تھیں۔ اور جدید زمانہ کی نسلوں کا آپس میں چاہے کچھ بھی رشتہ ہو۔ تاہم یہ بات ہر کوئی جانتا ہے۔ کہ سترہویں صدی کے وسط میں وسطِ انگلستان کے اضلاع میں ایک نسل تھی۔ جسے لانگھارن (The Longhorns) کہا جاتا تھا۔ رابرٹ بیکول (R. Bakewell) جو انگلستان میں سب سے پہلا شخص تھا۔ جس نے بڑے پیمانے پر جانوروں کی نسل بڑھانے کا کام کیا۔ اُس نے اس نسل کی تربیت ۱۷۵۵ء کے قریب شروع کی۔ گو اس نے شاندار کامیابی حاصل کی۔ لیکن چارلس (Charles) اور رابرٹ کالنگ (Robert colling) کے مویشی ڈرہم (The Durhams) اور شارٹ ہارن (The Shorthorns) (لانگ ہارن (The Longhorns)

سے متمائز کرنے کیلئے عرف میں اُن کا نام پڑ گیا) اُن کے مویشیوں سے بڑھ گئے۔ اس سے بیکویل (Bakewell) یا اس کے طریق کار پر کوئی حرف نہیں آتا۔ کیونکہ یہ ایک امر واقع ہے۔ جس میں شک کی گنجائش نہیں۔ کہ چارلس (Charles) اور رابرٹ کالنگ (Robert Colling) کی نسل بہتر تھی۔ بیکویل (Bakewell) کو جو سب سے بڑی کامیابی ہوئی۔ وہ بھیڑوں کی پرورش اور پیدائش میں تھی۔ انگلستان کے مویشیوں کی اصل نسل کے متعلق جتنا ہمیں علم ہے۔ اُس سے بھی کم واقفیت ہمیں بھیڑوں کی اصلی نسل سے ہے۔ بہرحال یہ بات مسلم ہے کہ جب تک بیکویل نے بھیڑوں کی نسل بڑھانے کا کام سائنٹفک اصولوں کے مطابق شروع نہیں کیا۔ اُس وقت تک بھیڑوں کو ادنیٰ اور بیکار جانور خیال کیا جاتا تھا۔ جو کسی مرض کی دوا نہ تھی۔ بیکویل نے بلا مبالغہ ایک نئی نسل پیدا کر دی۔ جس کا نام لیسٹرز (The Leicesters) تھا۔ یہ نسل بقول کرلی (Culley) کے نصف صدی میں حکومت متحدہ کے چپے چپے پر پھیل گئی۔ اور یورپ و امریکہ تک بھی جا پہنچی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انگلستان کو جہاں پہلے ایک پونڈ گوشت میسر آتا تھا۔ وہاں دو پونڈ میسر آنے لگا۔ اُس نے ایک مثال پیش کی۔ اور کثیر التعداد مقلدین کیلئے ایک معیار قائم کیا۔ اس کے مقلدین نے انگلستان کی بھیڑوں کے گوشت کو دنیا بھر میں ضرب المثل بنا دیا۔ بیکویل (Bakewell) کے کارنمایاں کی قدر اس کی زندگی میں ہوئی۔ شاہی خاندان کے افراد اور دنیا کے مشہور مشہور آدمی اس کی ملاقات کو آئے۔ اُسے اپنے کام سے نفع کثیر ہوا۔ اور اس کی آمدنی بہت بڑھ گئی تاہم عجیب بات یہ ہے کہ وہ جب مرا تو نہایت غریب تھا۔ وجہ یہ کہ بہت مہمان نواز اور فیاض آدمی تھا۔ سنہ ۱۷۶۰ء میں اس نے ڈشلے (Dishley) کی جائیداد کا انتظام شروع کیا۔ بقیہ عمر وہیں گذار دی۔ اور سنہ ۱۷۹۵ء میں انتقال کیا۔

کالنگ برادران اور شارٹ ہارن مویشی بیکول کے بعد کالنگ برادران نے جانوروں کی تربیت کی حرفت میں سب سے بڑھ چڑھ کر کارہائے نمایاں

انجام دیئے۔ ان بھائیوں میں سے زیادہ کامیاب چارلس تھا۔ وہ ۱۷۵۱ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۷۸۳ء کے قریب کٹن (Ketten) میں جو دریائے ٹیز (the Tees) کی وادی میں ڈارلنگٹن (Darlington) کے متصل واقع ہے اپنا کام شروع کیا۔ اس کے بھائی رابرٹ نے برمپٹن (Brampton) میں قیام کیا۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جدید زمانے کے شارٹ ہارن مویشیوں کا مبداء اصلی یہ تھا کہ ۱۷۸۴ء میں چارلس کالنگ نے ہبک (Hubback) نام کا ایک بچھڑا خریدا۔ اس عجیب غریب بچھڑے کی اصل نسل کا حال صحیح طور پر معلوم نہیں۔ تاہم یہ بات درجہ یقین کو پہنچ چکی ہے کہ اس میں ٹیز خون کی آمیزش تھی۔ دریائے ٹیز (The Tees) کی وادی کے مویشی جنہیں بعض اوقات ٹیز واٹر ڈرہم (The Teeswater Durhams) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مدتوں سے اپنی اعلیٰ خصوصیات کی وجہ سے اور خاصکر دودھ دینے کے حق میں اور جسامت اور خوبصورتی کے اعتبار سے مشہور تھے۔ ہارن بی (Hornby) کی چراگاہ میں ہبک (Hubback) کہیں اچھلتا کودتا پھر رہا تھا کہ چارلس کالنگ کی نظر پڑ گئی۔ کچھ دن پہلے وہ منڈی میں ڈارلنگ کے ایک لوہار کے ہاتھ فروخت کیا گیا تھا۔ اور اس کی ماں بھی اس کے ہمراہ تھی۔ اس لوہار نے اپنی بیٹی ہارنبی (Hornby) میں بیاہی اور اسے یہ گائے اور بچھڑا جہیز میں دے دیا۔ چارلس کالنگ (C. Colling) کی نگاہ نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ کہ ہبک (Hubback) کن خوبیوں کا جانور ہے۔ اور بچھڑے کے گوشت کے بیوپاری کے نقطۂ نگاہ سے کیا قیمت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس نے یہ بچھڑا خریدنے کا اپنے دل میں فیصلہ کر لیا۔ اور فوراً جا کر خرید لیا۔ بیکویل (Bakewell) اور کالنگ برادران (Colling Brothers) تینوں نے ایک رائج الوقت قاعدے کے خلاف عمل کیا۔ وہ قاعدہ یہ تھا کہ مختلف قسموں کی نسلوں کا آپس میں جوڑا لگایا جائے۔ اور دوغلے جانور پیدا کئے جائیں۔ اس کی بنا اس غلط خیال پر تھی۔ کہ ایک ہی نسل کے جانوروں کا جوڑا ملانے کے جو نقائص ہیں۔ مثلاً یہ کہ نسل کمزور پڑ جاتی ہے۔ ان نقائص کو دور کرنے کیلئے مختلف نسلوں کے جانوروں کو جفت کرنا ضروری تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قاعدے سے صرف ادنیٰ درجے کے

دو نسلے جانور پیدا ہوتے ہیں۔ بیکویل اور کالنگ برادران یہ کرتے تھے۔ کہ ایک ہی نسل کے جانوروں کو آپس میں جفت کرتے تھے۔ اور جہاں دیکھتے تھے کہ ایک خاص نوع قائم کرنی ضروری ہے۔ وہاں ایک ہی نسل کے اندر بیج ملانے سے بالکل نہ گھبراتے تھے۔

بنجمن ٹامکنز اور ہرفورڈ مویشی:- اس زمانہ کے قریب یا شاید اس سے کچھ پہلے ۱۷۶۵ء میں بنجمن ٹامکنز (Benjamin Tompkins) نے ہرفورڈ شائر کے مویشیوں کی اصلاح شروع کی۔ اور ہرفورڈ مویشی کی شاندار نسل قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ یہ نسل جہاں تک گوشت کا تعلق ہے۔ شارٹ ہارن (The Shorthorns) مویشیوں کی تنہا حریف ہے۔ گو یہ بات ضرور ہے۔ کہ دودھ دینے کے معاملے میں اُس سے بہت گھٹیا ہے انہیں ایام میں ڈیوک بیڈفورڈ (Duke of Bedford) نے ڈیون مویشیوں (The Devons) کی اصلاح کی۔ یہ نسل غالباً سب سے پرانی ہے۔ یا یوں کہیئے کہ ایسی نسل ہے کہ جس کی امتیازی خصائص کا سراغ اتنے قدیم زمانہ تک چلتا ہے اور کسی نسل کے معاملہ میں نہیں چلتا۔ باوجود بیشمار خوبیوں کے ڈیون مویشی (The Devons) اپنے آپکو نئی دنیا کے مختلف حصوں کے حالات کے مطابق بنانے میں بہ نسبت شارٹ ہارن (The Shorthorns) اور ہرفورڈ (The Herfords) مویشیوں کے کمزور اور ادنی ثابت ہوتے ہیں۔ امریکہ اور آسٹریلیا میں شارٹ ہارن (Shorthorns) اور ہرفورڈ مویشی جس کثرت سے گذشتہ صدی میں خریدے جاتے رہے ہیں۔ وہ انگلستان کی زراعتی خوشحالی میں ایک اہم عنصر تھی۔ بہرحال اپنے دیس میں اور نیو انگلینڈ کے بعض بعض حصوں میں جہاں بیلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ڈیون (The Devons) مویشی اب بھی سب سے بڑھ چڑھ کر مقبول ہیں۔

انگریزی نتھار و بریڈ گھوڑا:- اٹھارہویں صدی کا نصف اول گھوڑوں کی نسل بڑھانے کی تاریخ میں اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اس زمانے میں انگریزی اصیل گھوڑے (The English Thorough bred) نے مشرقی نسلوں کی آمیزش کے ذریعے بڑی سُرعت سے ترقی کی۔ ڈارلے (Darley) عربی نر گھوڑا جسکی نسل سے

انگلستان کے بہترین گھوڑے ہیں۔ ۱۷۰۰ء اور ۱۷۵۶ء کے درمیان انگلستان میں لایا گیا اس کی اولاد ایسی کارآمد ثابت ہوئی۔ کہ مشرقی جانوروں کے خلاف جو خیالات لوگوں کے دلوں میں جمع ہوئے تھے۔ وہ دور ہو گئے۔ اور اُسکے بعد کی مدت میں اور بہت سے گھوڑے مشرق سے لائے گئے۔ شہزادہ جارج نے بذاتِ خود اس کام میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ ڈارلے (Darley) عربی گھوڑے کے بعد سب سے زیادہ اثر جس گھوڑے کا ہے۔ وہ گوڈولفن (Godolfin) عربی گھوڑا ہے۔ یہ گھوڑا یقیناً بربری (a Barb) تھا۔ وہ ایک سُرنگ تھا جو فرانس سے لایا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ فرانس میں اس کی اتنی کم قدر کی گئی۔ کہ وہ پیرس کے کوچہ و بازار میں گاڑی کے آگے جُتا ہُوا پھرا کرتا تھا۔ قیاس کیا گیا ہے کہ ۱۷۲۲ء کے قریب بربری (Barbary) میں پیدا ہُوا۔ اور اُس کے نطفہ کا پہلا گھوڑا ۱۷۳۲ء میں انگلستان میں پیدا ہُوا۔

بہرحال اس سے پیشتر گھوڑ دوڑ سے انگلستان کے لوگوں کو بہت دلچسپی تھی۔ چنانچہ انتخاب نسل اور غیر ممالک سے درآمد کے باعث دیسی نسل میں بڑی اصلاح ہو چکی تھی۔ بادشاہ جیمس اوّل (James I) اور چارلس دوم (Charles II) دونوں گھوڑوں کے عاشق تھے۔ اور دونوں نے بہت سے گھوڑے مشرق سے منگوائے۔ چارلس نے تو خاص طور پر اپنے داروغہ اصطبل کو بیج کے گھوڑے لانے کیلئے دساور میں بھیجا۔ ان حالات کی وجہ سے نسل چلانے کیلئے اٹھارہویں صدی کے شروع تک نہایت عمدہ گھوڑے جمع ہو چکے تھے۔ جن مشہور گھوڑوں کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ان کا جو اثر انگریزی گھوڑوں پر ہوا وہ بیشک اُن کے جوہر ذاتی کی بدولت تھا۔ تاہم بڑی حد تک وہ ان حالات و واقعات کا مرہونِ منت ہے۔ بہرحال باوجود اس بات کے کہ اہل انگلستان کو گھوڑوں کی ترقی نسل سے اسقدر دلچسپی تھی۔ گھوڑوں کی ترقی نسل کی تاریخ میں کسی نئی نوع کے پیدا کرنے اور اُس کا سلسلہ قائم کرنے کا کوئی انفرادی کارنامہ ایسا شاندار نظر نہیں آتا۔ جتنا کہ بیکویل نے بھیڑوں کی اصلاح نسل میں اور کالنگ برادران نے مویشیوں کی اصلاح نسل میں انجام دیا۔

باربرداری کے گھوڑے:- آجکل انگلستان میں باربرداری کے گھوڑوں کی جو نسلیں پائی جاتی ہیں۔ ان کی بنیاد زیادہ تر اُنیسویں صدی میں رکھی گئی۔ گو یہ بات ضرور ہے کہ (The Thoroughbred) اصیل گھوڑوں کی طرح اس نسل کی اصلی بنیاد دیسی جانور تھے۔ شائر گھوڑا (The Shire) غالباً براہ راست قدیم انگلستان کے چھکڑوں کے آگے جُتنے والے گھوڑوں کی نسل سے ہے اور اس میں غیر نسلوں کے خون کی بہت کم ملاوٹ ہے۔ یہ ایک بڑے قد کا قوی ہیکل گھوڑا ہے۔ عموماً کالے رنگ کا ہوتا ہے۔ لیکن دوسری نسلوں سے بہت کم متمائز ہوتا ہے۔ سفوک (Suffolk) کا پنچ گھوڑا (Punch) جس نے جدید نسلوں میں شاید سب سے پہلے ایک جداگانہ نوع کی حیثیت اختیار کی۔ قیاساً نارمنڈی (Normanday) کے سانڈ گھوڑوں (جو آجکل پرچیرن (Percheron) گھوڑوں کے نانہ دار ہیں) اور دیسی گھوڑوں کے جفت کرنے کا نتیجہ ہیں۔ آرتھر ینگ ۱۷۷۰ء میں اُن کا ذکر کرتا ہے۔ اور کلائیڈ (Clyde) گھوڑا کہا جاتا ہے۔ کہ فلینڈرز (Flanders) اور بلجیم (Belgium) کے گھوڑوں کو اسکاٹ لینڈ کی گھوڑیوں کے ساتھ ملانے سے پیدا ہوا۔

سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں انگلستان میں جو زراعت رائج تھی۔ اور جس کا بیان اوپر کی فصل میں کیا گیا ہے۔ اور اُن نو آبادیوں کیلئے جو امریکہ آئے ایک نمونہ تھی۔ اس پرانی معلومات کو اور نئی معلومات کو کس طرح اُنہوں نے استعمال کیا۔ اور اپنے آپ کو نئے برّ اعظم کے نئے حالات کے مطابق کس طرح بنایا۔ یہ امور ذیل کی فصل کا موضوع ہیں۔

---

(۳) امریکن زراعت کا آغاز

بڑے بڑے دور۔ ریاستہائے متحدہ کی زراعتی اور سیاسی تاریخ کے دو عہد ہیں پہلا عہد نوآبادیوں کا عہد ہے۔ جو ۱۶۵۷ء سے لیکر ۱۷۷۲ء تک رہا۔ دوسرا قومی نشوو نما کا عہد ہے۔ جو ۱۷۷۶ء سے شروع ہو کر اب تک قائم ہے۔ یہ قومی نشوونما کا عہد چار ادوار مختلف میں منقسم ہو سکتا ہے۔ پہلا دور ۱۷۷۶ء سے ۱۸۳۳ء تک دوسرا ۱۸۳۳ء سے لیکر ۱۸۶۴ء تک۔ تیسرا ۱۸۶۴ء سے لیکر ۱۸۸۸ء تک۔ اور چوتھا ۱۸۸۸ء سے لیکر زمانہ حال تک۔ پہلا عہد چونکہ وہی ہے۔ جو ہماری سیاسی تاریخ میں نوآبادیوں کے قائم ہونے کا زمانہ ہے۔ اسلیئے ہم اُسے نوآبادیاں بسانے والوں کا عہد کہہ سکتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں اُنہوں نے انگریزی قواعد زراعت کو امریکہ میں رواج دینا شروع کیا۔ اور اُن کو نئے حالات کے مطابق ترمیم کر لیا۔ یہ ترمیم مشتمل تھی۔ یہ سیکھنے پر کہ جنگل میں زندگی کیونکر بسر کرنی چاہیئے۔ اور درختوں۔ ٹھُنڈوں اور پتھروں سے اٹی ہوئی زمین کو کیونکر صاف کرنا چاہیئے۔ نیز یہ اس بات پر مشتمل تھی۔ کہ تجربہ سے یہ سیکھا جائے۔ کہ کون کونسی اجناس طبعیت زمین اور آب و ہوا کے موافق ہیں اور کون کون سے قواعد زراعت تسلی بخش فصل پیدا کرنے کیلئے مناسب و موزوں ہیں

ہم انڈین لوگوں کے کہاں تک ممنون ہیں؟ وہ یورپی لوگ جو پہلے پہل امریکہ جا کر آباد ہوئے۔ ان کے لیئے یہی ایک طریقہ نہ تھا۔ کہ پرانے قواعد زراعت کی نئے حالات کے مطابق ترمیم کریں۔ برخلاف اس کے اُنہوں نے سب سے پہلا سبق اور مسلم طور پر سب سے کارآمد سبق براہ راست امریکہ کے اصلی باشندوں سے پڑھا امریکہ کے اصلی باشندوں کے زراعتی طریقے یوں تو جدید معیار کے مطابق بالکل بے ڈھب اور بے ڈھنگے تھے۔ تاہم ہمیں یہ نہ فراموش کر دینا چاہیئے۔ کہ ان لوگوں نے ہمارے اسلاف کو بعض ایسی اجناس کا اُگانا سکھایا جنہوں نے بعد میں ہماری قومی

معیشت کی نشو ونما میں بڑا حصہ لیا ۔ یہ چیزیں کیا تھیں ؟ تمباکو اور مکئی ۔ تمباکو نو آبادیوں کے عہد میں شروع سے لیکر اخیر تک جنوبی نو آبادیوں میں سب سے اہم جنس بازاری تھا ۔ اور ۱۸۰۱ء تک دوسری چیزوں سے پیش پیش رہا ۔ ۱۸۰۱ء میں کپاس اُس سے نکل گئی ۔ ہماری ساری تاریخ میں مکئی بحیثیت مجموعی ملک کی سب سے بڑی پیداوار رہی ہے ۔ اور اس کا درجہ اب تک وہی ہے ۔ کوئی دوسری جنس اس کا پاسنگ بھی نہیں ۔ امریکی زراعت کا نشانِ امتیاز مکئی سے بڑھ کر کوئی جنس نہیں ۔ اور جہاں تک امریکی صنعت و حرفت کا تعلق ہے ہمیں یہ کہنے میں کلام ہے ۔ کہ کوئی اور پیداوار اس سے زیادہ اس کا مایہ الامتیاز ہے ؎

نو آبادیاں بسانیوالوں نے کیونکر زمین حاصل کی؟ } ملک کی زراعتی تاریخ کے اُن مسائل میں جو سب پر مقدم اور سب سے اہم ہیں ۔ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اُن کے باشندوں کا زمین سے کیا تعلق ہے ۔ ہماری نو آبادیوں کی ابتدائی تاریخ میں زمین بادشاہ برطانیہ کی ملکیّت خیال کی جاتی تھی ۔ اور تمام حقوق ملکیّت اُس کے دربار سے عطا ہوتے تھے ۔ مختلف نو آبادیوں میں زمین کا حق ملکیّت حاصل کرنے کیلئے جو جو طریقے اختیار کئے جاتے تھے ۔ وہ بہت مختلف تھے ۔ ورجینیا (Virginia) میں زمین بادشاہ نے لنڈن کمپنی کو عطا فرمائی ۔ لنڈن کمپنی نے آگے مختلف اشخاص میں تقسیم کر دی ۔ لیکن یہ اس وقت جب وہ دو سال تک مشترکہ مملکیّت کے طریقے کا تجربہ کر کے نقصان اُٹھا چکی :۔

ورجینیا کا نظامِ اراضی } جن طریقوں سے ایک مردِ واحد ورجینیا (Virginia) میں زمین کا حق ملکیّت حاصل کر سکتا تھا ۔ وہ تین تھے ۔ اوّل یہ کہ لنڈن کمپنی کے سرمایہ میں حصہ دار ہو جائے ۔ اُسے بل آف ایڈونچر (bill of adventure) کہتے تھے یہ کیا چیز تھی ؟ ایک سند تھی اس بات کی کہ فلاں شخص کمپنی کے منافع میں اتنے حصہ کا حقدار ہے ۔ اور علاوہ بریں سو ایکڑ زمین کا حق ملکیّت رکھتا ہے ۔ اور بعض صورتوں میں ایکسو ایکڑ مزید زمین کا بھی حق ملکیّت اسے حاصل ہو جاتا تھا ۔ دوسرا طریقہ زمین حاصل

کرنے کا یہ تھا۔ کہ ایسی خدمات انجام دی جائیں۔ جو صلہ طلب ہوں۔ مذہب کے مبلغ طبیب اور دوسرے پبلک خادم جن میں وہ لوگ بھی شامل تھے۔ جنہوں نے دستی مشقت کی ہو۔ ان لوگوں کو بعض اوقات زمین کے قطعات انکی خدمات کے معاوضہ کے طور پر عطا کئے جاتے تھے۔ تیسرا طریقہ ہیڈ رائیٹ (head right) کے نام سے موسوم تھا۔ اور یہ وہ طریقہ تھا۔ جو پہلے چالیس سال گذرنے کے بعد سب سے عام ہو گیا۔ اس کے مطابق کوئی حصہ دار جو کمپنی کو اپنے خرچ پر ایک شخص عام اس سے کہ وہ آزاد ہو یا غلام مہیا کرتا۔ اس کو اس کے صلے میں پچاس ایکڑ زمین کا حق ملکیت حاصل ہو جاتا۔ بشرطیکہ وہ شخص تین سال تک یا اس سے زیادہ مدت تک نو آبادی میں رہ چکا ہو۔ اس حق کا دائرہ بعد میں اور وسیع ہوا۔ یہاں تک کہ ایسے باشندے جو حصہ دار نہ تھے۔ اُن کو بھی پچاس ایکڑ زمین کا حق ملکیت مل جاتا تھا۔ آخری ایام میں تو یہ طریقہ اسقدر غیر منضبط ہو گیا کہ ہر شخص نو آبادی کے سیکرٹری کو فقط ایک مقررہ فیس ادا کر دینے سے زمین کا پروانۂ ملکیت حاصل کر سکتا تھا۔

زراعتی پیمایش کا طریقہ جب کوئی شخص کسی قطعۂ زمین کا حقِ ملکیت حاصل کر چکتا تو اس کے سامنے یہ سوال درپیش ہوتا۔ کہ کہاں زمین لی جائے۔ یا یہ کہ زمین کی پیمائش کی جائے۔ اور اس پر قبضہ کیا جائے۔ پہلا مرحلہ یہ تھا کہ مہتمم پیمائش کے سامنے اپنی ہیڈ رائیٹ (head right) کی سند پیش کی جائے۔ اور کوئی ایسا قطعہ جو پہلے کی ملکیت نہ ہو۔ انتخاب کر لیا جائے۔ دستور یہ تھا۔ کہ لوگ زیادہ تر وہ زمین لیتے تھے۔ جو ساحل بحر یا دریا کے کنارے کے متصل واقع ہوں۔ یعنی کھاد دار زمینیں۔ مہتمم پیمائش یہ کرتا تھا۔ کہ ساحل کو قاعدہ یعنی بنیادی خط بناتا تھا اور اس قاعدے پر ایک خط کی پیمائش کرتا تھا جس کا طول اُس قطعۂ زمین کے رقبہ پر جس کی پیمائش مقصود تھی منحصر ہوتا تھا۔ اس خط کے دونوں سروں سے زاویہ مستقیم بناتے ہوئے دو خط ایک ایک میل کے فاصلے تک back lines کے سمیت مزرعہ کا حدود اربعہ بناتے تھے۔ ظاہر ہے۔ کہ مزرعہ شکل میں مستطیل اور ایک میل گہرا ہوتا تھا۔ جن قطعوں کی پیمائش پہلے ہوتی تھی اُن کو از سر نو بنیادی خط بنا لیا جاتا تھا۔ اور ایک نئے سلسلۂ قطعات کی پیمائش کی

جاتی تھی۔ جب کہ تمام اُس زمین پر جو پانی کے متصل ہوتی تھی قبضہ ہو چکتا تھا۔ اور پٹے لوگوں کے نام دے دیئے جاتے تھے۔ تو پٹہ دار کیلئے ضروری ہوتا تھا۔ کہ ایک مکان تعمیر کرے اور اس میں رہائش اختیار کرے۔ ان مراحل کے طے ہو چکنے کے بعد کہیں جا کر اس کا حق ملکیت مکمل ہوتا تھا۔

تخمین اراضی } نوآبادیوں کے دور میں بالخصوص پہلے چند سال کے بعد تخمین اراضی (land speculation) بہت بڑی حد تک پیدا ہو گئی۔ یہ عموماً اس صورت میں ہوتا تھا۔ کہ ایک قابل قدر قطعۂ زمین کی معافی حاصل کی جاتی تھی۔ اور لوگوں کو اس پر بود و باش اختیار کرنیکی ترغیب دی جاتی تھی۔ جب اس قطعہ کے کچھ حصے پر لوگ بود و باش اختیار کر چکتے تو بقیہ حصہ کی قیمت بعد میں آنے والے لوگوں کو بیش از بیش دینی پڑتی۔ اور اس طرح مالک زمین کو نفع کثیر ہوتا۔ یہ قاعدہ جو مغرب بعیدہ میں آجکل بھی عام ہے۔ ہماری نوآبادیوں کی تاریخ کے آوائل میں شروع ہوا۔ اور بغیر کسی تغیر عظیم کے آج تک چلا آتا ہے۔

نیو انگلینڈ کا زراعتی نظام } نیو انگلینڈ اور جنوبی نوآبادیوں کے زراعتی نظام میں بعض فرق نمایاں تھے۔ نیو انگلینڈ میں ابتداً یہ دستور تھا۔ کہ افراد کو براہِ راست زمین بخشی جائے۔ گو یہ سچ ہے۔ کہ چند اشخاص کو زمین بخشی گئی۔ اور وہ عموماً نمایاں خدمات کے صلے میں۔ عام قاعدہ یہ تھا۔ کہ اشخاص کے ایک گروہ کو جو ایک آبادی قائم کرنے کا یا شہر بسانے کا خواہشمند ہو۔ زمین عطا کی جاتی تھی۔ اس گروہ سے یا اس شہر سے جو یہ گروہ آباد کرتا۔ ہر فرد واحد علیحدہ علیحدہ جاگیر معافی حاصل کرتا۔ اور اس پر چند پابندیاں شہر کی طرف عائد کر دی جاتیں۔ ویڈن اپنی کتاب "نیو انگلینڈ کی معاشرتی اور سیاسی تاریخ" میں ایک جگہ لکھتا ہے۔ "یہ ملکیت اراضی کے قابل تعریف نظام کا طفیل تھا۔ کہ پہلے پہلے شہر وجود میں آئے۔ یہ نہ ہوتا تو ظن غالب ہے۔ کہ ان کا مذہبی اور سیاسی نظام . . . . . .

. . ان کے نظام معاشرت قائم کرنے کیلئے ناکافی ہوتا۔" ابتدا کے شہر مذہبی جماعت کے طور پر آباد ہوئے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیئے۔ کہ کسی شہر کا آباد کرنا ایک مذہبی جماعت کے قائم کرنے اور پھر من حیثیت الجماعت ایک قطعۂ زمین بساتے اور ایک شہر بنانے کے

مرادف تھا۔ جب کوئی شہر بسایا جاتا تھا۔ تو تمام افراد جن کو حقوقِ شہریت دیئے جاتے۔ ان کو زمینیں عطا کی جائیں۔ ویڈن (Weeden) کے الفاظ میں یہ کہنا چاہیئے۔ کہ گویا وہ چند خاندانوں کو کلیسیا کی رکنیت کیلئے انتخاب کرتے تھے۔ اور شہریت کے فرائض ان لوگوں کے ذمے ہوتے تھے"۔

یہ طریقہ کہ شہروں کو زمین کے بڑے بڑے قطعے عطا کر دیئے جاتے تھے۔ اور وہ آگے چھوٹے چھوٹے قطعے افراد کو دیتے تھے۔ نیو انگلینڈ میں ہمیشہ بستیاں بسانے کا طریقہ رہا۔ تاہم یہ تمام حالات میں ایک مذہبی کاروبار نہ ہوتا تھا۔ بعض اوقات اور بالخصوص نوآبادیوں کے آخری دور میں کوئی شخص بحیثیت انفرادی یا کوئی کمپنی کسی شہر کے آباد کرنیکا ٹھیکہ لیتی۔ اسی امید پر کہ زمین کے فروخت کرنے پر کچھ نفع ہو جائے گا۔ بہرحال آبادی مجتمع صورت میں کی جاتی۔ (مجتمع بمقابلہ اُس قاعدے کے جو ورجینیا اور جنوبی نوآبادیوں میں رائج تھا) اور اس طریق آبادی کی وجہ سے شہر نیو انگلینڈ میں مقامی حقیقت کی ایک خصوصیت ہو گئے۔

شاملات: نیو انگلینڈ کے کسی شہر کی متعلقہ زمین کا بڑا حصہ اگرچہ علیحدہ علیحدہ افراد کے قبضہ میں ہوتا تھا۔ تاہم کچھ مشترکہ زمین بھی چراگاہ اور جنگل کے طور پر رکھ لی جاتی تھیں اور احاطہ بندی اور خندق کھودنے کا کام بڑی مقدار میں مشترکہ طور پر انجام دیا جاتا تھا۔ شہر کے گلہ بان بعض اوقات اس کام پر مقرر کئے جاتے۔ کہ شاملات میں شہر کے لوگوں کے مویشیوں کو چرائیں۔ شاملات میں مویشی چرانے کے حقوق عموماً زمین کے اصلی بسانے والوں کے لئے محفوظ رکھے جاتے تھے بعد میں جب نئے خاندان ان شہروں میں آ کر آباد ہو گئے۔ تو شاملات دار (Commoners) غیر شاملات دار (Non commoners) میں ایک تفریق پیدا ہو گئی۔ یہ تفریق بعض اوقات مشکلات کا باعث ہوتی اور پرانے باشندوں اور نوواردوں کے درمیان پرانے خاندانوں اور نئے خاندانوں کے درمیان اصلی باشندوں جو کہ زمین پر قابض تھے۔ اور مہاجنوں کے درمیان جو زمین میں حصہ طلب کرتے تھے مختصر یہ کہ آباد شدہ لوگوں اور نئے آباد ہونے والوں کے درمیان جو کشمکش قدیم الایام سے چلی آتی ہے۔ یہ تفریق اس کی ایک صورت تھی۔

وسطی نوآبادیوں کا نظام اراضی } وسطی نوآبادیوں میں ملکیت زمین کے بہت سے مختلف و متنوع طریقے رائج تھے۔ جب تک انگریزی حکومت رائج رہی تو نیویارک کا نظام اراضی بہ نسبت ورجینیا (Virginia) اور جنوبی نوآبادیوں کے نیو انگلینڈ (New England) کے نظام سے بہت مشابہ تھا لیکن ولندیزی حکومت کے ماتحت دریائے ہڈسن کی وادی میں ایک نیا نظام وجود میں آیا۔ جس کا نام پیٹرون سسٹم (Patroon system) تھا۔ اس نظام کے مطابق زمین کے بڑے بڑے قطعات جن کا رقبہ پچاس ہزار سے لیکر ایک لاکھ ایکڑ تک ہوتا تھا۔ اشخاص کو بحیثیت انفرادی دیئے جاتے تھے۔ ان لوگوں کو پیٹرون (Patroon) کہا جاتا تھا۔ اور وہ جاگیردار روسا کی قبیل سے تھے۔ ان لوگوں کے ذمے یہ فرض ہوتا تھا کہ وہ اپنی کوششوں سے مہاجرین کو اپنی جائدادوں میں بودوباش اختیار کرنے کی ترغیب دیں۔ اور پھر ان پر بحیثیت جدی پشتنی مجسٹریٹوں کے حکومت کریں۔ اور بجائے محصول کے لگان کی صورت میں اُن سے مدد لیں۔ اس کے صلے میں ان کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی۔ کہ مدرسے گرجے اور دوسرے ادارات اجتماعیہ لگان کی آمدنی سے جاری کریں۔

پنسلوینیا (Pennsylvania) اور میری لینڈ (Maryland) اور ایک خاص حد تک نیوجرسی (New Jersey) اور ڈیلاویئر (Delaware) میں حکومت کا نظام ملکیت۔ نظام اراضی پر مبنی ہوتا تھا۔ شاہ انگلستان کی طرف سے بڑے بڑے جاگیرداروں کو زمین دی جاتی تھی۔ یہ لوگ آباد ہونے والوں زمین عطا کرتے تھے۔ زمین عطا کرنے کی عام صورت یہ تھی۔ کہ چھوٹے چھوٹے مزرعے بنا کر کاشتکاروں کے ہاتھ نیلام کر دیئے جاتے تھے۔ اور یہ کاشتکار اپنے ہاتھوں سے کھیتی باڑی کرتے تھے۔ چند بڑے بڑے قطعات زمین بھی بالخصوص میری لینڈ (Maryland) میں عطا کیئے گئے۔ ان قطعاتِ زمین میں ایک ایسا نظامِ اراضی رائج ہوگیا۔ جو کچھ کچھ تعلقہ داری کے نظام سے ملتا جلتا تھا۔

مزدوروں کا بہم پہنچنا } جس قدر اہم یہ سوال ہے۔ کہ ملک کے باشندوں کو زمین سے

کیا تعلق ہے۔ اتنا ہی اہم یہ سوال بھی ہے۔ کہ مزدور کس قسم کے مہیا ہو سکتے ہیں۔ جس ملک میں زمین بکثرت ہو۔ اور تقریباً بلا معاوضہ ملے۔ وہاں یہ ناممکن ہے۔ کہ اُجرت پر کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد کوئی قابلقدر ہو۔ اگر کوئی مزدور زمیندار بن سکتا ہے تو بھلا وہ اُجرت پر کیوں کام کریگا۔ الّا اس صورت میں کہ اس کو اُجرت اتنی زیادہ ملتی ہو۔ کہ جتنا وہ بحیثیت ایک آزاد اور خود مختار زمیندار کے کما سکتا ہے۔ اتنا ہی مزدوری سے کما سکے۔ جہاں یہ صورت احوال ہو۔ وہاں شاذو نادر اور وہ بھی خاص خاص حالات میں کسی کاشتکار کے لئے یہ امر مفید ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اتنی زیادہ اُجرت دیکر مزدوروں سے کام لے۔ یہی وجہ ہے کہ اُجرتی مزدور لازمی طور پر مستثنیات میں سے ہے۔ ان باتوں کے ہوتے ہوئے کاشت کا کام انجام دینے کے دو ہی طریقے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ کاشتکار خود کرے۔ دوسرا یہ کہ لازمی اور جبری طور پر مزدوروں سے کام کرائے۔ تمام انگریزی نوآبادیوں میں کیا جنوب میں اور کیا شمال میں ابتداءً یہ دستور تھا کہ کاشتکار خود زمین کی کاشت کرتے تھے۔ بعد کو ایسے ملازموں (Indentured servants) سے بہت سا کام لیا جانے لگا۔ جن کے ساتھ اقرارنامہ کیا کہ اُن کا سفر خرچ پرانی دنیا سے نئی دنیا جانے کیلئے ادا کر دیا جائیگا۔ اور وہ اس سفر خرچ کے صلے میں ایک مقررہ میعاد تک کام کرینگے۔ اس میعاد کے ختم ہونے پر وہ آزاد کر دیئے جاتے تھے اور دوسرے آزاد لوگوں کی طرح وہ بھی زمین کے مالک بن سکتے تھے۔

حبشی غلام حبشی غلاموں سے بھی بہت کام لیا جاتا تھا۔ خاصکر سنہ ۱۶۱۹ء کے بعد جنوب میں شمالی نوآبادیوں میں بھی حبشی غلام تھے۔ لیکن وہ زیادہ تر شہر کے امیر گھرانوں میں نوکروں کے طور پر کام کرتے تھے۔ زراعت میں اگر حبشی غلاموں سے کام لیا بھی جاتا تھا۔ تو وہ اتنے تھے کہ انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ اور اس لئے شمالی نوآبادیوں کے زراعتی ارتقا کی تاریخ میں نظر انداز کر دینے کے قابل ہیں۔ لیکن جنوب میں ان کی بڑی تعداد تھی۔ جو تمباکو کی کاشت میں جو کہ جنوب کی سب سے بڑی جنس بازاری تھی۔ کام کرتی تھی۔ اس بنا پر شمالی اور جنوبی حصہ کے طریقِ زراعت میں بہت نمایاں فرق پیدا ہو گیا۔ شمالی نوآبادیوں میں مزروعوں کی کاشت زیادہ تر زمیندار خود کرتے تھے۔ فقط تھوڑی مدد محدودے چند

اُجرتی مزدوروں سے لیتے تھے ۔ جنوب میں رفتہ رفتہ یہ دستور ہوگیا ۔ کہ زمیندار خود تو بہت تھوڑا کام کرتے تھے ۔ اور حبشی غلام زیادہ کرتے تھے ۔ بہرحال یہ رُجحان بہت زیادہ سُرعت سے نہیں پھیلا ۔ اور جنوب میں ایسے بہت سے چھوٹے چھوٹے مالکانِ مزرعہ رہتے تھے ۔ جو اپنی زمین کی کاشت آپ کرتے تھے ۔ لیکن اس کے باوجود یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جنوبی زراعت کی نمایاں خصوصیت یہ تھی ۔ کہ غلاموں کی محنت و مشقت سے کھیتی باڑی کا کام انجام پاتا تھا شمالی اور جنوبی نوآبادیوں کے طریق زراعت میں جو فرق تھا یہ اس کی بدولت تھا کہ میلن (Melon اور ڈکسن (Dixon) کا خط اتنی پُرمعنی چیز تھی جو دیہاتی تمدن کی دو اقسام کے درمیان ایک حدِ فاصل تھی ۔ شمال اور جنوب کے شہروں میں کوئی فرق ایسا نہ تھا ۔ گو یہ بات سچ ہے کہ شہروں میں بھی کوئی کوئی بات دیہاتی زندگی کی سی پائی جاتی تھی ۔

ابتدائی تجربات ابتدائی نوآبادیوں نے اگرچہ زراعت کے پہلے پہلے کارآمد سبق امریکہ کے اصلی باشندوں سے سیکھے اور ان کے تتبع میں مکئی یا تمباکو کی کاشت شروع کی ۔ تاہم وہ یہ گوارا نہ کر سکتے تھے ۔ کہ اس طرح لکیر کی فقیری کرتے جائیں ۔ اور دیسی زراعت کے علاوہ کوئی اور طریقہ نہ ایجاد کریں ۔ چنانچہ بہت سے طریقے بطور آزمائش اختیار کئے گئے ۔ بالخصوص ورجینیا (Virginia) میں اس قسم کے تجربات متعدد ہوئے ۔ ریشم کی حرفت کو نشو و نما دینے کی کوشش کی گئی ۔ کیونکہ خودرو انگوروں کی بہتات تھی ۔ انجیر ۔ زیتون اور دوسرے پھلوں کے اُگانے میں تجربے کئے گئے ۔ جیمس ٹاؤن (Jamestown) کا عرض بلد تقریباً وہی ہے ۔ جو افریقہ کے شمالی ساحل کا ہے ۔ اس بنا پر انگریز ورجینیا کو ایک منطقۂ حارہ کا خطہ خیال کرنے لگے مزید بریں اوّل اوّل انگریز سیاح نئی دنیا میں عموماً گرمی کے موسم میں جایا کرتے تھے ۔ اسلئے انہیں یہ دیکھنے کا موقعہ نہ ملتا تھا ۔ کہ وہاں جنوب میں ورجینیا (Virginia) تک سردی کس شدّت سے پڑتی ہے ۔ لیکن ان تمام تجربوں اور آزمائشوں کے بعد جنوبی نوآبادیوں کو ازسرِنو مکئی اور تمباکو کی کاشت شروع کرنی پڑی ۔ گو یہ بات ضروری ہے ۔ کہ یورپی غلّہ ترکاریوں اور پھل کی بھی کاشت کی گئی ۔ نیل اور چاول بھی جنوبی کیرولینا (South carolina) اور جارجیا (Georgia) میں بہت اہم اجناس میں شمار ہونے لگے ۔ وسطی

نوآبادیوں میں گیہوں نے بازاری جنس کی حیثیت اختیار کر لی۔ گو مکئی کی کاشت ہمیشہ ہوتی رہی اور یورپ کے پھل اور ترکاریاں بھی متعدد بہ تعداد میں اُگائے جاتے تھے۔ گیہوں جزائر غرب الہند (West Indies) سے اس کثرت سے برآمد ہونے لگا۔ کہ ایک اچھی خاصی تجارت شروع ہوگئی۔ نیو انگلینڈ میں کوئی منڈی کی جنس ایسی پیدا نہ ہوتی تھی۔ جن کی برآمد کی تجارت ہوتی ہو۔ عموماً اِدھر اُدھر کی اجناس کی بغیر کسی لحاظ کے کاشت ہوتی تھی۔ اور زیادہ تر مقامی منڈیوں کے لئے پیداوار اُگائی جاتی تھی۔

مال مویشی ہماری نوآبادیوں کی زراعتی تاریخ میں ایک دلچسپ باب مال مویشی کا باب ہے وہ گھریلو جانور اور پرندے جواب ریاستہائے متحدہ میں پائے جاتے ہیں۔ سوائے فیل مُرغ کے سب کے سب یورپ سے لائے گئے۔ پہلے جہاں دیکھو وہاں سؤر تھے کہ جنگلوں میں آوارہ پڑے رہتے تھے۔ جوز اور جڑی بوٹیاں کھاکر گذارہ کرتے تھے اور باوجود بھیڑیوں۔ ریچھوں اور وحشی شکاریوں کے تعداد میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی کئے جاتے تھے۔ ہماری نوآبادیوں کے عہد کی ابتداء میں ورجینیا کے سؤر کے گوشت نے بڑی شہرت حاصل کی۔ بکریاں چونکہ بمقابلہ بھیڑوں کے اپنے آپ کو بہتر طریقے سے محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ اسی لئے ان کی بھی افراط تھی۔ بہر حال کچھ مدت بعد جب ملک میں بستیاں جابجا آباد ہوگئیں۔ تو بکریوں کی بجائے بھیڑوں نے ترقی کی۔ جن جن نوآبادیوں میں انسانوں کی آبادی اتنی تھی کہ بھیڑیوں وغیرہ کا خطرہ نہ ہو وہاں بھیڑیں پالی گئیں۔ مویشی قدرتی طور پر بہ نسبت بھیڑوں کے اس بات کے زیادہ قابل ہیں۔ کہ جنگل کے موذی جانوروں کی دستبرد سے بچ سکیں۔ چنانچہ پہلی پہلی نوآبادیوں کے وقت سے لیکر اب تک اُن کی ترقی نسل بڑی تعداد میں ہو رہی ہے۔ ورجینیا (Virginia) اور کیرولینا (Carolina) میں مویشیوں کا ایک نہایت فائدہ بخش کاروبار جو جدید زمانہ کے کاروبار (Cattle ranching) سے مشابہ تھا۔ شروع ہوگیا۔ مقررہ مقامات پر سالانہ نمائش اور میلے ہوتے تھے۔ مویشیوں کو داغ دیا جاتا تھا۔ اور اس طرح جدید کاروبار کی بہت سی خصوصیات کو ترقی دی گئی۔ نیو انگلینڈ میں مویشیوں کا کاروبار زیادہ تر شہروں کے زیر اہتمام تھا اور ہر شہر کا فرض ہوتا تھا۔ کہ اس کے یہاں اپنا علیحدہ نشان ہو۔

تاکہ کسی شہر کے مویشی اپنی چراگاہ سے باہر نکل جائیں۔ تو پہچانے جاسکیں۔

نوآبادیوں کے ابتدائی زمانہ میں گھوڑوں کی ترقیٔ نسل کی طرف بہت کم توجہ کی گئی پہلے پہلے نوآباد اپنے ساتھ گھوڑے لائے۔ لیکن یہ گھوڑے صرف سواری کے کام میں لائے جاتے تھے۔ کاشت کے بھاری بھاری کام سب بیل کرتے تھے۔ اور ایسی سڑکیں ہی کہاں تھیں۔ کہ گاڑیاں چل سکیں؟ ورجینیا کے جنگلوں میں گھوڑے خوب پھلے پھولے اور جنگلی جانور بن گئے۔ چنانچہ کبھی کبھی اُن کا شکار بھی کھیلا جاتا تھا۔ نوآبادیوں کے اخیر زمانہ میں ورجینیا والوں نے سواری کے گھوڑوں کی طرف زیادہ توجہ دینی شروع کی۔ انگریزی اصیل (Thorough bred) گھوڑے جن کی اُنہی دِنوں انگلستان میں پرورش کی گئی تھی۔ نئی دنیا میں لائے گئے۔ اور دیسی گھوڑیوں سے جُفت کئے گئے۔ یہ دیسی جانور کسی کسی حد تک اس لئے مدتوں سے جنگلوں میں رہتے تھے۔ ایسے جفاکش اور محنتی ہو گئے تھے۔ کہ قد چھوٹا ہونے کے باوجود اس قابل سمجھے گئے۔ کہ امریکہ کے سواری کے گھوڑوں کی نسل اُن سے لی جائے۔ جزیرۂ روڈ (Rhode Island) میں نوآبادیوں کے اختتام سے پہلے سواری کے گھوڑوں کی ایک نہایت قیمتی نسل تھی۔ جنہیں نارے گنٹ (Narragansett) کہتے تھے۔ یہ نسل جو کبھی بہت مشہور تھی۔ خیال کیا جاتا تھا کہ ایک ہسپانوی کے گھوڑے کی اولاد سے تھی۔ اِس نسل کے گھوڑوں کی بہت مانگ تھی۔ نہ صرف آس پاس کی نوآبادیوں میں بلکہ جزائر غرب الہند (West Indies) میں بھی۔ چنانچہ اتنے گھوڑے بکے اور اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ کہ جنگ آزادی کے بعد ایک علیحدہ نسل کے طور پر اُن کا نام و نشان نہ رہا۔

سوائے فیل مرغ کے ہمارے تمام مزرع کے جانور اور پرندے پرانی دنیا سے لائے گئے۔ پہلے پہل جو جانور آئے وہ کولمبس (Columbus) کے ساتھ جزائر غرب الہند میں آئے جبکہ اس نے ۱۴۹۳ء میں اپنا دوسرا بحری سفر کیا۔ گھوڑے، مویشی، سؤر، بکریاں، بھیڑیں گدھے، چوزے، بطخیں اور راج ہنس سب اُسی زمانہ میں لائے گئے۔ اور بعید از قیاس نہیں کہ یہ ہسپانوی نسل کے نمونے جزائر غرب الہند کی وساطت سے ہم تک پہنچ گئے ہوں بہرحال گھوڑوں، مویشیوں، سؤروں اور بھیڑوں کے متعلق یہ امر درجۂ یقین کو پہنچ

گیا ہے ولنیڈری مویشی نیو یارک (New York) اور ڈینش مویشی نیو ہمپشیا (New Hampshire) میں لائے گئے۔ تاہم بالعموم ہمارے زراعت کے جانور جزائر برطانیہ سے آئے ہیں۔

نوآبادیوں کے دور میں دیہاتی زندگی } اس ابتدائی دور کی دیہاتی زندگی متعدد مرتبہ بیان کی جا چکی ہے اور ہماری قومی روایات کا ایک جزو بن گئی ہے۔ جنوب میں دیہاتی زندگی کا مرکز یورپین مہاجرین کی وہ نئی بستیاں (plantations) تھیں۔ جن میں غلاموں سے زراعتی مزدوروں کا کام لیا جاتا تھا۔ ان نئی بستیوں کا نقشہ ملاحظہ ہو:۔ "ایک نئی بستی جن چیزوں کا مجموعہ تھا وہ یہ ہیں:۔ جاگیردار کا مکان جس کی نمایاں خصوصیت برآمدے اور غلام گردشیں تھیں۔ حبشیوں کے مکانات کی قطاریں ایک دوسرے کے نزدیک بنے ہوئے کھلیان اور دکانیں۔ ان چیزوں کی بدولت یہ بستی ایک جداگانہ اور قائم بالذات جماعت ہوتی تھی۔ بستی کے مالک کو کسی ایسی چیز کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ جس کیلئے اُسے اپنی نوآبادی سے یا جنوبی حصہ سے باہر جانا پڑے۔ وہ براہ راست انگلستان۔ جزائر غرب الہند اور شمالی نوآبادیوں سے تجارت کرتا تھا۔ . . . . . ہر یورپین بستی میں چند حبشی ہوتے تھے۔ جن کو فنونِ میکانی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور بعض یورپین ہُنرور بھی ملک میں چکر لگاتے اور جو جو کام غلاموں کے بس کے نہ تھے۔ وہ کرتے پھرتے تھے۔"

شمالی نوآبادیوں میں مزرعے چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے اور ان کا کام زیادہ تر کاشتکار اور اس کے خاندان کی محنت سے انجام پاتا تھا۔ اس امر کے لئے ضروری تھا کہ کاشتکار بڑی حد تک ایک دوسرے کی امداد کریں۔ اس کی بدولت ایک نہایت عمدہ اجتماعی زندگی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ لحاف نگندنا۔ سوت کاتنا۔ اناج چھڑنا۔ مکان اور کھلیان بنانا۔ لکڑی کی شہتیریاں جمع کرنا۔ اور ایسے بہت سے کام مل جُل کر کیے جاتے تھے۔

کاشتکاری ہر حصہ ملک میں ایسی تھی۔ جیسی ابتدائی دور میں ہو سکتی ہے۔ عمدہ شعبوں کی طرف اتنی توجہ نہ کی جاتی تھی۔ جتنی کہ موٹے موٹے کاموں کی طرف۔ مثلاً

جنگلوں کا صاف کرنا۔ زمین قابلِ زراعت بنانا کہ کون کونسی پیداوار سب سے زیادہ پھلے پھولیگی۔ مختصر یہ کہ زراعت کا جو سامان نئے براعظم میں مہیا تھا۔ اس کو باقاعدہ مزروعہ کی صورت میں منتشکل کرنا۔ یہ کہنا بعید از حقیقت نہ ہوگا۔ کہ ان کا اولین مقصد مزروعہ کا بنانا تھا۔ اور دوسرا مقصد فصل اُگانا۔ بہرحال جو بڑی جنس ریاستہائے متحدہ میں فی زمانہ اُگائی جاتی ہے۔ سوائے الفافا (alfalfa) سورغم (sorghum) اور اناج کی بعض نئی اقسام کے۔ وہ نوآبادیوں کے زمانہ میں پہلے پہل اُگائی گئی۔ اور اُسے امریکہ کی آب و ہوا کے موافق بنا لیا گیا۔ اس طرح اُس زمانے کی ابتدائی کاشتکاری نے اُس زراعتی ترقی کی بنیادیں استوار کیں جو بعد کو ظہور میں آئیں۔ مزرعے کی تنظیم کا مسئلہ یہ نہ تھا۔ کہ کسی طرح زمین کی بچت کی جائے۔ کیونکہ مزدوروں کا وہاں قحط تھا۔ نوآبادیوں کے کاشتکاروں نے یہ مسئلہ نہایت کامیابی سے حل کیا۔

قومی ارتقا کا عہد

(۱) ۱۷۷۶ء سے ۱۸۳۳ء تک جنگل کا صاف کرنا

سرحد کا انتقال } جنگ آزادی ہماری زراعتی اور سیاسی تاریخ میں ایک عہد کا سر آغاز ہے۔ اس وقوعہ عظیم کے بعد زراعت میں ایسے تغیرات کا سلسلہ ظہور میں آیا۔ جو تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔ اوّل سرحد نہایت سُرعت سے غرباً اندرونی وادی کی طرف منتقل ہوتی گئی۔ جہاں کہیں بھی ہماری سرحد رہی ہے۔ وہاں ہمارے مبتدی کاشتکاروں کی زندگی میں بہت سی وہ لازمی خصوصیات برقرار رہی ہیں۔ جو اُس میں نوآبادیوں کے زمانہ میں پائی جاتی تھیں۔

حکومت کی اراضی عامہ کے متعلق حکمت عملی } دُوسرا وقوعہ عام جس سے ایک نئے دور کا آغاز ہوا وہ حکومت متحدہ کی اراضی عامہ کے متعلق حکمتِ عملی کا عمل میں آنا تھا۔ انقلاب عظیم" (The Revolution) کے اختتام پر زمین تمام کی تمام مختلف ریاستوں کی ملکیّت تصور کی جاتی تھی۔ ایک سلسلۂ قوانین کے رو سے اراضی کا بہت سا حصّہ کہ اب تک غیر مملوکہ یا غیر مقبوضہ تھا۔ حکومت متحدہ کو دے دیا گیا۔ پھر حکومت متحدہ نے اس کو مختلف افراد کے ہاتھ فروخت کرنے کے طریقے سوچنے شروع کئے۔ شاید کسی اور لائحہ عمل پر کبھی اتنا غور و خوض نہیں کیا گیا۔ جتنا کہ اس طریق کار پر کیا گیا۔ کوشش یہ تھی کہ اراضیٔ عامہ کو جتنی جلد ہو سکے مختلف زمینداروں کی ذاتی ملکیّت کی صورت میں منتقل کیا جائے۔ اوّل اوّل تو یہ ہوتا رہا۔ کہ زمین قومی خزانہ کے نفع کیلئے اور قرضۂ قومی ادا کرنے کیلئے بیچ جاتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ بہت سے تغیر و تبدل ہوئے۔ جن کے رُو سے یہ ..... پالیسی ترک کر دی گئی۔ اور ایک اور پالیسی اختیار کی گئی۔ جس کا مقصد یہ تھا۔ کہ زمین کو ان لوگوں کی ملکیّت بنایا جائے۔ جو یہاں بود و باش اختیار کریں۔ چاہے اس سے قومی

خزانہ کو براہِ راست فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے۔

مالی حکمتِ عملی کا اجتماعی حکمتِ عملی میں تبدیل ہونا [۵۱] [۵۲] اراضی کے دستورالعمل میں یہ تبدیلی بہت آہستہ آہستہ ہوئی۔ اور تین ربعہ صدی میں کہیں جا کر مکمل ہوئی۔ ۱۷۸۵ء اور ۱۸۰۰ء کی درمیانی مدت میں اراضی عامہ بڑے بڑے قطعات میں تقسیم کر کے فروخت کی جاتی تھی۔ جن کا تھوڑے سے تھوڑا رقبہ ۶۴۰ ایکڑ ہوتا تھا۔ اس مدت کے بعد بیس سال تک (۱۸۰۱ - ۱۸۲۰) چھوٹے سے چھوٹا قطعہ جو حکومت فروخت کرتی تھی۔ اس کا رقبہ ۱۶۰ ایکڑ ہوتا تھا۔ اور قیمت کم از کم ۲٫۰۰ ڈالر فی ایکڑ ہوتی تھی۔ پھر اس کے بعد جو بیس سال تھے (۱۸۲۱ - ۱۸۴۰) اُن میں تھوڑی سے تھوڑی قیمت ۱٫۰۰ ڈالر فی ایکڑ تھی اور ۴۰ ایکڑ کم سے کم رقبہ تھا۔ جو فروخت کیا جا سکتا تھا۔ ۱۸۴۱ء میں سب سے پہلے "قانون حق شفعہ" نافذ ہوا۔ جس کے رو سے یہ قرار پایا۔ کہ زمینیں آیندہ پبلک کے ہاتھ نہ فروخت کی جائیں۔ بلکہ اُن افراد کے ہاتھ جو اُن زمینوں میں بود و باش اختیار کریں۔ ان لوگوں کو محدود قطعاتِ زمین خریدنے کی اجازت تھی۔ جن کو وہ خود آباد کرتے تھے۔ اور کمترین قیمت ۱٫۲۵ ڈالر فی ایکڑ کے حساب مقرر تھی۔ اس سلسلہ تغیرات کی آخری کڑی یہ تھی۔ کہ ۱۸۶۲ء میں "قانون متعلقہ مساکن" (Homestead Law) پاس ہوا۔ اور ۱۸۶۴ء میں اس کی ترمیم ہوئی۔ اس قانون کے رو سے جو شخص کسی قطعہ زمین پر خود بود و باش رکھتا تھا۔ اور خود اسکی کاشت کرتا تھا اس کو ایک ٹکڑے کا جس کا رقبہ ۱۶۰ ایکڑ سے زیادہ نہ ہوتا تھا۔ حق ملکیت بغیر کچھ روپیہ ادا کرنے کے حاصل ہو جاتا تھا۔ اس قانون کے نافذ ہونے کے وقت سے بہت سے قانون بطور ضمیمہ پاس ہوئے ہیں۔ مثلاً "قانونِ کاشتِ درختان" (Timber culture Act) جس کے مطابق ایک محدود قطعہ زمین ہر اس شخص کو دیا جاتا تھا۔ جو اس قطعہ کے کچھ حصہ میں درخت اُگائے اور اُن کی چند سال تک نشو و نما کرے اور "قانون اراضیٔ غیر آباد" (Desert Land Act) اور ایسے ایسے اور قانون جن کا مقصد ملک کی آبادی تھا۔

مقبوضاتِ قومی کے فروخت کرنے کا پہلا ضابطہ ۱۷۸۵ء میں پاس ہوا۔ اسکی

[۵۱] Financial policy - [۵۲] Social policy

سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آئندہ پیمائش مستطیل طریقے پر ہوا کرے۔ اور یہ طریقہ اب بھی رائج ہے:۔

پیمائش کا مستطیل طریقہ} ایک نقطہ بطور نقطۂ آغاز انتخاب کر لیا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے ایک خط شمالاً جنوباً کھینچا جاتا ہے۔ اور دوسرا شرقاً غرباً۔ پہلے خط کو نصف النہار (meridian) کہا جاتا ہے اور دوسرے کو بنیادی خط (base line) پھر پہلے خط سے مواضع (Townships) کا شمار ہوتا ہے۔ ہر قطار شہروں کی جو شمالی جنوبی سمت میں جاتی ہے۔ اور جس کو مشرقی و مغربی سرحدیں خط نصف النہار سے متوازی ہیں اس کا نام رینج (Range) رکھا جاتا ہے۔ یہ رینجیں (ranges) مشرقی و مغربی سمت میں خط نصف النہار سے اوپر شمار کی جاتی ہیں۔ ہر رینج کے اندر شہروں کے نام شمالی و جنوبی سمت میں بنیادی خط سے اوپر شمار کئے جاتے ہیں۔ شہروں کے شمار کا طریقہ نقشۂ ذیل سے واضح ہو سکتا ہے:۔

نقشۂ اوّل

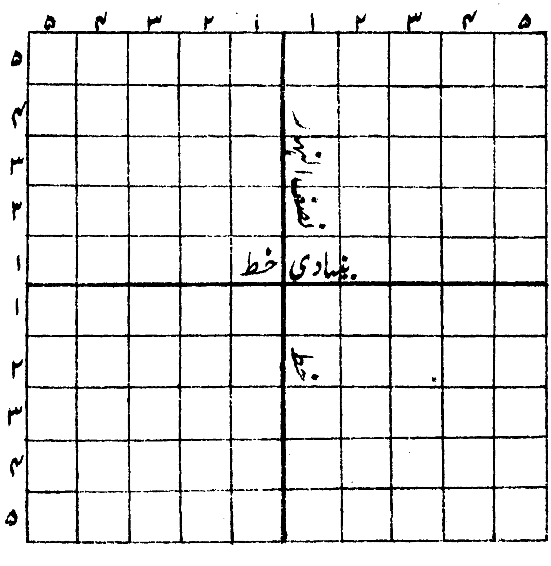

وہ موضع جس کا نام ط رکھا گیا ہے۔ اس کا عدد شمار عہ۳ شمالی ہے۔ اور وہ رینج نمبر۳ غربی میں واقع ہے۔ اس کو یوں ظاہر کیا جائیگا۔ موضع ۳ شمال۔ رینج ۳ مغرب۔ وہ موضع جس کا نام ب رکھا گیا ہے۔ اس کا عدد شمار عہ۳ جنوبی ہے اور وہ رینج عہ۴ مشرقی میں واقع ہے۔ اس کو یوں ظاہر کیا جائیگا۔ موضع ۳ جنوب۔ رینج ۴ مشرق۔

ہر موضع کے اندر جو حصّے ہیں۔ اُن کے عدد ترتیب ذیل کے مطابق لگائے جاتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو نقشہ نمبر۲) اور یہ عدد ہمیشہ شمال مشرقی کونہ سے شروع کئے جاتے ہیں۔

ہر حصّے (Sections) کے اندر جو چار حصّے ہیں۔ اُن کو یوں ظاہر کیا جاتا ہے۔ مرکز سے کس سمت کو واقع ہیں۔ یعنی شمال مغرب۔ شمال مشرق۔ جنوب مغرب اور جنوب مشرق۔ چنانچہ اگر کوئی شخص چاہے کہ اس چوتھائی حصّے کا نام لے جو موضع ا (نقشہ نمبر۱) کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ تو وہ یہ علامات استعمال کریگا۔ شمال مغربی چوتھائی حصّہ۔ حصّہ عہ۶ موضع ۳ شمال۔ رینج ۳ مغرب۔ ہر چوتھائی حصّے کے اندر ہر چالیس ایکڑ کا قطعہ کا یوں نشان لگایا جاتا ہے۔ کہ وہ چوتھائی حصّے کے مرکز سے کس سمت کو واقع ہے؟ چنانچہ اگر کوئی شخص چاہے کہ اس چالیس ایکڑ کے قطعہ کو ظاہر کرے جو مذکورہ بالا چوتھائی حصّے کے جنوب مشرقی کونے میں واقع ہے۔ تو وہ اسے یوں ظاہر کریگا:۔

جنوب مشرقی چوتھائی حصّہ۔ شمال مشرقی چوتھائی حصّہ عہ۶ وغیر ذلک۔

نقشہ دوم

۶	۵	۴	۳	۲	۱
۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
۱۸	۱۷	۱۶	۱۵	۱۴	۱۳
۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴
۳۰	۲۹	۲۸	۲۷	۲۶	۲۵
۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	۳۵	۳۶

پیمائش اور اعداد و شمار کا یہ طریقہ غالباً اصل میں روما سے لیا گیا ہے۔ کم از کم اس کی چند خصوصیتوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ طریقہ سادگی اور اجمال کا نمونہ ہے۔ اس کو امریکہ کی ضروریات کے مطابق طامس جیفری (Thomas Jefferson) نے یا البرٹ گیلیٹن (A. Gallatin) نے ترمیم کیا۔ اتنے وسیع علاقہ کی پیمائش۔ اس کا قلمبند کرنا بیعنامول کا محفوظ رکھنا۔ اندراجات و دستاویزات کا سنبھالنا۔ اجازت نامہ لکھنا بڑا کام تھا۔ اوّل اوّل یہ خزانہ کے سیکرٹری کی نگرانی میں انجام دیا جاتا تھا۔ پیمائش کے کام کو منضبط کرنے کے لئے ۱۷۹۶ء میں افسر محکمۂ پیمائش مقرر کیا گیا۔ اور جنرل پٹنم (General Putnam) شمال مشرقی علاقہ میں اس عہدہ پر فائز ہوا۔ ۱۸۰۰ء میں شمال مشرقی علاقے میں ضلع کے دفاتر اراضی کھولے گئے۔ اور افسر محکمۂ پیمائش نقشے آئندہ بجائے خزانہ کے سیکرٹری کے ان دفاتر کو دیتا تھا۔ ۱۸۱۲ء میں مرکزی دفتر اراضی (General Land Office) ایک کمشنر کے ماتحت قائم ہوا۔ اس کمشنر کو اراضیٔ عامہ کا بندوبست براہ راست سپرد ہوا۔ گو وہ محکمہ خزانہ کے ماتحت تھا۔ یہ حالات مدت تک قائم رہے۔ تاآنکہ ۱۸۴۹ء میں محکمۂ داخلہ (Department of The Interior) وجود میں آیا۔ اس وقت سے اس محکمہ کے زیر نگرانی مرکزی دفتر اراضی ہے۔

معافیٔ دوام } ۱۷۸۷ء کے مشہور ضابطہ کا تعلق زیادہ تر اس علاقے کے انتظام حکومت سے تھا۔ جو حکومت متحدہ کی مختلف ریاستوں کی طرف سے سپرد کیا گیا تھا۔ اور اراضی عامہ کی تقسیم سے اس کا تعلق بہت کم تھا۔ بہر حال اسکے رو سے ملکیت اراضی کا ایک ایسا طریقہ لازم آیا۔ جو جمہور کے موافق ہو۔ اور یہ طریقہ اتنا ہی اہم ہے۔ جتنا کہ وہ قوانین جو غلامی کے برخلاف اور جمہوری دستور حکومت کے حق میں نافذ ہوئے اور جن کے متعلق اتنا کچھ لکھا گیا ہے۔ ملکیت اراضی کا طریقہ جاگیرداری کا طریقہ (Feudal tenure) ہونے کی بجائے معافیٔ دوام کا طریقہ (allodial tenure) قرار پایا۔ یعنی زمین معافی بلا شرط کے طور پر دیدی جاتی تھی۔ خرید و فروخت کے ذریعے اُس کے انتقال کی اجازت عام تھی۔ اور متوفی بلا وصیت اشخاص کی جائداد اُن کے وارثوں میں برابر برابر تقسیم کر دی جاتی تھی۔ معافیٔ دوام کی

ملکیت (allodial tenure) سے عبارت زمین کی مطلق ملکیت ہے۔ بغیر کسی بادشاہ یا طرف سے کوئی پابندیاں عاید ہونے کے۔ جاگیرداری کی ملکیت (Feudal tenure) مراد ہے ایسی زمین پر قابض ہونا جو اصل میں کسی بادشاہ یا امیر کی طرف سے بخشی گئی ہو۔ اس شرط پر کہ کچھ خدمات اس کے صلے میں انجام دی جائیں۔ یا کوئی رقم مقررہ بطور لگان یا مالگذاری ادا کی جائے۔ یہ خدمات یا رقوم مالگذاری اصل بخشش نامہ میں مقرر کر دی جاتی تھیں۔ اس قسم کی ملکیت دائمی ہوتی ہے۔ بشرطیکہ خدمت معہودہ (Stipulated service) انجام دی جائے یا رقم مقررہ ادا ہوتی رہے۔ یہ طریق ملکیت معمولی پٹہ یا اجارہ سے اس امر میں مختلف ہے۔ کہ پٹہ اجارہ تو کچھ مدت کیلئے رہتا ہے۔ اور پھر میعاد کے گذرنے پر اس کی تجدید کی جاتی ہے۔ زمین جو معافی دوام کے طور پر کسی شخص کی ملک ہو۔ وہ بغیر کسی شرط یا قید کے دائمی طور پر مالک کے قبضہ میں رہتی ہے۔ اور مالک کے وارثوں میں ہمیشہ کیلئے رہتی ہے۔ یہ قانون جس کی رو سے ملکیت اراضی کا ایک جمہوری قاعدہ وجود میں آیا۔ اس کے مطابق ہمیشہ ملک میں عمل ہوتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ پرانی ریاستیں جن میں جاگیردارانہ ملکیت کے کچھ باقیات اس وقت تک بھی موجود تھے۔ انہوں نے بھی اس قانون کے نمونے پر اپنے قوانین پر اراضی کو ڈھال لیا ہے۔

کپاس کی فروخت کا وجود میں آنا۔ اس دور کی زراعتی تاریخ میں دوسرا تغیر عظیم کپاس کا جنوبی حصہ کی پیداوار میں اوّل درجہ حاصل کرنا تھا۔ نوآبادیوں کے دور میں سنہ ۱۸۰۲ء تک تمباکو پہلے درجہ پر تھا۔ لیکن اس زمانے میں کپاس نے اس کے پہلو بہ پہلو چلنا شروع کیا۔ اور آہستہ آہستہ اس سے بہت آگے نکل گئی۔ کپاس کا یہ نمایاں حیثیت حاصل کرنا بہت سے عوامل و مؤثرات کا مجموعی نتیجہ تھا۔ اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں کپڑے کے تیار کرنے کے سلسلے میں بہت سی ایجادیں ہوئی تھیں۔ بالخصوص انگلستان میں۔ ان کی بنا پر کپاس کی مانگ دنیا بھر کی منڈیوں میں پہلے سے زیادہ ہوگئی تھی۔ ۱۷۸۶ء میں لمبے ریشے والی یا جزیرہ بحری کی کپاس کا رواج شروع ہوا۔ اور جنوبی کیرولینا (South Carolina) اور جارجیا (Georgia) کی نشیبی زمین کیلئے

یہ کپاس بہت موزوں ثابت ہوئی۔ لیکن اس سے زیادہ اہم سبب یہ تھا۔ کہ ۱۷۹۳ء میں کپاس اوٹنے کی آرہ دار کل (saw gin) ایجاد ہوئی۔ یہ اپنی قسم کی پہلی عمدہ ترکیب تھی۔ جس سے چھوٹے ریشہ کے یا اونچی زمین کی کپاس سے بیج الگ کیا جا سکتا تھا۔ یہ اس قسم کی کپاس ہے۔ جس سے دنیا بھر میں کپاس کے مصنوعات زیادہ تر بنتے ہیں۔ آرہ دار کل نے ہمارے ملک میں جہاں مزدوروں کا کال تھا اور زمین کی افراط تھی۔ اس قسم کی کپاس کی پیداوار کو بہت فائدہ بخش بنا دیا۔

اس کا غلامی پر اثر: کپاس کی پیداوار کا کاروبار شروع ہونے سے جو بڑے نتیجے رونما ہوئے ان میں ایک یہ تھا۔ کہ غلامی کو اس نے نئے سرے سے زندہ کر دیا۔ غلامی اور تو اور جنوب میں بھی نامقبول ہوئی جا رہی تھی۔ لیکن غلاموں کی محنت سے کپاس اُگانے میں اتنا نفع ہوا کہ بہت سے لوگ جو اخلاقی نقطۂ نگاہ سے غلام رکھنے کو معیوب اور قابلِ اعتراض سمجھتے تھے۔ اُنہوں نے اخلاق کو بالائے طاق رکھا۔ اور غلاموں سے کام لینا شروع کر دیا۔ ۱۸۰۸ء میں جب مزید غلاموں کو ملک میں داخل کرنے کی ممانعت عمل میں آئی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ غلاموں کی تعداد وہاں تک محدود ہو گئی۔ جہاں تک اس میں قدرتی طور پر اضافہ ہو سکتا تھا۔ ادھر تو غلاموں کی تعداد اس قدر محدود ہو گئی۔ اور ادھر اُن یورپین بستیوں میں جہاں کپاس اُگائی جاتی تھی۔ غلاموں کی تعداد دن دگنی رات چوگنی بڑھتی گئی۔ چنانچہ غلام نہایت قیمتی مقبوضات میں شمار ہونے لگے۔

یہ اعتقاد مدتوں سے عام چلا آتا ہے کہ غلامی گو اخلاقی اعتبار سے مذموم تھی۔ تاہم جنوب اور امریکا کا زراعتی ارتقا اس کا بہت حد تک مرہونِ منت ہے۔ اس اعتقاد کی بنا غالباً کوئی اس قسم کی دلیل ہے۔ کہ جنوبی امریکہ کے بعض حصوں میں کپاس کی کاشت کا کام کرنے کے لئے گورے مزدور یا کاشتکار کافی تعداد میں موجود نہ تھے۔ اس لئے اگر حبشی غلاموں سے کام نہ لیا جاتا۔ تو کوئی کام کرنے والا نہ ہوتا۔ یہ دلیل درست ہو گی لیکن اس میں ایک امر کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ حبشی غلاموں کی ضرورت اس وجہ سے زیادہ نہ تھی۔ کہ گورے مزدور اور کاشتکار کم تھے۔ بلکہ گورے مزدور اور کاشتکار

اسلئے کم تھے کہ حبشی غلام پہلے ہی بکثرت موجود تھے۔ بالفاظِ دیگر حبشی غلاموں کے ہونے نے گورے مزدوروں اور کاشتکاروں کی تعداد جنوب میں بڑھنے نہ دی۔ اُنیسویں صدی میں یورپ سے مہاجرین جوق در جوق امریکہ آئے۔ لیکن انہوں نے زیادہ تر خود مختار ریاستوں کا رُخ کیا۔ کیا وجہ تھی کہ ان مہاجرین کی کوئی معقول تعداد جنوبی امریکہ کی زرخیز زمین اور عمدہ آب و ہوا کی طرف مائل نہ ہوئی۔ غلاموں کے سوا اس کی کوئی وجہ نہ تھی۔ حبشی غلاموں کا موجود ہونا ان مہاجرین کو جنوب سے دور رکھنے کیلئے کافی تھا۔ جس طرح کوئی شخص طاعون سے بھاگتا ہے۔ اسی طرح آزاد مزدوروں اور کاشتکاروں نے ہمیشہ ہر اُس جماعت سے گریز کیا ہے۔ جس میں اُن کو غلاموں کے دوش بدوش کام کرنا پڑے۔ اور وہ ذلت جو غلامی کا جزو لاینفک ہے۔ برداشت کرنی پڑے۔ آجکل جہاں جہاں بہترین قسم کی کپاس پیدا ہوتی ہے۔ وہاں گورے کاشتکار اپنے ہاتھوں سے کام کرتے ہیں۔ کسی زمانے میں حتیٰ کہ غلامی کے زمانہ میں بھی ایسا کوئی وقت نہ تھا۔ جب غلاموں کی نکمی اور بیہودہ کاشتکاری کے صحرائے بیکراں میں اس قسم کے کچھ قطعات جن میں گورے کاشتکار کام کرتے تھے۔ سرسبز نخلستانوں کی طرح موجود نہ تھے۔

غلامی کے جو اثرات امریکہ کی زراعت پر ہوئے۔ اُن میں سب سے زیادہ اہم یہ اثر تھا۔ کہ کپاس کی کاشت سے گورے رنگ کے مزدور ایک قلم خارج کر دیئے گئے۔ تین اور اثرات ہیں۔ جو غلامی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ اوّل غلامی کو زمین کے ستیاناس کرنے کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ زمین کے ایک ٹکڑے میں سالہا سال تک کوئی فصل اُگائی جائے۔ اور جب اس کی اصل زرخیزی جاتی رہے۔ تو اس کو چھوڑ کر نئے ٹکڑے میں کاشت کی جائے۔ یہ بات یقین سے نہیں کی جا سکتی۔ کہ یہ طریقہ غلامی کی بدولت وجود میں آیا۔ یا اس وجہ سے کہ زمین کی کثرت تھی۔ اگر قریب ہی کوئی زمین ایسی ہو۔ جو نباتی مواد کے صدیوں تک جمع ہوتے رہنے سے زرخیز بن گئی ہو۔ تو پرانے کھیت میں ہل چلائے جانا فعلِ عبث ہے۔ نئے کھیت میں کاشت کرنا سستا بھی پڑتا ہے۔ اور زیادہ فائدہ مند بھی بحیثیتِ کل قوم کے مفاد کا خیال کیا جائے۔ تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ طریقہ کوتاہ اندیشی پر

مبنی ہے۔لیکن اگر یہ دیکھا جاوے۔کہ کاشتکار کو انفرادی طور پر اس سے کیا حاصل ہونا ہے تو یہ فی الواقعہ کار آگاہی اور دانائی پر مبنی ہے۔اس لئے اگر الزام دینا چاہیئے تو ساری قوم کو کہ کیوں اس نے اپنے تباہ کن دستور کو جائز قرار دیا۔کسی شخص کا بحیثیت انفرادی اس میں کچھ قصور نہیں۔

دوسرا اثر جو غلامی نے کیا وہ یہ تھا۔کہ اس نے کپاس کی کاشت کو بڑی بڑی نئی بستیوں (plantations) میں محدود کر دیا۔جہاں غلاموں کے گروہ کے گروہ مالکوں کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔غلاموں کو چونکہ اپنے کام سے کوئی ذاتی دلچسپی نہیں ہوتی۔اس لیئے اُن کی نگرانی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ایک جمعدار داروغہ یا سربراہ ایک یا دو گروہ کے کام کی نگرانی کر سکتا ہے۔اس لحاظ سے یہ معاشیاتی نقطۂ نگاہ سے حماقت ہوگی۔کہ ایسی نئی بستی کے مقابلے میں جہاں سینکڑوں غلام کام کرتے ہیں۔ایک دو غلاموں سے کام لیکر کپاس کی کاشت کی جائے۔تیسرا اثر غلامی کا یہ تھا کہ جنوبی حصے کی زراعت میں جو آلات اور اوزار استعمال کیئے جاتے تھے۔وہ شمال میں اصلاحات ہو جانے کے بعد مدتوں تک ویسے کے ویسے بے ڈھنگے اور بھاری بھر کم رہے۔

شمال کی جن ریاستوں میں غلامی کا رواج تھا مثلاً میری لینڈ (Maryland) ورجینیا (Virginia) شمالی کیرولینیا (North Carolina) کینٹکی (Kentucky) ٹینسی (Tennessee) اور مسوری (Missouri) وہاں تمباکو کی کاشت۔مال مویشی کی افزائش نسل اور عام قسم کی زراعت ہوتی رہی۔لیکن غلامی کی بدولت ان ریاستوں کا تعلق بہ نسبت شمال کی آزاد ریاستوں کے جنوب کی کپاس اُگانے والی ریاستوں سے زیادہ رہا۔کپاس اُگانے والی ریاستیں غلاموں کیلیئے اور اُن گھوڑوں۔خچروں۔مویشیوں سئوروں۔بھوسہ اور غلہ اور اس قسم کی اور چیزوں کے لئے جو ان سرحدی ریاستوں میں پیدا ہوتی تھیں۔منڈیاں تھیں۔

خچریں جس زمانے کا ہم اس وقت ذکر رہے ہیں۔اس زمانے میں یہ ہُوا کہ خچروں کی افزائش نسل نے ایک جداگانہ کاروبار کی حیثیت اختیار کی۔جارج واشنگٹن

(George Washington) خود اس کاروبار کے پیشروؤں میں تھا۔ اس کے دو نہایت قیمتی گدھے لے فئیٹ (Lafayette) اور بادشاہ اسپین سے بطور تحفہ ملے۔ انہیں سے اُس نے یہ کام شروع کیا۔ اس کا جو اثر ہُوا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ اس وقت امریکہ میں ۲۰۰۰۰۰۰ خچریں ہیں۔ اور اب بھی ان کی افزائش نسل ورجینیا۔ کینٹکی۔ ٹینسی۔ مسوری۔ کنس۔ اور ٹکس کی سرحدی ریاستوں میں ہوتی ہے۔

مغرب کی جانب مہاجرت } ۱۷۸۵ء اور ۱۷۸۷ء کے ضابطہ کے رو سے شمال مغربی خطہ میں آبادی کی جو اجازت عام ہو گئی۔ اس کی وجہ سے اس خطہ میں لوگ جوق در جوق جانے لگے۔ چونکہ حکومت اس وقت ارباب تخمین (Speculators) اور آباد ہونے والوں دونوں کے ہاتھ زمین فروخت کرتی تھی۔ اس لئے یہ مغرب کی جانب ہجرت بہت سے مختلف عناصر پر مشتمل تھی۔ گو ان میں ان لوگوں کا عنصر غالب تھا۔ جو اپنے رہنے کیلئے کوئی گھر ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ اس ابتدائی زمانہ میں لوگوں کو جس زمین کی طلب تھی۔ وہ سب اُس جنگلات کے سلسلے میں واقع تھی۔ جو ساحل سے لیکر مغرب کی جانب اس ریاست کی طرف جس کا نام اب انڈیانا (Indiana) ہے۔ چلا گیا تھا۔ اس بنا پر اس دور کی ابتدائی زراعت بعض امور کے اعتبار سے اس ابتدائی زراعت سے بہت مختلف تھی۔ جو بعد میں میدانی ریاستوں (prairie states) میں ظہور میں آئی۔ گو بحیرہ اوقیانوس کے ساحل پر نو آبادیوں کے زمانہ میں جو ابتدائی زراعت ہوئی۔ اس سے یہ بڑی حد تک مشابہ تھی۔ اپنی زمین کی جگہ مقرر کرنے اور ایک پناہ کی جگہ بنانے کے بعد آباد ہونے والوں کا سب سے پہلا کام یہ ہوتا تھا۔ کہ زمین کو درختوں وغیرہ سے صاف کریں۔ جنگل کو صاف کرنے کا کام اسقدر سرگرمی اور ہوشیاری سے کیا گیا۔ کہ دنیا کی تاریخ میں غالباً اس کی کوئی مثال موجود نہیں۔

زراعتی دستی آلات } ۱۸۳۳ء تک زراعتی آلات میں بہت کم تبدیلیاں ہوئیں۔ ہل اور سراؤن (سہاگہ) بس یہ دو آلات تھے۔ جن کو انسان خود چلاتے تھے۔ اب تک وہی ہل کہ جس کا اوپر کا ڈھانچہ لکڑی کا اور پھالی لوہے کی ہوتی تھی۔ استعمال کیا جاتا تھا۔

گو کبھی کبھی لکڑی کے ڈھانچے پر لوہے کی پتریاں حفاظت کی غرض سے لگائی جاتی تھیں۔
۱۷۹۸ء میں طامس جیفرسن نے ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا۔ کہ ایک ہل کا لوہا جو زمین
کھودتا ہے اسکی کیا شکل ہونی چاہیئے۔ اس سے ایک سال پیشتر چارلس نیو بولڈ
(Charles New Bold) ساکن نیوجرسی (New Jersey) نے ایک ڈھلے ہوئے
لوہے کا آلہ ایجاد کیا تھا۔ جس میں پھالی ۔ "متا" اور "کٹر" سب ایک تھے
اس کا عام استعمال فوراً شروع نہیں ہوا۔ کیونکہ نہ جانے کس شخص نے یہ بنیا شاخسانہ نکالا
کہ ڈھلے ہوئے لوہے کا ہل زمین کو زہریلا بنا دیتا ہے۔ جس سے پیداوار نہیں ہوتی۔
اور کاشتکاروں نے اسی بات کا یقین کر لیا۔ جیتھرووڈ (Jethro Wood) ساکن
نیویارک (New York) نے جس کی جیفرسن کے ساتھ خط و کتابت تھی۔ ۱۸۱۴ء
اور ۱۸۱۹ء میں ڈھلے ہوئے لوہے کے ہل کیلئے سرکار سے اجازت حاصل کیئے یا اس نے
ایک ایسا ہل تیار کیا تھا جو موجودہ ہلوں کے پھالے سے کسی حد تک ملتا جلتا ہے۔

زراعتی انجمنیں } اگرچہ ۱۷۷۶ء اور ۱۸۳۳ء کی درمیانی مدت میں زراعتی آلات کے
متعلق کوئی قابلِ ذکر ایجادات نہ ہوئیں تاہم لوگوں کو زراعتی ترقی سے ایک خاص دلچسپی
پیدا ہونے لگی تھی۔ جو مستقبل کے متعلق ایک فال نیک تھی۔ جنوبی کیرولینا (South
Carolina) میں ۱۷۸۴ء میں پنسلوینیا (Pennsylvania) میں ۱۷۸۵ء میں
نیویارک (New York) میں ۱۷۹۱ء میں میسکوسٹس (Massachusetts)
میں ۱۷۹۲ء میں زراعتی انجمنیں قائم ہوئیں۔ ۱۸۱۰ء میں زراعتی پیداوار کی ایک نمائش جارج
ٹون ۔ ڈی ۔ سی (George town D.C.) میں ہوئی۔ اور ایک اور نمائش پٹس فیلڈ
(Pitts field) میسکوسٹس (Massachusetts) میں ہوئی۔ ۱۸۱۶ء میں
اس سے ذرا بڑے پیمانے پر ایک نمائش برائٹن (Brighton) مسیکوسٹس میں
منعقد ہوئی۔ یہ اُن زراعتی میلوں اور نمائشوں کا پیش خیمہ تھا۔ جو اب بڑے شاندار
پیمانے پر منعقد ہوتی ہیں۔

مال مویشی میں اصلاحات ۔ گھوڑے } اس زمانے میں ترقی یافتہ مال مویشی کی

نئی نئی جنسیں وساور سے لائی گئیں۔ خاص طور پر شارٹ ہارن (Shorthorn) اور ہرفورڈ (Hereford) مویشی؛ اور اس امر میں کینٹکی۔ میسکوسیٹس اور نیو یارک سب سے آگے تھے۔ امریکن دُلکی چال والے گھوڑوں کا اور نیویارک مشہور جدّ امجد مسینجر (Messenger) ۱۷۸۸ء میں انگلستان میں فلیڈیلفیا (Philadelphia) میں لایا گیا۔ اور جسٹن مارگن (Justin Morgan) جو مارگن نسل کا جدامجد ہے ۱۷۸۹ء میں پیدا ہوا۔ یہ خاص خاص نسلوں کی ابتدا تھی۔ جنہیں ہم بغیر کسی غلط بیانی کے امریکن نسلیں کہہ سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان نسلوں کے جنہیں زمرۂ مستثنیات میں شمار کرنا چاہیئے۔ ریاستہائے متحدہ نے زراعت کے بڑے بڑے جانوروں کی کوئی ممتاز نسلیں پیدا نہیں کیں۔ سوروں اور مُرغ مرغیوں کی بہت سی قسمیں اور مرینو بھیڑوں کی ایک خاص نسل بس یہ وہ جانور ہیں جو امریکہ نے پیدا کیئے ہیں۔

بھیڑیں} امریکی زراعت کی تاریخ کے سب سے زیادہ دلچسپ ابواب میں ایک باب یہ بھی ہے کہ کیونکر مرینو (Merino) بھیڑیں امریکہ میں آئیں۔ اس نسل کی پہلی پہلی بھیڑیں ۱۷۷۳ء میں امریکہ آئیں۔ لیکن اس وقت ابھی ان کی تربیت کوئی ترقی پذیر نہ تھی۔ نپولین نے یورپ میں جو ہیجان پیدا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجارت پر بہت سی پابندیاں عائد ہوگئیں۔ اور دیسی اون پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ اس زمانے میں پنینسولر جنگ (Peninsular War) نے اسپین میں ایسے حالات پیدا کردیئے۔ کہ مرینو بھیڑوں کے گلّے جن کی حفاظت اس وقت تک بطور ایک قومی اجارہ کے کی جاتی تھی۔ فروخت ہو کر منتشر ہونے لگے۔ امریکہ کے ذی ہمت کاشتکاروں نے اُن کو خریدنا شروع کیا۔ اور ۱۸۰۹ء تک یہ عالم ہوگیا۔ کہ امریکہ میں پانچ ہزار بھیڑیں آچکی تھیں۔ مرینو اون کی قیمت دن دونی رات چوگنی بڑھی۔ اور بھیڑوں کی قیمت بھی دگنی ہوگئی۔ یہ عالم تھا۔ کہ جو شخص اُٹھتا تھا مرینو بھیڑوں کی تجارت شروع کردیتا تھا۔ اور ایسی ایسی قیمتیں ان بھیڑوں کی ادا کی گئی ہیں۔ کہ یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

سؤر اور سؤر کے گوشت کا کاروبار} ریاستہائے متحدہ میں سؤروں کو ہمیشہ سے

زراعتی اشیا میں ایک نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ سب سے پہلے جو لوگ نو آبادیوں میں جا کر بسے اُنہوں نے دیکھا کہ سؤر بڑی خوبی سے اپنے آپ کو تمام حالات کے مطابق بنا لیتے ہیں۔ اور جنگل میں جو غذا مہیا ہو سکتی ہے۔ اس پر گذارہ کر کے بڑی سُرعت سے تعداد میں ترقی کرتے ہیں۔ وادی اوہیو (ohio) کے جنگلات خاص طور پر دیودار کے درختوں اور چقندر سے بھرپور تھے۔ اور سؤر ان جنگلات میں اتنے پھلے پھولے کہ ان پہاڑوں کی مشرق کی جانب اس کثرت سے نہ پھلے پھولے تھے۔ چنانچہ ہر سرحدی نو آبادی میں گوشت کا وافر ذخیرہ جمع ہو گیا اور اس لئے گوشت کا وافر ذخیرہ جمع ہو گیا۔ اور اس لئے گوشت نہایت ادنیٰ قیمتوں پر میسّر آنے لگا۔ مکئی جو اندرونی حصّہ ملک کی سب سے بڑی پیداوار تھی۔ سؤروں کے موٹا کرنے کیلئے اکسیر کا حکم رکھتی تھی۔ اس بنا پر یہ ایک امر اتفاقی نہ تھا۔ کہ سؤر کے گوشت کی تجارت نے مغرب وسطیٰ (Middle west) کی ابتدائی زراعتی حرفتوں میں ایک اہم حیثیت حاصل کی۔ جو دَور اس وقت ہمارے زیرِ مطالعہ ہے۔ اس میں اوہیو (ohio) انڈیانا (Indiana) کینٹکی (Kentucky) اور ٹینیسی (Tennessee) وہ ریاستیں تھیں جن میں سؤروں کی سب سے زیادہ تربیت ہوئی تھی۔ اور سنسناٹی (Cincinnati) جو اس خطہ کا مرکز تھا۔ اس نے سؤر کے گوشت کو ڈبوں میں بند کر کے بیچنے میں اتنا کمال حاصل کیا۔ کہ تھوڑی مدت میں اس تجارت کا مرکز بن گیا۔ اور بڑی مدت تک یہ حیثیت اُسے حاصل رہی۔ تا آں کہ چند سال بعد شکاگو (Chicago) نے اُسے پیچھے ڈال دیا۔ ۱۸۵۵ء میں فربہ جانور ایلیگھنیز (Alleghenies) کے خطہ میں سے گذر کر مشرقی بندرگاہوں میں جانے لگے۔ لیکن وادی اوہیو کی پیداوار کا بڑا حصّہ جنوب کی طرف جاتا تھا۔ پہلے نیو آرلینس (New orleans) میں اور بعد کو کپاس پیدا کرنے والی ریاستوں میں جن کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے۔ ۱۸۲۵ء میں نہر ایری (Erie canal) کھولی گئی۔ جو گریٹ لیکس (Great Lakes) کو بحرِ اوقیانوس سے ملاتی ہے۔ یہ اندرونی حصّہ ملک اور خاصکر اس کے شمالی حصّہ کی پیداوار کے باہر لیجانے کا ایک بنا راستہ تھا۔ گیہوں نے شمالِ مغرب کی اشیائے برآمد میں سب سے نمایاں حیثیت حاصل کی۔ لیکن مکئی

بھیڑ کا گوشت اور سؤر کا گوشت۔ یہ تینوں چیزیں وادی اوہیو (Ohio) کی سب سے اہم اجناس ہیں

(ب) تغیّر کا دور

تغیّر کی اہمیت } ۱۸۳۳ء کے بعد کے تیس سال میں ایک ایسا زراعتی انقلاب امریکہ کی سر زمین میں رونما ہوا۔ جس کی نظیر تاریخ عالم میں نایاب ہے۔ ۱۸۳۳ء تک کھیتی باڑی کا تمام کام سوائے ہل چلانے اور ہینگا پھیرنے کے ہاتھوں سے کیا جاتا تھا۔ اگرچہ ہتھیاروں میں تھوڑی بہت تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ اور مال مویشی اور اجناس میں بعض قابلقدر تغیرات وجود میں آئے تھے۔ تاہم یہ بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے۔ کہ جہاں تک اس کام کی نوعیت کا تعلق ہے۔ جو کاشتکار خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتا تھا۔ چار ہزار سال تک کوئی تبدیلی عملی طور پر نہ ہوئی تھی۔ چھوٹے دانوں والا اناج اب بھی بکھیر کر بویا جاتا تھا۔ اور اسکی فصل درانتی سے جو اس سے بھی زیادہ قدیم ہے کاٹی جاتی تھی۔ تاہم نسبتاً نئی ایجاد تھی۔ ہنسیا کہ جس کا استعمال گھاس کاٹنے میں صدیوں سے ہوتا تھا۔ یہ اس کی ایک ترمیم شدہ صورت تھی۔ اس پرانی قطع کے ہنسیا میں ایک ڈھانچے کا جو اضافہ کیا گیا۔ اور ہتّی میں چند نئی تبدیلیاں جو توازن کو قائم رکھنے کی غرض سے کی گئیں انہوں نے ہنسیا کو گویا ایک لمبی چوڑی درانتری کی صورت دیدی اور غلہ کاٹنے کیلئے نہایت موزون و مناسب بنا دیا۔ لیکن درانتی کا رواج ہزارہا سال سے چلا آتا تھا۔ نوجوانوں کو اس بات کا علم ہوگا۔ کہ یہ قدیم الایام کا آلہ ابھی کل کی بات ہے کہ ترک کیا گیا۔ اور ابھی یعنی ۱۹۱۱ء میں بعض لوگ موجود ہیں۔ جو ریاستہائے متحدہ میں درانتی سے فصل کاٹتے رہے ہیں۔ ممالک مشرقی اور یورپ کے بعض حصوں میں اس کا استعمال اب بھی عام ہے۔

۱۸۳۳ء تک اناج کو سانٹ سے چھڑا کرتے تھے۔ یا اُسے گھوڑوں اور بیلوں سے روندوا دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ مصر قدیم اور بابل میں رواج تھا۔ سوکھی گھاس کو درانتی سے

کاٹا جاتا تھا۔ اور ہاتھوں سے صاف کیا جاتا تھا۔

مکئی کا بیج ہاتھوں سے بویا جاتا تھا۔ ہاتھوں سے مٹی سے ڈھانپا جاتا تھا۔ اور اس کی کھیتی میں بیلچہ سے گڈائی کی جاتی تھی۔ ۱۸۸۶ء تک ایسی کایا پلٹی۔ کہ ان میں سے ہر ایک کام مشینری کے ذریعے جو گھوڑوں کی طاقت سے چلتی تھی۔ کیا جانے لگا۔ البتہ ملک کے بعض غیر ترقی یافتہ حصّوں میں ابھی وہ پرانے قاعدے بدستور تھے۔ کھیتی باڑی کے کام میں مشینری کا استعمال اس امر کا بھی باعث ہوا۔ کہ گھوڑوں کو بطور باربرداری کے جانوروں کے بیلوں غلبہ حاصل ہو گیا۔ کیونکہ گھوڑا ان اصلاح شدہ آلات کھینچنے میں بہ نسبت بیل کے زیادہ کارآمد ہے ؎

جو کام شمال میں مشینری سے لیا جاتا تھا۔ وہ جنوب میں غلام انجام دیتے تھے۔ زراعتی کام میں جو عظیم الشان تغیر رونما ہوا اُس کا احاطہ شمال تک محدود ہے۔ کیونکہ صرف وہاں آزادانہ کام کاج کا دستور تھا۔ اگرچہ اس زمانے میں کپاس کی کاشت نے بڑی سرعت سے ترقی کی۔ حتیٰ کہ ۱۸۳۰ء میں جتنی کپاس ہوئی تھی۔ اُس سے چھ گنی زیادہ ۱۸۶۰ء میں ہونے لگی۔ تاہم ان حالات کا زیادہ تر باعث یہ تھا۔ کہ مزروعہ زمین کا رقبہ پہلے کی بہ نسبت بہت بڑھ گیا۔ نہ یہ کہ کاشت کے طریقوں اور مشینری میں کوئی قابلقدر اصلاح عمل میں آئی۔ ساحل خلیج کی ریاستوں (Gulf States) کے راستے سے کپاس بونے کا کام جانب مغرب اس قدر سُرعت سے پھیلا کہ دونوں میں اُس نے حیرت خیز ترقی کی۔ بہرحال کپاس اُگانے والی ریاستوں (Cotton States) میں زمین کا بہت تھوڑا حصّہ کپاس کی کاشت میں صرف ہوتا تھا۔ یہ اندازہ کیا گیا تھا۔ کہ خانہ جنگی (Civil War) کے آغاز میں وہ تمام زمینیں جس میں کپاس کی کاشت ہوتی تھی۔ اس کا مجموعی رقبہ سوتھ کیرولینا (South Carolina) کے رقبۂ جغرافی سے بہت کم تھا۔

تغیر کے اسباب وہ تغیر جو شمالی حصّۂ ملک کی زراعت میں رونما ہوا بہت سے اسباب کا نتیجہ تھا۔ جن میں سے ہر ایک سبب ایک نئے تاریخی دور کا موجد کہا جا سکتا ہے۔ پہلا سبب تھا ریلوں کا بن جانا۔ اس دور کے آغاز سے پہلے کہیں ریلوں کا

دجو نہ تھا۔ ۱۸۶۰ء تک یہ عالم تھا کہ ۲۰۰۰۰ میل کے رقبہ پر ریل کی لائنیں بچھی ہوئی تھیں اور وہ دریائے مسوری (Missouri) کے جانب مشرق ہر ریاست میں پہنچ چکی تھیں۔

ایک تو دنیا کی منڈیاں ریلوں کے ذریعے سے مشرقی حصۂ ملک سے پہلے کی بہ نسبت قریب تر ہو گئیں۔ اور دوسرے خود یہ منڈیاں پہلے کی بہ نسبت بڑی ہو گئیں نیو انگلینڈ (New England) میں جب نئے نئے شہر آباد ہوئے جن میں کارخانے تھے تو خوراک کی پہلے سے زیادہ مانگ ہونے لگے۔ ۱۸۴۶ء میں مکئی کے متعلق انگریزی قوانین کو منسوخ قرار دیا گیا۔ گو یہ تنسیخ ۱۸۴۹ء تک عمل میں نہ آئی۔ بہر حال ۱۸۴۹ء سے امریکہ کی اشیائے خوردنی انگلستان میں بغیر کسی محصول کے داخل ہونے لگیں۔ آلوؤں کا جو مشہور قحط آئرلینڈ میں پڑا وہ ۱۸۴۶ء میں شروع ہوا۔ اس وقت براعظم یورپ ۱۸۴۸ء کے انقلاب عظیم اور ۱۸۵۴ء کی جنگ کریمیا (Crimean war) کے باعث درہم برہم ہو رہا تھا۔ مزید بریں کیلیفورنیا (California) کی سونے کی کانیں ۱۸۴۹ء سے لیکر ۱۸۷۰ء تک سونے کا ایک سیلاب اگلتی رہیں۔ اور دنیا کی منڈیوں کی قیمتیں بڑھاتی رہیں۔ جیسا کہ ۱۸۹۷ء سے لیکر اب تک قیمتیں بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔

ایک اور مجموعہ اسباب پہلے سے زیادہ اراضی کے متعلق لبرل پالیسی (آزادانہ حکمت عملی) کی صورتیں بروئے کار تھا۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ ۱۸۴۱ء کا قانون حق شفعہ (Preemption Act) بہ نسبت اُن لوگوں کے جو محض اراضی تھے۔ اُن لوگوں کے حق میں زیادہ مفید تھا۔ جو زمینوں کو آ کر آباد کرتے تھے۔ یورپ میں ان دنوں جو قحط پڑے اور جو سیاسی بدنظمیاں ہوئیں اُن کی وجہ سے مہاجرین جوق در جوق امریکہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور بہت سوں نے مغربی ممالک کا رُخ کیا۔ اور قانونِ حق شفعہ (Preemption Act) سے فائدہ اُٹھایا۔

سبزہ زار: ایک اور زبردست مؤثر چراگاہوں اور سبزہ زاروں کی کاشت کا نشوونما تھا۔ اس دور کے اوائل میں نو آبادیوں کی مغرب کی جانب حرکت کرنے والی فوج کا

پیش خیمہ ...... اُس قدیم جنگل میں سے گذر کر آ رہا تھا۔ جس سے امریکہ کا مشرقی حصّہ کل برّاعظم کے تیسرے حصّے کے برابر ڈھکا ہوا تھا۔ اور یہ لوگ وادی مِس سِس پی کے شمالی حصّے کی قدرتی چراگاہوں میں آباد ہو رہے تھے۔ اس نئے حصّہ میں آباد ہونے والوں کو یہ بڑا فائدہ رہا۔ کہ اُنہیں جنگل صاف کرنے کا کٹھن کام نہ کرنا پڑا۔ یہ زمین ایسی زرخیز تھی۔ اور ایسی وسیع اور اس کی زراعت ایسی آسان تھی۔ کہ کیا وہ شخص جس کے پاس کوئی زمین نہ تھی۔ اور کیا صاحب سرمایہ زمیندار دونو کو زراعت کا ایک نہایت اچھا موقعہ ہاتھ آیا۔ ایسا موقعہ نہ کبھی پہلے کسی کو ہاتھ آیا تھا۔ اور نہ غالباً آئے گا۔

زراعتی کلیں } ان تمام موثرات وعوامل میں سب سے زیادہ اہم زراعتی مشینری کی ایجادات کا وہ سلسلہ تھا۔ جس کی بدولت انسان کی بجائے گھوڑوں کی طاقت مشینری کے محرّک کے طور پر استعمال ہونے لگی۔ ۱۸۳۱ء میں ولیم ہیننگ (William Manning) ساکن نیو جرسی (New Jersey) کو حکومت کی طرف سے ایک کٹائی کی مشین کی اجازت عطا ہوئی۔ ۱۸۳۳ء اور ۱۸۳۴ء میں اوبدھسّی (Obed Hussey) ساکن بالٹی مور (Baltimore) اور سائرس مکارمک (Cyrus Mc Cormick) دونوں کو فصل کاٹنے والی مشینوں کی اجازت عطا ہوئی۔

۱۸۴۰ء کے بعد جب ان مشینوں کی اصلاح ہو چکی اور ان کا عملی فائدہ ثابت ہو چکا۔ تو ان کا استعمال عام ہونا شروع ہوا۔ انہی دنوں میں اناج کے چھڑنے کی کل کا رواج عام شروع ہوا۔ اور اس نے تھوڑی مدت میں قدیم قواعد کو متروک بنادیا۔ بہرحال یہ امر کہیں جاکر ۱۸۵۰ء میں انجام پایا کہ چھڑنے کی کل اور بُھوس اور دانوں کو الگ کرنے والی مشین یعنی وہ مشین جو غلّہ کو کوٹتی تھی اور وہ مشین جو اس کو تنکوں اور بُھس سے الگ کرتی تھی۔ یہ دونو مشینیں یکجا ہوئیں۔ یہ مشینیں عام طور پر گھوڑوں کی طاقت سے چلائی جاتی تھیں۔ گو ۱۸۶۴ء سے بیشتر ہی بھاپ کے انجن اناج چھڑنے کیلئے استعمال ہونے لگے تھے۔ ۱۸۳۷ء میں جان ڈیر (John Deere) نے اپنا سب سے پہلا فولاد کا ہل ایک پرانی آری سے بنایا۔ مکئی کاٹنے کی مشین اور غلّہ چھڑنے کی مشین کے برابر وقعت رکھنے والی وہ مشینیں

تھیں۔ جن کے ذریعے مکئی بوئی جاتی تھی۔ اور دو گھوڑوں والی مشین جو زمین میں ہل چلاتی تھی۔ یہ بھی اسی زمانے میں استعمال میں آنی شروع ہوئیں۔ ان کے ذریعے کاشتکار پہلے سے بہت زیادہ جنس پیدا کر سکتا تھا۔ مکئی اُگانے کے کام کی تمام جزویات سوائے بھوسا الگ کرنے کے ۱۸۶۴ء سے پہلے ہی گھوڑوں کی طاقت سے انجام دی جاتی تھیں۔ البتہ بعض حصص ملک جہاں مکئی ادنیٰ حیثیت رکھتی ہے۔ اس کلیہ سے مستثنیٰ تھے۔ اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ مکئی ہمیشہ سے ہماری سب سے اعلیٰ پیداوار چلی آئی ہے۔ اور اب بھی ہے۔ تو اس امر کا قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ کہ آیا اناج کاٹنے والی کلوں نے محنت کے بچانے میں زیادہ مدد دی یا مکئی اُگانے کی مشینوں کی ان اصلاحات نے جن کے ذریعے آدمیوں کی بجائے گھوڑوں کی طاقت صرف ہونے لگی۔

مال مویشی — گھوڑے } اصیل بیج کا گھوڑا جس کا نام ڈنمارک (Denmark) تھا۔ کینٹکی (Kentucky) میں ۱۸۳۹ء میں لایا گیا۔ اور امریکہ کے سواری کے گھوڑوں کی نسل کا موجد بنا۔ اس واقعہ سے ملک کو جو فائدہ پہنچا۔ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ بلا شک و شبہ یہ اندازہ کروڑہا ڈالر پر جا کر ختم ہوگا۔ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے۔ کہ دُلکی چلنے والے گھوڑے میں خاص طور پر دلچسپی لی جانے لگی۔ اب تک اس گھوڑے کی قدر فقط اس لئے ہوتی تھی۔ کہ گھوڑ دوڑ میں یہ نہایت اعلیٰ تھا۔ لیکن اب اس کی قدر بطور ایک سواری کے گھوڑے کے ہونے لگی۔ ۱۸۴۰ء تک دُلکی کے نام سے بہت کم لوگ واقف تھے۔ اور زیادہ تر گھوڑے کی سواری کی جاتی تھی۔ امریکہ میں گھوڑوں کی نسل بڑھانے کا جو کام ہوتا تھا۔ اس کی تاریخ میں ایک اس سے بھی زیادہ اہم واقعہ یہ تھا۔ کہ اوہیو (Ohio) میں شہنشاہ نپولین کا سانڈ گھوڑا پرچرن (Perchoron) لایا گیا۔ جس کی آمد کی تاریخ بار برداری کے گھوڑوں میں ایک عظیم اصلاح کی ابتدائی تاریخ ہے۔ یوں تو بار برداری کا گھوڑا دیکھنے میں دُلکی چلنے والے گھوڑے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن جہاں تک معاشیاتی نقطۂ نگاہ کا تعلق ہے۔ اس کا فائدہ اُس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس بنا پر یہ واقعہ ایسی اہمیت رکھتا ہے۔ جس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

سؤر سؤروں کی نسل مغربی میدانوں کے پودوں پر پل پل کر خوب بڑھتی رہی سنسناٹی (Cincinnati) کو ۱۸۶۱ء تک سؤر کا گوشت ڈبوں میں بند کر کے بیچنے میں مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ اس سنہ میں شکاگو (Chicago) اس سے آگے نکل گیا۔ شکاگو اس دور کے اواخر میں دنیا بھر کی زراعتی اشیاء کی منڈیوں پر فائق تھا۔ کیونکہ وہ چراگاہوں کے خطے کا مرکز تھا۔

خالی مزرعے نیو انگلینڈ میں زراعت کے زوال کا آغاز اس دور کا واقعہ ہے۔ اور اس کے اسباب وہ تغیرات تھے۔ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ۱۸۶۰ء ہی میں پہاڑی علاقوں کی زمینیں خالی چھوڑی جانا شروع ہو گئی تھیں۔ سخت چٹانوں میں کاشت کرنا مغرب کے میدانی کھیتوں کی کاشت اور مشین کے ذریعے کھیتی باڑی کے مقابلے میں امر محال ہو گیا تھا اور فقط وہ حصے جو دودھ مکھن کے کام جانوروں کی نسل بڑھانے کے کام بازاری ترکاریاں اُگانے کے کام کے قابل تھے۔ برسر ترقی رہے۔ مشرق کے کاشتکاروں کا مقابلہ ابتدائی ایام کے کاشتکاروں سے تھا۔ جن کو پہلے دس پندرہ سال جنگلوں اور پرانے درختوں سے صاف کرنے میں لگانے پڑتے تھے۔ تو اس وقت تک مشرقی کاشتکاروں کی بن آسکتی تھی جو لوگ میدانوں میں جا کر آباد ہوئے۔ وہ اس کٹھن اور دشوار کام سے بچ رہے۔ وہ اپنی زمین میں چھوٹتے ہی ہل چلا سکتے تھے۔ اور اس کام میں اگر کوئی چیز مزاحم ہو سکتی تھی تو وہ صرف میدانوں کی زمین کی قدرتی سختی تھی۔ بہرحال وہ پہلے ہی سال اچھی خاصی فصل پیدا کر سکتے تھے۔ دو تین سال تک کاشت کرنے کے بعد زمین کے ڈھیلے سب ہموار ہو گئے۔ اور زمین جو ہزارہا سال تک نباتات سے غذا حاصل کر کر کے زرخیز ہو گئی تھی۔ وہ اب ایسی نرم ہو گئی۔ اور اسکی زراعت ایسی آسان ہو گئی۔ جتنی مشرقی ریاستوں اور یورپ کے بعض ممالک کی زمین کی زراعت آسان تھی۔ بہرحال یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں۔ کہ میدانی ریاستوں میں جو لوگ پہلے پہل آ کر آباد ہوئے وہ چونکہ ایسی ریاستوں سے آئے تھے۔ جو جنگلوں سے پٹی پڑی تھیں۔ اور اس لئے وہ عادتاً میدانی علاقوں سے گریز کرتے تھے۔ اور جنگلوں کی حدود کو جو دریاؤں اور ندیوں کے کنارے واقع تھیں۔

تر چھوڑ دیتے تھے۔ لیکن بہت جلد یہ بات معلوم کی گئی۔ کہ میدانوں کی زمین نہ صرف یہ کہ زیادہ آسانی سے جوتی جا سکتی تھی۔ بلکہ فی الواقع اس زمین سے زیادہ سیر حاصل ہے۔ جس پر کہ درختوں کے جنگل اُگے ہوں۔

بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ بغیر ہل چلائے میدانوں کی زمین میں فصل اُگائی جا سکتی تھی۔ اگر کہیں کوئی ایسا سخت ڈھیلا ہوتا کہ اس کا توڑنا مشکل تھا تو اس کو چھوڑ کر ہل چلا دیا جاتا۔ پھر ہلالی میں بیج ڈال دیا جاتا۔ اور کدال کے ساتھ اُسے مٹی میں ڈھانپ دیا جاتا۔ زمین اتنی سیر حاصل تھی کہ وباؤں بیماریوں وغیرہ کا وجود اسقدر کم یاب تھا کہ اچھی خاصی فصل پہلے ہی سال بغیر کسی خاص محنت سے کاشت کرنے کے قابل ہو سکتی تھی۔ پہلی فصل پیدا کرنے کا ایک اور طریقہ تھا۔ کہ زمین میں ہل چلایا جائے اور جو ڈھیلے گرائی کر کے زمین سے الگ کیے جا چکے ہوں۔ ان میں کدال یا پھاوڑے کے ساتھ بیج بو دیا جائے ان ڈھیلوں کو توڑنے کیلئے ایک خاص طرز کا بڑا بھاری گرائی کا ہل استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کو عموماً بیلوں کی دو یا تین جوڑیاں چلاتی تھیں۔ یہ میدانی زمین کی ہمواری اور چکناہٹ کی طفیل تھا۔ کہ اس دور میں جب کہ میدانی ریاستیں آباد ہو رہی تھیں۔ زراعتی مشینری نے اسقدر سُرعت سے ترقی کی۔ جب ان ریاستوں میں جدید کلوں کی مدد سے کاشت شروع ہوئی اور جب ریلوں نے ان ریاستوں کی پیداوار کو مشرقی ساحل کی طرف لے جانا شروع کیا تو اپیلچیا (Appalachia) کے پہاڑی علاقے میں کاشتکاروں کیلئے یہ امر ناممکن ہو گیا۔ کہ ان ریاستوں کے کاشتکاروں کے مقابلے میں ٹھہر سکیں۔

بھیڑیں اور مویشی } جو دور اس وقت ہمارے زیر بحث ہے۔ اس دور میں بھیڑوں کی تعداد میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہ ہُوا۔ برخلاف اس کے مویشیوں کی تعداد مغربی میدانوں میں جہاں اعلیٰ درجہ کی قدرتی چراگاہیں تھیں۔ خوب بڑھی۔ اس زمانہ میں بیج کے جانور دیسی نسل کی اصلاح کیلئے بڑی تعداد میں اور بڑی سرگرمی سے لائے گئے۔ یہ جانور عموماً انگلستان سے لائے جاتے تھے۔ ۱۸۳۴ء میں انگریزی مویشی کی درآمد کے لئے اوہیو (Ohio) میں ایک کمپنی قائم ہوئی اس کمپنی نے بہترین نسلوں کے اعلیٰ نمونے چُن کر

لانے کے لئے اپنے کارندے یورپ میں بھیجے۔ پہلی مرتبہ اُمینس مویشی اس قسم کے جہاز پر چڑھا کر لائے گئے۔ کہ اس طرح بعد کے سالوں میں اور جانور جہازوں میں لائے گئے۔ اور ۱۸۳۰ء کے بعد اس قسم کے جانوروں کی تعداد میں جو باہر سے لائے جاتے تھے بہت اضافہ ہوا۔ اور ان کی اتنی اتنی قیمتیں ادا کی جانے لگیں کہ سُن کر حیرت ہوتی ہے۔ خاص طور پر شارٹ ہینڈ مویشیوں (Shorthorns) کی قیمتیں تو بڑی بڑی اُٹھتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک ایک مویشی بعض اوقات پانچ پانچ ہزار پونڈ پر بکتا تھا۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا۔ کہ خاص کر وادی اوہیو میں مویشیوں نے حیرت انگیز سرعت سے ترقی کی۔ ۱۸۵۰ء سے لیکر آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شارٹ ہارن مویشیوں کے گلوں کی تعداد اور کسی نسل کے مویشیوں کی تعداد سے کم رہی ہو۔ ۱۸۵۰ء میں پانچ بیل اور ستّرہ گائیں ہرفورڈ (Hereford) نسل کی البنی (Albany) نیویارک میں لائی گئیں۔ اور اس کے بعد اور بھی بہت سے مویشی آئے۔ کچھ مویشی اس سے پہلے بھی دسا وریں لائے گئے تھے۔ اور اس کام میں ہنری کلے (Henry Clay) نے ۱۸۱۷ء میں خصوصیت سے حصہ لیا۔ تاہم یہ بہت بعد کی بات ہے۔ کہ ہرفورڈ مویشیوں نے امریکہ میں قبولیت عام حاصل کرنا شروع کیا۔ جن دنوں مویشیوں کی نسل چراگاہوں میں بڑھانے کے کاروبار کا فروغ تھا۔ اُنہی دنوں میں ان کی قدر ہونا شروع ہوئی۔ اور دامن کوہ کی آب وہوا کیلئے اُن میں جو مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے ان کی تمام علاقوں میں بڑی قدرومنزلت کی جاتی تھی۔

ڈیری کا کام ۱۸۵۰ء تک جو مکھن اور پنیر امریکہ میں تیار ہوتا تھا وہ مزرعوں میں تیار ہوتا تھا۔ لیکن اس کے دوسرے سال ڈیری کا کام مشترکہ طریقے سے بجائے مدتوں تک امریکن سسٹم کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ایجاد ہوا۔ یہ امریکی قاعدہ جدید زمانے کے پنیر کے کارخانوں سے بہت مشابہ تھا۔ دُور دُور تک کے علاقوں کے کاشتکار اپنا اپنا دودھ کارخانوں میں لاتے تھے۔ اور پنیر تیار کراتے تھے۔ ۱۸۶۰ء سے پہلے پہلے آکیس پنیر کے کارخانے بن گئے۔ یہ اس صنعت میں ایک انقلاب کا آغاز تھا۔ بعد میں امداد باہمی اور سرمایہ داری دونوں کے سلسلے میں بالائی بنانے کے کارخانے بنے۔ اور یہ اس انقلاب کا پیش خیمہ تھا۔

۱۸۴۷ء میں جو مردم شماری ہوئی اس میں سب سے پہلی مرتبہ زراعت کے متعلق اعداد وشمار تیار ہوئے۔ لہٰذا اس سے پہلے ریاستہائے متحدہ میں جو زراعتی پیداوار ہوتی تھی۔ اس کا ہمیں کچھ مکمل اور صحیح علم نہیں۔ ذیل کی فہرست ۱۸۴۰ء سے لیکر ۱۸۶۰ء تک کی زراعتی نشوونما کی توضیح کرتی ہے۔ اس فہرست میں پیداوار کی بڑی بڑی اقسام کروڑوں کے اعداد میں ظاہر کی گئی ہے:۔

پیداوار	۱۸۴۰ء	۱۸۵۰ء	۱۸۶۰ء
اصلاح شدہ زراعتی زمین (ایکڑوں کے حساب سے)	x	۱۳۳٫۰	۱۶۳٫۱
مکئی (بشلوں کے حساب سے)	۳۷۷٫۵	۵۹۲٫۰	۸۳۸٫۸
گندم ,,	۸۴٫۸	۱۰۰٫۴	۱۷۳٫۱
,,	۱۲۳٫۰	۱۴۶٫۵	۱۷۲٫۶
,,	۱۸٫۶	۱۴٫۱	۲۱٫۱
,,	۷٫۳	۸٫۹	۱۷٫۵
جو ,,	۴٫۱	۵٫۱	۱۵٫۸
آلو ,,	۱۰۴٫۲	۱۰۴٫۰	۱۵۳٫۲
(ٹنوں کے حساب سے)	۱۰٫۲	۱۳٫۸	۱۹٫۰
مکھن (پونڈوں کے حساب سے)		۳۱۳٫۳	۴۵۹٫۶
پنیر ,,		۱۰۵٫۵	۱۰۳٫۶
اون ,,	۳۵٫۸	۵۲٫۵	۶۰٫۲
کپاس ,,	۱٫۵	۲٫۴	۵٫۳
تمباکو (پونڈوں کے حساب سے)	۲۱۹٫۱	۱۹۹٫۷	۴۳۴٫۲
چاول ,,	۸۰٫۸	۲۱۵٫۳	۱۸۷٫۱

اس سے پہلے دور میں جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں زراعتی انجمنوں اور زراعتی نشوونما کے قائم کرنے کی کوششیں شروع ہو گئی تھیں۔ ۱۸۳۳ء سے لیکر ۱۸۶۲ء تک یہ تحریک

بڑی سُرعت سے پھیلی۔ ۱۸۶۰ء تک تقریباً ہر ریاست میں بلکہ ہر ضلع میں ایک زراعتی انجمن تھی۔ ہر ضلع اور ریاست میں جو زراعتی میلے ہوتے تھے اُن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس دور میں زراعتی امور سے عوام کی دلچسپی کس حد تک تھی۔ ان سالانہ میلوں اور نیوہاروں کی بدولت عوام کو یہ دیکھنے کا بہت موقعہ مل جاتا تھا۔ کہ کون کونسی نئی زراعتی کلیں ایجاد ہوئی ہیں۔ کون کون سے نئے مویشی باہر سے لائے گئے ہیں۔ اور کون کونسی نئی پیداوار ہوئی ہے۔ چنانچہ یہ نئی اصلاحات کے مقبول عام بنانے اور نئی معلومات کے اشاعت کرنے کا ایک نہایت اعلیٰ وسیلہ بن گئے۔ جس وقت تک زراعتی درسگاہیں اور زراعتی تجربہ گاہیں قائم نہیں ہوئیں۔ اس وقت تک اور کسی چیز نے زراعتی اصلاحات کے سلسلے میں اتنا کام نہیں کیا۔ جتنا کہ ان زراعتی انجمنوں نے اور ان کے زیر اہتمام جو میلے اور نمائشیں منعقد ہوتی تھیں انہوں نے کیا۔ نیویارک کی حکومت کی طرف سے مقام بفلو (Buffalo) پر جو میلہ ۱۸۴۸ء میں ہوا۔ اُس نے فصل کاٹنے کی مشینوں کے باہمی مقابلے کا بازار گرم کر دیا۔ اور اس میلے میں اس قسم کی متعدد اور مختلف قسم کی کلیں نمائش کیلئے لائی گئیں۔ کہ اُن کے متعلق بعض ارباب رائے کا خیال ہے کہ دستی آلات کو چھوڑ کر مشینوں کا جو رواج ہوا وہ اُنہی سے شروع ہوا۔

مغرب کی جانب وُسعت کا دَور

اس وُسعت کے اسباب کیا تھے؟ اگرچہ زراعت کی وسعت جنگ اندرونی سے پہلے دَور میں حیرت انگیز سُرعت سے ہوئی۔ تاہم اس دَور میں جو اس جنگ کے بعد آیا یہ سُرعت اور بھی زیادہ حیرت انگیز تھی۔ خانہ جنگی (civil war) کی وجہ سے شمال میں زراعت کی نشو ونما میں عارضی طور پر بھی کوئی خلل نہ آیا۔ گو یہ درست ہے۔ کہ اس نے جنوب کی کپاس کی کاشت کو یک قلم درہم برہم کر دیا اور عارضی طور پر اُسے تباہ کر ڈالا۔ اس سے پہلے کے دَور میں زراعت ترقی کر کے تجارت کا درجہ حاصل کر رہی تھی۔ کاشتکار بالعموم بجائے اپنے کھیتوں کی پیداوار کے اُن کے منافع پر گذارہ کرنے لگے تھے۔ اور اب زراعت اُن موقعوں اور سہولتوں سے فائدہ اُٹھانے کے قابل ہو گئی تھی۔ جو ریل کی لائینوں کے بننے۔ جدید زراعتی کلوں کے ایجاد ہونے میدانی ریاستوں کے قائم ہو جانے اور دیہاتی میلوں کے منعقد ہونے کی بدولت پیدا ہو گئی تھیں۔ چنانچہ زراعتی اولوالعزمی کا ایسا دَور شروع ہوا کہ جہاں تک تاریخ بتاتی ہے۔ دنیا نے اسکی نظیر نہیں دیکھی اور کچھ عجب نہیں کہ کبھی نہ دیکھے۔ اس عجیب و غریب توسیع زراعت کے نمایاں اسباب یہ تھے۔ ۱۸۶۲ء اور ۱۸۶۱ء کے (Homestead Laws) قوانین متعلقہ مساکن افواج کا برخاست ہو جانا۔ گٹھے باندھنے کی کل کی ایجاد۔ آٹے کو بیلن کے ذریعہ پیسنے کا طریق۔ براعظم کے درمیان ریلوں کا بن جانا۔ وادیٔ مس سس پی (Missiaspi village) کے چپے چپے پر گرینجر سڑکوں (Granger roads) کا تعمیر ہو جانا۔ اور مغرب بعیدہ کے مویشی گاہوں (Cattle ranches) کا نشو و ارتقا۔ جن دنوں شمال اور مغرب میں یہ عظیم الشان ترقیاں ہو رہی تھیں۔ اُنہی دنوں میں جنوب میں کپاس کی صنعت ایک دورِ انقلاب سے گذر رہی تھی۔ اور اس توسیع و ترقی کی تیاریاں کر رہی تھی جو بعد کو وجود میں آئی۔ یہ دورِ انقلاب غلامی کے معدوم ہو جانے کا ایک نتیجہ تھا۔

خانہ جنگی نے شمالی حصّہ ملک کی ترقی میں کچھ مزاحمت نہ کی شمال میں جو اصلاح شدہ

کلیں فصل کاٹنے اور غلہ بونے اور چھڑنے کیلئے استعمال کی جا رہی تھیں۔ اُن کی بدولت شمال نے باوجود اس امر کے کہ اُس کے بہت سے مزدور جنگ میں کام آئے۔ ان اجناس کی پیداوار میں بہت ترقی کی۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ ۱۸۶۴ء میں ۲۵۰۰۰ مزدور ریاستہائے متحدہ میں فصل کاٹنے کا کام کر رہے تھے۔ اور اس سے زیادہ تعداد مزدوروں کی بعد میں وہاں کام کرتی تھی۔ ۱۸۵۹ء اور ۱۸۶۳ء کی درمیانی مدت میں انڈیانا (Indiana) گیہوں کی مقدار ۱۵۰۰۰۰۰۰ بشل سے ترقی کر کے ۲۰۰۰۰۰۰۰ بشل تک پہنچ گئی۔ حالانکہ اسکی آبادی ذکور میں دس فیصدی ۱۸۶۳ء میں لام پر گئے ہوئے تھے۔ جونہی مشینیں ایجاد ہوئیں انکی وجہ سے پہلے کی بہ نسبت کم تعداد اُس پرانی مقدار پیداوار کیلئے کافی تھی۔ علاوہ بریں شمال کے مزدوروں کی تعداد میں کثیر اضافہ یورپ سے آنے والے مہاجرین کی بدولت ہو گیا۔ جن کی تعداد میں جنگ کے دنوں میں تھوڑی سی کمی ہوئی۔ ۱۸۶۰ء سے لیکر ۱۸۶۰ء تک ۲۱۸۲۴ مہاجرین آئے۔ ان میں سے اکثر اُن ریاستوں میں آباد ہوئے۔ جنہیں شمالی مرکزی ریاستیں کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ ریاستیں جو اوہیو (Ohio) کے شمال میں اور نیویارک کے مغرب میں اور مسوری کے مشرق میں واقع ہیں۔ ان ریاستوں کو کبھی کبھی اناج کی ریاستیں (Granary States) بھی کہا جاتا ہے۔ اور ان ریاستوں کی آبادی اس دس سال کے عرصے میں بیالیس فیصدی کے حساب سے بڑھی ؛

مزروعہ رقبہ کی وسعت اس کے بعد کی دس سال کی مدت میں یعنی ۱۸۷۰ء سے لیکر ۱۸۸۰ء تک ریاستہائے متحدہ کے مزروعہ علاقہ میں ۲۹۰۰۰۰ سے زیادہ مربع میل کا اضافہ ہوا اور یہ اتنا بڑا رقبہ ہے کہ برطانیۂ عظمیٰ اور فرانس دونوں کو ملا کر بھی اتنا نہیں بنتا۔ مزروعہ علاقہ میں یہ اضافہ ایک حد تک اس وجہ سے ہوا۔ کہ مزدوروں کو جب اصلاح شدہ کلوں سے مدد ملی تو ان کا کام پہلے سے بہتر ہو گیا۔ اور ایک حد تک اس کا باعث یہ تھا کہ اس دس سال کے عرصے میں مہاجرین کی ایک تعدادِ کثیر ریاستہائے متحدہ میں آئی۔ یہ تعداد تقریباً ۳۰۰۰۰۰۰ کے برابر تھی۔ یعنی جتنی آبادی خانہ جنگی (Civil war) کے آغاز میں سارے ملک کی تھی۔ اس سے ذرا کم لیکن اس کے بعد دس سال میں یعنی ۱۸۸۰ء سے

لیکر ۱۸۹۰ء تک مہاجرین کی تعداد اور بھی زیادہ تھی۔ یعنی ۵۲۵۰۰۰۰ جس کو سُن کر تعجب ہوتا ہے۔ ان میں بہت سے مہاجرین ۱۸۹۰ء تک مغربی مزرعوں کا رُخ کرتے رہے۔ ذیل کے اعداد شمار جو ریاستہائے متحدہ کی کتاب مردم شماری میں سے اقتباس کیے گئے ہیں۔ وہ ترقی ظاہر کرتے ہیں۔ جو ۱۸۴۰ء کی مردم شماری کے بعد سے بڑی بڑی اجناس غلہ کی پیداوار میں ہوئی:۔

سنہ ء	مکئی (بشلوں کے حساب سے)	گندم (بشلوں کے حساب سے)	(بشلوں کے حساب سے)
۱۸۳۹ء	۳۷۷،۵۳۱،۸۷۵	۸۴،۸۲۳،۲۷۲	۱۲۳،۰۷۱،۳۴۱
۱۸۴۹ء	۵۹۲،۰۷۱،۱۰۴	۱۰۰،۴۸۵،۹۴۴	۱۴۶،۵۸۴،۱۷۹
۱۸۵۹ء	۸۳۸،۷۹۲،۷۴۲	۱۷۳،۱۰۴،۹۲۴	۱۷۲،۶۴۳،۱۸۵
۱۸۶۹ء	۷۶۰،۹۴۴،۵۴۹	۲۸۷،۷۴۵،۶۲۶	۲۸۲،۱۰۷،۱۵۷
۱۸۷۹ء	۱،۷۵۴،۵۹۱،۶۷۶	۴۵۹،۴۸۳،۱۳۷	۴۰۷،۸۵۸،۹۹۹
۱۸۸۹ء	۲،۱۲۳،۳۹۷،۵۴۷	۴۶۸،۳۷۳،۹۶۸	۸۰۹،۲۵۰،۶۶۶
۱۸۹۹ء	۲،۶۶۶،۴۴۰،۲۷۹	۶۵۸،۵۳۴،۲۵۲	۹۴۳،۳۸۹،۳۷۵

ہماری زراعتی قابلیت پیداوار میں جو یہ عظیم الشان ترقی ہوئی۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری اشیائے خوردنی کی برآمد کی مقدار بہت بڑھ گئی۔ ۱۸۶۰ء تک یہ درآمد کوئی بڑے پیمانے پر شروع نہیں ہوئی۔ لیکن اس کے بعد اس میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔ اور بیس سال تک اس رفتار سے ترقی ہوتی رہی۔ چنانچہ ۱۸۸۰ء تک یہ کیفیت ہو گئی۔ کہ ہمارا ملک گیہوں کی برآمد میں دنیا بھر میں اوّل درجہ پر تھا۔ مکّی کا نہایت تھوڑا حصہ مکّی کی صورت میں دساور جاتا رہا ہے۔ بیشتر حصہ جانوروں کی خوراک میں صرف ہو جاتا تھا۔ اس بنا پر ہماری مکّی کی برآمد زیادہ تر جانوروں اور پیداوار حیوانی کی صورت میں ہوتی رہی ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں۔ اُن اسباب میں سے جو اس زراعتی اولوالعزمی کی توسیع میں ممد و معاون تھے۔ ایک سبب (Home stead Laws) "قوانین متعلقہ مساکن" بھی تھے۔ جو لوگ باہر سے آکر آباد ہوئے تھے۔ اُن کو بغیر قیمت کے زمین دینے کا فائدہ

یہ ہوا کہ اراضیٔ عامہ کی آبادی بڑی سُرعت سے تکمیل کو پہنچ گئی۔ ایک اور امر جو اس میں مُوید ہوا وہ ایام خانہ جنگی کی فوجوں کا موقوف ہو جانا تھا۔ اگر عام حالات میں مزدوروں کا انبوہ دینا کی منڈیوں میں اپنی قسمت آزمائی کرنے کیلئے چھوڑ دیا جاتا تو غالباً اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مزدوروں کی بھرمار ہو کر امن عامہ میں خلل اندازیاں ہوتیں۔ لیکن کانگریس نے "قوانین متعلقہ مساکن" میں اپنے طور پر ترمیم کر دی کہ جو شخص یونین کے ماتحت سپاہی کی خدمت انجام دے چکا ہو وہ بھی بآسانی حکومت سے زمین لے سکتا تھا۔ قرار دیا گیا کہ جو شخص عزت کے ساتھ فوج سے علیحدہ کیا گیا ہو اُس نے جتنا وقت فوجی ملازمت میں صرف کیا ہو اُس وقت کو اُس میعاد سے وضع کرے جو اُس شخص کیلئے جو حقِ ملکیت حاصل کرنا چاہتا ہو۔ لازمی تھی اور اس طرح اُس میعاد کے ختم ہونے سے پہلے زمین کا حقِ ملکیت حاصل کرلے۔ اس طور پر ادہر فوجوں کا موقوف ہو جانا اور ادہر مہاجرین کا جوق در جوق امریکہ میں آنا یہ دونوں مل کر ایک زبردست زراعتی توسیع و ترقی کا باعث ہوئے۔

ایک اور سبب جسے نظرانداز نہ کرنا چاہیئے یہ تھا کہ فوجوں کے ٹوٹ جانے سے گھوڑے اور خچریں بڑی تعداد میں زراعت کے کام کیلئے دستیاب ہونے لگیں۔ ان کی ایک معقول تعداد کاشتکاروں کے ہاتھ فروخت کیگئی اور مزرعے کی مشینوں کے چلانے کے لئے جس قوت کی ضرورت تھی اس میں معقول اضافہ کا باعث ہوئی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بیلوں کی بجائے گھوڑوں کا زراعت کے کاموں میں استعمال کئے جاتے تھے۔ لیکن جتنے زیادہ محنت طلب کام تھے۔ مثلاً زمین میں قلبہ رانی کرنا۔ اُن میں بیلوں کو ترجیح دیجاتی تھی۔ لیکن اُس وقت کے بعد سے اب تک بیلوں سے بڑی تھوڑی تعداد میں کام لیا جاتا ہے اور وہ بھی وہی لوگ کام لیتے ہیں جو ترقی میں بہت پیچھے ہیں۔ بہرحال ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ زمانہ وہ زمانہ ہے۔ کہ جب سے زراعتی کام میں بیلوں کو چھوڑ کر گھوڑوں سے کام لیا جانے لگا۔ شاید یہ واقع کچھ اہم نہ معلوم ہو۔ لیکن اس کی اہمیت آگے جا کر کھلے گی۔ کیا زراعت اور کیا صنعت و حرفت دونوں میں "قوت" کا سوال اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ بیلوں کی بجائے گھوڑوں سے کام لئے جانے کا آغاز اتنا ہی اہم واقعہ ہے۔ جتنا کہ صنعت و حرفت کے شعبے

میں پانی کی بجائے بھاپ کے استعمال کا آغاز ۔

زراعت میں عدمِ تنظیم اور ابتری } مفت زمین عطا کرنے کے طریقے نے ملک کو یہ فائدہ تو ضرور پہنچایا کہ مزدوروں کی بھرمار کو نقصِ امنِ عامہ کا باعث نہ ہونے دیا۔ لیکن دوسری طرف اس نے ایک مضر اثر کیا۔ وہ یہ کہ زراعتی پیداوار کے بازار میں اس نے ایک طوفان بدتمیزی برپا کر دیا اور نہ صرف ہمارے ملک کے بلکہ مغربی یورپ کے زراعتی توازن میں خلل پیدا کر دیا اس کے جہاں اور نتائج ہوئے وہاں ایک یہ نتیجہ بھی ہوا۔ کہ مشرقی ریاستوں کی زراعت کا نظام بگڑ گیا۔ مزرعوں کا خالی کرنا جو اس سے قبل کے دور میں شروع ہوا تھا اب انتہا کو پہنچ گیا۔ نوآبادیوں کو مغرب میں زمین حاصل کرنے کا اتنا شوق اُچھلا کہ بہت سے لوگوں نے تو یہ کہا کہ زراعت سے کچھ رغبت ہو یا نہ ہو۔ محض اس مقصد کیلئے مفت میں زمین حاصل ہو جائیگی۔ کاشتکاری کا پیشہ اختیار کیا۔ بجائے اس کے زمینیں فصل اُگانے کے لئے لی جاتیں اکثر حالات میں یہ ہوا۔ کہ لوگوں نے زمین لینے کیلئے فصل اُگائی۔ یعنی جو وقت کہ حکومت کے قانون کے مطابق کسی قطعۂ زمین کی ملکیت حاصل کرنے سے پیشتر اُس قطعۂ زمین پر گذارنا ضروری تھا۔ اس وقت کو کسی شغل میں گذارنے کیلئے اُنہوں نے کاشتکاری کا پیشہ اختیار کیا متعدد مرتبہ ایسا ہوا۔ کہ لوگوں نے نقصان اُٹھا اُٹھا کر فصلیں اُگائیں۔ یعنی اگر کاشتکاروں نے زمین کی کاشت کے مصارف میں اپنی اُجرت کو بھی شامل کیا تھا۔ تو اُنہیں اپنی اُجرت نہ ملی اور اس طرح اُنہیں نقصان رہا۔ اور اگر ان مصارف میں اُنہوں نے وہ اخراجات بھی شامل کئے جو اُنہیں زمین کی ضائع شدہ قوتِ نمو کو ازسرِ نو پیدا کرنے کیلئے برداشت کرنے پڑے تو یقیناً وہ گھاٹے میں رہے۔ لیکن اصل میں بات یہ تھی کہ اُن لوگوں کو آیندہ زمینوں کی قیمت بڑھ جانے کی توقع تھی۔ اور اس کو وہ اپنی محنت کا کافی صلہ تصور کرتے تھے۔ یعنی یوں کہیئے کہ وہ اجناس کی کاشت اور فروخت اس امید پر کرتے چلے جاتے تھے۔ کہ زمینوں کی قیمت میں آیندہ جو اضافہ ہوگا۔ اُس سے اُن تمام عارضی نقصانات کی تلافی ہو جائیگی۔ جو برداشت کرنے پڑینگے ۔

کاشتکاروں میں شکایات کا پیدا ہونا } ان حالات کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ زراعتی

پیداوار کی رسد ضرورت سے زیادہ ہونے لگی۔ چنانچہ ایک طرف تو مزروعہ زمین کا رقبہ اس صورت سے پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ اور زراعتی پیداوار کی مقدار حیرت خیز طور پر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اور دوسری طرف زراعتی جماعتوں میں ناخوشنودی اور بے اطمینانی عام ہو رہی تھی۔

اس کا ظہور زراعتی جماعتوں کی بہت سی تحریکوں کی صورت میں ہوا۔ جن میں سے پہلی گرینج تحریک (Grange movement) تھی۔ جس کا آغاز انیسویں صدی کے عشیر ہفتم (۱۸۷۵ء) کے اوائل میں ہوا۔ زمانۂ جدید کی معاشیاتی تاریخ میں یہ باب جلی حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ ہر ملک اور ہر زمانے میں زراعتی جماعتوں کو قدامت پرست کا خطاب دیا گیا ہے۔ کاشتکاروں کو حکومت کا مرکز ثقل کہا گیا ہے۔ ان کو ایک ایسی جماعت شمار کیا گیا ہے۔ جس پر موجودہ حالات کے ثبات اور موجودہ نظام کے برقرار رہنے کا دارومدار ہے۔ برخلاف اس کے صنعتی حرفتی اور تجارتی جماعتوں کو بالعموم ممالک جدیدہ کی زندگی میں ایک غیر مستقل اور انقلاب پذیر عنصر سمجھا گیا ہے۔ بہرحال ہمارے ملک میں ۱۸۲۰ء اور ۱۸۹۰ء کی درمیانی مدت میں یہ صورتِ حالات بالکل دگرگوں ہو گئی تاریخ جدیدہ میں پہلی مرتبہ زمینداروں کی جماعت ہمارے ملک کی آبادی میں ایک فتنہ پرداز انقلاب پسند۔ اور شورش انگیز عنصر ثابت ہوئی۔ اوائل ۱۸۷۰ء کی گرینج تحریک فی الاصل ایک انقلاب پسندانہ تحریک نہ تھی۔ اس کے مقاصد سیاسی تھے۔ لیکن بہت جلد اس نے ایک سیاسی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ جس کا منشاء اولین ملک کی بنکوں اور ریلوے کے متعلق پالیسی میں اصلاح کرنا تھا۔ اس کے بعد گرین بیک تحریک (Greenback movement) تحریک کا چرچا ہوا۔ جس نے یہ خطرناک صورت اختیار کی کہ ہمارے ملک کے یک قلم درہم و برہم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اخیر میں انیسویں صدی کے عشر نہم (۱۸۹۰ء) کی تحریک کا دور دورہ ہوا۔ یہ بھی ایک اسی قسم کی تحریک تھی۔ اس کا اختتام اس وقت ہو گیا جب زراعتی جماعتوں کو از سر نو فارغ البالی حاصل ہو گئی۔ یہ جو کچھ بدنظمی اور بے ثباتی کی کیفیت اس دور میں ہوئی۔ سب اس بات کا نتیجہ تھی کہ زراعت ضرورت سے

زیادہ پھیل گئی۔ جس سے اس کا بازار مندا پڑ گیا۔

ریلیں } جس دَور کا ہم سردست مطالعہ کر رہے ہیں۔ یہ ریلوے کے بھی سریع نشوو ارتقا کا دَور تھا۔ لوہے کی بجائے فولاد کی لائینوں کا بننا میں سے اُن میں پہلے سے زیادہ قوت عمل پیدا ہو گئی۔ سڑکوں کا تعمیر ہونا بڑا عظموں کے درمیان ریلوں کا تیار ہو جانا۔ ان سب نے یک جا ہو کر ایسی صورتِ حال پیدا کی۔ کہ مغرب بعیدہ کے کاشتکار بھی مشرق کے کاشتکاروں سے مشرقی منڈیوں میں رسد پہنچانے میں برابر کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ بالخصوص براعظموں کے درمیان ریلوں کا بن جانا جن کو حکومتِ متحدہ کی طرف سے زمینوں کے عطا ہونے نے فروغ دیا۔ اس بات میں بڑی حد تک مفید ثابت ہوا۔ یہ ریلیں آئندہ کی ضرورت کا اندازہ کر کے قبل از وقت تعمیر کی گئیں۔ اور اُن کا یہ اثر ہوا۔ کہ مغرب بعید میں حیرت خیز سُرعت سے آبادی ہو گئی۔

ریلوے کے ذریعے باربرداری میں جو یہ اصلاحات ہوئیں۔ اُن کے پہلو بہ پہلو غلے اور مال مویشی کے نقل وحمل کا ایک اچھوتا طریقہ ایجاد ہوا۔ ۱۸۶۹ء میں بغیر حرارت کے چلنے والی مشین (Refrigerator) کا استعمال شروع ہوا۔ اس نے بند گوشت کے بیچنے کو بڑا فروغ دیا۔ کیونکہ اس کی بدولت یہ تجارت بارہ مہینے ہونے لگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ۱۸۷۶ء کو تازہ گوشت وساور میں جانے لگا۔ غلہ کو گھٹیا بڑھیا میل کے مطابق تقسیم کرنے کے طریقے سے ایک یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کسی خاص درجہ کا غلہ بڑی مقدار میں یک مشت ادنیٰ اخراجات پر اُٹھایا جا سکتا ہے۔ بڑی بڑی بوجھ اُٹھانے والی کلیں جن سے کہ غلہ کو اُٹھا کر کوٹھڑی میں رکھا جا سکے۔ گاڑیاں منٹوں سیکنڈوں میں بھری جا سکیں۔ اور خالی کی جا سکیں۔ اور جہازوں میں ۔۔۔۔۴۰ بشل فی گھنٹہ کے حساب سے غلہ لادا جا سکے۔ ایسی کلوں کا بن جانا بڑی ترقی تھی۔ اس ترقی اور اس قسم کی دوسری ترقیوں میں متحدہ طور پر زراعتی پیداوار کی تجارت میں بڑی مدد دی اور ان کی بدولت امریکی کاشتکاروں کو دنیا کی منڈیوں میں رسائی حاصل ہو گئی۔ لیکن یہی امر یورپ میں ایک ایسی زراعتی بدنظمی پھیلانے کا باعث ہوا۔ جیسی کہ ہمارے ملک میں پھیلی تھی۔

کلیں } زراعتی کلوں کی اُن اہم اصلاحات میں جو اس دَور میں ہوئیں۔ گٹھے باندھنے کی

کل کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہوئی ہے۔ جن خطوں میں گرمی کے موسم میں بارشیں کم ہوتی ہیں۔ جیسا کہ مغربی امریکہ کے چٹیل میدانوں کا حال ہے۔ اور جہاں فصل کاٹنے کے کیلئے کافی مدت مل سکتی ہے۔ اور بہت سے لوگ مل جل کر فصل کاٹ سکتے ہیں۔ وہاں تو کوئی ایسی مشکل بات نہیں۔ لیکن اور خطوں میں فصل کا کاٹنا ایک وقت طلب مسئلہ ہے کاشتکار کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ وہ کتنی فصل کاٹ سکتا ہے۔ نہ یہ کہ کتنی فصل اُگا سکتا ہے۔ اُس پر اس امر کی قید عاید ہو جاتی ہے۔ کہ کتنی فصل کاٹنا اُس کیلئے ممکن ہے۔ جن دنوں گٹھے باندھنے کی کل ایجاد نہ ہوئی تھی۔ فصل کاٹنا آجکل کے مقابلے میں ایک بڑا کٹھن کام تھا۔ جو اجناس منافع پر اُگائی جا سکتی تھی۔ ان کی مقدار فصل کاٹنے کے قدرتی اثرات کے باعث ضرورۃً بہت محدود کر دینی پڑتی تھی۔ اس لئے گٹھے باندھنے کی کل کی ایجاد نے غلّہ کی وہ مقدار بڑھا کر جو ایک کاشتکار کاشت کر سکتا تھا۔ اس مقدار میں جو ایک کاشتکار منافع پر بو سکتا تھا اُتنا ہی اضافہ کیا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیئے کہ اور مشینیں یا اوزار نے اس دور میں امریکہ کی پیداوار غلّہ کی ترقی میں مدد نہیں دی۔ جتنی کہ اکیلے اس مشین نے دی۔ ملک کی فی کس پیداوار بحیثیتِ مجموعی جہاں ۱۸۶۰ء میں ۸ء۷ بشل تھی۔ ۱۸۸۰ء میں ۹ء۲ بشل ہو گئی۔ دورِ زیرِ بحث میں اس طرح کی اور ادنیٰ اصلاحات بھی ہوئیں۔ نیز اناج چھوڑنے کی کلوں میں گھوڑوں کی طاقت کی بجائے بھاپ صرف ہونے لگی۔ ان تمام اصلاحات نے مل جل کر اناج چھڑنے کی مشین کے افادے کو دگنا کر دیا۔ بہرحال یہ تمام چیزیں مل کر بھی غلّہ اُگانے کے کام میں انقلاب پیدا کرنے کی اس حد تک باعث نہیں ہوئیں۔ جتنی کہ اکیلی یہ مشین ثابت ہوئی۔

بیلن } آٹے کو بیلن کے ذریعے پیسنا گو ایک زراعتی عمل نہ تھا تاہم یہ اس عہد کی زراعتی توسیع و اشاعت میں ایک بہت بڑا مؤثر تھا۔ جو آٹا پرانے طریق کے مطابق فصلِ ربیع کے گیہوں سے بنایا جاتا تھا۔ وہ اسقدر ادنیٰ درجہ کا ہوتا تھا۔ کہ ماہرینِ زراعت میں سے اکثر اربابِ رائے کا خیال تھا کہ اس ملک میں ربیع کے گیہوں کی پیداوار کا مستقبل بالکل تاریک ہے۔ لیکن جب نیا طریقہ ایجاد ہوا تو اُس کے مطابق اُس ربیع کے گیہوں سے ایسا آٹا بنایا جا سکتا تھا۔ جو خریف کے گیہوں کے آٹے سے بھی بہتر ہوتا تھا۔ انہی ایام

میں شمال مغرب میں منیسوٹا (Minnesota) اور ڈیکوٹا (Dakota) کے ربیع کے گیہوں کے علاقے کھل گئے۔ ان تین ریاستوں کی آبادی ۱۸۷۰ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیان کی مدت میں دوگنی سے زیادہ بڑھی۔ اس دور کے پہلے راچسٹر (Rochester) واقع نیویارک (New York) ملک بھر میں آٹا بنانے کا مرکز تھا۔ لیکن جب بیلن سے آٹا پیسنے کا طریقہ مروّج ہوا۔ تو یہ حیثیت مرکزی مینیاپولس (Minneapolis) نے چھین لی جو کہ فصل ربیع کے گیہوں کے علاقے کا ابتدائی دارالخلافہ تھا۔

مکئی کی کاشت } جو اصلاح شدہ کلیں مکئی اُگانے میں استعمال کی جاتی تھیں۔ اُن میں ایک check rower بھی تھا۔ یہ کل جب مکئی اُگانے کی کل سے لگادی جاتی تو جو کام پہلے دو آدمی مل کر کر سکتے تھے۔ وہ اب اکیلے سے ہو سکتا تھا۔ یہ ایسی مشین ہے کہ جس سمت میں غلّہ بونے کی مشین چلائی جارہی ہو۔ اُس سے زاویۂ قائمہ بنا کر قطاروں میں آپ ہی آپ بیج بوئی جاتی ہے۔ اس طرح دہ دونو طرف قطاروں میں بیج بکھیر دیتی ہے اور دو اجناس (cross cultivation) کی مخلوط کاشت اس سے ہو سکتی ہے مسوری کی جانب غرب جو چند قدرتی خطّے خشک ہیں۔ اُن میں غلّہ لسٹر (lister) مشین کے ذریعے بویا جانے لگا۔ یہ ایک ہل ہے جس میں دو mold boards ہوتے ہیں۔ یہ گہری ہلائی کرتی ہے۔ اور اس کی تہ میں ایک خود بخود بیج بونے والی کل automatic seeder کی مدد سے بیج بو دیتی ہے۔ مگر بیج بونے کے اس طریقے سے دو اجناس کی مخلوط کاشت نہیں ہو سکتی۔ تاہم اس کے چند فائدے ہیں۔ جن میں سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے۔ کہ بیج چونکہ بہت گہرا بویا جاتا ہے۔ اسلئے فصل خشک سالی کا مقابلہ زیادہ کامیابی سے کر سکتی ہے۔ بہ نسبت اُن اجناس کے جن کا بیج اتنی گہرائی میں نہ بویا گیا ہو۔ جیسا کہ مشرقِ بعیدہ میں ہوتا ہے۔ اسی قبیل کی اور ادنیٰ اصلاحات مثلاً نلائی کی کل (weeder) وہ ہل جس پر سوار ہو کر کام کیا جاسکتا ہے۔ اور جو پُرانے گھوڑوں سے چلنے والے ہل کا ایک اصلاح شدہ نمونہ ہے۔ اور دو قطاروں میں جوتنے والا ہل جسے تین گھوڑے چلاتے ہیں۔ ان چیزوں کے مجموعی طور پر مکئی بونے

والے کا کام بہت آسان کر دیا ہے ۔ اور ہر شخص کو زیادہ فصل اُگانے کے قابل بنا دیا ہے ۔ مکئی کے پودے زیادہ تر ہاتھوں سے کاٹے جاتے تھے ۔ کیونکہ مکئی کا چھلکا الگ کرنے کیلئے کوئی عمدہ مشین ایجاد نہ ہوئی تھی ۔ اسے خوش قسمتی کہیئے ۔ کہ مکئی کے فصل کاٹنے کی کوئی ایسی جلدی نہیں ہوتی ۔ جتنی کہ گیہوں کی فصل کاٹنے میں ہوتی ہے ۔ ورنہ نقصان کا احتمال بہت تھا ۔

مویشیوں کا پالنا دورِ زیرِ بحث میں مغرب بعیدہ کے مویشیوں کے بیوپار میں ایک شاندار اور عجیب و غریب ترقی ہوئی ۔ مویشیوں کے مویشی گاہوں میں پالنے (cattle ranching) کو ہماری سرحدی زندگی سے ہمیشہ چولی دامن کا ساتھ رہا ہے ۔ خاصکر ورجینیا (Virginia) اور کیرولینا (Carolina) میں ٹیکسس (Texas) کے حصول کے بعد امریکہ کے مویشی پالنے والے جو ملک کے اندرونی حصے تک پہنچ چکے تھے ۔ اُنہوں نے کاروبار کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا ۔ اور اس کی از سر نو تنظیم کی ۔ جو مویشی کورٹیز (Cortes) اور اس کے مقلدین اسپین سے لائے گئے تھے ۔ وہ میکسیکو (Mexico) کی معتدل آب و ہوا میں جس میں ٹیکسس (Texas) بھی شامل تھا ۔ جہاں یہ مویشی دو صدیوں تک جنگلی جانوروں کی طرح پھرتے رہے تھے ۔ خوب پھلے پھولے ۔ اُن کے مالکوں کو کوئی منڈی ایسی نہ ملتی تھی ۔ جہاں وہ سوائے کھالوں کے اور چربی کے جن کی نقل و حمل میں بہت آسانی ہوتی ہے ۔ اور کوئی چیز منافع پر فروخت کر سکیں ۔ اس لئے ان مویشیوں کے گلوں سے اُنہیں جو دلچسپی تھی وہ محض اس بنا پر تھی کہ ان دو اشیاء یعنی کھالوں اور چربی کی موسم بموسم پیداوار کرتے رہتے تھے ۔ بہرحال امریکن حکومت کے ماتحت امریکہ کے مویشی پالنے والوں نے ٹیکسس (Texas) کے بیف کے گوشت کیلئے منڈی بنا لینے کی متعدد کوششیں کیں ۔ ۱۸۵۶ء میں ٹیکسس سے کچھ مویشی الینائیس (Illinois) کے مکئی کے کھیتوں میں گئے ۔ لیکن وہاں اُن کو قبول عام حاصل نہ ہوا ۔ جنگِ اندرونی کے دوران میں ٹیکسس (Texas) کے مویشیوں کیلئے کوئی راستہ برآمد کا نہ رہا تاہم ان کی تعداد میں اُسی

رفتار سے ترقی ہوتی رہی۔ چنانچہ ۱۸۶۰ء سے ۱۸۸۰ء تک میدان مویشیوں سے اسقدر بھر پور تھے۔ کہ تل دھرنے کی جگہ نہ رہی تھی۔

یہ حقیقت معلوم ہو چکی تھی۔ کہ شمالی میدانوں کی گھاس بڑی غذائیت رکھتی ہے اور سردیوں کے موسم میں بھی مویشیوں کی خوراک کا کام دے سکتی ہے۔ بہت سے راویوں سے روایت ہے کہ یہ انکشاف اتفاقی طور پر ایک شخص نے کیا جو ریاستہائے متحدہ کے ایک قلعہ واقعہ اوتاہ (Utah) کیلئے رسد لے جا رہا تھا۔ وہ ۱۸۶۵ء کے موسم سرما میں لیرآمی (Laramie) کے میدانوں میں سفر کر رہا تھا تو ایک طوفان نے اس کو گھیر لیا۔ اُس کا زادِ راہ بہت جلد ختم ہو گیا۔ اور اس نے مجبور ہو کر اپنے بیلوں کو چھوڑ دیا کہ جہاں اپنا پیٹ پالیں یا کچھ نہ ملے تو بھوکے مر جائیں۔ بیل خیمہ سے زیادہ دور نہیں گئے۔ قریب قریب کہیں چرتے پھرتے رہے۔ جب بہار کا موسم آیا تو معلوم ہوا۔ کہ جیسے وہ اس وقت تھے۔ جب اُن کو مالک نے چھوڑا تھا۔ اُس سے اب بہت بہتر حالت میں تھے۔ ہوا جو چلی تھی۔ تو چابجا چرنے کے قابل گھاس نظر آنے لگی تھی۔ چنانچہ بیل اس کو کھا کر چار مہینے تک گذارہ کرتے رہے۔

مویشیوں کے گزرنے کا رستہ (The cattle trail) شمالی میدان کی گھاس ٹیکسس (Texas) کے میدانوں کی گھاس سے بہتر ہے۔ اور اُن دنوں میں یہ معلوم کیا گیا۔ کہ ٹیکسس کے مویشی اگر شمالی میدانوں میں چلے جائیں تو وہاں اُن کا وزن بہت جلد بڑھ جاتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ ایک سال کا بچھڑا جتنا ٹیکسس میں رہ کر بڑھے گا۔ اُس سے ۲۰۰ پونڈ زیادہ شمالی میدانوں میں ترقی کرے گا۔ علاوہ بریں خیال کیا جاتا تھا۔ کہ بھیڑ کا گوشت شمالی میدانوں میں بہتر ہوتا ہے۔ شمالی میدانوں میں جگہ کی بہتات تھی۔ برخلاف اس کے ٹیکسس میں قلت تھی۔ اور آبادی بہت زیادہ تھی۔ اور بھی بہت سے اعتبارات سے غلبہ شمالی میدانوں کو حاصل تھا چنانچہ ٹیکسس کے مویشیوں کے گلے شمال کی طرف جانے لگے۔ یہ مویشی زیادہ تر آبادیوں کے مغربی کنارے کے برابر برابر جاتے تھے۔ چنانچہ اس سمت کا اُنھوں نے رُخ کیا۔ اس کا نام

ٹیکسس کے مویشیوں کی گذرگاہ (Jesees cattle trail) مشہور ہو گیا۔ سب سے پہلے مغربی کنسس (sasnaK) نبراسکا (akeartsbeN) کالریڈو (Colorado) اور ویومنگ (gnimoyW) کے میدانوں کا رُخ کیا جاتا تھا۔ شمالی میدانوں میں چونکہ وحشی لوگوں کا خطرہ رہتا تھا۔ اس لئے اُدھر جانے کا خیال کوئی نہ کرتا تھا۔ ۱۸۷۶ء میں مقام کسٹر (retsuC) پر جو قتلِ عام ہوا۔ اس کے بعد حکومت متحدہ کو تنبیہ ہو گئی۔ اور وہ شمالی وحشیوں کی طرف سے ہوشیار رہنے لگی۔ اسلئے ڈکوٹا (atokaD) اور مونٹانا (Montana) کے میدان مویشی پالنے والوں کیلئے کھل گئے۔ بعض لحاظ سے مغرب بعیدہ کے میدان بہترین تھے۔ چنانچہ مویشیوں کی گذرگاہ کے ڈانڈے پھیلتے پھیلتے ملک کی شمالی سرحد سے جا ملے۔ ۱۸۷۰ء سے لیکر اُس دور کے اختتام تک جس کا ہم اس وقت مطالعہ کر رہے ہیں۔ مویشیوں کی گذرگاہ ایک ایسا رستہ بن گیا۔ جس پر سے کثیر التعداد مویشی ٹیکسس (saxeT) کے مویشی پالنے کی جگہوں سے نقل مکان کر کے شمال کی طرف گئے۔ جو مویشی نقل مکان کر کے جاتے تھے۔ وہ زیادہ تر نئے بچھڑے تھے۔ کچھ گائیں بھی تھیں جو شمال کی طرف گئیں۔ ٹیکسس (saxeT) میں مویشیوں کی تعداد بہت جلد بڑھتی گئی۔ وجہ یہ کہ وہاں کی معتدل آب و ہوا میں گائیں زیادہ تر رہتی تھیں۔ شمال جانے کے بعد بچھڑے بچھیا وغیرہ زیادہ تعداد میں پیدا ہوتے تھے۔ اسلئے مویشی پالنے کے کام میں علاقے کے اعتبار سے محنت کی تقسیم ہوئی۔ جنوب میں نوخیز اور نوعمر مویشی پیدا کئے جاتے تھے۔ اور شمال میں وہ جا کر جوان ہوتے تھے جہاں جہاں مویشیوں کی گذرگاہ براعظم کے درمیان کی ریلوں کو کاٹتی تھی۔ وہاں بڑی بڑی منڈیاں مویشیوں کی اور بڑی بڑی بندرگاہیں بن گئیں۔ ان بندرگاہوں میں بعض ایسی خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ جن کیلئے ہماری سرحد مشہور ہے۔ ان میں سے ہر ایک مویشی پالنے والوں اور ماہیروں کا اجتماع بن گیا۔ ان کا نام گائیوں کے شہر (Cow towns) مشہور ہو گیا۔ ان میں بہت سے عجیب و غریب واقعات ہوئے اور مناظر دیکھنے میں آئے۔ جو ریاستہائے مغربی کی روایاتِ عامہ کا ایک جزو رومانٹک ہو گئے ہیں۔ اور یقیناً ہماری قومی روایات میں شامل ہو جائینگے ۱۸۷۰ء سے لیکر ۱۸۷۲ء تک نیوٹن (Newton) کنسس (sasnaK) وہ نقشہ تھا جہاں

مویشیوں کی گذرگاہ ایچسن (Atchison) ٹوپیکا (Topeka) اور سانتا فی (Santa Fe) ریلوے کو کاٹتا تھا۔ اور ایبلین (Abilene) وہ نقطہ تھا۔ جہاں وہ کنسس پیفک (Kansas Pacific) ریلوے کو کاٹتا تھا۔ چنانچہ یہ اس عہد کے شہروں میں گایوں کیلئے مشہور تھے۔ لیکن جوں جوں آبادی کا رُخ مغرب کی طرف ہوتا گیا۔ مویشیوں کی گذرگاہ ہٹ کر مغرب کی طرف جانے لگی تاکہ کھیتوں میں سے گذر کر ان کو پامال کر کے نہ جانا پڑے۔ اس وجہ سے ایچسن (Atchison) کا گریٹ بنڈ (Great Bend) اور کنسس پیفک ریلوے (Kansas Pacific) کا اسٹیشن السورتھ (Ellsworth) یہ دونوں بڑی بندرگاہیں بن گئیں۔ مزید بریں ایچسن ریلوے کا سٹیشن ڈاج سٹی (Dodge City) کنسس پیفک ریلوے کا سٹیشن ہیس سٹی (Hayes city) بڑے بڑے گایوں کے شہر تھے۔ ۱۸۸۵ء میں بڑے بڑے شہر ڈاج سٹی (Dodge city) اوگلالا (Ogallala) نبراسکا (Nebraska) تھے۔ جو یونین پیفک ریلوے لائن پر واقع ہیں۔ اندازہ کیا گیا کہ کم از کم ۴۰۰۰۰۰ مویشی صرف ۱۸۸۴ء میں ان دو شہروں میں جہاز پر سوار ہونے کیلئے آئے۔ ۱۸۸۵ء کے بعد مویشیوں کی گذرگاہ کی اہمیت میں کمی ہونا شروع ہوئی۔ آبادیوں کی سرحد جو مغرب کی طرف بننی شروع ہوئی۔ تو اس نے اس رستہ کو بند کر دیا۔ لیکن زوال کا سب سے بڑا سبب یہ ہوا کہ ریلوں سے اس کا مقابلہ آ پڑا۔ جو مویشیوں کے خطہ کے عین وسط میں بن گئیں۔ اور جن کیلئے مویشیوں کا نقل و حمل بعید کم خرچ اور آسان تھا۔ اور اس میں وقت بھی کم لگتا تھا۔ فہرستِ ذیل جو جوزف نمو (J. Nimmo) کی روئیداد سے اقتباس کی گئی ہے تخمینہً ان مویشیوں کی تعداد بتاتی ہے۔ جو ۱۸۶۶ء اور ۱۸۷۴ء کی درمیانی مدت میں مویشیوں کی گذرگاہ سے ہوتے ہوئے ٹیکسس (Texas) سے چل کر شمال میں پہنچے:۔

سنہ	تعداد مویشی	سنہ	تعداد مویشی
۱۸۶۶ء	۲۶۰،۰۰۰	۱۸۶۹ء	۳۵۰،۰۰۰
۱۸۶۷ء	۳۵،۰۰۰	۱۸۷۰ء	۳۰۰،۰۰۰
۱۸۶۸ء	۷۵،۰۰۰	۱۸۷۱ء	۶۰۰،۰۰۰

سنہ	تعداد مویشی	سنہ	تعداد مویشی
۱۸۷۲ء	۳۵۰،۰۰۰	۱۸۷۹ء	۲۵۷،۰۰۰
۱۸۷۳ء	۴۰۵،۰۰۰	۱۸۸۰ء	۳۹۴،۰۰۰
۱۸۷۴ء	۱۶۶،۰۰۰	۱۸۸۱ء	۲۵۰،۰۰۰
۱۸۷۵ء	۱۵۱،۰۰۰	۱۸۸۲ء	۲۵۰،۰۰۰
۱۸۷۶ء	۳۲۱،۰۰۰	۱۸۸۳ء	۲۶۷،۰۰۰
۱۸۷۷ء	۲۰۱،۰۰۰	۱۸۸۴ء	۳۰۰،۰۰۰
۱۸۷۸ء	۲۶۵،۰۰۰		

جب مویشیوں کی گذرگاہ کا زوال ہوگیا۔ تو اس کے ساتھ مویشیوں کو مویشی گاہوں میں پالنے کے کاروبار کو زوال نہیں ہوا۔ مکّی کے علاقے کو مغرب کے مویشیوں کے کاروبار سے بہت قریب کا تعلق رہا ہے۔ یہ مکئی اُگانے کا خطّہ مویشیوں کے علاقہ کے عین متصل واقع ہے۔ اس بنا پر جدید زمانے میں مویشیوں کی نقل و حرکت مغربی میدانوں سے چل کر مشرق کی سمت میں رہی ہے۔ نہ کہ ٹیکساس (Texas) سے چل کر شمال کی سمت میں۔

دَورِ زیرِ بحث کے اواخر میں یعنی ۱۸۸۰ء کے قریب مویشی بڑی تعداد میں مغربی میدانوں سے جہازوں پر سوار ہو کر مشرقی کنسس (Eastern Kansas) نبراسکا (Nebraska) آئیووا (Iowa) مسوری (Missouri) اور الینائس (Illinois) کے مکئی کے خطوں میں جانے لگے۔ تاکہ مکئی کے پودوں کو کھا کر موٹے ہوں۔ اسلئے ڈبّوں میں گوشت بند کرنے کے کارخانے جن میں جانور ذبح کئے جاتے تھے اور گوشت کی مصنوعات تیار کی جاتی تھیں۔ مکئی کے خطّے کے عین وسط میں تیار ہوئے۔ نہ کہ میدانی علاقے میں۔ کنسس سٹی (Kansas city) سینٹ جوزف (St. Joseph) اوماہا (Omaha) شکاگو (Chicago) اور سینٹ لوئس (St. Louis) بند گوشت کی تجارت کے بڑے بڑے مرکز بن گئے۔ یہ جو قاعدہ تھا کہ سوروں کو وہ غذا دی جاتی تھی۔ جو غلّہ خور جانوروں کی خوراک سے بچ کچھ رہے۔ اور اسی غذا سے وہ موٹے ہوتے تھے۔ اسلئے

سؤر کا گوشت ایک حد تک بھیڑ کے گوشت کی ضمنی پیداوار کے طور پر پیدا ہونے لگا۔

ڈیری کا کام جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ جدید زمانے میں جو قاعدہ مکھن اور پنیر بنانے کا رائج ہے۔ یعنی کارخانوں میں ان کا تیار کرنا اس قاعدے کے آغاز سول جنگ (Civil war) سے ذرا پہلے ہوا۔ لیکن یہ قاعدہ اس وقت عام نہ ہوا تھا۔ بہت مدت کے بعد جا کر عام ہوا ۱۸۶۱ء اور ۱۸۷۰ء میں کارخانوں میں پنیر بنانے کے طریقے نے بہت جلدی ترقی کی۔ لیکن ۱۸۸۰ء کے بعد امریکہ کے شیر خانہ (ڈیری) کے مالکوں کی توجہ اور محنت زیادہ تر مکھن بنانے میں صرف ہونے لگی اور پنیر کی طرف اُن کی توجہ کم ہو گئی۔ پرانے نظام کے ماتحت جب مکھن مزرعوں میں تیار ہوتا تھا۔ تو مکھن بنانے کا مرکز مشرقی اور وسطی ریاستوں میں تھا۔ خاصکر ورمانٹ (Vermont) میسیکوسٹس (Massachusetts) میں اور نیویارک (New york) میں۔ لیکن نئے نظام کے مطابق یہ مرکز تبدیل ہو کر مغرب کی جانب چلا گیا۔ اور اُس علاقے میں جس میں شمالی الینائس (Northern Illinois) جنوبی وسکانسن (wisconsin) مشرقی آئیووا (Iowa) اور جنوب مشرقی منیسوٹا (Minnesota) شامل ہے۔ مکھن بنانے کی حرفت پھیل گئی۔

وہ اہم اسباب جنہوں نے مکھن بنانے کی حرفت کی ترقی میں مدد دی یہ تھے۔ اوّل بیکاک (Babcock) کا وہ طریقہ جس سے یہ معلوم ہو سکتا تھا۔ کہ دودھ میں مکھن کا جزو کس قدر شامل ہے اور دافع المرکز آلہ (Centrifugal Seperator) جن کے ذریعے بالائی دودھ سے علیحدہ ہو سکتی ہے۔ بغیر اس بات کے دودھ کو پھاڑا جائے اور اس بات کا انتظار کیا جائے۔ کہ کشش ثقل کے قانون کے مطابق بالائی سطح پر آجائیگی۔ اگر یہ دو ایجادیں نہ ہوتیں تو غالباً کارخانوں میں مکھن بنانے کا طریقہ گھر میں بنانے کے طریقے کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہ ہوتا۔ ایک اور سبب جو بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ گو اسے عموماً نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ یہ تھا۔ کہ امریکہ کے لوگوں کو مکھن کھانے کی بڑی عادت ہے۔ امریکہ کے باشندے فرانسیسیوں کی طرح روٹی کھاتے ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ فرانسیسی ہمیشہ مکھن کے ساتھ روٹی نہیں کھاتے۔ اور امریکن لوگ کھاتے ہیں۔ اس لئے مکھن کی بڑی مانگ رہتی ہے۔ اور شیر خانہ دار (ڈیری مین) کو اس بات کا حوصلہ ہوتا ہے کہ صرف مکھن ہی بنائے تو اپنی روزی کما لیگا۔ جب یہ حالت ہو تو قدرتی

بات ہے۔ کہ امریکہ کے شیرخانہ دار ممالکِ غیر کی منڈیوں کو مکھن کی رسد بہم پہنچاپئیں۔ مکھن امریکہ والوں کا بہت پسند اور من بھاتا کھاجا ہے۔ لیکن پنیر کے وہ اتنے شائق نہیں۔ اور پنیر کھانے میں اُنہوں نے خاص شہرت حاصل نہیں کی۔ اس وجہ سے امریکہ کے شیرخانہ داروں کی اس امر میں ہمت افزائی نہیں ہوتی کہ پنیر بنانے کا کام خاص طور پر کریں۔ اور وہ یورپ کی منڈیوں میں جاکر یورپ کے ڈیری میلسوں کے مقابلے میں جو ان سے کہیں زیادہ ماہر ہوتے ہیں نہیں ٹھہر سکتے۔ مزید برین ایک یہ امر ہے کہ مکھن کے مقابلے میں ایک ایسی چیز ہے۔ جس کا ذائقہ ایک جیسا ہوتا ہے۔ یورپ میں ہر ملک بلکہ ہر شہر کے مقابلے میں علیحدہ علیحدہ مذاق رکھتا ہے۔ یہ ایک اور وجہ ہے کہ امریکہ کے پنیر کی یورپ میں بہت مانگ نہیں۔ غلّہ کی ریاستوں میں مکھن کی حرفت کا مرکز بن جانے کا ایک اور سبب maize کی پیداوار کا شروع ہوتا ہے۔

maize کے ذریعے مکئی کو ڈیری کی گایوں کیلئے سارے موسم سرما میں دودھ پیدا کرنے والی غذا بنایا جا سکتا ہے۔ شمالی یورپ میں جہاں مکئی بہت نہیں ہوتی۔ تو زمینی پیداوار سے کام چلایا جا سکتا ہے۔ مثلاً شلجم سے۔ چقندر سے وغیرہ وغیرہ؛ لیکن مکئی کا maize شیرخانہ کی گایوں کیلئے اس سے بہت سستی لیکن اتنی ہی اچھی خوراک ہے۔ امریکہ کے کاشتکار اس کی مدد سے مکھن بمقابلہ یورپ کے کاشتکاروں کے بہت کم خرچ پیدا کر سکتے ہیں۔ غلّہ کا maize زمینی پیداوار سے سستا ہے۔ اوّل تو اسلئے کہ اسکی پیداوار فی ایکڑ کس قدر زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن زیادہ تر اس لئے کہ اس کے واسطے کم محنت درکار ہوتی ہے۔

کپاس کی حرفت کی ازسرِ نو تنظیم ؛ جس دَور سے ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں اس میں جو سب سے زبردست زراعتی تغیر ہوا۔ وہ تغیر جنوب کی کپاس اُگانے کی حرفت میں رونما ہوا۔ سول جنگ نے غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔ اس کی وجہ سے کپاس کی حرفت کی تنظیم ازسرِنو لازم آئی۔ اس حادثہ عظیم کے دوران میں اور اس کے فوراً بعد جو کساد بازاری ظہور پذیر ہوئی۔ اس نے کپاس کی قیمتیں اعتدال سے زیادہ بڑھا دیں۔ جنگ کے

دنوں میں کپاس کا قحط انگلستان میں محسوس کیا گیا تھا۔ کیونکہ جنوبی بندرگاہیں بند ہوگئی تھیں۔ یہ قحط امن کے قیام کے بعد فوراً دور نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ غلاموں کی آزادی کی وجہ سے کپاس کی حرفت کا نظام تہ و بالا ہو گیا۔ کپاس ۱۸۶۵ء میں ۴۳ سینٹ فی پونڈ کے نرخ پر اور ۱۸۶۶ء میں ۳۰ سینٹ کے نرخ پر بکنے لگی۔ ان بھاری قیمتوں کو دیکھ کر جنوب کے کاشتکاروں میں سے اکثروں نے زیادہ وسیع پیمانے پر کپاس اُگانی شروع کی۔ اور اس کیلئے حبشی غلام اُجرت پر مقرر کئے اور روپیہ قرض لے لیکر کام شروع کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کپاس کا نرخ گھٹ گیا اور جن جن لوگوں نے کپاس اُگائی تھی اُن کے دیوالے نکلنے لگے۔ کپاس اُگانے کا یہ طریقہ بہت زیادہ مہنگا ثابت ہوا۔ اور آہستہ آہستہ اس کی جگہ ایک اور طریقہ رائج ہوا جو اب بھی کپاس کے علاقے کے بیشتر حصے میں کم از کم اس کے نصف مشرقی میں رائج ہے۔ وہ یہ کہ حبشی آسامی دار چھوٹے چھوٹے قطعات زمین ساجھے میں زمینداروں سے لیتے ہیں۔ اور اُن میں کپاس کی کاشت کرتے ہیں۔ یہ نیا طریقہ مفید ثابت ہوا اور کپاس کی پیداوار رفتہ رفتہ بڑھنی شروع ہوئی۔ یہاں تک ۱۸۷۹ء میں کپاس کی فصل ۱۸۶۰ء کی فصل سے بہت زیادہ تھی۔ اس قاعدے کے ماتحت حبشی مزارع کی حیثیت کچھ عجیب تھی۔ وہ یوں تو اسامی کہلاتا تھا۔ تاہم دراصل ہوتا تھا۔ وہ ایک اُجرتی مزدور جس کو بجائے اُجرت کے فصل میں سے حصہ دیا جاتا تھا۔ یوں کہئے کہ اس کی حیثیت ایک مزدور سے زیادہ نہ تھی۔ زمیندار خود بیج۔ کھیتی باڑی کے اوزار۔ خچر اور خچروں کا دانہ بھوسہ مہیا کرتا تھا۔ اور کبھی کبھی اسامی کو غلے کی روٹی اور سور کا گوشت پیشگی دیتا تھا۔ بہر حال ہوتے ہوتے پہلے سے بہتر مزارعوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی۔ اُن لوگوں نے ذرا زیادہ آزادی حاصل کر لی اور اپنی خچریں اور اپنے اوزار استعمال کرنے لگے۔ بالفاظ دیگر صحیح معنوں میں اسامی دار بن گئے۔

زراعتی اعتبار (agricultural credit) کپاس کے پیدا کرنے کے طریقے میں جو تبدیلی ہوئی۔ اس کے بعد بہت سے تغیرات معاشیاتی اور مالیاتی صورت حالات میں نمودار ہوئے۔ زمیندارہ قرضہ کے ایک نہایت بُرے طریقہ نے رواج پایا۔

اور اس کی ترویج میں مقامی سوداگروں کا بہت دخل تھا۔ یہ لوگ کیا کرتے تھے کہ کاشتکاروں کو رسد پیشگی دینے کا ٹھیکہ لیتے تھے۔ اور کپاس کی فصل سے اپنا معاوضہ وصول کرتے تھے ضمانت کے طور پر وہ فصل کو اپنے پاس رہن رکھ لیتے تھے۔ اس طرح کاشتکار گویا ان ساہوکاراں کے قبضہ اختیار میں ہوتا تھا۔ وہ مجبور ہوتا تھا کہ جس ذخیرہ دار یا بنئے کے پاس اس کی فصل گروی رکھی ہے۔ اس سے اپنی ضروریات کی چیزیں لے۔ اس وجہ سے ذخیرہ دار عموماً اپنی مرضی سے جس قسم کی اور جس قدر کپاس کی فصل چاہتا کاشتکار سے کاشت کراتا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایک ہی جنس بونے کے طریقے کی جتنی خرابیاں تھیں وہ سب پیدا ہو گئیں اور کاشتکار کی تمام قوتیں اور کوششیں لے دے کر ایک کپاس پر ہونے لگیں۔ باقی اجناس کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا کاشتکار اگر اپنے گذارے کیلئے مکئی اور سور کا گوشت پیدا کرتا تو نفع میں رہتا۔ لیکن ذخیرہ دار اس کو اس امر کی اجازت کب دیتا تھا۔ وہ تو یہ چاہتا تھا کہ کاشتکار اس کا محتاج رہے۔ مکئی اور سور کا گوشت یہ وہ چیزیں تھیں کہ جو سب سے زیادہ مقدار میں کاشتکار کے ہاتھ بیچی جاتیں۔ اگر غلہ اُگایا جاتا تو اس سے نہ صرف یہ ہوتا کہ سوداگر کے ہاتھ ایسی چیز لگتی جو منڈی میں کم قیمت پاتی۔ بلکہ اس سے یہ بھی ہوتا۔ کہ اس کے گاہک ہاتھ سے نکل جاتے۔ کیونکہ جب کاشتکار اپنی رسد آپ پیدا کر لیتا تو وہ قرض لیکر اپنا کاروبار چلانے کیلئے مجبور نہ ہوتا۔

(د) ازسرِ نو تنظیم کا دَور

۱۸۸۸ء کے قریب تغیرات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ جس نے ریاستہائے متحدہ کے زراعتی معاملات پر نہایت گہرا اثر کیا گو یہ سچ ہے۔ کہ اس کے نتائج دس سال بعد ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ ۱۸۸۸ء کو ہم ایک نئے دَور کا آغاز اس لئے کہتے ہیں۔ کہ جو تبدیلیاں اس سنہ میں شروع ہوئیں وہ ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس سے پہلے سال میں کانگریس نے وہ قانون پاس کیا جو ہیچ ایکٹ Hatch Act یا . . . . "تجربہ گاہوں کے متعلق قانون" (Experiment station Act) کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۸۸۸ء میں اس قانون کی تحریک سے زراعت کی تعلیم ایک نئے انتظام اور عمدہ تر طریقے سے شروع ہوئی۔ یہ ایک ایسے دَور کا آغاز تھا جس میں تجرباتی سائنس کے بنیادی اصولوں کو زراعت پر ایسے جامع و مکمل طریقہ سے منظم اور مرتب کیا گیا کہ ایسا پہلے کبھی نہ کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے تجرباتی مقامات ہوتے تھے۔ نہ صرف یورپی ممالک میں بلکہ امریکہ کی بعض مشرقی ریاستوں میں بھی۔ لیکن اس نئے قانون کی رو سے اُن کا انتظام زیادہ وسیع پیمانے پر اور ان کا کام زیادہ مؤثر طریقے پر ہونے لگا۔ ۱۸۸۸ء سے پیشتر ملک بھر میں بیس تجربہ گاہیں تھیں۔ لیکن اکیلے اس سال میں ۲۶ نئی تجربہ گاہوں کا افتتاح ہوا۔ امریکی زراعت کا دورِ ابتدائی قریب الاختتام تھا۔ کیونکہ اب بلامعاوضہ عطیات دینے کیلئے اراضی عامہ بہت کم رہ گئی تھی۔ یعنی اب اتنی زمینیں نہ تھیں کہ آباد ہونے والوں کو دی جائیں اور بغیر کسی اصل یا محنت کے صرف کئے ان کی زراعت کرے۔ اُس وقت کے بعد سے اراضی عامہ کے جتنے نئے قطعات آباد ہوئے ہیں۔ اُن میں آبپاشی کی ضرورت رہی ہے۔ جس زمین میں آبپاشی کی جاتی ہو۔ اُس میں اُس طرح کی آبادی نہیں ہوسکتی۔ جیسی کہ امریکہ کی نوآبادیوں کے اوائل سے اب تک ہوتی آئی تھی۔ بلکہ اس سے بہت مختلف آبادی وہاں ہوسکتی ہے۔ اراضی عامہ کے بلامعاوضہ قطعات جو دیئے جاتے تھے اُن کے ختم ہو جانے کا اثر نہ صرف اس ملک کی بلکہ باہر کے ملکوں کی زراعتی

منڈیوں پر بھی ہونا شروع ہوا۔ جو زمینیں مشرق بعیدہ میں واقع تھیں۔ اُن کو اب سرحد کے نو آباد علاقوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اور مشرق کے کاشتکار اب مجبور نہ تھے کہ اپنی پیداوار کو اُن داموں پر فروخت کریں جو سرحد کے کاشتکار دینے پر رضامند ہوں۔ سرحد کے کاشتکاروں کو فصل اُگانے کی ترغیب ہوئی نہ صرف اس لئے کہ اُن کو بڑی بڑی قیمتیں ملتی تھیں۔ بلکہ اس لئے کہ ان کو اپنی زمین کی قیمت بڑھ جانے کی اُمید تھی۔ ان حالات میں زراعتی زمینوں کی قیمت ملک کے اُن حصوں میں جو پہلے آباد ہوئے تھے بڑھنا شروع ہوئی۔ اور ہمارے ملک کے لوگوں نے محسوس کرنا شروع کیا کہ ہماری بڑھتی ہوئی آبادی کو زراعتی پیداوار کی جو روز بروز زیادہ ضرورت ہوتی جاتی تھی۔ وہ صرف اس طرح پوری نہ ہو سکتی تھی۔ کہ ابتدائی دَور کے مزرعہ کے رقبہ کو مغرب کی جانب بڑھا دیا جائے۔ اگر اس ضرورت کو پورا کرنا مقصود تھا تو اس کی یہی صورت تھی۔ کہ جن زمینوں میں پہلے کاشت ہو رہی تھی۔ اُن کے حاصل فی ایکڑ کی مقدار بڑھائی جائے۔ لیکن یہ ایک ایسا کام ہے جو اس وقت بن آسکتا ہے۔ کہ تمام زراعتی پیداوار کی قیمتیں یکساں بڑھ جائیں۔ ہم دیکھینگے کہ اس وقت کے بعد سائنٹفک اصولوں کے مطابق عمیق کاشت کرنے سے اتنا حاصل ہوگا جتنا پیشتر کبھی نہ ہوا تھا۔

جب تک منہ مانگی زمینیں مفت مل سکتی تھیں۔ سائنٹفک طریقے سے زراعت کرنے والوں کے بہت کم موقعہ تھا۔ وجہ یہ ہے کہ ابتدائی دَور کے کاشتکار کیلئے میدان وسیع تھا۔ اس کو ضرورت ہی کس بات کی تھی؟ بس گھوڑوں کی ایک جوڑی کی۔ چند اوزاروں کی۔ اور تھوڑی بہت زراعتی اُمور میں شُدھ بُدھ کھنے کی۔ تاکہ فصل کامیابی سے پیدا کر سکے۔ لیکن اب ایک ایسا زمانہ آتا ہے۔ کہ سائنٹفک طریقے سے کاشت کرنے والوں کو اس قسم کے لوگوں سے مقابلہ نہیں کرنا پڑیگا۔ اور اس کو بجا طور پر امید ہوگی کہ اپنی علمی برتری یا بعد بہترین طریق زراعت کی بدولت وہ دوسروں سے زیادہ نفع اُٹھائیگا۔ یہ امر امریکی زراعت کے مستقبل کے لئے اور تمام باتوں سے زیادہ معنی رکھتا ہے۔ ان حالات میں تجرباتی مزرعوں کو بڑی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اُنہیں کے ذریعے سے سائنٹفک معلومات کی اشاعت ان لوگوں میں ہوتی ہے جو اس سے استفادہ کرتے اور اس کو دلیل ہدایت بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تجرباتی

مقامات کی یہ ترقی جوان دنوں ظہور میں آئی ہے۔ اس وقت سے پچاس سال پیشتر اس کا بہت امکان تھا۔ کیونکہ سائنٹفک معلومات کے ابتدائی دور کی زراعت سے مقابلے میں عہدہ برآ ہونے کا موقعہ نہ تھا۔ یہ دو امور یعنی اوّل تجربہ گاہوں کا بننا اور دوسرے سائنٹفک معلومات سے فائدہ اُٹھانے کے مواقع کا وجود میں آنا ایسے امور ہیں کہ یہ زراعت کی از سر نو تنظیم کرینگے۔ اور ایک جدید طریق زراعت کے موجد ہونگے۔

کاشتِ وسیع[۵۲] کو ترک کر کے کاشت عمیق[۵۱] کا شروع کرنا جہاں زمین سستی ہو اور مزدوروں کی اُجرت زیادہ۔ وہاں اس قسم کی کاشت جس کا کچھ فائدہ نہ ہو اور جو وسیع طریقے پر کی جائے قدرتی امر ہے اور اس کے برخلاف وعظ و تلقین کرنا لاحاصل ہے۔ کاشتِ وسیع گو زمین کیلئے باعثِ زیاں ہوتی ہے۔ تاہم ضروری نہیں کہ وہ محنت کیلئے بھی باعث نقصان ہو بلکہ وہ اکثر ضائع ہونے کی بجائے کفائت کا باعث ہوتی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جو چیز سستی ہو۔ ہم اس کو بے دریغ ضائع کرتے ہیں اور جو چیز مہنگی ہو۔ اس کو سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں اور احتیاط سے خرچ کرتے ہیں۔ جو جو دور اس سے پیشتر ہمارے ملک میں گذرے اور جن سے ہم اوپر بحث کر چکے ہیں اُن میں ہمارے ملک کی حالت کا یہ تقاضا تھا کہ زمین بے دریغی سے ضائع کی جائے اور محنت و مشقت کفایت سے صرف کی جائے۔ محنت و مشقت کا یہ کفائت شعارانہ استعمال زراعتی مشینری کی اس ترقی سے ظاہر ہے جو اس دور میں ہوئی اور جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی۔ لیکن قاعدہ ہے کہ جوں جوں زمین مزدوروں کے مقابلے میں مہنگی ہوتی جائے جو کہ ایک امر لابدی ہے۔ تو لازمی طور پر عمیق طریق کاشت کی طرف لوگوں کا رجحان و میلان زیادہ ہوگا۔ یعنی ایک ایسے طریق زراعت کی طرف جس کے ذریعے فی ایکڑ پیداوار زیادہ ہو جائے۔

حاشیاتی قوانین کے ماتحت یہ ایک ایسا ہی ناگزیر امر ہے۔ جیسا کہ پانی کا ڈھلوان کی طرف بہنا۔

اراضی عامہ کے بڑے بڑے قطعات اب تک بڑے خالی پڑے ہیں۔ اور ان میں زیادہ تر غالباً ہمیشہ خالی ہی رہیں گے۔ تاہم اس میں سے بہت سا رقبہ ایسا ہے کہ جس کی اصلاح آبپاشی سے کی جا سکتی ہے۔ ہماری زراعتی تاریخ کے گذشتہ ادوار میں آبپاشی کے بعض

Intensive forming ۵۱ Extensive forming ۵۲

طریقے رائج تھے۔ لیکن جس دَور کا ہم اس وقت مطالعہ کر رہے ہیں۔ یہ اس کی خصوصیت ہے کہ عوام کی توجہ آبپاشی کے مسئلہ کی طرف ہوئی ہے۔ اور اس مسئلہ کو بڑے پیمانے پر حل کرنے کا خیال پیدا ہوا ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ اسی دَور میں ہوا ہے۔ کہ امریکہ کے عام باشندوں نے اس مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ کیا ہے۔ مغرب میں ایک ایسی مملکت بننا یقینی ہے جس کے چپے چپے میں آبپاشی ہوگی۔ اس مملکت کی تعمیر کے لئے ایسے سیاست دانوں کی ضرورت ہوگی جو بالغ نظر اور صاحب ہمت ہوں۔ گندے پانی کے نکاس کے مسئلہ کی طرف بھی توجہ عامہ اُنہی دنوں میں ہوئی ہے۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ ریاستہائے متحدہ میں ایسے دلدلی علاقے ہیں جو خشک ہو کر زراعت کرنے کے قابل ہیں۔ اور جو ۱۰،۰۰۰،۰۰ کی آبادی کیلئے قوتِ لایموت مہیا کر سکتے ہیں۔ اس حساب سے کہ پانچ پانچ آدمیوں کے خاندان کیلئے چالیس چالیس ایکڑ زمین مقرر کی جائے۔

مویشیوں کی نسل بڑھانا: خشک خطے کی حدود کے اندر اور اس کی سرحدوں تک مزروعہ علاقہ کا پھیل جانا اور اس خطے کے اندر آبپاشی کے انتظامات کا ہو جانا۔ یہ ایسے واقعات ہیں کہ مویشیوں کے کاروبار کو از سر نو تنظیم کرنے پر مجبور کر رہے ہیں مویشی پالنے کے کاروبار کو بڑی حد تک زوال آگیا ہے۔ لیکن اس کی تلافی بھیڑیں پالنے کے کاروبار کی ترقی نے کر دی ہے۔ مغرب کی بعض خشک چراگاہیں بہ نسبت مویشیوں کے بھیڑوں کی پرورش کیلئے زیادہ موافق ہیں۔ اسلئے انتخاب فطری کے قانون کے ماتحت میدانی علاقے کے بعض حصوں میں گائیں جن کو وہاں کی آب و ہوا کم راس ہے آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی ہیں اور ان کی جگہ بھیڑیں پھل پھول رہی ہیں۔ اس لئے گمانِ غالب ہے۔ کہ میدانی علاقے کے مویشی تعداد میں گھٹ جائیں گے اور اس حصۂ ملک کو دساور کے گوشت کا محتاج ہونا پڑے گا یا اپنے مزرعوں میں بھیڑیں پال کر ان کا گوشت کھانا پڑے گا۔ تاہم یہ قرین قیاس نہیں کہ مویشیوں کے پالنے کا کاروبار معدوم ہو جائے۔ گو یہ یقینی ہے۔ کہ اب اس کو وہ اہمیت کبھی حاصل نہ ہوگی جو ۱۸۷۰ء سے لے کر ۱۸۸۰ء تک اسے حاصل رہ چکی ہے۔

اپلیچیا (Appalachia) کی سطح مرتفع میں مویشیوں کے ازسرنو پیدا ہونیکا امکان ہے۔ لیکن اگر ایسا ہوا تو اس سے ذرا کم پھیلنے پر ہوگا۔ جتنا کہ مغربی میدانوں میں ہوا۔ اس خطے میں جو مین (Maine) سے لیکر جارجیا (Georgia) تک پھیلا ہوا ہے بعض بعض زمینیں ایسی ناہموار حالت میں ہیں۔ کہ دریائے مسسی پی کی وادی کی ہموار اور زرخیز زمینوں سے فصل اگانے میں مقابلہ کرسکیں۔ تاہم اس پہاڑی علاقے میں اعلیٰ درجے کی چراگاہیں ہیں اور پانی کی بھی کوئی قلت نہیں۔

میدانی علاقے کا زوال ممکن ہے۔ اس ملک میں مویشیوں کی تعداد پیدائش میں کمی کردے۔ لیکن ضروری نہیں کہ ایسا ہو۔ ہاں اگر گائے کے گوشت کی قیمت نہ بڑھی اور پچھلی صدی کی اوسط قیمت سے زیادہ نہ رہی۔ تو ضرور ایسا ہوگا۔ اس غرض کیلئے کہ میدانی مویشیوں کی تعداد میں جو کمی ہو اس کی کسر نکل سکے۔ ضروری ہے کہ مزرعہ کے مویشیوں کی تعداد میں اس کے پہلو بہ پہلو اضافہ ہو۔ لیکن ایسا اضافہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ گائے کے گوشت کی قیمت اتنی زیادہ نہ ہو جائے۔ کہ مزرعہ کے مقابلے میں میدان کے مویشیوں کے پرورش کرنے کے جو اخراجات ہوتے ہیں اُن کی تلافی ہوسکے۔ جوں جوں ہماری آبادی بڑھیگی اور اس کے پہلو بہ پہلو گائے کے گوشت کی مانگ زیادہ ہوگی۔ تو مانگ سے رسد کی مقدار میں اضافہ اُس صورت میں ہوگا کہ مستقل طور پر زیادہ قیمتیں دی جائیں۔ تاہم یہ بعید نہیں کہ ہمارا ملک خاصکر ساحل بحر کے متصل شہر۔ آخرالامر گائے کے گوشت کیلئے غیر ممالک کے زیادہ محتاج ہو جائینگے۔ کیونکہ غیر ممالک میں زمین اب بھی زیادہ سستی ہے اور اس قدر کثرت سے ہے کہ اس کو چراگاہوں کی صورت میں استعمال کرنا عبث نہیں۔ گائے کا گوشت پیدا کرنے کیلئے فی مقدار غذائیت بہ نسبت تمام دوسری اشیاء کے زمین کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ گو میدان کے حالات کے ماتحت محنت و مشقت کی اس میں بہت کفایت ہوتی ہے۔ ہماری آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ خوراک کا مطالبہ جوں جوں بڑھتا جائیگا۔ یہ رجحان زیادہ عام ہوتا جائیگا۔ کہ جہاں جہاں ممکن ہو۔ زمین کو ایسی اجناس کی فصل پیدا کرنے کیلئے صرف کیا جائے۔ جو کسی خاص مقدار کے لیئے

کم سے کم رقبۂ زمین چاہتے ہوں۔ نیز یہ میلان بھی زیادہ ہوتا جائے گا کہ غیر ممالک سے گائے کا گوشت اور اس قسم کی دیگر اشیائے خوردنی حاصل کی جائیں جہاں زمین بکثرت ہے اور محنت و مشقّت کی اُجرت کم ہے۔ یہ امر کہ مویشیوں کے چرانے کے رقبہ کے ڈانڈے ہمیشہ مزروعہ زمین کی سرحدوں سے رہتے ہیں یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کی فرضی حدود سے متجاوز بھی ہو سکتا ہے۔ جنہیں حُدودِ قومی کہا جاتا ہے۔

گیہوں کے علاقے کا انتقال } گیہوں کے مقابلے میں بھی ایک اس قسم کی تحریک برروئے کار ہے۔ گیہوں گائے کے گوشت کی طرح ایک سرحدی پیداوار ہے۔ یعنی مزروعہ علاقے کے باہر کی حدوں کے قریب قریب ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ ایک ایسی جنس ہے۔ جو اُن علاقوں میں جو منڈیوں سے بہت فاصلے پر واقع ہوں اور جہاں زمین کی بہتات ہو پیدا ہو سکتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ گیہوں گائے کے گوشت کی طرح نقل و حمل کی قابلیت رکھتا ہے۔ اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جن علاقوں میں محنت و مشقّت کے مقابلے میں سستی زمینوں کی کثرت ہو وہاں یہ بکفایت پیدا ہو سکتا ہے۔ جب کبھی ہماری زراعتی تاریخ میں مزدوروں کی افراط اور زمین کی اُنکے مقابلے میں قلّت ہوئی ہے۔ تو ہمیشہ یہ رجحان عام ہو رہا ہے کہ گیہوں اور گائے کے گوشت کی پیداوار کم ہو گئی ہے اور ان کی بجائے وہ اشیا جو کم زمین اور زیادہ محنت سے بکفایت پیدا ہو سکتی ہوں۔ زیادہ مقدار میں پیدا کی جانے لگی ہیں۔ اس وجہ سے ہمارے ملک میں گیہوں گائے کے گوشت کی طرح سرحدوں سے ملے ہوئے علاقوں میں زیادہ پیدا ہوتا رہا ہے۔ اور اگر ہمارے گیہوں کی پیداوار کا مرکز ہماری حدود قومی سے باہر نکل کر مزروعہ علاقوں کی پھیلتی ہوئی سرحدوں کے برابر چلا جائے۔ یعنی ہمارا ملک یا اُس کے خاص علاقے گیہوں کے مرکز نہ رہیں۔ تو ہمیں تعجّب یا اندیشہ نہ کرنا چاہیئے۔ یہ زراعت میں باعث زوال نہ ہوگا۔ بلکہ ترقی کے راستے پر ایک قدم آگے ہوگا۔

بہر حال یہ قرین قیاس نہیں کہ ہمارے ملک میں گیہوں یا گائے کے گوشت کی جو مجموعی مقدار پیدا ہوتی ہے وہ کم ہو جائے۔ گو یہ امر مشتبہ ہے۔ کہ اس کی مقدار ہماری

آبادی کی ترقی کے ہمدوش رہ سکیگی۔ یعنی جتنی آبادی بڑھے اُتنی ہی گیہوں اور گائے کے گوشت کی مقدار بڑھے۔ یہ ناممکن ہے۔ باری باری اجناس کے اُگانے کا جو طریقہ کبھی رائج رہ چکا ہے۔ اُس کے مطابق یہ بآسانی کہا جا سکتا ہے۔ کہ کبھی گیہوں اُگایا جائے اور کبھی باری باری دوسری اجناس جن کی فصل اس سے زیادہ کثرت سے ہوتی ہے۔ مثلاً انگلستان کے بعض حصوں میں راقم الحروف کو کاشتکاروں نے بتایا ہے کہ گیہوں کے اُگانے کی اُنکی بساط نہ تھی اگر وہ یہ نہ کرتے کہ دوسری چیزیں بھی باری باری اُگاتے اور دوسرے اگر اُن کو اپنے مویشیوں کے نیچے بچھانے کیلئے گھاس پھوس کی ضرورت نہ ہوتی۔ اگر یہ اس بات کی کافی توجیہہ ہے کہ انگلستان جیسے قدیم اور گنجان آبادی والے ملک میں گیہوں کی کاشت اب تک ہوتی ہے تو ہم بالیقین یہ پیشگوئی کر سکتے ہیں۔ کہ ہمارے ملک میں بھی بڑی مدت تک گیہوں کی کاشت کسی نہ کسی حد تک ضرور ہوتی رہیگی۔ اسی طرح گائے کا گوشت بھی پیدا کیا جائیگا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ دودھ مکھن کی حرفت کا یہ ایک لازمہ ہے۔ دوسرے اس غرض کیلئے کہ وہ زمین اور چراگاہیں جو ہل چلانے کیلئے موزوں نہیں ہیں۔ بیکار نہ جائیں۔ تیسرے اسلئے کہ ایسی سیر حاصل چیزیں جیسا کہ الفالفا (alfalfa) زیادہ مقدار میں بوئی جانے لگیں گی۔ اور چوتھے اس وجہ سے کہ باری باری اجناس اُگانے کے طریقے کے مطابق مزروعہ زمین کو کچھ عرصے کے لئے بے کاشت رہنے دینا ضروری ہے۔ اور اس صورت میں اس کا استعمال بطور ایک چراگاہ کے ہو سکتا ہے۔ اون اور بھیڑ کے گوشت پر بھی یہی اصول منطبق ہوتے ہیں۔ اور اُن کے متعلق بھی یہی پیشینگوئی کی جا سکتی ہے۔

جب گیہوں۔ گائے کے گوشت۔ اون۔ بھیڑ کا گوشت اور قسم کی اور وسیع کاشت کی اجناس کی اہمیت کم ہو جائیگی۔ تو اس کے پہلو بہ پہلو ہماری اُن دو اجناس کی اہمیت میں ترقی ہوگی۔ جو کاشتِ عمیق کیلئے زیادہ موزوں و مناسب ہیں۔ یعنی مکئی اور کپاس اس سے بھی زیادہ ترقی کی امید پھلوں اور ترکاریوں کے بارے میں ہے۔ کیونکہ وہ اور بھی زیادہ عمیق کاشت کے متقاضی ہیں۔

اسامی داری کا آغاز} قبضۂ زمین کا مخصوص امریکی دستور ہمیشہ سے جاری رہا ہے۔

قدیم کپاس اُگانے والی ریاستوں کے سوا اور تمام علاقوں میں جتنے آدمی کاشت کا کام کرتے ہیں۔ اُن میں سے زیادہ تر خود اپنی زمینوں کے مالک تھے۔ یہ دو اسباب کا قدرتی نتیجہ تھا یعنی زمین کا سستا ہونا اور مزدوروں کا مہنگے داموں پر میسر آنا۔ جب تک حکومت کی طرف سے زمین مل سکتی تھی۔ تو ہر شخص مزروعہ کے مزدور کی حیثیت سے ترقی کر کے مزرعہ کا مالک بن سکتا تھا۔ ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ وہ مغرب کی طرف چلا جائے اور اپنا حق جتا کر حکومت سے مطالبہ کرے۔ پرانی ریاستوں میں بھی جہاں کے حکومت کی طرف سے زمینیں نہ مل سکتی تھیں۔ ایک مزرعہ کے مزدور کیلئے مزرعہ کا مالک بن جانا کوئی امر محال نہ تھا۔ پرانی دنیا میں جو اُجرتیں مقرر تھیں۔ اُن کے مقابلے میں اس کی اُجرت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ اس لئے وہ اپنی آمدنی میں سے بآسانی کچھ پس انداز کر سکتا تھا۔ زمین کا لگان بھی کم تھا اور قیمت بھی کم۔ اس لئے جس شخص نے چند سو ڈالر پس انداز کر لئے ہوں۔ اُس کیلئے یہ آسان بات تھی کہ مستقل طور پر کاشتکار بن جائے۔ پہلے تو زمین لگان پر لے اور بعدہٗ خرید کرلے۔ تاہم ایک تبدیلی کے آثار ان دنوں ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور مزرعہ کے مالکوں کے مقابلے میں اُن لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ جو زمین پر لگان لیتے ہیں۔ یہ ایک قدرتی نتیجہ ہے زمین کی قیمتوں کے بڑھ جانے کا۔ قیمتیں زمین کی یوں بڑھیں کہ ادھر تو اراضیٔ عامہ ختم ہو گئی۔ اور ادھر آبادی کی ریل پیل ہو گئی۔ جوں جوں زمین کا نرخ بڑھتا جائیگا تو اُس شخص کیلئے جس کے پاس پہلے ہی کچھ اصل موجود نہ ہو زمیندار بننا اور زیادہ مشکل ہوتا جائے گا۔ یہ ایک ایسی صورت حالات ہے۔ جو خطرے سے بھرپور ہے۔ اس طرح ممکن ہے۔ کہ ہماری دیہاتی آبادی دو فریق میں منقسم ہو جائے۔ یعنی اوّل فریق زمیندار۔ دوسرے وہ جن کے پاس کوئی زمین نہ ہو۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے۔ کہ جب کبھی ایسی تفریق ہوئی ہے۔ مناقشت و مخاصمت ضرور پیدا ہوئی ہے بعید نہیں کہ اگر مہاجرت کی لہر پھر اُٹھی اور اس نے بجائے شہروں کے دیہات کا رُخ کیا تو وہ اس خرابی کو اور بھی زیادہ کر دے۔ وہ یوں کہ دیہات میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو جائیگی۔ جو زمین سے محروم ہو گی۔ مزدوروں کی تعداد میں جو اضافہ ہو گا۔ تو اُجرت کم ہو جائیگی۔ اور اسلئے جس شخص کے پاس زمین نہ ہو گی۔ اُس کیلئے زمین کا مالک بننا اور

بھی مشکل ہو جائے گا۔

زراعتی تعلیم:- جس زمانے میں تجربہ گاہیں تعمیر ہو رہی تھیں اور زراعتی تجربات کی سرگرمی تھی۔ اُن دنوں میں زراعتی تعلیم کی قدر شناسی بھی پہلے سے زیادہ کی گئی۔ کسی ظریف کا مقولہ ہے۔ کہ "زراعت ان دنوں ایک پیشہ کرنے کا کام بن کر رہ گئی ہے"۔ یہ ایک مبالغہ ہے۔ لیکن یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہیں کہ زراعت ایک علمی پیشہ بنتی جا رہی ہے۔ جو شخص سائنٹفک طریقے پر کاشت کرنا چاہے۔ اُس کیلئے ضروری ہے۔ کہ اس کی تعلیم اتنی ہی وسیع اور جامع ہو۔ جتنی کہ انجینئر اور ڈاکٹر کی ہوتی ہے۔ اور غالباً قانون دان اور واعظ سے تو کہیں زیادہ اس کی تعلیم باقاعدہ ہونی چاہیئے۔ علاوہ بریں جب سے مشینوں کا استعمال عام ہو گیا ہے۔ کاشتکار اور اس کے خاندان والے اُس محنتِ شاقہ سے اور ریاضتِ شدیدہ بہت حد تک آزاد ہو گئے ہیں۔ جو اُنہیں ابھی کل کی بات ہے کرنی پڑتی تھی۔ شیر خانہ کے مصنوعات جس وقت سے بجائے مزرعہ کے بالائی اور پنیر کے کارخانوں میں بننے لگی ہیں۔ اس وقت سے کاشتکار کے اُمور خانگی میں ایک انقلاب ہو گیا ہے۔ اس کا گھر بار کا کام کاج اب اتنا آسان اور تھوڑا ہو گیا ہے۔ کہ سوائے اس بات کے کہ وہ سوسائٹی سے بالکل علیحدہ رہتا ہے۔ اور کوئی بات اُسے اس امر کیلئے روک نہیں۔ کہ شہر کے کاروباری اور ملازمت پیشہ لوگوں کی سی مہذب اور شائستہ زندگی بسر کرے۔ جدید زمانے میں کاشتکار کی زندگی کی تنہائی اور علیحدگی کا علاج بہت سے اسباب کے ذریعے سے ہو رہا ہے۔ جن میں سب سے بڑا سبب یہ ہے۔ دیہات میں ٹیلیفون کا بن جانا۔ ڈاک کا دیہات میں بلا دقت پہنچ جانا۔ سڑکوں کی مرمت۔ اور بعض خوشحال کاشتکاروں کے پاس موٹروں کا ہونا۔ یہ چیزیں بھی دیہات میں اجتماعی زندگی کا معیار بلند کر رہی ہیں۔ "لوہا لوہے کو چمکاتا ہے"۔ اس طرح آدمی اپنے ساتھی کی شکل و صورت کو چمکاتا ہے" یہ اگلے وقتوں کے کسی دانشمند کا قول ہے۔ اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ انسانوں کا باہمی میل جول اُن کے قوائے دماغی کیلئے ایک محرک ہوتا ہے۔ جب کاشتکار کی زندگی کی علیحدگی اور تنہائی کا علاج ہو گیا۔ اور دیہات میں اجتماعی تعلقات اور رسم و راہ کے موافق شہر کے برابر پیدا ہو گئے تو ہم بجا طور پر امید کر سکیں گے کہ دیہات میں تہذیب و شائستگی کا ایک بنا دور آغاز

ہونے والا ہے۔ جس دن یہ ہوگیا۔ زمینداروں کی جماعت کی روز افزوں دولت اُس ظاہری تکلف ونمائش میں ضائع ہونے سے بچ جائیگی۔ جو شہروں میں عام ہے۔ اگر یہ عمل اصولِ کفایت کے منافی ہے۔ کہ اچھی مکئی اور اچھی گھاس گھٹیا میل کے مویشیوں کو کھلائی جائے۔ تو یہ امر اُس سے بھی زیادہ خلافِ کفایت ہے۔ کہ اچھی روٹی ادنیٰ درجہ کے آدمیوں کو کھلائی جائے۔ یعنی ایسے آدمیوں کو جو تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔ اور اپنی خواہشاتِ حیوانی کی تسکین سے بالاتر اُن کا کوئی مقصد نہیں ؛

تیسرا باب

زراعتی پیدائش کے عاملین

ا۔ زمین زراعتی پیدائش کے ایک عامل کی حیثیت سے

زراعت کا دار و مدار رقبۂ زمین پر کس حد تک ہے؟ زراعت کے متعلق ایک نہایت اہم امر جو اسے دوسری تمام صنعتوں اور حرفتوں سے ممتاز کرتا ہے یہ ہے۔ کہ اس کا دار و مدار بڑی حد تک زمین پر ہے۔ زمین سے ہماری مراد مٹی کی کیمیائی زرخیزی نہیں بلکہ اس سے ہماری مراد زمین کی سطح کی کیفیت بھی ہے۔ نیز اس کی مکانیت یعنی یہ کہ آیا پودوں کیلئے اتنی وسعت ہے۔ کہ وہ اپنی جڑیں پھیلا کر رطوبت حاصل کر سکیں۔ اور اپنے پتوں کو دھوپ اور ہوا تک پہنچا سکیں۔ زراعت کیلئے سطح زمین کی جو کیفیت درکار ہوتی ہے۔ اس میں وہ تمام دوسری صنعتوں اور حرفتوں سے ممتاز ہے۔ یعنی وہ اپنی پیداوار کی مقدار کے تناسب سے دوسری حرفتوں کے مقابلے میں زیادہ سطح زمین کی خواہشمند ہے واقعہ یہ ہے کہ یہ اکیلی صنعت ہے۔ جس میں خالی سطح ہی اکثر پیداوار کا ایک نہایت زبردست مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ اور جس میں ہر قوم یہ محسوس کرتی ہے۔ کہ اس کی حدودِ ملکی کے اندر اس کیلئے کافی جگہ نہیں۔ صنعت و حرفت کے اور کسی شعبے میں ایسا نہیں ہوتا۔

اگرچہ مٹی کو مصنوعی طریقے سے تیار کیا جا سکتا ہے۔ اور بنجر زمین کو سیر حاصل بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن سطح زمین کی وسعت نہیں بڑھائی جا سکتی۔ صرف اتنا کیا جا سکتا ہے کہ پانی کے کنارے کنارے زمین کے چھوٹے چھوٹے قطعات پانی خشک کر کے بڑھا دیئے جائیں۔ کوئی صنعت و حرفت یا تجارت کا کاروبار ہو تو اس کیلئے صرف اتنی جگہ کی ضرورت

ہوتی ہے۔ کہ آدمیوں اور کلوں کے کھڑا ہونے کیلئے اور اس کے سامان و آلات کا ذخیرہ رکھنے کیلئے کافی ہو سکے۔ مزید بریں ایسے کاروبار میں سطح زمین کی بچت یوں بھی ہو سکتی ہے۔ کہ عمارتیں اوپر ہی اوپر دور تک چلی جائیں اور نیچے زیادہ نہ پھیلیں۔ اور اس طرح جتنے رقبے میں عمارت کھڑی ہو۔ اُسی کو منزل در منزل بڑھایا جائے۔ کھیتی باڑی کے کام میں ان باتوں کی بھی ضرورت ہے۔ یعنی یہ کہ آدمیوں اور مشینوں کے لئے جگہ ہو۔ لیکن سب سے بڑی ضرورت یہ ہوتی ہے کہ پودوں کے اُگنے اور پھلنے پھولنے کے لئے کافی جگہ ہو اور اس مقصد کے لئے اگر ہم منزل کے اوپر منزل بنانے جائیں تو بالکل بیکار ہے۔ زمین کی کفایت اس میں ہو ہی نہیں سکتی۔ کان کیلئے بھی صرف اتنی سطح زمین درکار ہوتی ہے کہ نیچے جو معدنی خزانہ محفوظ ہے اُس تک پہنچنے کیلئے رستہ بن سکے۔ اور کان کی معدنیات کی قیمت ان کی گہرائی اور اُن کے جوہر ذاتی پر منحصر ہوتی ہے۔ نہ کہ باہر کے رقبے پر۔ لیکن زراعت کا معاملہ جدا ہے۔ کسی رقبۂ زمین کی مٹی چاہے کتنی ہی گہری کیوں نہ ہو۔ اور نباتی غذا کا ذخیرہ جو اس زمین میں محفوظ ہے۔ وہ چاہے کتنا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو۔ تاہم جو اجناس اس رقبۂ زمین میں اُگ سکتی ہیں۔ اُن کی تعداد محدود ہے۔ اس بنا پر اس رقبے کی پیداوار کی مقدار یکسر اُسکی نباتی غذا کی گہرائی اور عمدگی پر ہی منحصر نہیں۔ بلکہ رقبہ کی وسعت پر بھی منحصر ہے۔ یعنی اس کا دار و مدار جہاں اس بات پر ہے کہ اس میں پودوں کیلئے کیسی نباتی غذا کیسی ہے۔ اور کس مقدار میں ہے۔ وہاں اس بات پر بھی ہے۔ کہ اس کی وسعت کتنی فصل کے اُگنے کیلئے کافی ہے۔ ایک زمین جو نہایت گہری ہو اور بے حد زرخیز ہو۔ وہ فی ایکڑ ایک محدود مقدار گیہوں کی فصل کی پیدا کرے گی۔ مثلاً سو بُشل۔ لیکن ایک معدنی گنجینہ جو بیحد گہرا اور وافر ہو۔ اس میں فی ایکڑ دھات کی اتنی مقدار نکلے گی۔ جس کا کوئی حد و حساب نہیں اور جس کو محدود کرنے والی اور کوئی چیز نہ ہوگی۔ سوائے اس بات کے کہ کتنی مشینوں اور آدمیوں کے کام کرنے کیلئے جگہ موجود ہے۔ زمین کی زراعت میں چاہے کتنی ہی مہارت سے کام کیوں نہ لیا جائے تاہم اس بات کیلئے کہ کسی جدید قوم کی روٹی کیلئے کافی گیہوں مہیا ہونے کے بہت وسیع رقبہ زمین کی ضرورت ہوگی۔ زراعت کی اور اجناس پر بھی یہی قول صادق آتا ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ ہر زراعتی قوم کیلئے رقبۂ زمین کا سوال اسقدر پُر معنی اور اہم سوال ہے ۔

قانون تقلیل حاصل (The law of diminishing returns) اگر یہ فرض کر لیا جائے ۔ کہ ایک ایکڑ زمین سے سو بُشل گیہوں پیدا کیا جانا ممکن ہے ۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ۔ کہ ایسا کرنے کی کوشش کفایت شعاری اور اصول معاشیات پر مبنی ہوگی ۔ یہ بات ہرگز کفایت پر مبنی نہ ہوگی ۔ وجہ یہ ہے ۔ کہ زمین کے تیار کرنے ۔ بیج کے انتخاب کرنے اور پودوں کو غذا دینے میں اس قدر محنت و مشقت خرچ ہوگی ۔ کہ یقیناً وقت اور طاقت کا بہت نقصان ہوگا ۔ اور یہ نقصان اس قدر زیادہ ہوگا ۔ کہ زمین کی جو بچت ہوگی ۔ اُسکی ساری کسر اُدھر نکل جائیگی ۔ ایک ایکڑ کی بجائے دو ایکڑ زمین میں سو بُشل گیہوں پیدا کرنے کیلئے بہت کم محنت درکار ہوگی ۔ اور دو کی بجائے تین ایکڑ زمین میں اس سے بھی کم اور تین کی بجائے چار میں غالباً اور بھی کم ۔ جب یہ حالی ہوگا تو ہر کاشتکار اسی بات میں فائدہ دیکھیگا ۔ کہ کاشت زیادہ رقبہ زمین میں کرے ۔ بجائے اس کے کہ ایک ہی ایکڑ میں جسقدر پیداوار ممکن ہے کرے ۔ جب ہر کاشتکار فرداً فرداً اس طریق کار میں فائدہ دیکھیگا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ زراعتی قوم من حیث المجموع جوں جوں آبادی میں ترقی کرتی جائیگی ۔ پہلے سے زیادہ رقبے پر پھیلتی جائیگی ۔ جب تک کہ زمین ختم نہ ہو جائے ۔ یہ صرف ضرورت کی مجبوری سے یا زمین کی قلت کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ کہ کوئی زراعتی جماعت زمین کے بارے میں کفایت شعاری سے کام لینے لگتی ہے اور وہ یوں کہ وہ اس میں کاشت عمیق کرتی ہے ۔ یعنی ہر ایکڑ پر زیادہ محنت صرف کرتی ہے تاکہ اس میں زیادہ پیداوار ہو ۔ جب یہ مجبوری ہو جائے تو کسی قوم کیلئے یہ بات بڑی مشکل ہو جاتی ہے ۔ کہ اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کو دوسرے ملکوں میں جہاں زمین کافی موجود ہو ۔ ترک وطن کرکے چلے جانے سے روکے ۔ زراعت اور شہری صنعتوں کے درمیان جو فرق زمین کے بارے میں ہے ۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۰۰۰۰۰ بُشل گیہوں پیدا کرنے کیلئے ۲۰۰۰۰ سے لیکر ۱۰۰۰۰۰ ایکڑ زمین کی ضرورت ہوتی ہے ۔ لیکن اس کو آٹے کی صورت میں تبدیل کرنے کے لئے صرف ایک ایکڑ کافی ہے ۔ اور روٹی کی صورت میں تبدیل کرنے کیلئے تھوڑے سے ایکڑ بہت ہیں ۔ کسی شہری صنعت کیلئے زمین تو بیشک ضروری ہوتی ہے ۔ لیکن اسقدر

کم کہ ہم اسے ایک ادنیٰ سمجھ کر نظر انداز کر سکتے ہیں۔ ایک شہری کاروبار میں اصل ضرورت اس بات کی ہوتی ہے۔ کہ منڈیوں اور بازاروں تک رسائی ہو سکے۔ اور عوام سے میل جول رکھنے کے مواقع ملتے رہیں۔ خالی سطح زمین کی ضرورت اتنی زیادہ نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ شہر میں بعض بعض محلِ وقوع کی قیمت اس قدر زیادہ ہوتی ہے۔ کہ سن کر تعجب ہوتا ہے۔

زراعتی حکمت عملی کا مقابلہ صنعتی اور تجارتی حکمت عملی سے زراعت اور شہری صنعتوں میں یہ جو خاص فرق ہے یہی قومی حکمت عملی کے بڑے بڑے اختلافات اور امتیازات کی بنا ہے۔ قومی حکمت عملی ایک طرف تجارت اور حرفت کے حق میں ہو سکتی ہے۔ اور دوسری طرف زراعت کے حق میں۔ جب تک کسی ملک کی تمام سرزمین پر کارخانے۔ مال گودام اور عمارتیں نہ بن جائیں۔ اس وقت تک مصنوعات کی اس مقدار کی جو ایک ملک پیدا کر سکتا ہے۔ کوئی جغرافی حدود قائم نہیں کی جا سکتیں۔ اگر کسی ملک میں مواد خام موجود ہو تو اس بات میں مطلق شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ کہ جس جس چیز کی اس ملک کو ضرورت ہے وہ خود بنا سکتا ہے۔ چاہے اسکی آبادی کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اگر ایک شخص کیلئے مصنوعات مہیا کرنے ہوں۔ تو وہی شخص ان مصنوعات کے تیار کرنے میں خود ہاتھ بٹا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کو موادِ خام ہاتھ لگ جائے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کو ملک میں کام کرنے کیلئے جگہ نہ ملے۔ اسی طرح کہنے کو تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ ایک شخص کیلئے کھانے کو گوشت اور روٹی مہیا کرنی مقصود ہو تو وہی شخص مویشی اور گیہوں پیدا کرنے کے کام میں ہاتھ بٹا سکتا ہے۔ لیکن بات یہ ہے۔ کہ اس کام کیلئے جگہ کی سطح کی وسیع رقبہ کی ضرورت ہے۔ اگر ملک کی آبادی بہت زیادہ ہو جائے تو ممکن ہے کہ اُتنی جگہ اس شخص کو نہ مل سکے۔ کہ وہ مویشی اور گیہوں پیدا کرنے کا کام کرے۔ خام پیداوار کے سوال کو تو بالائے طاق رکھئے۔ پھر دیکھئے کہ زیادہ سے زیادہ آبادی جو تصور میں آ سکتی ہے۔ وہ اپنے لئے تو آپ کپڑا تیار کر سکتی ہے لیکن کافی اُون اور کپاس کا پیدا کرنا ایک محدود اور مختصر آبادی ہی کی صورت میں ممکن ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں۔ کہ صنعت و حرفت کیلئے زمین زیادہ درکار نہیں ہوتی۔ اور زراعت کیلئے بہت زمین درکار ہوتی ہے۔ صنعت و حرفت کو زیادہ ضرورت کام کرنے

والوں کی ہوتی ہے۔ اور زراعت کو زیادہ ضرورت رقبۂ زمین کی ہوتی ہے۔
صنعت و حرفت کا دار و مدار بازاروں پر کس حد تک ہے؟ شہری صنعت و حرفت میں اشیا کی جو غیر محدود و غیر معیّن مقدار پیدا کرنے کا امکان ہوتا ہے۔ اس نے تجارت اور صنعت کے موافق حکمتِ عملی کو جدید زمانے کے اربابِ حکومت کیلئے بہت مرغوب بنا دیا ہے۔ اگر موادِ خام دستیاب ہو سکے۔ اور اگر غیر ممالک میں ایسے بازار مل جائیں۔ جہاں مصنوعات کو بازار میں فروخت کیا جا سکتا ہے۔ تو زیادہ سے زیادہ آبادی جو تصور میں آسکتی ہے۔ اس کیلئے بھی صنعت و حرفت کے ذریعے روزی مہیا کی جا سکتی ہے۔ اور جو دولت پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس کا کوئی حدو حساب ہی نہیں۔ ایک قوم صرف اپنے استعمال ہی کیلئے مصنوعات تیار نہیں کر سکتی۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ مقدار میں جسکی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔ شرط یہ ہے کہ وہ موادِ خام خریدنے کی استطاعت رکھتی ہو۔ اور اپنے تیار شدہ مصنوعات کو بیچ سکتی ہو۔ بالفاظ دیگر یوں کہیئے کہ کسی صنعتی ملک کی آبادی اور دولت کی کوئی حدود جو معیّن کی جا سکتی ہیں۔ وہ اس لحاظ سے کی جا سکتی ہیں۔ کہ اس کو موادِ خام کی رسد کہاں تک دستیاب ہو سکتی ہے اور اس کے مصنوعات کیلئے باہر کی منڈیاں کہاں تک میسّر آسکتی ہیں۔ اسلئے جب کوئی ملک قابلِ زراعت زمین کی ذرہ برابر قلت محسوس کرنے لگے۔ جب وہ یہ دیکھے کہ اُسکی آبادی اور دولت اُس حد کے قریب پہنچ گئی۔ جس کے آگے نکلنا محال ہے۔ تو قدرتی طور پر اس کی توجہ زراعت سے ہٹ کر صنعت و حرفت کی طرف مبذول ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس کو بازار ہاتھ لگ جائیں۔ بازاروں کی ضرورت دو اعتبار سے ہے۔ اوّل اسلئے کہ وہاں سے موادِ خام دستیاب ہو سکے۔ دوسرے اسلئے کہ تیار شدہ مصنوعات وہاں فروخت ہو سکیں۔ ورنہ اس ملک میں دیسی موادِ خام پیدا کرنے کی جہاں تک صلاحیت ہے۔ اس صلاحیت کی حدود کے اندر اس کی ترقی مقید ہو کر رہ جائیگی۔ تجارتی رقبے کی یہ وسعت بالکل ایسی ہے۔ جیسے زراعت کیلئے نئی زمین حاصل کی جائے۔ یہ اس اعتبار سے کہ اس سے آبادی بغیر قلتِ زمین کو محسوس کئے پھیل سکتی ہے۔ بازاروں کی تعداد میں اس طرح ترقی ہو جائے تو ایک صنعتی آبادی بغیر اپنی پیداوار میں کمی کئے بالغیر اس بات کو محسوس کئے کسی مفرتہ

مقدار پیداوار کیلئے محنت کی زیادہ ضرورت ہے۔ اپنی تعداد میں ترقی کر سکتی ہے۔ اس بنا پر ایک بڑھتی ہوئی صنعتی و حرفتی آبادی کیلئے بازاروں کا مسئلہ غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ ایک بڑھتی ہوئی زراعتی آبادی کیلئے زمین کا مسئلہ؛

ایک خالص تجارتی اور صنعتی و حرفتی حکمت عملی اگر نوع انسانی کے ایک مختصر سے حصے میں کچھ وقت کیلئے رائج ہو تو نفع بخش ہو سکتی ہے۔ تاہم بالآخر نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر بہت سی قومیں یا نوع انسانی کا بڑا حصہ اس پر عمل کرے تو یقیناً نقصانِ عظیم کا باعث ہوتی ہے۔ اگر ایک قوم اپنی زمین اپنی کانوں۔ اپنے سمندر وغیرہ کی پیداوار کو اپنا ذریعہ معاش نہ بنائے بلکہ اپنی اشیائے مصنوعی کو دوسرے ملکوں میں فروخت کر کے کسبِ معاش کرے تو چنداں مقامِ خطر نہیں۔ لیکن اگر تمام کی تمام قومیں یا متعدد قومیں اس طرح گذارہ کرنے لگیں۔ تو بالکل ویسی حالت ہو جائیگی۔ جیسی ایک خاص جزیرہ کے باشندوں کی حالت بیان کی جاتی ہے۔ سنا ہے کہ اس جزیرہ میں لوگ روزی اس طرح کماتے ہیں۔ کہ ایک دوسرے کے کپڑے دھوتے ہیں۔ دنیا کی مجموعی خوشحالی اساسی طور پر اس کی اوّلی اور اخراجی صنعتوں پر منحصر ہے۔ اور ہمیشہ رہیگی؛

اگر ہم معاشیاتِ قومی کے مسئلہ سے صرفِ نظر کر کے معاشیاتِ شہری کے بعض چھوٹے چھوٹے مسائل پر توجہ مبذول کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ایک شہر کے تنگ اور محدود رقبہ میں زمین کا مسئلہ شہر کی پیداوار کی قابلیت بلکہ مصنوعات تیار کرنے کی قابلیت پر بھی قیود عاید کر دیتا ہے۔ اگر آبادی مضافاتِ شہر میں نئے نئے رقبوں میں پھیل جائے۔ تو زمین کی قلت محسوس نہ ہوگی۔ لیکن جو شخص شہر کی چار دیواری کے اندر رہتے ہیں۔ ان کو اپنے جلسوں اور ہم صحبتوں میں عزت اور امتیاز حاصل کرنے کی خواہش بعض اوقات مجبور کر دیتی ہے کہ شہر کے اندر رہ کر کاروبار چلائیں اور دولت کمائیں۔ اور وہ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ملک کی دولت بحیثیت مجموعی بڑھیگی یا نہیں۔ ایسی حالت میں ان کو یہ محسوس کرنا پڑتا ہے کہ شہر کی حدود کے اندر زمین کی جو قلت ہے۔ وہ اُن کی ترقی کیلئے سنگ راہ ہے۔ بہر حال قومی نقطۂ نگاہ سے یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ تفصیلی بحث کا مستحق ہو؛

زراعت جبکہ ایک مستقل بالذات کاروبار کی حیثیت سے ترقی کر کے تجارتی کاروبار کے درجے کو پہنچتی ہے۔ یعنی اُس درجے سے کہ جس میں کاشتکار اور اس کے خاندان کی خورد ونوش کی تمام چیزیں کھیتوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ ترقی کر کے اس درجے تک پہنچتی ہے۔ جس میں کھیتوں کی پیداوار میں سے بہت سی اشیاء بیچ دیجاتی ہیں۔ اور زیادہ اشیائے خوردنی خرید کر استعمال میں لائی جاتی ہیں۔ جب زراعت یہ ترقی کر لیتی ہے۔ تو زراعتی پیداوار کے لیئے بازاروں کا ہونا ایک ایسے مسئلہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جس کی اہمیت روزافزوں ہوتی ہے۔ تاہم یہ مسئلہ وہ اہمیت کبھی حاصل نہیں کرتا۔ جو اسے صنعتی و حرفتی جماعتوں کے نزدیک حاصل ہے۔ نہ اس کو کبھی وہ حیثیت نصیب ہوتی ہے جو ایک بڑھتی ہوئی زراعتی آبادی کے نزدیک زمین کے مسئلہ کو حاصل ہوتی ہے ع

زراعت کا دارومدار زمین پر کس حد تک ہے؟ زراعتی پیداوار کے لئے چاہے کتنے وسیع بازار ہوں۔ اور زراعت کا کام کرنے والوں کی تعداد چاہے کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ تاہم جو مقدار ایک رقبۂ معلومہ میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کی ایک حد مقرر ہے۔ جب مزرعے ایک دوسرے سے متصل ہو جائیں۔ اور ملک بھر میں تمام کار آمد زمین زراعت کیلئے استعمال میں آچکی ہو تو بڑھتی ہوئی آبادی کی خوراک مہیا کرنے کیلئے جس مجموعی پیداوار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی مقدار کو بڑھانے کا ایک ہی ممکن طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ جو زمینیں سب سے اچھی ہوں۔ اُن میں کاشت عمیق کی جائے۔ یا ادنیٰ زمینوں میں بھی کاشت شروع کی جائے ان دونوں باتوں کے معنی ہیں فی کس کم پیداوار یا پیداوار کی ایک مقدار وا حد پر زیادہ محنت اور اصل کا خرچ۔ اس لئے ان سے بچنے کیلئے لوگ ہمیشہ محنت اور استقلال سے نئی زمین حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ جیسے کہ دستکار ہمیشہ نئے بازار ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ اگر ایک صنعتی و حرفتی جماعت کو کافی بازار میسر نہ آئیں۔ تو اس صورت حالات کو زائد از طلب پیداوار کہتے ہیں۔ اور یہ حالت ایسی جماعت کیلئے بالکل ایسی ہے۔ جیسے قحط یا طلب سے کم پیداوار ایک خالص زراعتی قوم کیلئے۔ صنعت و حرفت کے کام پر چونکہ خشک یا مرطوب موسم یے وقت کی کہروں۔ یا آب وہوا کی دوسری مخالف کیفیات کا کوئی اثر براہ راست نہیں

پڑتا۔ اس لئے ایک صنعتی و حرفتی جماعت کو یہ اندیشہ کبھی نہیں ہوتا۔ کہ اس کے مخصوص مصنوعات میں "طلب سے کم پیداوار" کی صورت رونما ہوگی۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ اگر اس کے موادِ خام میں پیداوار طلب سے کم ہو۔ تو اس کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ جیسی کہ امریکن خانہ جنگی کے ایام میں جو کپاس کا قحط پڑا اُس میں انگریزی کارخانوں کے ساتھ گذری۔ لیکن یہ صورت بازاروں کے کم ہو جانے کی صورت ہے۔ کیونکہ بازار ایک ایسی جگہ ہے۔ جہاں اشیاء خریدی بھی جاتی ہیں۔ اور بیچی بھی جاتی ہیں۔ اس طرح ایک صنعتی و حرفتی جماعت پر فصلوں کے خراب ہو جانے کا یا طلب سے کم پیداوار کی اور کسی صورت کا کہ جس سے اس کے گاہکوں کو نقصان ہو۔ اور وہ اس جماعت کی تیار کردہ مصنوعات کو خریدنے کے قابل نہ رہیں۔ مضر اثر پڑ سکتا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ بھی بازاروں کے حالات سے تعلق رکھتا ہے۔ کسی صورت سے بھی کیوں نہ ہو اگر طلب سے کم پیداوار" سے ایک صنعتی و حرفتی جماعت کو نقصان پہنچے تو ہمیشہ یہ ہوگا کہ اس میں قصور بازاروں کی حالت کا ہوگا۔ نہ کہ خود اس جماعت کی قابلیت پیدائش کا۔ یعنی اس کو موادِ خام کے خریدنے یا تیار شدہ مصنوعات کے بیچنے میں مشکل پیش آئیگی۔ یہ نہیں ہوگا کہ اس کی چیزیں بنانے کی قابلیت میں کوئی کمی واقع ہو جائے۔ وہ تو بدستور قائم رہیگی۔ چیزیں بنانے کی قابلیت کے فقدان کو یا اپنی مصنوعات میں طلب سے کم پیداوار کو کبھی اندیشہ کا مقام نہیں خیال کیا جاتا۔

طلب سے زاید پیداوار یعنی تیار شدہ مصنوعات کیلئے بازاروں کا میسر نہ آنا دراصل بڑھتی ہوئی صنعتی و حرفتی آبادی کیلئے اندیشہ کا مقام ہے۔ اگر لگاتار طلب سے زائد پیداوار ہوتی جائے۔ تو اس آبادی کو دو صورتوں میں سے ایک انتخاب کرنا پڑتی ہے۔ یا تو نئے بازار کہیں سے پیدا کرے۔ یا اپنی تعداد کو کسی طرح کم کرے۔ نئے بازار دانشمندانہ حکمت عملی سے عمدہ طریق اشتہار سے یا جنگ سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ جب کبھی پہلے وہ طریقے ناکارہ ثابت ہوئے ہیں۔ تو بہت کم قومیں تاریخ میں ایسی ہوئی ہیں۔ کہ اگر انہیں جنگ کے ذریعے نئے بازار ہاتھ آنے کی امید تھی تو اس میں اُنہوں نے تامل کیا ہو۔ اگر تینوں میں سے کوئی طریقہ بھی کامیاب نہ ہو تو پھر چار و ناچار یہ کرنا پڑتا ہے۔ کہ صنعتی

آبادی کو فاقوں سے یا ترکِ وطن کے ذریعے سے کم کیا جائے۔ یہ وہ حالات ہیں۔ جن میں تجارتی اور صنعتی اقوام کی تجارتی حکمت عملی کا راز مضمر ہے۔

ادھر تو زاید از طلب پیداوار کے یہ خطرے ہیں ادھر طلب سے کم تر پیداوار سے ایک بڑھتی ہوئی زراعتی آبادی کو نقصان کا بہت احتمال ہوتا ہے۔ اگر آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ زراعت کے فنون ترقی نہ کریں تو کسی ملک میں جس نسبت سے زراعتی آبادی بڑھتی جائیگی۔ اسی نسبت سے فی کس پیداوار کم ہوتی جائیگی۔ بالآخر فی کس اتنی تھوڑی زمین رہ جائیگی۔ کہ ایک شخص کی مجموعی پیداوار گھٹ کر بالکل تھوڑی ہو جائیگی۔ خواہ وہ فی ایکڑ زیادہ پیداوار کیوں نہ کرنے لگے۔ اگر زمین کی قلت کی تلافی زراعتی ترقی سے نہ کی جائے۔ تو یہ بات ایک ایسی آبادی کیلئے یہ معنی رکھتی ہے کہ لگاتار طلب سے کم پیداوار ہوتی رہیگی۔ جس سے اُسے یا تو زیادہ زمین حاصل کرنے یا اپنی تعداد کو کم کرنے پر مجبور ہونا پڑیگا۔ مزید زمین حاصل کرنے کے لیے دانشمندانہ حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ جیسی کہ امریکہ کے وحشی باشندوں سے زمین خریدنے یا معاہدوں کے ذریعے حاصل کرنے میں دکھائی گئی یا اس بات کی ضرورت ہے کہ جنگ کے ذریعے بنا ملک فتح کیا جائے۔ کسی زراعتی آبادی کی تعداد میں کمی ہونے کے معنی ہیں۔ ترک وطن کرکے نئی سرزمینوں میں چلا جانا یا دیہات کو چھوڑ کر شہروں کا رُخ کرنا وہاں جا کر صنعت و حرفت۔ کانوں کا کام یا تجارت شروع کرنا۔ اب ان کاموں کے لئے بھی زیادہ وسیع بازاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ حاصل کلام ایک بڑھتی ہوئی زراعتی آبادی کو چار چیزوں میں سے ایک انتخاب کرنی پڑے گی۔ اور اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔

اوّل یہ کہ وہ علم زراعت کے نئے نئے انکشافات کے مطابق پیداوار کے طریقوں کی اصلاح کرے۔ دوسرے یہ کہ وہ صلح صفائی سے ہو یا لڑائی بھڑائی سے۔ بہرحال نئی زمین حاصل کرے۔ تیسرے یہ کہ وہ اپنی آبادی کی تعداد کو کم کرے۔ یہ یوں ہو سکتا ہے۔ کہ اس کا کچھ عنصر یا ترک وطن کرکے نئے ملکوں میں چلا جائے۔ یا صنعتی، حرفتی، معدنیاتی اور تجارتی مرکزوں کا رُخ کرے۔ چوتھا طریقہ یہ ہے۔ کہ وہ اپنے معیارِ زندگی کو پست کردے۔ کیونکہ جوں جوں آبادی کی تعداد بڑھیگی اوسط دولت فی کس کم ہوتی جائیگی۔ یہ ہیں وہ حالات جن میں صرف

زراعتی قوموں کی حکمت عملی کا بلکہ زراعتی آبادیوں کی نقل و حرکت کا راز مُضمر ہے۔

زمانۂ سابقہ میں جنگ اور تسخیر ممالک کا طریقہ انتخاب کیا جاتا تھا۔ لیکن اس مسئلے کا یہ حل تہذیب کے تمام جذبات و امیال و اغراض و مقاصد کے منافی ہے۔ اسلئے جدید زمانے میں دوسرے طریقوں کی طرف زیادہ رجحان ہوتا جا رہا ہے۔ تمام مہذب ممالک زراعتی پیداوار کے قاعدوں کی اصلاح کیلئے یا جو زمینیں ان کے حدودِ جغرافی کے اندر ہیں ان کو بہتر بنانے کیلئے روپیہ صرف کر رہے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی ملک اتنی سرعت سے ترقی نہیں کر سکتا کہ اگر زائد از طلب پیداوار یا بازاروں کے میسّر نہ آنے کا خطرہ پیدا ہو جائے تو اپنی زراعتی آبادی کو ترک وطن کر کے نئے ملکوں میں یا اپنے ملک کے شہروں میں جانے سے روک سکے۔

دیہاتی اور شہری انتقال سکونت کا باہمی فرق: معاشیات کی تاریخ میں ایک نمایاں امر یہ ہے۔ کہ دیہاتی اور شہری مہاجرت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ سرِدست اس بات کو بالائے طاق رکھئے۔ کہ ایک دیہاتی آبادی کس طرح شہری آبادی میں اور ایک شہری آبادی کس طرح دیہاتی آبادی میں تبدیل ہوتی ہے۔ اور اس بات کو دیکھئے کہ دیہاتی لوگ کس طرح دوسرے ملکوں کے دیہات میں اور شہری لوگ کس طرح دوسرے ملکوں کے شہروں میں ترک وطن کر کے چلے جاتے ہیں۔ ان دونوں کا فرق بآسانی واضح ہو جائیگا۔ دیہاتی مہاجرت ہمیشہ ایک گنجان آبادی کے علاقہ سے ایک کم آباد علاقے کی طرف ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے شہری مہاجرت تقریباً ہمیشہ ایک کم آباد علاقے سے ایک گنجان آبادی کے علاقوں کی طرف ہوتی ہے۔ یعنی چھوٹے شہروں سے بڑے شہروں میں۔ دونوں صورتوں میں مخالف رَویں مزید ہوتی ہیں۔ اور یہ امر ایک شہر کے رقبے کے اندر بخوبی دیکھنے میں آتا ہے۔ گو وہ شہر جو بہت گنجان اور آبادی سے پٹے ہوں اور زیادہ گنجان ہو جاتے ہیں۔ تاہم اسی کے ساتھ ساتھ مضافات کی جانب ایک رجعی حرکت بھی جاری رہتی ہے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر میں مہاجرت کی رَو جس طرح بہتی ہے۔ اس کی کیفیت بالکل واضح ہے۔ جتنا بڑا شہر ہوگا اتنی ہی سُرعت سے وہ بڑھیگا۔ بشرطیکہ کوئی اور بات اس امر میں مانع نہ ہو۔

دیہاتی مہاجرت اُن علاقوں کی طرف ہوتی ہے جہاں زمین بکثرت ہو۔ مہاجرت

کی ان دو اقسام کا باہمی فرق زیادہ تر اُن اسباب کے باہمی فرق پر مبنی ہے۔ جن پر ان دو مختلف جماعتوں یعنی دیہاتیوں اور شہریوں کی خوشحالی کا انحصار ہے۔ جیسا کہ ہم ابھی دیکھ چکے ہیں۔ زراعت کا دارومدار زمین پر اور شہری صنعتوں کا بازاروں پر ہے۔ اسلئے وہ دیہاتی لوگ جو زراعت پیشہ ہوں۔ ترک وطن کر کے عموماً اُن مقامات کی جانب جاتے ہیں جہاں زمین بکثرت ہو۔ برخلاف اس کے شہری لوگ ان مقامات کا رُخ کرتے ہیں۔ جہاں بڑی بڑی منڈیاں ہوں۔ زمین کی کثرت اور آبادی کا کم ہونا بالعموم ایک ہی معنے رکھتے ہیں۔ لیکن عجیب بات ہے اور اس بات کی توجیہ خاطرخواہ طور پر آج تک کوئی نہیں کر سکا۔ کہ کوئی شہر جتنا بڑا ہو اتنی ہی تجارتی لوگوں کو اس کی طرف زیادہ کشش ہوتی ہے۔ بہرحال یہ دونو قضیے تحدید و تعین کے محتاج ہیں۔ یہ دعویٰ کہ دیہاتی لوگ زیادہ آباد علاقوں سے کم آباد علاقوں کی طرف حرکت کرتے ہیں۔ اس حدبندی کا محتاج ہے۔ کہ بطور مقدمہ یہ فرض کر لیا جائے۔ کہ دونوں مقامات میں زمین ایک جیسی زرخیز ہے۔ آب و ہوا ایک جیسی خوشگوار ہے۔ اور حکومت ایک سی آزاد اور انصاف پسند ہے۔ اگر کم آباد علاقے میں زمین بنجر ہے۔ آب و ہوا ناخوشگوار ہے حکومت جابر اور ناانصاف ہے۔ تو اس علاقے کی طرف لوگوں کا رجحان بہت کم ہوگا۔ اور بعید نہیں کہ اُلٹا وہاں سے لوگ دوسری طرف کا رُخ کرنے لگیں۔ لیکن منطقہ معتدلہ کے اندر اندر اور ایسے علاقوں کے اندر جہاں کافی بارش ہوتی ہے۔ اور آبپاشی کیلئے کافی پانی موجود ہے اور جہاں زمین کا انتظام غیر متعصب اور ترقی پسند حکومتوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہاں بلاشک و شبہ دیہاتی لوگوں کی نقل و حرکت زیادہ آباد علاقوں سے کم آباد علاقوں کی طرف یا ایسے خطوں سے جہاں زمین کی قلت ہے۔ اُن خطوں کی طرف جہاں نسبتاً زمین کی کثرت ہے۔ ہمیشہ رہی ہے۔ اور اب بھی ہے۔ کسی خاص زراعتی جنس کا پیدا کرنے والا بازار کا اتنا ہی محتاج رہتا ہے۔ جتنا کہ صنعت پیشہ لوگ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی اس شعبہ زراعت میں کامیابی حاصل کرنا چاہے۔ تو اسکے لئے ضروری ہے۔ کہ وہاں قیام کرے جہاں منڈی ہو۔ اور سب سے اچھی منڈی وہیں ہوگی جہاں آبادی سب سے زیادہ گنجان ہوگی۔ اسلئے

وہ کم آباد علاقوں کو چھوڑ کر زیادہ آباد علاقوں میں یا اُن کے نزدیک رہے گا۔ یہ قول اس عام اصول سے منطبق ہے۔ کہ وہ لوگ جن کی کامیابی کا انحصار زمین پر ہے۔ اُن کا رجحان زیادہ تر اس طرف ہوتا ہے۔ کہ دور دور تک پھیل جائیں۔ اور وہ لوگ جن کی کامیابی کا انحصار منڈیوں پر ہوتا ہے۔ ان کا رجحان زیادہ تر اس طرف ہوتا ہے۔ کہ یکجا جمع ہوں۔ لیکن یہ صرف زراعت کی مخصوص پیداوار کی صورت میں ہوتا ہے۔ کہ کامیابی زیادہ تر منڈیوں پر موقوف ہو۔ بہرحال زراعت کی مخصوص اجناس کا اُگانا مجموعی زراعتی پیداوار کا ایک ادنیٰ جزو ہے۔ جو کسی شمار قطار میں نہیں۔ ورنہ ہم اُن اجناس کو مخصوص کے لقب سے ملقب ہی کیوں کرتے۔ ان مخصوص اشیاء کے پیدا کرنے والوں کا یہ جو میلان ہوتا ہے کہ ایک جگہ جمع ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو اس سے بازاری اجناس کے پیدا کرنے والوں کا اس رجحان عام کی کہ وہ انتشار اور عدم مرکز کو پسند کرتے ہیں تلافی نہیں ہوتی۔ انتشار کے رجحان کا پلڑا اجتماع کے رجحان سے بھاری ہی رہتا ہے۔

شہری مہاجرت بڑی منڈیوں کی طرف ہوتی ہے یہ دعویٰ کہ شہری آبادیوں کی نقل و حرکت کم آباد علاقوں سے زیادہ آباد علاقوں کی طرف ہوتی ہے۔ بہت سے پہلوؤں سے حد بندی کا محتاج ہے۔ اوّل جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اصل میں رجحان یہ ہے کہ ان مقامات کا رخ کیا جائے۔ جہاں منڈیاں زیادہ سُرعت سے ترقی کر رہی ہوں۔ جہاں کہیں ایسا ہو کہ منڈیاں بڑے شہروں اور قصبوں کی بجائے چھوٹے شہروں میں زیادہ ترقی کر رہی ہوں۔ وہاں چھوٹے شہروں کی طرف نقل و حرکت ہوگی۔ لیکن اختصار کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ رجحانِ عام اس کے برخلاف ہے۔ کوئی شہر جتنا بڑا ہوگا۔ اُتنی ہی سُرعت سے اس کا تجارتی رقبہ پھیلے گا۔ عوام کی زبان میں یوں کہیئے۔ کہ "بڑا شہر تجارت کو اپنی طرف کھینچ کر لاتا ہے" "تجارت تجارت کو کھینچتی ہے"۔ یہ اسی حقیقت کو بیان کرنے کا ایک اور طریقہ ہے۔ جب کوئی شہر اس بات میں نام پیدا کر لے۔ کہ وہاں ایک خاص چیز ہمیشہ بڑی مقدار میں مل سکتی ہے۔ تو اس چیز کے گاہک قدرتی طور پر اس شہر کا رُخ کرتے ہیں۔ جب کوئی شخص جو صنعت و حرفت کا کام کرتا ہے۔ یا

کام شروع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اپنا کارخانہ بنانے کیلئے مناسب جگہ تلاش کر رہا ہو۔ تو قدرتی طور پر اس کا خیال اسی طرف جاتا ہے۔ جہاں گاہک زیادہ جاتے ہیں۔ اس سے اور گاہک اس شہر کی طرف آتے ہیں۔ پھر ان کو دیکھ کر اور ارباب حرفت کا دھیان اُدھر جاتا ہے۔ اس طور پر ایک تجارتی یا صنعتی مرکز اس غذا سے جو اسے ملتی ہے۔ نشوونما پاتا ہے۔ پھر جوں جوں تجارت یا صنعت و حرفت کا ایک ایسا مرکز رقبہ میں ترقی کرتا ہے۔ اس کے اندر مرکزی مواقع و محلات کیلئے شدید مقابلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ان مرکزی شہروں میں اچھے موقع و مقام کیلئے اتنی اتنی بڑی قیمتیں ادا کی جاتی ہیں۔ کہ بہت سے لوگ اندرونی اور مرکزی مقام کے اخراجات سے ڈر کر مجبوراً کاروبار مرکز سے دور شروع کرتے ہیں۔ اس طرح ایک رجعی حرکت وجود میں آتی ہے۔ یعنی زیادہ آباد علاقوں کو چھوڑ کر مضافات کی طرف جانے کی ایک رَو پیدا ہوتی ہے۔ یہ مرکزی مقامات کی خاطر جو اسقدر شدید جدّ و جہد ہوتی ہے۔ (حالانکہ وہاں مصنوعات کے بنانے کیلئے کوئی زیادہ موافق حالات نہیں ہوتے۔ البتہ تیار شدہ مصنوعات کے فروخت کرنے اور موادِ خام کے پہنچنے میں سہولتیں ہوتی ہیں) اس سے ظاہر ہے کہ شہری صنعت و حرفت والے اور شہری لوگ منڈیوں کے مسئلے کو کس قدر اہم تصوّر کرتے ہیں۔ اور کس لئے وہ زیادہ آباد علاقوں میں مرکز بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ رجحان انتشار جس کا ہم عبارت بالا میں تذکرہ کر آئے ہیں۔ وہ بھی بعض اوقات اس قدر زبردست نہیں ہوتا کہ چھوٹے شہروں کے مقابلے میں بڑے شہروں کے میلانِ ترقی کا مقابلہ کر سکے ؛

بعض اوقات کسی شہر میں نمایاں قدرتی خوبیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً کانیں۔ پانی کی قوت۔ عمارت کا مصالحہ وغیرہ وغیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ شہر خاص اس موقع و مقام پر کیوں بنایا گیا۔ یہ فطری خوبیاں محدود بھی ہو سکتی ہیں۔ جب شہر ان حدِ ترقی تک پہنچ جائے۔ جو اسکی قدرتی طبعی خوبیاں اُس پر عاید کرتی ہیں۔ تو جو آبادی بڑھی ہو یا ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس کا رجحان یہ ہوتا ہے۔ کہ کسی نئی جگہ چلی جائے۔ جہاں اور فطری فوائد حاصل ہو سکیں۔ اس طور پر کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے شہر پرانے اور بڑے

شہروں کو نقصان پہنچا کر ترقی کرتے ہیں۔ ایسا خاصکر اس وقت ہوتا ہے۔ جب نئی کانیں کھودی جائیں۔ لیکن کبھی کبھی "قوت" کے کسی نئی منبع کے انکشاف کے بعد بھی ایسا ہوتا ہے۔ مثلاً جب پانی کی قوت دریافت کی گئی ہو۔ فقط یہی وہ صورتیں ہیں جن میں شہری آبادی کی نقل وحرکت نئی منڈیوں کی جستجو میں نہیں ہوتی۔ اس نقل وحرکت کا مبدا، چونکہ قدرتی وسائل کی جستجو ہوتا ہے۔ جسے ہم زمین کی تعریف میں شامل کر سکتے ہیں۔ اسلئے یہ نقل وحرکت دیہاتی آبادیوں کی نقل وحرکت کے مشابہ ہے۔ جس کا مبداء و محرک زمین کی تلاش ہوتا ہے۔ لیکن اس قسم کے شہر مستثنیات میں سے ہیں۔ اور شہری ترقی کے رجحان عام کی نمائندگی نہیں کرتے۔ سب سے نمایاں اور عمدہ مثالیں اس کلیہ کی چوب بری اور کان کنی میں مل سکتی ہیں؛

دیہاتی صنعتوں کو چھوڑ کر شہری صنعتوں کا اختیار کرنا مہذب دنیا کی تاریخ میں اول تو ایسا کبھی ہوا نہیں۔ اور اگر ہوا ہے۔ تو شاذ و نادر ہی ہوا ہوگا۔ کہ آبادی کی نقل وحرکت کسی طویل مدت کیلئے یا عام طور پر شہری علاقے سے دیہاتی علاقے کی طرف ہوئی ہو۔ اس قسم کی عارضی نقل وحرکت بیشک کبھی کبھی ہوئی ہے۔ لیکن جب کبھی بھی ہوئی ہے تو مندرجہ ذیل امور کا نتیجہ تھی۔ نوآبادیاں قائم کرنے کا طریق عمل۔ جس مراد یہ امر ہے کہ ایک شہر اپنی فاضل آبادی کو کم کرنے کیلئے نوآبادیاں قائم کرنے والوں کی ایک جماعت کو کوئی نیا علاقہ جو خرید کے ذریعے یا معاہدہ کے ذریعے یا تسخیر کے ذریعے حاصل ہوا ہے۔ آباد کرنے کیلئے بھیجدے۔ دوسرے یہ امر کہ نئے زراعتی ذرائع مہیا ہو جائیں۔ جس سے لوگوں کو شہر چھوڑ کر دیہات جانے کی ترغیب ہو۔ تیسرے یہ امر کہ کوئی تجارتی حادثہ رونما ہو۔ جس سے کسی شہر کی تجارت تباہ ہو جائے۔ اس کی روزی کا وسیلہ جاتا رہے۔ اور اسکے باشندوں کو زندگی کے ضروری سامان کیلئے شہر چھوڑ کر نکل جانا پڑے؛

نوآبادیاں قائم کرنے کا تعلق عظمتِ قومی سے معاشیات کے دلچسپ مسائل میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔ کہ کسی قوم کے ترک وطن کے ذریعہ سے یا نوآبادیوں کی وجہ سے منتشر ہو جانے کا تعلق اس قوم کی عظمت و سطوت سے کہاں تک ہے۔ ہر

بڑی قوم کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے ۔ کہ وہ ایک . . . . . . نو آبادیاں قائم کرنے والی قوم تھی ۔ لیکن نو آبادیاں قائم کرنا عظمتِ قومی کا سبب نہیں ۔ بلکہ اس کا ایک نتیجہ ہے ۔ بڑی قوم وہی ہے ۔ جس کے افراد قوی اور قابل ہوں ۔ ایسے لوگ نو آبادیاں قائم کرنے میں بڑے کامیاب ثابت ہوتے ہیں ۔ محض اس وجہ سے کہ جب وہ ترکِ وطن کرکے باہر چلے جاتے ہیں ۔ اور نئی قوموں سے اُن کا مقابلہ آ پڑتا ہے ۔ تو ان نئی قوموں سے وہ فنونِ پیدائش میں بازی لے جا سکتے ہیں ۔ ان میں چونکہ زیادہ جسمانی طاقت اور قوت ہوتی ہے ۔ عمدہ تر ذہنیت ہوتی ہے ۔ اور قوائے فطرت کے متعلق بہتر علم اور ان پر زیادہ قابو ہوتا ہے ۔ اور خاص کر چونکہ ان کے اخلاقی اوصاف ایسے ہوتے ہیں ۔ کہ جو زیادہ پیدا آور ہیں ۔ اور جن کی بدولت وہ متحدہ طور پر بہترین طریق پر کام کر سکتے ہیں ۔ ایک دوسرے کے متعلق بدظنی و بدگمانی کرکے اپنی قوتوں کو ضائع نہیں کرتے عدل و انصاف کا ایک لطیف احساس رکھتے ہیں ۔ اور سوسائٹی کے مفاد و مصالح کو کمزور اور ناقابل افراد کے مفاد و مصالح پر قربان کرنے کی مضرت کو سمجھتے ہیں ۔ اس لئے یہ لوگ باہر ملکوں پر بلا روک ٹوک چھا جاتے ہیں ۔ اور ان کو تسخیر کر لیتے ہیں ۔ اور اس امر کے لئے ضروری نہیں کہ وہ تباہ کن ذرائع ہی اختیار کریں ۔ بلکہ زیادہ تر ان کے غلبہ کا باعث یہ ہوتا ہے ۔ کہ انہیں فنونِ پیدائش میں غلبہ حاصل ہوتا ہے ۔ برخلاف اس کے ایک کمزور قوم کا جب غیر قوموں سے واسطہ پڑ جائے ۔ تو اس کو بہت کم کامیابی ہوتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے افراد اپنے وطن ہی میں گھسے رہتے ہیں ۔ کیونکہ وہاں اُنکے سیاسی اور قانونی ادارات (جیسے ۔ دفتر) غیر قوموں کے مقابلے میں ان کی رعایت اور حمایت کرتے ہیں ۔ اس طرح آبادی کے ایک ہی جگہ اکٹھا ہوتے رہنے سے بہت سی معاشرتی اور سیاسی مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں ۔ فاضل آبادی بجائے اس کے کہ گھر سے باہر نکلے اور روئے ارض کے اُن خطوں کو آباد کرے ۔ جہاں زمین بکثرت ہے ۔ اور ترقی کے مواقع با فراط ہیں ۔ آبادی کے مرکزوں میں جمع ہوئی رہتی ہے ۔ اور جو دولت قوم یا ملک نے جمع کی ہے ۔ اُس میں سے حصہ پانے کے لئے

شور ہنگامہ برپا کرتی رہتی ہے۔ جب عوام الناس یہ رویہ اختیار کرلیں تو سمجھ لیجئے کہ قوم کی تباہی کے دن آگئے۔ مصنوعی استہلاک سے اور الوالعزمی کی تلقین سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ جب قوم کی ہمت ہی مرچکی۔ حوصلے ہی پست ہو چکے اور جو خوبیاں تھیں مٹ چکیں تو پھر وعظ و تلقین سے کیا ہوتا ہے؟

(۲) زمین کے بکفایت استعمال کے طریقے

مسئلے کی اہمیت: اگر کوئی ایسا ملک ہو جو تہذیب میں اس درجہ ترقی کر چکا ہو۔ کہ تسخیر جنگی سے نئی زمینیں حاصل کرنا اسے گوارا نہ ہو۔ اس کے سوا کوئی دوسری صورت بھی نہ ہو۔ کہ وہ نئی زمینیں حاصل کر سکے تو اس ملک کیلئے سب سے اہم سوال یہ ہوتا ہے۔ کہ جو زمینیں اُس کے پاس پہلے موجود ہوں۔ اُن کو کس طرح بکفایت استعمال کرے۔ غیر ملکی منڈیوں کی تعداد محدود ہوتی ہے۔ اور پھر اس بات کا بھی یقین نہیں ہوتا کہ آج کوئی منڈی اپنے ہاتھ میں ہے تو کل بھی رہیگی۔ اسلئے کسی ملک کے حق میں یہ بڑی مُضر بات ہے۔ کہ وہ اپنے ذرائعِ مادّی کی طرف سے غافل ہو جائے۔ اور بڑھتی ہوئی آبادی کو روزی پہنچانے کیلئے غیر ملکی منڈیوں کا محتاج ہو جائے۔ اور یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ منڈیوں کو اپنے قبضۂ اختیار میں لانے کیلئے اقوام کے درمیان ہمیشہ سخت مقابلے رہتے ہیں۔ اس مقابلہ میں وہی قومیں کامیاب ہونگی۔ جنہوں نے اپنے ملک کے قدرتی ذرائع کو کفایت سے برتا ہو اور اپنی بنیادی اور قدرتی حرفتوں کو درجۂ کمال تک پہنچایا ہو۔ اس کو غیر ملکی تجارت کے برخلاف یا قومی تفریق و علیحدگی کے حق میں کوئی دلیل نہ خیال کرنا چاہیئے۔ دو صورتیں ایسی ہیں۔ کہ ایک قوم کچھ مدت کیلئے غیر ملکی تجارت سے پنپ سکے۔ پہلی صورت تو یہ ہے۔ کہ قوم دساور سے اپنا مواد خام خریدے۔ اس کو تیار شدہ مصنوعات کی صورت میں منتقل کرے۔ پھر اس کو غیر ملکی منڈیوں میں لیجا کر فروخت کرے۔ اور اس کاروبار کے منافع پر گذارہ کرے۔ جیسا کہ صفحاتِ بالا میں توضیح کی گئی ہے۔ یہ ایک نہایت مرغوب طریقہ ہے اور جہاں کہیں ممکن ہو۔ یا جہاں کہیں غیر ملکی منڈیاں بڑی تعداد میں میسر آسکیں۔ یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ وجہ یہ کہ ایسے ملک کی دولت کی کوئی حد نہیں۔ نہ اس آبادی کی کوئی حد ہے۔ جس کیلئے وہ روزی مہیا کر سکتا ہے۔ ایک ایسی قوم جس کی آبادی بر سر ترقی ہو اور جو اس بڑھتی ہوئی آبادی کو فقط صنعت و حرفت اور بین الاقوامی تجارت سے

روزی بہم پہنچانے کی کوشش کرے۔ اور اپنے قدرتی ذرائع کی طرف سے غافل ہو جائے۔ وہ بہت جلد یہ محسوس کریگی۔ کہ اُس کے معاملات ایسی صورت اختیار کر رہے ہیں۔ لیکن یہ ایک بڑی مضر ثابت ہوگی۔ اوّل تو اس قوم کو ہمیشہ خوف رہیگا۔ کہ مبادا جنگ اور دوسری سیاسی بدنظمیاں اُس کے موادِ خام کی رسد کی درآمد کا ذریعہ مسدود کر دیں۔ یا اس کے تیار شدہ مصنوعات کی برآمد کا راستہ بند کر دیں۔ لیکن اس سے قطع نظر بھی کر لیں تو پھر "محصول آبجری" کا قانون اور "گھاٹ بندی" اور دوسرے ناموافق قوانین اس کے سدِّراہ ہو سکتے ہیں۔ پھر یہ ایک ایسی صورتِ حالات ہے۔ کہ بہت سی قومیں ملکر اس پر قائم نہیں رہ سکتیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہو جائے۔ تو بڑی بڑی غیر ملکی منڈیاں کہاں رہینگی۔ اور تو اور ایک اکیلا ملک بھی اس صورتِ حالات میں صرف اس وقت تک خوشحال رہ سکتا ہے۔ کہ جب تک ایسی غیر قومیں موجود ہوں۔ جنہوں نے فی الحال اتنی ترقی نہ کی ہو۔ کہ اپنے استعمال کیلئے مصنوعات خود تیار کر سکیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی خاص موافق حالات اس کے مساعد ہوں۔ مثلاً قوتِ آبی یا کوئلے کی کانیں جن سے وہ اپنی مقابل قوموں پر غلبہ پا سکے ہو

دوسری صورت جس میں کوئی قوم غیر ملکی تجارت سے پنپ سکتی ہے۔ یہ ہے۔ کہ وہ اپنے ملک کی پیداوار کو عام اس سے کہ وہ خام ہو یا تیار شدہ۔ مصنوعات کی شکل میں ہو۔ غیر ملکوں کو دے اور اس کے عوض میں اُن سے خام پیداوار یا تیار شدہ مصنوعات جن کیلئے خود اس کا ملک موزون و مناسب نہیں لے لے۔ اس صورت میں یہ بیشک درست ہے۔ کہ ملک کی دولت اور وہ آبادی جس کیلئے وہ روزی مہیا کر سکتا ہے۔ ان دونوں کی تعداد اس کی قابلیّت پیداوار کے مطابق محدود ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ صورت پہلی صورت سے بہتر ہے۔ اس میں نقصان کا احتمال بہت کم ہے۔ ایک ایسے ملک کو اپنے استعمال یا غیر ملکوں سے معاوضہ کرنے کیلئے کس قدر پیداوار حاصل ہوگی۔ یہ منحصر ہے اس بات پر کہ اُس نے اپنے ذرائع قدرتی کا استعمال کس درجہ کفایت سے کیا ہے اکثر ملکوں میں اور خاصکر ریاستہائے متحدہ میں زمین خود سب سے بڑا قدرتی

ذریعہ ہے۔ زمین کی پیداوار کانوں اور ماہی گاہوں کی پیداوار سے قیمت میں کئی درجہ زیادہ ہوتی ہے۔ اور تمام اخراجی صنعتیں جتنے لوگوں کیلئے روزی مہیا کرتی ہیں۔ اُن سے کہیں زیادہ کیلئے ایک اکیلی زراعت روزی بہم پہنچاتی ہے۔ اگر کانوں سے معدنیات نکالے جائیں۔ تو ان کا ذخیرہ کم ہو جاتا ہے۔ لیکن زراعت کی یہ صورت نہیں۔ اگر زمین کی اچھی طرح دیکھ بھال کی جائے۔ اور مناسب طریقے سے اس کا استعمال کیا جائے تو وہ ایک غیر محدود مدت تک سونا اگلتی اور روزی مہیا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ترقی کرنے والی قوم کیلئے زمین کو بکفایت برتنے کا سوال اس قدر اہم سوال ہے۔ اب ذرا اُن طریقوں پر غور کرنا چاہیئے۔ جن سے ملک کی زمین کا استعمال بکفایت ہو سکتا ہے اور ایک بڑھتی ہوئی آبادی کیلئے زمین سے کافی خوراک حاصل ہو سکتی ہے۔

زمین کے بیکار رہنے کے اسباب
- ۱۔ ناموافق طبعی حالات
  - ا۔ بہت پتھریلی زمین
  - ب۔ بہت گیلی زمین
  - ج۔ بہت خشک زمین
- ۲۔ ناموافق کیمیائی حالات
  - ا۔ بہت زیادہ۔
  - ب۔ بہت زیادہ۔
- ۳۔ ناموافق معاشرتی حالات
  - ا۔ ناموافق محصولات
  - ب ضرورت سے زیادہ تخمین

زمین کے بیکار رہنے کے اسباب اگر کسی ملک کی ساری زمین میں ایک ہی مرتبہ کاشت کی جائے۔ تو اس کے بکفایت استعمال کا اور کوئی طریقہ نہ رہے گا۔ سوائے اس کے کہ ہر ایکڑ سے زیادہ پیداوار حاصل کی جائے۔ لیکن یہ ایک ایسی صورت حالات ہے کہ غالباً کسی ملک کو نصیب نہیں ہوئی۔ اسلئے سب سے پہلے بنجر زمین کو مزروع بنانے کے مسئلہ کو دیکھنا چاہیئے۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ تمام ملک آباد ہے۔ یعنی آبادی اس حد تک بڑھ گئی ہے۔ کہ تمام وہ اراضی جو اتنی زرخیز ہیں۔ کہ لوگوں کو ان کی طرف کشش ہو سکے لوگوں کے قبضے میں آ چکی ہیں۔ اس صورت میں بنجر زمین کا موجود ہونا ان تین اسباب میں سے

کسی کا نتیجہ ہوگا۔ (۱) ناموافق طبعی حالات (۲) ناموافق کیمیائی حالات (۳) ناموافق سیاسی حالات۔

ناموافق طبعی حالات بہت سے طبعی حالات ایسے ہیں۔ جنہیں ہم ناموافق کہہ سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک اکیلا بھی زمین کو کاشتکاروں کی نظروں میں جاذبیت سے خالی کردینے کیلئے اور اس طرح اس کو بیکار بنا دینے کیلئے کافی ہے۔ بہرحال تین خصوصی حالات ایسے ہیں۔ جو تین قسم کی زمین کے اچھے خاصے قطعے بیکار بنا دیتے ہیں۔ ان زمینوں کو ہم تین اقسام میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ (۱) بہت زیادہ پتھریلی زمین (۲) بہت زیادہ گیلی (۳) بہت زیادہ خشک۔

پتھریلی زمین ریاست ہائے متحدہ کی شمال مغربی ریاستوں میں سے پہلی حالت بیکار زمین کے نمایاں اسباب میں سے ہے۔ یعنی وہاں کی بیکار کی زمین زیادہ تر ایسی ہے۔ کہ بیحد پتھریلی ہے۔ گو بعض بعض جگہ دلدلیں بھی ہیں۔ جنوبی ساحل کے برابر اور خلیج کے ساحل کے برابر دوسری حالت زیادہ نمایاں ہے۔ یعنی وہاں کی بیکار زمین زیادہ تر ایسی ہے کہ بیحد مرطوب ہے۔ گو بعض حصے ایسے بھی ہیں۔ جو پتھریلے اور چٹان کی قسم کے ہیں۔ لیکن مغرب بعیدہ کے بہت وسیع علاقے ہیں۔ جو ریاستہائے متحدہ کے تیسرے حصے کے برابر ہے۔ زمین بیحد خشک ہے۔ اور اس وجہ سے اس کا بہت سا حصہ بنجر رہ جاتا ہے۔ اس قسم کی بنجر زمین اتنی مقدار میں ہے۔ کہ اگر ایک چیز مہیا ہو جائے۔ یعنی پانی تو وہ ایک شہنشاہ کی اقلیم کیلئے کافی خوراک مہیا کرسکتی ہے۔ جو لوگ ابتداً اس ملک کے نصف مشرقی میں آکر آباد ہوئے۔ ان کو ایک اور حالت سے واسطہ پڑا جس نے ان کو بہت تکلیف دی۔ وہ یہ کہ گھنے جنگلوں سے زمین کوسوں تک ڈھکی ہوئی تھی۔ اور ان جنگلوں کو صاف کرنا پڑتا تھا۔ لیکن یہ حالت آجکل دیہاتی معاشیات کے طالب علم کے سامنے کوئی قابل غور مسئلہ پیش نہیں کرتی۔ برعکس اس کے حقیقت یہ ہے۔ کہ جنگلوں کی حفاظت بجائے ان کے صاف کرنے کی آجکل ایک اہم مسئلہ ہے۔

جو زمین ان دنوں پہاڑی اور پتھریلی ہونے کی وجہ سے بنجر اور بیکار پڑی ہوئی ہے

اس میں سے بہت سی زمینیں اسقدر پتھریلی ہیں کہ کبھی جوتنے کے قابل۔ بلکہ چراگاہ بنانے کے قابل بھی نہ ہونگی۔ اس کو پتھروں سے صاف کرنے کیلئے اتنے مصارف برداشت کرنے پڑینگے۔ کہ کسی کو یہ امید نہیں ہو سکتی۔ کہ جو آمدنی اس سے ہوگی۔ وہ ان مصارف کا کافی معاوضہ ہوگی۔ لیکن اس زمین کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ضائع جارہی ہے یہ اصل میں ہمارا قدرتی جنگل ہے۔ جوں جوں آبادی بڑھتی جارہی ہے۔ لکڑی کی مانگ زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور جوں جوں قدیم جنگل کٹتے جاتے ہیں۔ لکڑی کی رسد بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ وہ دن دُور نہیں کہ جنگلی پیداوار کی مانگ اس قدر زیادہ ہوجائیگی کہ نیو انگلینڈ کی پتھریلی سے پتھریلی زمین بھی قیمتی بن جائیگی۔ بشرطیکہ وہاں درخت اُگنے دیئے جائیں۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ پتھریلے علاقے درختوں کیلئے بہ نسبت وادیوں اور میدانوں کی ہموار اور قابل زراعت زمین کے زیادہ مناسب ہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ جو دوسری ہموار اور میدانی زمینیں ہیں یہ دوسری اشیاء اگانے کے کام بھی آسکتی ہیں۔ اور پتھریلی زمینیں اس مقصد کیلئے بیکار ہیں۔ اس لئے دانشمندی اسی میں ہے کہ یہ چٹانیں جس مصرف کی ہیں۔ اسی کیلئے انہیں وقف کردیا جائے۔ اور قابل زراعت زمین کو دوسرے مقاصد کیلئے مخصوص کرلیا جائے۔ لکڑی کے علاوہ ان چٹانوں دار اور پتھریلے علاقوں سے ایک اور فائدہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ یہ ہرنوں اور دوسرے شکار کے لئے بہت اچھی شکارگاہیں ہیں۔ جو ہرن کا گوشت اور دوسرے شکار ایسی زمینوں سے حاصل ہونگے۔ گو ان کی قیمت اتنی نہ ہوگی۔ جتنی ان چراگاہوں کی پیداوار کی قیمت ہوتی ہے۔ جو جانوروں کے چرنے کیلئے وقف کردی جائیں۔ تاہم یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ ہم ان کو ایک جنس بے مایہ سمجھیں۔ خاصکر جب اس بات کا خیال کیا جائے کہ یہ چیزیں بغیر کسی محنت یا توجہ کے خود بخود پیدا ہوتی ہیں۔ اس قسم کی زمینوں سے جنگلی پیداوار سے فائدہ حاصل کرنے میں ایک مشکل ضرور ہے۔ وہ یہ کہ ان سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے۔ وہ بڑی دیر میں اور بہت تھوڑی تھوڑی مقدار میں پیدا ہوتا ہے۔

ایک درخت کو پورا پورا اُگنے کیلئے کم از کم تیس سال اور بعض صورتوں میں تو پچاس سال چاہئیں۔ اتنی دیر انتظار کرنا عام آدمی کو پسند نہیں۔ کیونکہ ایک تو انسانی زندگی کی میعاد مختصر ہے۔ اور دوسرے انسانی دور اندیشی کا احاطہ محدود ہے۔ ایک اور مشکل یہ پیش آتی ہے۔ کہ پتھریلے علاقوں میں نئے سرے سے جنگل اُگانے کا کام جبھی کچھ فائدہ بخش ہوتا ہے۔ کہ بڑے وسیع پیمانے پر کیا جائے۔ اس وجہ سے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے۔ کہ حکومت خود اس کار اہم کا ذمہ لے۔ حکومتوں کو چونکہ موت کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کو مدت انتظار کی زحمت سے نہ گھبرانا چاہیئے۔ اور جنگل اُگانے چاہئیں۔ نصف صدی یا پوری صدی ایک حکومت کیلئے کچھ زیادہ مدت نہیں ہے اس مدت کیلئے وہ حاصل کا انتظار کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ حاصل اس قابل ہو۔ کہ اسکے لئے انتظار کی زحمت اُٹھائی جائے۔

اس معاملے میں ہمیں کوئی ایسا خیال دل میں نہ آنے دینا چاہیئے۔ کہ آیا یہ مناسب بھی ہے یا نہیں۔ کہ ایک حکومت اس قسم کے کام کا بیڑا اُٹھائے۔ اس امر کے جواز میں ہمیں کچھ کلام نہ ہونا چاہیئے۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ شخصی کاروبار بذاتہ پبلک کاروبار سے بہتر ہے دوسرے پبلک کاروبار کو بہتر تصور کرتے ہیں۔ اصل میں دونوں خیال یکساں طور پر تعصب اور تنگ نظری پر مبنی ہیں۔ اصلیت یہ ہے کہ بعض کاروبار کیلئے شخصی اہتمام و انتظام زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ اور بعض کیلئے پبلک اہتمام وانتظام۔ اور ایک تیسری قسم کے کاروبار ایسے ہیں۔ کہ شخصی اور پبلک اہتمام و انتظام دونوں کے ماتحت بخوبی انجام پاتے ہیں۔ اور یہ ثابت کرنا محال ہوتا ہے۔ کہ دونوں میں سے کس کا انتظام اُن کیلئے مناسب ہے۔ چٹان دار اور پتھریلے علاقوں میں جنگل اُگانے کا کام ہمارے خیال میں بہ نسبت شخصی انتظام کے پبلک انتظام کے ماتحت احسن طریقے سے انجام پائیگا۔ گو اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ بعض ایسے جنگل بھی ہیں۔ جو شخصی ملکیت میں اور جن کا انتظام نہایت عمدہ ہے۔ کچھ بھی ہو۔ اگر کسی صورت میں ایسا ہو۔ کہ کوئی شخص ذاتی طور پر چٹان دار علاقوں میں از سر نو جنگل اُگانے کے کام کا بیڑا اٹھانیکو تیار نہ

تو پھر صریح طور پر یہ بات بہتر ہے۔ کہ حکومت اس کام کا ذمہ لے۔ بجائے اس کے کہ زمین یونہی بیکار پڑی رہے۔ اور کوئی اس کا پُرسانِ حال نہ ہو۔

ہم بالیقین یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ جن دنوں یہ زمینیں بظاہر بنجر اور بیکار پڑی ہوتی ہیں۔ جنگل اکثر از سرِ نو اُن پر قبضہ جما لیتا ہے۔ اس کا نتیجہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے۔ کہ قیمتی لکڑی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات نہایت معمولی قسم کے درخت اُگ آتے ہیں۔ جنہیں جنگلی نباتات کا خار و خس کہنا چاہیئے۔ اگر سوچ سمجھ سے کام لیکر ہر وقت ان جنگلوں کی نباتات کی دیکھ بھال کی جائے تو زمین ان بیکار درختوں سے محفوظ رہے۔ اور انکی بجائے قیمتی لکڑی والے درخت پیدا ہوں۔

ہمارے ملک کی چٹان دار زمین کے بعض بڑے بڑے حصّے چراگاہ کے طور پر نہایت خوبی سے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ یہ دعویٰ خاص طور پر ان مقامات پر صادق آتا ہے۔ جہاں چٹان دار زمینیں ایسی زمینوں کے قریب یا متصل واقع ہوں۔ جو فصل خریف کے چارے کی پیداوار کیلئے بہت موزوں ہیں۔ اس اعتبار سے مغرب اور جنوب کی چٹاندار اور پہاڑی زمینیں نہایت اچھے موقع پر واقعہ ہیں۔ لیکن نیو انگلینڈ کی زمینیں اس اعتبار سے نقصان میں ہیں۔ نیو انگلینڈ میں اچھی قابلِ زراعت زمینیں ترکاریوں اور دودھ کے پیدا کرنے کیلئے ایسے عمدہ طور پر استعمال ہو سکتی ہے۔ کہ اسے فصل خریف کے چارے کے اُگانے کیلئے استعمال کرنا عموماً خسارے کا باعث ہوتا ہے۔ جہاں زمین اتنی ہموار اور نرم ہو کہ سوکھی گھاس کو شہر کے خریداروں کے ہاتھ بیچ دینا اس قدر نفع بخش معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسان اس بات میں کوئی فائدہ نہیں دیکھتا کہ گھاس اپنے جانوروں کو کھلائے۔ اس طور پر نیو انگلینڈ کی پہاڑیوں میں بہت سی قیمتی چراگاہیں زمینیں بنجر پڑی رہتی ہیں یا اس میں جھاڑیاں اور درخت اُگتے ہیں۔ وجہ صرف یہ کہ اب تک کوئی باکفایت طریقہ ایسا نہیں دریافت کیا گیا۔ جس سے جانوروں کی خوراک سردیوں کے لیے موسم میں بھی بہم پہنچائی جائے۔ تاہم دنیا کے تقریباً ہر حصّے میں جہاں مویشیوں کے کاروبار نے کافی ترقی کی ہے۔ اس بات میں فائدہ دیکھا گیا ہے۔ کہ مویشیوں کو بڑی بڑی ٹکڑیوں

گرمی کے موسم کی چراگاہوں سے سردی کے موسم کی چراگاہوں کی طرف لیجایا جائے۔ اور چراگاہوں سے پھر کھیتوں میں۔ مثال کے طور پر یورپ کے پہاڑی علاقے میں مویشی بڑی تعداد میں موسم گرما میں چرنے کیلئے پہاڑوں اور پہاڑیوں میں چلے جاتے ہیں۔ اور جب موسم سرما آتا ہے۔ تو پھر میدانوں اور وادیوں میں واپس آجاتے ہیں۔ تاکہ زرخیز کھیتوں کی پیداوار کھا کر گذارہ کریں۔ گوشت جوں جوں مہنگا ہوتا جائیگا۔ یہ بات اور زیادہ مفید معلوم ہوگی کہ بحراوقیانوس کے ساحل کی چٹان دار زمینوں سے بھی اس طرح کام لیا جائے۔

زمین سے چراگاہوں کا کام لینا بھی زراعت کے مقابلے میں کم درجہ کی کفایت شعاری ہے ان معنوں میں کہ بمقابلہ چرائی کے زراعت سے فی ایکڑ زیادہ مقدار غذا حاصل ہوتی ہے جہاں زمین زراعت سے بالکل ناقابل ہو یا جہاں آبادی اتنی کم ہو کہ فی ایکڑ زیادہ پیداوار کرنا کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو صرف ایسی جگہ زمین سے ہمیشہ چراگاہ کا کام لینا کفایت شعاری پر مبنی ہوسکتا ہے۔ ہاں اگر چرائی اور زراعت کا کام باری باری زمین سے لیا جائے۔ تو اور بات ہے۔ جوں جوں آبادی بڑھتی جائیگی اس کے ساتھ ساتھ زمین کو بکفائت برتنے کی ضرورت زیادہ ہوتی جائیگی۔ مزروعہ زمین کے رقبہ کو پھیلانے کی اہمیت بھی اس نسبت سے بڑھتی جائے گی۔ اسلئے زمین کو پتھروں سے صاف کرنے اور اس کو ہل چلانے کے قابل بنانے کا مسئلہ جہاں کہیں بھی معاشیات کے نقطۂ نگاہ سے اس پر عمل کرنیکا امکان ہوگا۔ زیادہ اہمیت حاصل کرلیگا +

اب تک زمین کو پتھروں سے صاف کرنے کا جو کام کیا گیا ہے۔ اس میں سے زیادہ تر کاشتکاروں کی شخصی اور انفرادی کوششوں سے اور سیدھے سادے طریقوں سے ہوا ہے۔ پتھر ہاتھوں سے اُٹھائے گئے ہیں۔ ٹھیلوں۔ چھکڑوں یا گاڑیوں میں لادے گئے ہیں اور جس طریقے میں وقت کا صرف سب سے کم نظر آیا۔ اس کے مطابق ان کا قصہ پاک کیا گیا ہے۔ یہ ایک مفت کی جفاکشی تھی۔ جو ایسے حالات کیلئے مناسب تھی۔ جہاں اصل کی بہت کثرت نہ تھی اور جہاں پتھریلی زمین کے صرف چیدہ چیدہ حصوں کو صاف کرنے کی ضرورت تھی۔ آبادی کی ترقی اصل کی زیادتی اور میکانی ایجادات کے بہتر ہوجانے کے ساتھ زیادہ

کارآمد طریقے بھی اختیار کیئے جا سکتے ہیں ۔

اوّل وہ پتھر جو اپنی جگہ سے ہٹائے جائیں وہ علاوہ پتھر کی چار دیواری بنانے کے اور کاموں میں بھی استعمال کیئے جا سکتے ہیں۔ تعمیرات اور سڑکوں کے کام کی روز بروز زیادہ مانگ ہوتی جا رہی ہے۔ اور کم از کم بعض صورتوں میں کفایت شعاری کا تقاضا یہ ہوگا۔ کہ اور مقاصد کیلئے بھی ان پتھروں کو جو زمین سے صفائی کرتے وقت اُٹھائے جائیں استعمال کیا جائے۔ اگر پتھر توڑ پھوڑ کر اتنے چھوٹے کر دیئے جائیں کہ ہل چلانے کے کام میں مخل نہ ہو سکیں۔ تو ان کو اُٹھانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ بلکہ جہاں ہیں وہیں ان کا رہنا اچھا ہے۔ اگر زمین پر پڑے رہنے دیئے جائیں تو تحلیل کے عمل کے ماتحت اور بار بار ہل چلائے جانے سے رگڑا رگڑا کر وہ غذائے نباتی کا ایک ایسا ذخیرہ بن جاتے ہیں۔ جو آہستہ آہستہ پودوں کی قوتِ نمود کی معاونت کرتا رہتا ہے۔ پتھر کوٹنے کی قابلِ حمل مشینیں جو زبردست انجنوں کے زور سے چلیں۔ وہ بھی ان گنجان آباد علاقوں میں جہاں زمین کی قیمت بڑھ رہی ہے قابل زراعت علاقے کا رقبہ وسیع کرنے میں مدد دے سکتی ہیں۔

یہ جمہور کیلئے اپنی محنت دکھانے کا ایک اور میدان ہے۔ گو ان زمینوں کو صاف کرنے کا کام زیادہ تر افراد نے اب تک بطور خود انجام دیا ہے اور مستقبل میں بھی انجام دینگے۔ تاہم پبلک اگر چاہے تو اس طرح مزروعہ زمین کے رقبہ کی توسیع کر سکتی ہے۔ خاصکر اُن ریاستوں میں جہاں سیاسی حالات ایسے ہیں کہ سزا یافتہ مجرموں کو فائدہ بخش کام پر لگانے کی اجازت نہیں۔ سزا یافتہ مجرموں سے کام لینے کے خلاف جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کا آزاد مزدوروں کے ساتھ جو مقابلہ آ پڑتا ہے۔ اس سے آزاد مزدوروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور ان کے لئے روزگار کے موقع کم ہو جاتے ہیں۔ یہ دلیل صحیح ہو یا غلط (اور ہم جانتے ہیں کہ واقعتہً یہ صحیح نہیں) بہرحال اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ کہ سزا یافتہ مجرموں کو زمین صاف کرنے کے کام پر نہ لگانا چاہیئے کیونکہ اگر ان لوگوں سے کام نہ لیا جائے تو زمینیں کبھی صاف ہی نہ ہوں۔ جرائم پیشہ لوگوں کو ایسے کام پر لگانے سے آزاد مزدوروں کا مقابلہ کسی صورت میں نہیں ہوتا۔ سیدھی بات

ہے۔ کہ جب آزاد مزدوروں کو ایسے کاموں پر سرے سے ہی لگائے نہیں جاتے تو ان کے مقابلے کی صورت کیونکر پیدا ہو سکتی ہے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسی بیکار زمینوں کے صاف کرنے اور ان کو زراعت کے قابل بنانے سے مزدوروں کیلئے کام کے نئے موقع پیدا ہونگے۔ یعنی پہلے سے زیادہ زمین میں زراعت ہوگی۔ اسلئے زیادہ مزدوروں کی ضرورت ہوگی۔ مزید بریں اس امر سے مزدوروں کی جماعت کیلئے بحیثیت مجموعی خوراک کی رسد کی مقدار بڑھے گی۔

پھر یہ بات ہے کہ وہی زمینیں ذاتی محنت سے صاف کی جائینگی۔ جن کا صاف کرنا آسان ہے۔ کیونکہ ان زمینوں کے حاصل کے لئے جو بہت لمبا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اسکے لوگ زیادہ متحمل نہیں ہو سکتے۔ اگر کسی شخص کو یہ امید نہ ہو کہ اسکی خرچ کی ہوئی رقم بیس یا تیس سال کی مدت میں واپس مل جائیگی تو ایسے کام کا ذمہ لینے کیلئے وہ تیار نہیں ہوتا۔ لیکن کوئی قطعہ زمین جب ایک مرتبہ صاف ہو چکا اور اس کے بعد اس میں ڈھنگ کی کاشت کی گئی تو پھر صدیوں تک اس میں فصلیں اگتی رہینگی۔ اگر کوئی ایسی جماعت ہے جو مدت تک قائم رہنے والی ہو۔ اور تیس چالیس سال کے بعد آنے والے واقعات کا اندازہ کر سکے تو وہ ایسے کام کا بیڑا اٹھا سکتی ہے۔ جس کا بیڑا اٹھاتے ہوئے اکیلا شخص ہچکچاتا ہو۔ اسلئے قطع نظر سزایا فتہ مجرموں سے کام لینے کے بعض وجوہ ایسے ہیں۔ جن کی بنا پر اگر پبلک یعنی حکومت کسی ایسی زمین کے صاف کرنے کا بیڑا اٹھائے۔ جو افراد کے لئے کوئی دلچسپی نہ رکھتی ہو۔ خاصکر ایسے حالات میں کہ آبادی کے بڑھ جانے کے باعث زمین کی قلت ہو تو یہ عین دانشمندی ہوگی۔

مرطوب زمین } اس سے کہیں زیادہ جاذب توجہ اس قسم کی زمین کا قابلِ زراعت بنانا ہے۔ جسے "مرطوب" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس مسئلے میں بعض ایسی خصوصیات ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ دماغ جو تعمیری کام کرنا چاہتے ہیں۔ اس مسئلہ کو بہت دلچسپ پاتے ہیں۔

اوّل خصوصیت یہ ہے کہ ایسی زمینیں ہمیشہ نشیب میں ہوتی ہیں اور قریباً قرن تک۔

اردگرد کی اونچی زمینوں کی مٹی ڈھل ڈھلا کر اُن کے اوپر چھنتی رہتی ہے۔ اس لئے انکی مٹی خاص طور پر زرخیز ہوتی ہے۔ صرف اتنی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ ایک بار اُن کو خشک کر دیا جائے۔ اور ان میں ہل جوتا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پانی کی کثرت کاشتکار کو خشک سالی کے خطرے سے بچائے رکھتی ہے۔ جب اونچی زمینوں میں بارش کم ہو تو جب بھی ان نشیبی زمینوں کو کافی رطوبت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہ صرف اتنی ہی بات سے کہ نالیاں بند کر دی جائیں یا فالتو پانی کا نکاس جس رفتار سے کیا جارہا ہے اس کو کم کر دیا جائے۔

تیسری بات یہ ہے۔ کہ ان زمینوں کا کارآمد بنانا محض ایک انجینیری کا مسئلہ ہے۔ اور جو شخص ان کو کارآمد بنانے کا بیڑا اُٹھائے۔ اسکی کامیابی کا انحصار موسم کے تغیرات بارش کی مقدار اور اس قسم کی اور باتوں پر جو آبپاشی کے کام کی کامیابی میں اکثر مزاحم ہوتی ہیں۔ بالکل نہیں ہوتا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ایسی زمینوں کو کارآمد بنانے کا فائدہ صرف یہی نہیں ہوتا۔ کہ مزروعہ زمین کا رقبہ بڑھ جاتا ہے۔ بلکہ اس سے اور فائدے بھی ہوتے ہیں۔ صحت عامہ کو دلدلوں اور مرطوب زمینوں سے جو خطرہ ہوتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے۔ یہ نشیبی مرطوب زمینیں بیماریوں کا گھر اور مچھروں کے پلنے کی جگہ ہوتی ہیں۔ جو بیماری کے جراثیم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ پھر اس سے یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ نقل وحمل میں جو رکاوٹیں ہوتی ہیں۔ وہ دور ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ دلدلیں پہاڑوں کو چھوڑ کر سڑکیں بنانیوالوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ پیدا کرتی ہیں۔ بحیرہ اوقیانوس کے ساحل کے برابر برابر مین سے لیکر فلوریڈا تک۔ لیکن خاص طور پر ورجینیا سے لیکر فلوریڈا تک علاوہ ساحل خلیج کے بعض حصوں۔ جھیلوں کے اردگرد کے بعض علاقوں اور دوسرے ادھر اُدھر بکھرے ہوئے خطوں کے چند بڑے وسیع دلدلی علاقے ہیں۔ اگر وسیع پیمانے پر اور سائنٹفک طریقے سے کام کیا جائے۔ تو یہ علاقے قابل زراعت بنائے جا سکتے ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اور تو اور صرف بحرِ اوقیانوس کے ساحل کے برابر یہ دلدلیں

۸۰۰۰۰۰۰ ایکڑوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اور اتنا بڑا رقبہ بالکل بیکار پڑا ہے۔ کچھ لکڑی ان دلدلوں میں بیشک پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ صحتِ عامہ کیلئے ایک خطرۂ عظیم اور نقل و حمل کیلئے ایک زبردست سدِ راہ ہے۔ اور یہ بھی یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ آیا اُن میں اتنی لکڑی پیدا ہوتی ہے کہ ان نقصانات کی تلافی ہوسکے۔ یعنی وہ محض بیکار ہیں۔ یا اس سے بھی بدتر۔ اگر ان کو خشک کیا جائے اور ان میں ہل چلایا جائے۔ تو وہ اتنی آبادی کیلئے خوراک مہیا کرسکتی ہیں۔ جو اس آبادی سے جو جدید نظامِ حکومت کے عمل میں آنے کے وقت امریکہ میں موجود تھی۔ دگنی ہو۔ ایک ایک خاندان کو چالیس چالیس ایکڑ زمین دی جائے تو ۸۰۰۰۰۰۰ ایکڑ زمین سے ۲۰۰۰۰۰ خاندانوں کے پیٹ پل سکتے ہیں۔ اگر ایک خاندان میں پانچ افراد شمار کیے جائیں۔ تو یہ آبادی کتنی بنتی ہے؟ ۱۰۰۰۰۰۰۔ اس بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہ ایسی زمینیں بہت سیر حاصل اور پیداوار ہونگی اور ان میں سے اکثر آبادی کے بڑے بڑے مرکزوں کے قریب ہونگی۔ چالیس ایکڑ فی خاندان کچھ کم حصہ نہیں معلوم ہوتا۔

مشکل ہے کہ اسقدر عظیم الشان کام افراد بخوبی انجام دے سکیں۔ یہ جب ہی اچھی طرح انجام پاسکتا ہے کہ بڑے وسیع پیمانے پر کیا جائے اور شخصی حدود بلکہ ملکی حدود کا بھی مطلق خیال نہ کیا جائے بالفاظ دیگر یوں کہیئے کہ ایک وسیع دلدل کو خشک کرنے کا کام ایک بہت شاندار کام کے طور پر شروع ہونا چاہیئے یہ یوں نہیں ہوسکتا کہ بہت سے افراد علیحدہ علیحدہ اس کا بیڑا اٹھائیں۔ کیونکہ اس طرح یہ خدشہ ہوتا ہے کہ مبادا مختلف افراد ایک ہی کام کو کئے جائیں۔ یا ان کے مقاصد میں باہمی کشمکش پیدا ہو۔ اور اس سے قوت نقصان لازم آئے۔ اس سے صریح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسے عظیم کام کا بیڑا اگر کوئی اُٹھا سکتا ہے۔ تو وہ حکومتِ متحدہ ہے۔ جو ریاستی حکومتوں کے تعاون سے اس کو باحسنِ وجوہ انجام دے سکتی ہے۔

ایک ایسے کام سے جو شاندار امیدیں ہوسکتی ہیں۔ قومی اصل سے اس میں جو زبردست اضافہ ہوسکتا ہے اور وہ کثیر التعداد آبادی جس کیلئے اس دولت کے ذریعے روزی مہیا کی جاسکتی ہے۔ یہ باتیں ایک ایسے عالی دماغ مدبر کے لیے جس کی

نظر اپنے ملک کیلئے ایک اقلیم شہنشاہی تسخیر کرنے پر جمی ہو۔ اور جو کچھ تعمیری کام انجام دینا چاہتا ہے یقیناً کافی محرک ہونا چاہیئے۔ ایسے کام میں جو مصارف برداشت کرنے پڑیں گے وہ یقیناً بہت زیادہ ہونگے یہ اندازہ کرنا مشکل ہے۔ کہ وہ کتنے زیادہ ہونگے۔ تاہم یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے۔ کہ جتنا خرچ دس اوّل درجے کے جنگی جہاز تیار کرنے پر آتا ہے۔ اس سے ہرگز زیادہ نہ ہونگے۔ پھر ان مصارف کے بعد یہ بھی تو ابد ہوگی۔ کہ وہ اپنے کارنمایاں کی زندہ شہادت یعنی ایک وسیع رقبۂ زمین جو زراعت کے قابل ہے پیش کرسکیگا۔

ہالینڈ نے کیا نظیر پیش کی ہے۔ اس قسم کے شجاعانہ کارناموں کیلئے ہالینڈ کا تجربہ ایک نظیر کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ بات ہر کوئی جانتا ہے۔ کہ اس ملک کی بہت سی زمینیں پہلے زمانے میں یا تو پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یا اس میں وقتاً فوقتاً سیلاب آتے رہتے تھے۔ اس کو یوں کارآمد بنایا گیا ہے۔ کہ بند تعمیر کئے گئے ہیں۔ بیشمار نہریں اور خندقیں کھودی گئی ہیں اور پانی کے نکاس کیلئے بہت سی کلیں بنائی گئی ہیں۔ سب سے زیادہ دلچسپ مثال جھیل ہیرلم لیک (Haarlem Lake) کے خشک کرنے کی ہے۔ یہ ایک قطعۂ آب تھا۔ جو تقریباً ۴۲۰۰۰ ایکڑ زمین پر پھیلا ہوا تھا۔ اور اس کی اوسط گہرائی ۱۳ فٹ سے زیادہ تھی ۱۸۳۹ء تک جو جو قانون ضروری تھے۔ وہ مکمل طور پر نافذ ہوچکے تھے۔ اور اس قطعۂ آب کو کارآمد بنانے کا کام شروع ہوچکا تھا۔ چونکہ اس قطعۂ آب پر نقل وحمل اور آمدورفت کا بہت کام ہوتا تھا۔ اسلئے ضروری خیال کیا گیا۔ کہ اس کی بجائے کسی اور جگہ انتظام کردینا چاہیئے۔ چنانچہ ایک نہر ۳۸ میل لمبی ۷ فٹ گہری اور ۱۱۵ سے لیکر ۱۳۰ فٹ تک چوڑی جھیل کے گردا گرد بنادی گئی۔ اس نہر کا فائدہ علاوہ نقل وحمل اور آمدورفت میں مدد ملنے کے یہ ہوا کہ جھیل کے پانی کا نکاس بھی ہونے لگا۔ کیونکہ جھیل میں سے پمپ کے ذریعے پانی نہر میں داخل کیا جاتا تھا۔ نہر سطح سمندر سے نیچی تھی۔ اسلئے پانی کو پمپوں کے ذریعے نکالنے کی بڑی بڑی مشینیں لگائی گئیں جو ۱۰۰۰۰۰۰۰ ٹن پانی اس میں سے نکال سکیں۔ تین انجن خاص طور پر بنائے گئے۔ جن میں سے ہر ایک ۱۰۰۰۰۰ ٹن پانی ۲۵½ گھنٹے میں نکال سکتا تھا۔ پمپوں کے ذریعہ پانی نکالنے کا کام ۱۸۴۸ء میں شروع ہوا۔ اور ۱۸۵۲ء میں جھیل خشک ہوگئی۔

زمین کی فروخت فوراً شروع ہو گئی۔ بالآخر تمام زمین ۳۷۶۰۰۰۰ ڈالر کل قیمت پر فروخت ہو گئی۔ یہ قیمت پانی خشک کرنے کے اخراجات سے ۱۲۵۰۰۰۰ ڈالر کم رہی۔ لیکن یہ نقصان جتنا عظیم معلوم ہوتا ہے۔ اتنا نہ تھا۔ اوّل تو اس زمین کی قیمت اب بہت بڑھ گئی ہے۔ گو قیمتوں کے بڑھنے کا فائدہ حکومت کو نہیں بلکہ ان افراد کو ہے جو زمین کے مالک ہیں۔ تاہم یہ مالک خود ملک کے اجزا و ارکان ہیں۔ علاوہ بریں ان کی محصول ادا کرنے کی استطاعت زیادہ ہو گی۔ اور اس طرح حکومت کو ان سے فائدہ ہوتا ہے۔ ایک اور بات بھی ہے۔ پہلے جب جھیل تھی تو اس کا ہونا متعدد مرتبہ شہر امسٹرڈم اور شہر لیڈن کیلئے خطرے کا باعث ثابت ہوا تھا۔ جب کبھی اس میں طغیانی آتی تو ان دونوں شہروں کے کوچہ و بازار میں پانی پھر جاتا۔ ان سب باتوں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام نفع بخش اور دولت خیز ثابت ہوا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ ہارلم جھیل کا خشک کرنا اس زمانے میں جب کہ یہ انجام دیا گیا۔ ایک بہت بڑا کام تھا۔ گو آجکل شاید اس کو کوئی دشوار کام نہ تصوّر کیا جائے۔ پھر اس قدر گہرے پانی کا خشک کرنا بیحد مشکل تھا۔ کیونکہ کوئی قدرتی نشیب ایسا نہ تھا۔ جس کی طرف پانی کا بہاؤ خود بخود ہو۔ اگر یہی قطعۂ آب محض ایک دلدلی علاقہ ہوتا۔ جس میں اتنا گہرا پانی کھڑا نہ ہوتا۔ تو اتنا مشکل کام نہ تھا۔ کیونکہ اس صورت میں پانی کو باہر لے جانے کیلئے اس قدر زیادہ بمبوں کی ضرورت نہ پڑتی۔

خشک یعنی کلر زمینیں۔ خشک زمینوں کو قابلِ زراعت بنانے کے سوال کی طرف ہمارے ملک میں بہ نسبت پتھریلی اور مرطوب زمینوں کے قابلِ زراعت بنانے کے زیادہ توجہ رہی ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ایسا رقبۂ زمین جو خشک ہونے کی وجہ سے بیکار پڑا ہو۔ بہ نسبت ایسے علاقوں کے جو پتھریلے یا مرطوب ہونے کے باعث بیکار ہیں۔ بہت زیادہ ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنیکے دو بڑے طریقے یہ ہیں۔ (۱) آبپاشی۔ (۲) خشک کاشت۔

آبپاشی۔ قدامتِ زمانہ کے اعتبار سے پہلا طریقہ جس کی طرف عوام کی توجہ ہوئی۔ آبپاشی کا طریقہ تھا۔ آبپاشی کا کام کسی نہ کسی صورت میں ابتدائی آبادیوں کے وقت سے مغربِ بعیدہ میں ہوتا چلا آیا ہے۔ بہت سی جگہوں میں ایسے باقی ماندہ آثار ملتے ہیں۔ جو بتاتے ہیں۔ کہ سفید

نسل کے آدمیوں کے سرزمین امریکہ پر قدم رکھنے سے بہت پہلے یہ فن امریکہ میں رائج تھا۔ وہ ہسپانوی مشنری جو قدیم زمانے میں میکسیکو سے چل کر اس حصّۂ ملک میں پہنچے۔ جو اب ریاستہائے متحدہ کا جنوب مغربی حصّہ ہے۔ انہوں نے بھی اپنے مشرقی مرکزوں کے آس پاس آبپاشی کا کام چھوٹے سے پیمانے پر کیا۔ لیکن آبپاشی کا پہلا کام جو بڑے پیمانے پر کیا گیا۔ وہ انگریز نوآبادیوں نے کیا یعنی مارمنوں (Mormons) نے۔ انہوں نے جو گریٹ سالٹ لیک (نمک کی جھیل) ہے ۱۸۴۹ء میں اس کے کنارے پر اپنی آبادیاں قائم کرکے فوراً ہی آبپاشی کا کام شروع کر دیا انہوں نے چونکہ ایک ایسے ملک میں سکونت اختیار کی تھی۔ جو بظاہر بالکل صحرا تھا۔ اور چونکہ وہ اس ناموافق ماحول سے روزی حاصل کرنے پر مجبور تھے۔ اسلئے انہوں نے ایسی ہمّت اور ذہانت سے کام شروع کیا۔ جس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ وادی کی زمین میں جس چیز کی کمی ہے وہ پانی ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی معلوم کیا کہ پانی پہاڑی ندی نالوں سے مل سکتا ہے۔ اس لئے صریح طور پر انہیں جو کام کرنا چاہیئے تھا۔ وہ یہ تھا کہ بجائے اس کے کہ یہ پانی بیکار بہا کرے۔ وہ اسے کاٹ کر اپنی سکونت کی زمینوں میں لے آئیں۔ چنانچہ نہریں اور خندقیں کھودی گئیں۔ پانی کو کام میں لایا گیا۔ اور بنجر زمین کو رشکِ گلزار بنا دیا گیا۔ مارمن جماعت آجکل ریاستہائے متحدہ کی سب سے خوشحال جماعتوں میں ہے۔ اور اسکی خوشحالی کی بنا دراصل یہی آبپاشی کی نہریں اور خندقیں ہیں۔ اس عرصے میں ادھر ادھر اور آبپاشی کے کام بھی چھوٹے چھوٹے پیمانے پر شروع ہوئے۔ یہ ان لوگوں نے جو دریاؤں کے کنارے سکونت پذیر ہوتے تھے۔ شروع کئے تھے۔ قدرتی طور پر یہ طریقہ وہیں کامیاب ہو سکتا تھا جہاں پانی کو ندی نالوں سے نکال کر بآسانی زمینوں کی طرف لایا جا سکتا ہو۔ اور تھوڑے سے مصارف کی ضرورت ہو۔ آبپاشی کے کام کو وسیع پیمانے پر کرنے کی دوسری کوشش گریلی واقعہ کالریڈو میں رونما ہوئی۔ اس جگہ امداد باہمی کے اصول پر عمل کیا گیا۔ جیسا کہ یوٹاہ میں کیا گیا تھا۔ فرق یہ تھا یوٹاہ میں تو اس اصول کی بنیاد اتحادِ مذہب اور ایک مشترک حاکم کی اطاعت پر تھی۔ اور یہاں یہ بات نہ تھی۔ اس جماعت کی بلا کی ذہانت و طباعی اور صلاحیت ترقی نہ صرف اس کے آبپاشی کے کاموں سے ظاہر ہے۔ بلکہ اس کا عظیم الشان مدرسہ اس کی انجمن عملی کی عمارت اور دوسری

بلند اور شاندار عمارتیں جو ذہنی اور معاشرتی زندگی کی ترقی و تربیت کے لئے بنائی گئیں وہ بھی اسکی شاہد ہیں۔ زراعت اور آبپاشی کے عمدہ سے عمدہ عملی طریقوں پر عمل کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت پھلی پھولی۔ اور کالریڈ اور کیلیفورنیا دونوں ریاستوں کی نوآبادیوں کیلئے ایک زندہ مثال ثابت ہوئی۔ بعدہٗ کیلیفورنیا میں آبپاشی کے ایک نئے طریقے پر عمل کیا گیا۔ وہ تخمین پسندی جو کیلیفورنیا والوں کی گھٹی میں پڑی ہے۔ اس نے بہت جلد آبپاشی میں اپنا جلوہ دکھایا۔ جیسا کہ وہ کانیں کھودنے کے کام میں دکھا چکی تھی۔ چنانچہ جنوبی کیلیفورنیا میں دیوانہ وار سرگرمی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس ریاست نے آبپاشی میں ایک مشترکہ کام اور تخمین کی صورت اختیار کی۔ یوٹاہ اور کالریڈ نے آبپاشی کے کام میں فقط اپنے ہاتھوں اور جانوروں سے کام لیا تھا۔ کیلیفورنیا نے سرمایہ کے حصے فروخت کئے اور یوں کہئے کہ اس نے اپنے مستقبل کو رہن رکھ دیا۔ لوگ کروڑپتیوں کی ایک نئی نسل کے خواب دیکھنے لگے جو پگھلتی ہوئی برف کی تجارت کرکے پانی کے کرایہ کے "حقوق" کو فروخت کرکے اور ایک نئی جماعت جس کا نام آبیانہ ادا کرنے والے لوگ ہوگا۔ محصول وصول کرکے دولت مند بنے گی۔

جس طرح انفرادی حیثیت سے لوگ صرف اسی جگہ آبپاشی کا کام کر سکتے تھے جہاں خرچ کم آتا ہو۔ اسی طرح امداد باہمی کے اصول پر وہاں ہی عمل ہو سکتا تھا جہاں نوآبادوں کا ایک گروہ اپنی محنت سے آبپاشی کا کام کر سکتا ہو۔ اس بات کیلئے کہ جتنا پانی مہیا ہو سکتا ہے وہ پورا پورا حاصل کیا جائے۔ اور اس کا استعمال بہترین طریقہ پر کیا جائے۔ یہ ضروری تھا کہ کم از کم بعض صورتوں میں کام وسیع پیمانے پر شروع کیا جائے۔ جس کے لئے اتنے سرمایہ کی ضرورت تھی۔ جو امداد باہمی کے انجمنوں کی دسترس سے باہر تھا۔ اس لئے مشترکہ سرمایہ کی انجمنوں کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ اس طریقے کے مطابق امداد باہمی کے اصول سے کہیں زیادہ بڑے بڑے کاموں کا بیڑا اٹھایا جا سکتا تھا۔ اور انفرادی طریقے کا تو اس سے مقابلہ ہی نہ تھا۔ چنانچہ جب پانی کی دور دور تک پھیلانے کے مواقع سے لوگ انفرادی طور پر اور انجمن ہائے امداد باہمی کے ذریعے دونوں طرح فائدہ اٹھا چکے۔ اور جتنا اس کے

حکومت متحدہ یا ریاستی حکومتیں ضروریات وقت کو محسوس کریں۔ تمام بڑے بڑے اور زیادہ اخراجات والے آبپاشی کے کام ان مشترکہ انجمنوں نے تکمیل کو پہنچائے۔ اس عہد میں چند شاندار کام مکمل ہوئے۔ جن پر سرمایہ کثیر خرچ ہوا۔ اور انجینیئری کے حیرت انگیز کمال دکھلائے گئے۔

ان میں سے بعض بعض کام توانائی اعتبار سے کامیاب ثابت ہوئے لیکن بعض کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوا۔ جب کام تیار ہو چکے اور پانی آبپاشی کیلئے مہیا کر دیا گیا۔ تو بعض حالات میں یہ دیکھا گیا کہ اصل مصارف کا ادا کرنے کا تو کیا ذکر۔ اخراجاتِ رواں بھی اس روپے سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پورے نہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ان کمپنیوں میں سے اکثر کا دیوالہ نکل گیا۔ اور بعض بعض کا تو یہ حال ہوا کہ ان کی پوری کی پوری ملکیت اصل اخراجات کے دسویں حصے قیمت پر فروخت ہوئی۔ تاہم بعض بعض صورتوں میں یہ ہوا۔ کہ جن صورتوں کی بنیاد ڈالی گئی تھی وہ جماعت کے نقطۂ نگاہ سے کامیاب ثابت ہوئی۔ اور نقصان صرف اُن افراد کو اُٹھانا پڑا۔ جنہوں نے اپنا روپیہ لگایا تھا۔ ان آبپاشی کی کمپنیوں کے ناکام رہنے کا باعث بعض اوقات بدانتظامی ہوتی تھی۔ لیکن عموماً اور اسباب بھی اس کے ذمہ دار ہوتے تھے مسٹر ایلوڈ میڈ (Elwood Mead) مندرجہ ذیل اسباب کو سب سے اہم بتاتے ہیں:-

(۱) جن زمینوں میں آبپاشی کی جاتی تھی ان کو آباد کرنے کے لئے بڑی طویل مدت تک انتظار کرنا پڑتا تھا۔ اور پانی کیلئے اپنے خریدار جو قیمت ادا کریں دیر سے ہاتھ آتے تھے۔

(۲) سالہا سال تک جو اخراجات ہوتے تھے اور بے سود محنت صرف کی گئی تھی اس کا یہ تقاضا تھا کہ اُجاڑ زمینوں کو زراعت کے قابل بنایا جائے۔ وہ آباد ہونے والے جن کی آمدنی محدود ہو۔ یہ نہیں کر سکتے کہ آباد ہونے کے خرچ کو بھی برداشت کریں اور اس کے علاوہ آبیانہ بھی دیں۔ خشک زمینوں میں جن جن لوگوں نے سکونت اختیار کی ہے۔ وہ عموماً کم بضاعت آدمی ہیں۔ اس لئے نہر کی کمپنیوں کو شروع میں پانی تھوڑے سے معاوضہ پر دینا پڑتا ہے۔ یا یہ ہوتا ہے۔ کہ پانی استعمال کرنے والے کم ہوتے ہیں۔

(۳) اراضی عامہ کے متعلق جو قانون جاری تھے۔ وہ آبپاشی کی ترقی کے حق میں

مفید نہ تھے۔

(۴) جن زمینوں کو قابل زراعت بنانا مقصود تھا۔ وہ بعض بعض صورتوں میں نہروں کے مکمل ہونے سے پیشتر ایسے مالکوں کے قبضے میں آگئیں۔ جنہوں نے خود وہاں سکونت اختیار نہ کی یا جن کا مقصد محض ایک تخمینی کاروبار کرنا تھا۔ یہ لوگ ان زمینوں کی اصلاح کیلئے کوئی کوشش نہ کرنا چاہتے تھے۔

(۵) قانونی چارہ جوئی کے مصارف۔ تجربہ بتاتا ہے کہ جب کسی بڑی نہر کے اخراجات کا تخمینہ طیار کیا جائے تو اس میں ان اخراجات کی بھی شق رکھنی چاہیئے۔ جو قانونی چارہ جوئی کیلئے ایک طویل مدت تک برداشت کرنے پڑتے ہوں۔ یہ اخراجات یوں شروع ہوتے ہیں۔ اوّل اوّل لوگ پانی کا بیجا استعمال کرنے لگتے ہیں اور بعدہٗ پانی کے حقوق کے متعلق آئے دن لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ ان اسباب کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اور اس بات کا خیال کرتے ہوئے کہ انفرادی اولو العزمی و آبپاشی کے اہم مسائل کو کامیابی سے حل نہیں کر سکتی۔ یہ ظاہر تھا۔ کہ حکومت متحدہ اور ریاستی حکومتیں بھی آبپاشی کے مسئلے کو صحیح طور پر حل کرسکتی ہیں۔ چنانچہ امریکہ آبپاشی کی تاریخ کا اب تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ یعنی وہ دَور جس میں جمہوریا ریاستی یا حکومت متحدہ اس کام کو اپنے قبضہٗ اختیار میں لے لیتی ہیں۔ جو کچھ اُن کے ہاتھوں انجام پاسکتا ہے۔ اس کی ایک مثال لیجئے۔ پچھلے دنوں کی بات ہے کہ ایک نظام آبپاشی تکمیل کو پہنچا ہے جس نے ۱۰۰۰۰۰ ایکڑ سے زیادہ رقبہ زمین کو جو خاص طور پر زرخیز ہونے کے باوجود پانی کی کمی کے باعث بیکار پڑا تھا۔ قابل زراعت بنادیا ہے۔ یہ زمین ۱۰۰۰۰ خاندانوں یعنی ۵۰۰۰۰ افراد کے لئے روزی مہیا کریگی۔ حکومت کو جو اصل اخراجات برداشت کرنا پڑے۔ وہ اس سے کم تھے۔ جو ایک جنگی جہاز بننے میں آتے ہیں۔ اور ایک وقت ایسا آئیگا جب مزید مصارف کچھ بھی نہ ہونگے۔ کیونکہ زمین کے مالک جن کو اس کا فائدہ ہوگا تمام اخراجات کا معاوضہ حکومت کو دیدینگے۔

مغربی امریکہ میں آبپاشی کے جو امکانات ہیں۔ ان کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مصر کا وہ مزروعہ علاقہ جس کی آبیاری دریائے نیل کرتا ہے ۰۰۰۰ ۶۰ ۔ ایکڑ سے

زیادہ نہیں۔ لیکن اس علاقے کی پیداوار سے ۵۰۰۰۰۰ یا اس سے بھی زیادہ آبادی کا پیٹ پلتا ہے۔ اس کی آبادی اتنی مدت سے گنجان چلی آتی ہے۔ جس کا تصور کوئی تاریخ دان نہیں کرسکا اور وہ قدیم ترین تہذیب جس کے متعلق کوئی بیان تاریخ تحریری کے صفحات پر ثبت ہے اس کا گہوارہ یہی ملک تھا۔ کوئی شخص صحیح صحیح نہیں بتا سکتا۔ کہ ریاستہائے متحدہ میں کتنی زمین آبپاشی کے ساتھ قابل زراعت بنائی جاسکتی ہے۔ لیکن ہمارے بعض چوٹی کے ارباب رائے کا قول ہے۔ کہ دریائے مسوری اور اس کے معاون اس زمین سے جس کی آبپاشی دریائے نیل کرتا ہے۔ نین گنا زیادہ زمین کو سیراب کرسکتے ہیں۔ مصر کی گنجان آبادی کی ایک وجہ یہ ہے۔ کہ وہاں کے لوگوں کا معیار زندگی بہت پست ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ زمین خاص طور پر زرخیز ہے مٹی سیلابی ہے۔ اور اس پر دریائے نیل ہر سال ایسے کیمیائی اجزا کی ایک تہ بچھا دیتا ہے۔ جو زمین کی قوت نمو کیلئے مفید ہیں۔ اور پھر اس کو کافی رطوبت اور منطقہ حارہ کی تیز گرمی میسر آتی ہے۔ یہ بات نہ تو ممکن ہے اور نہ اسکی ہمیں خواہش ہے کہ دریائے مسوری جس خطہ کو سیراب کرتا ہے۔ اُس میں ایسے لوگ آباد ہوں۔ جن کا معیار زندگی مصریوں کا سا پست ہو۔ اس لئے اس کا امکان ہے۔ اور نہ ہمیں اس کی خواہش ہے۔ کہ اس خطے کو اتنی گنجان زرعتی آبادی کیلئے روزی مہیا کرنی پڑے۔ اِلّا اس صورت میں کہ یہ مصر کی زمین سے بدرجہا زیادہ زرخیز بن جائے۔ تھوڑی سی آبادی جس کی گذران ...... اچھی ہوتی ہو۔ ایسی گنجان آبادی سے اچھی ہے۔ جس کے بُرے حالوں ہوتی ہو۔ ۱۹۲۰ء کی مردم شماری کے مطابق ۱۹۱۰۰۰۰۰ ایکڑ سے کچھ زیادہ ایسی زمین تھی۔ جو آبپاشی سے سیراب کی جاتی تھی۔ اور یہ رقبہ روز بروز پھیل رہا ہے۔ یہ اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ ریاستہائے متحدہ کے نصف مغربی میں ایک دن اتنے رقبہ میں آبپاشی ہو جائیگی۔ جو نیو انگلینڈ اور نیویارک کو ملا کر دو نو کے برابر ہوگا۔ اس زمین کا بیشتر حصہ پانی کے بغیر بالکل نکما ہے۔ لیکن اگر اس کو عمدہ طریقے سے سیراب کیا جائے۔ تو وہ اتنا ہی زیادہ قیمتی اور سیر حاصل بن جائیگا۔ جتنا کہ ملک بھر میں اور کوئی خطہ ہوگا۔ اور جس علاقے میں اب کاشت ہوتی ہے۔ اس کے بیشتر حصے سے تو یہ کہیں زیادہ سیر حاصل ہوگا۔ آبپاشی سے جہاں یہ فائدہ ہوتا ہے۔ کہ زمین کو رطوبت پہنچائی جاسکتی ہے۔ وہاں یہ فائدہ بھی ہے

کہ وہ مٹی کی تہ جو زیادہ بلندیوں کی چٹانوں سے پانی میں تحلیل ہو ہو کر آتی ہے۔ زمین پر بچھ جاتی ہے اس وجہ سے وہ زمین جس میں آبپاشی کی جائے۔ نہ صرف سیر حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ مدت ہائے مدید تک اپنی زرخیزی کو قائم رکھ سکتی ہے۔

خشک زراعت۔ پہاڑی ندی نالوں سے جو پانی مل سکتا ہے۔ جب وہ تمام کا تمام نہریں کاٹ کر لایا جائے اور استعمال کیا جا چکے۔ تو پھر بھی اس اُجاڑ اور بنجر خطے کا صرف ایک ادنیٰ حصہ سیراب ہوگا۔ وہ علاقہ جس میں آبپاشی ہوگی۔ گو مجموعی طور پر بہت وسیع ہوگا۔ لیکن اسکی مثال بالکل یوں ہوگی۔ کہ ایک صحرائے لق و دق یا ایک چٹیل میدان میں جس میں پانی کے بغیر کاشت مطلق نہیں ہوسکتی۔ چند نخلستان ہیں۔ بہر حال اس وسیع خطۂ زمین کا کچھ حصہ اس طریقے کے مطابق جسے "خشک زراعت" کہتے ہیں۔ پیداوار کے قابل بنایا جا سکتا ہے۔ گو یہ صحیح صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس حصے کا رقبہ کتنا ہوگا۔ اگر ہم دریائے مس سس پی سے مغرب کی طرف بڑھتے چلے جائیں۔ تو باستثنائے چند پہاڑی علاقوں کے جن کی سطح اونچی ہے باقی تمام علاقوں میں بارش کی مقدار کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ تا آنکہ ہم بحر الکاہل کے ساحل کے نزدیک پہنچ جاتے ہیں۔

یہ بتانا مشکل ہے۔ کہ وہ خطہ جہاں کافی بارش ہوتی ہے۔ کہاں ختم ہو جاتا ہے اور وہ خطہ جہاں ناکافی بارش ہوتی ہے کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ پرانے قواعد زراعت کے نقطۂ نگاہ سے بھی اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ لیکن حفظِ رطوبت کے مسائل کا سائنٹفک طریقے سے مطالعہ کرنے سے اور ایسے نئے پودوں کی کاشت کرنے سے جو خشک سالی کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ یہ دریافت کیا گیا ہے۔ کہ یہ حدِ فاصل مغرب میں بہت دُور جا کر واقع ہے دوسرے الفاظ میں بہت سے خطے مغربی علاقے میں ایسے ہیں۔ جن میں پہلے کاشت کرنا فضول خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن اب وہ سیر حاصل سمجھے جاتے ہیں۔

جن زمینوں کو پہلے بحد خشک سمجھ کر زراعت کے ناقابل کہا جاتا تھا۔ ان میں کامیابی کے ساتھ زراعت کرنے میں جو امر سب سے زیادہ مفید مطلب ہے۔ وہ غالباً یہ ہے کہ سطح زمین کے اوپر نرم مٹی کی ایک تہ بچھائی جائے۔ دریافت کیا گیا ہے۔ کہ رطوبت سے ضائع

ہونے کا ایک بڑا سبب پانی کا بخارات بن کر اُڑ جانا ہے۔ جو رطوبت بارش کے وقت زمین میں سرایت کر جاتی ہے۔ وہ زمین کے ریشوں کی کشش کے زیر اثر سطح پر آ جاتی ہے جیسے کہ ایک لمپ کی بتی میں تیل چڑھ آتا ہے۔ اگر یہ رطوبت بالکل سطح کے اوپر آ جائے تو بخارات بن کر اُڑ جاتی ہے۔ اور ہوا اسے کہیں کی کہیں لے جاتی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے وہ تیل جو بتی میں آتا ہے۔ جل جلا کر غائب ہو جاتا ہے۔ اگر سطح کی مٹی ہمیشہ اُلٹی پلٹی جائے۔ اور جمنے نہ دی جائے۔ تو رطوبت سطح کے اوپر آنے سے رُک جاتی ہے۔ پولی مٹی چونکہ اتنی سخت نہیں ہوتی۔ اور اس کے ریشے جو پانی کے باہر نکلنے کا ایک رستہ ہوتے ہیں بند ہو جاتے ہیں۔ اس لئے پانی اس تہ میں بآسانی اوپر نہیں چڑھ سکتا۔ اس طور پر رطوبت زمین کے نیچے کی مٹی میں رہتی ہے۔ اور نرم مٹی کی تہ اس کو ہوا سے ایک چادر کی طرح بچائے رکھتی ہے۔ زمین کی رطوبت کو ضائع ہو جانے کیلئے اس سیدھے سادھے طریقے کے استعمال نے ظاہر کر دیا ہے۔ کہ جن زمینوں کو پہلے خشک اور بنجر سمجھا جاتا تھا ان میں پودے اُگائے جا سکتے ہیں۔ البتہ ایک خطرہ ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ہوا رطوبت کو تو خیر اُڑا کر لے ہی جاتی ہے لیکن خود پولی مٹی کی تہ کا بھی کہیں صفایا نہ کر دے۔ اور اس طرح سارا کھیل نہ بگڑ جائے۔

مزروعہ زمین کی توسیع کا ایک اور ممکن طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ ایک خطۂ زمین میں ایک دو مرتبہ کاشت کی جائے۔ پھر اس کو بے کاشت رہنے دیا جائے۔ یا مختلف پودے باری باری اس میں اُگائے جائیں۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی کیا جائے۔ کہ رطوبت زمین کی پولی مٹی کی تہ کے ذریعے محفوظ رکھا جائے۔ جب کوئی پودا اُگ رہا ہو۔ تو وہ زمین میں سے بہت سی رطوبت کھینچ لیتا ہے۔ جڑیں رطوبت کو جذب کر لیتی ہیں۔ پھر وہ اوپر کو چڑھتی ہے۔ اور پتوں یا ڈنٹھلوں میں سے بخارات بنکر اُڑ جاتی ہے۔ جس زمین کو باہر سے اتنی رطوبت نہ ملتی ہو کہ ہر سال فصل اُس میں اُگ سکے۔ باوجودیکہ اس میں ہمیشہ ہل جوتا جائے۔ اور اس پر پولی مٹی کی چادر بھی بچھائی جائے۔ تو ایسی زمین میں ہر سال پودے اُگائے جا سکتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ ایک سال اس کو بے کاشت رہنے دیا جائے۔ لیکن ایک سال چھوڑ کر

اس کی مٹی باقاعدہ پوری کی جائے۔ اس قاعدے کے مطابق زمین میں دو سال کے لئے رطوبت کا کافی ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے۔ وہ ایک فصل کے اُگانے میں کام آتا ہے یہ بیشک درست ہے۔ کہ اس طرح کاشتکار کو صرف آدھی زمین کا حاصل ملتا ہے۔ لیکن اگر موسم خراب نہ ہو۔ اور کاشتکار کے کام میں خلل نہ پڑے۔ اگر زمین ہموار ہو۔ اور اس میں آسانی سے کام کیا جا سکے۔ اگر گھوڑوں کی طاقت۔ ایسے ہل جن میں بہت سے گھوڑے جوتے جا سکیں۔ اور کار آمد کلیں استعمال کی جائیں۔ تو وہ اتنی زمین میں کاشت کر سکیگا۔ کہ ہر سال اتنی ہی فصل پیدا ہو سکے۔ جتنی مشرقی کاشتکار کو جو ہر سال کاشت کرتا ہے۔ دستیاب ہوتی ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے۔ کہ آئے دن خراب موسم اور دوسرے ناموافق حالات اس کے کام میں حارج ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ زیادہ زمین میں کاشت کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس طریقۂ زراعت سے اتنی گنجان آبادی کے لئے روزی مہیا نہیں ہو سکتی۔ جتنی کہ ایک ایسے قطعۂ زمین سے جس میں بارش کافی ہو۔ پھر بھی جتنی پیداوار ہو سکے اتنی ہی اچھی ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ زمین کو بیکار پڑا رہنے دیا جائے ضرورت پڑ جائے تو اس طریقۂ زراعت کو اور بھی وسیع کیا جا سکتا ہے۔ اور ہر قطعۂ زمین میں تین سال میں صرف ایک مرتبہ فصل پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس طور پر روزی کما لینا ایک کاشتکار کے بس میں ہے۔ بشرطیکہ زمین کا محل وقوع مناسب ہو۔ زمین زرخیز ہو۔ اور اس میں کاشت بآسانی ہو سکتی ہو۔

خشک زراعت کے طریقے کے متعلق اور بہت سے جزئی امور ہیں۔ جو اس بات کا تقاضا کرتے ہیں۔ کہ بحیثیت ایک ماہر خصوصی (Specialist) کے ان کا علم حاصل کیا جائے۔ اس لئے جو شخص اس قاعدے کو اپنا دستور العمل بنانا چاہے۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس مسئلے کے تمام جزئیات کا بغور مطالعہ کرے۔ گہرا ہل چلانا جس سے یہ فائدہ ہوتا ہے۔ کہ زمین کی بارش کو جذب کرنے کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ اور بارش کا پانی تالاب کی صورت میں ادہر ادہر بہہ کر ضائع نہیں ہو جاتا۔ مٹی میں جو مادہ نباتی ہے۔ اس کو بڑھاتا۔ اور اس کی حفظِ رطوبت کی قوت کو بڑھاتا۔ سطح کے نیچے تہ جماتا۔ اور

اس قسم کے اور خاص خاص طریقے سب سیکھنے چاہئیں۔ اور پھر ان پر عمل کرنا چاہیئے۔ کہا گیا ہے۔ کہ جو کاشتکار ان مختلف طریقوں پر سائنٹفک طریقے سے عمل کریگا۔ وہ بعض ایسی زمینوں سے جن کو پہلے بیکار خیال کیا جاتا تھا۔ روپیہ کما سکتا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ خشک زراعت کے طریقے کے متعلق ہماری اس وقت جو معلومات ہیں وہ ناکافی ہیں۔ اور ان میں ابھی اضافہ ہوگا۔ نئی نئی چیزیں اُگائی جائینگی۔ جن میں خشک سالی کا مقابلہ کرنے کی طاقت ہوگی۔ اور اس طرح مغربی امریکہ کی مزروعہ زمین کا رقبہ اور بھی وسیع ہو جائیگا۔ یہ سب کچھ درست ہے۔ لیکن کہنا پڑتا ہے۔ کہ جب یہ سب کچھ جس کی ہمیں امید ہوسکتی ہے۔ انجام پا چکیگا۔ تو پھر بھی بہت سے قطعات زمین ایسے رہ جائینگے جنہیں مجبوراً بیکار رہنے دیا جائیگا۔ ان میں بہت سے قطعات سے چراگاہ کی صورت میں کام لیا جائیگا۔ لیکن بحیثیت چراگاہ کے بھی بعض قطعے ایسے نکمے ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔

ناموافق کیمیائی حالات ۔ جو زمینیں ناموافق کیمیائی حالات کی وجہ سے آجکل بیکار پڑی ہیں۔ ان زمینوں کو قابل زراعت بنانا ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس کے حل کرنے کیلئے اعلیٰ درجہ کی مہارت اور علمیت کی ضرورت ہے۔ اور افسوس یہ ہے۔ کہ اس قسم کا علم فی زمانہ نایاب یا کم یاب ہے۔ زیادہ خشک یا زیادہ مرطوب زمینوں کو قابل زراعت بنانے کیلئے بعض اوقات آبپاشی یا آبیاری کے کام کی اتنے وسیع پیمانے پر ضرورت ہے۔ کہ افراد کو اُن کا بیڑا اُٹھانے کی ہمت نہیں پڑتی۔ لیکن جو زمینیں کیمیائی خرابیوں کی وجہ سے رائگاں جا رہی ہیں۔ اُن کا معاملہ جُدا ہے۔ ان کیلئے شروع میں ایک تجرباتی دور ہوتا ہے۔ جس میں ضرورت ہوتی ہے۔ کہ حکومت یا قوم کاموں کا بیڑا اُٹھائے۔ لیکن اس کے بعد اسکی ضرورت نہیں رہتی۔ جب سائنٹفک مطالعہ اور تجربہ سے ایک مرتبہ یہ طریقہ سیکھ لیا جائے۔ کہ ایسی زمینوں کو کس طرح ٹھیک کرنا چاہیئے۔ تو پھر افراد اور پرائیویٹ کمپنیاں بھی اس مسئلہ کو اتنی ہی خوبی سے حل کرسکتی ہے۔ جتنی خوبی سے حکومت اور قوم اس کو حل کرسکتی ہیں۔ اس بنا پر یہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس سے مٹی کے خواص کے ماہر کو تعلق ہے۔ اور معاشیات کے طالب علم کو اتنا تعلق نہیں ؛

زمین شور - جو زمینیں آجکل کیمیائی خرابیوں کی وجہ سے بیکار پڑی ہیں اُن میں سے سب سے زیادہ نمایاں قسم کیا ہمارے ملک میں اور کیا باقی دنیا میں اُس زمین کی ہے - جسے عام طور پر "زمینِ شور" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - اس قسم کی زمینیں عموماً اُن خطوں میں پائی جاتی ہیں جہاں بارش کم ہوتی ہے - اور فاضل پانی نالوں کی صورت میں ادہر اُدہر بہجانے کیلئے بالکل ناکافی ہوتا ہے - اور اس کا بہت سا حصہ بخارات بنکر اُڑجاتا ہے - جن خطوں میں بکثرت بارش ہوتی ہو اور اس لئے بیشمار ندّی نالے بہتے ہوں وہاں شورے کے اجزا زمین سے نکل کر بہتے ہوئے سمندر میں جاملتے ہیں - اور پانی کے نمکی اجزاء میں اضافہ کرتے ہیں - لیکن جہاں بارش تھوڑی سی رہتی ہو اور بہت سا پانی بخارات کی صورت میں غائب ہوجاتا ہو - وہاں اجزائے شور زمین کے اندر رہ جاتے ہیں - ایسے خطوں میں بھی اگر سطح زمین اونچی یا ڈھلوان ہو یا نالوں اور بدرؤں کا اچھا انتظام ہو تو زمین شورے سے خالی ہوتی ہے وجہ یہ ہے کہ تھوڑی سی بارش بھی اس کو مٹی سے نکال کر بہالے جاتی ہے - کبھی سمندر کی طرف کبھی کم بلند زمینوں کی طرف - لیکن وہ قطعات زمین جس کی سطح نیچی ہو یا چوڑی اور ہموار ہو یا جہاں بدرؤں کا انتظام خاطرخواہ نہ ہو وہ ان نمکی اجزا سے بھرپور رہتی ہیں - اسلئے پودوں کے اُگنے میں خلل واقع ہوجاتا ہے یا وہ بالکل تباہ ہوجاتے ہیں -

کرۂ ارض کے ہر حصّے کے خشک خطوں میں اس قسم کی شور زمینیں بہت پائی جاتی ہیں ان کا نظارہ سرسبزی و شادابی سے یکسر خالی اور سنسان ہونے کی وجہ سے نہایت باصرہ خراش ہوتا ہے اور ان میں سفوف سا باریک غبار ادہر اُدہر اُڑتا رہتا ہے - جس سے مسافر کے ہونٹوں پر پپڑیاں جم جاتی ہیں - اس کی آنکھ اور ناک میں خاک پڑ جاتی ہے اور اسکی طبیعت بہت بدمزہ ہوتی ہے - جو زمینیں اس وجہ سے ضائع جارہی ہیں ان کے رقبے کا اندازہ کرنا مشکل ہے - اوّل تو کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اس زمین کا رقبہ ہے کتنا اور دوسرے اس کا بہت سا حصّہ رطوبت کے کم ہونے کی وجہ سے اسقدر بیکار ہے کہ کوئی دریافت کرنے کی پرواہ نہیں کرتا - بہرحال چونکہ ایک خشک خطے کا نشیبی اور کم خشک حصّہ عموماً شورے سے معمور رہتا ہے - اس لئے یہ عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر کیمیائی خرابیاں دور کردیجائیں

تو ایسی زمینیں پرلے درجے کی بیر حاصل ثابت ہوتی ہیں۔ اس بنا پر یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور اس کی اہمیت ریاستہائے متحدہ کے مغربی حصے سے زیادہ اور کہیں نہیں۔

ہم درستیٔ زمین کے طریقوں سے کوئی مفصل بحث نہیں کرنا چاہتے تاہم چند ایسے طریقے جو تجربہ سے فائدہ بخش ثابت ہو چکے ہیں۔ ذیل میں درج کئے دیتے ہیں۔ ان پر کامیابی سے عمل کرنے کیلئے عملی قابلیت اور مہارت کی ضرورت ہے:۔

(۱) زمین دوز بدرروئیں ان کے ذریعے سے پانی زمین میں سے اجزائے شور نکال کر لے جاتا ہے۔ ہلگارڈ (Hilgard) اس کو آخری اور عالمگیر علاج بتاتا ہے۔

(۲) طغیانی۔ بغیر زمین دوز بدرروں کے مٹی سے شورے کے اجزا طغیانی کے ذریعے بہا کر دور کئے جا سکتے ہیں۔

(۳) اوپر کی مٹی کا بمقدار چند انچ سے بالکل ہٹا دینا۔ چونکہ اجزائے شور پانی میں تحلیل ہو کر سطح پر پہنچتے ہیں۔ اور جب پانی بخارات بن کر اڑ جاتا ہے تو وہاں رہ جاتے ہیں اسلئے عموماً سطح بہ نسبت نیچے کی مٹی کے شورے سے زیادہ لبریز ہوتی ہے۔ اس طور پر ایک سال کی مدت میں تیسرے حصہ سے لیکر نصف حصہ تک اجزائے شور زمین سے دُور کئے جا سکتے ہیں۔

(۴) نہایت گہرا ہل چلانا۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اوپر جو اجزائے شور سے لبریز تہ جمی ہو وہ نیچے چلی جاتی ہے۔ نیچے جا کر وہ باقی مٹی سے مل جاتی ہے اور نباتات کی پیدائش کے لئے کم مضر ثابت ہوتی ہے۔

(۵) جو اجزائے کیمیائی زیادہ مضرت رساں ہیں ان کے اثر کو زائل کر دینا مثلاً کیچڑ سے یا کھوہا مٹی سے بہت کافی لیپ دینے سے بعض صورتوں میں اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۶) تبخیر کے اثر کو زائل کر دینا۔ اگر کوئی طریقہ اختیار کیا جائے یا نہ کیا جائے یہ ایک ایسا طریقہ ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ پولی مٹی کی تہ جس کا استعمال خشک زراعت میں کیا جاتا ہے مٹی کی مصنوعی نہیں دھوپ سے بچنے کیلئے چھاؤنی چھانا یا اور کوئی طریقہ جس سے بخارات کے اُڑنے میں کچھ کمی واقع ہو جائے تمام حالتوں میں یہ چیزیں مفید ثابت ہونگی۔

کیونکہ یہ ہر حالت میں مفید ہیں۔

(۷) ایسے پودے لگانا جو اسکی کا مقابلہ کرسکیں۔ الفافا اور آسٹریلیا کی جھاڑیاں (Salt bushes) بعض صورتوں میں اچھی ثابت ہوتی ہیں۔ تجربے کئے جا رہے ہیں۔ کہ کون کونسے پودے زمین شور میں اُگ سکتے ہیں۔

شور دلدلیں۔ وہ شور دلدلیں جو ساحل بحر اور دریاؤں کے دہانہ کے نزدیک پائی جاتی ہیں۔ اُن زمینوں کی ایک اور قسم ہے۔ جو ناموافق کیمیائی حالات کی وجہ اور خاصکر ناموافق طبیعی حالات کی وجہ سے بیکار پڑی ہیں۔ ایسی زمینوں کے درست کرنے کیلئے صرف بندوں اور بدررؤں کے بنانے کی ضرورت ہے۔ بند اس لئے کہ شور ملا ہوا پانی باہر باہر رہے اور بدرروئیں اس لئے کہ تازہ پانی باہر نکال دیا جائے۔ اگر تازہ پانی باہر نکالا جا سکے تو وہ اپنے ساتھ شور سے کو بہالے جائیگا اور زمین کی حالت ایسی ہو جائیگی کہ اس میں پیداوار ہو سکیگی۔ اسلئے یہ گندے پانی کے نکاس کے مسئلہ کا فقط ایک جزو ہے۔ اور اس پر اسی حیثیت سے بحث کرنی چاہیئے۔

ناموافق سیاسی حالات۔ ہر صاحب نظر نے یہ بات دیکھی ہوگی کہ قیمتی زمینوں کے قطعے خاصکر ہمارے بڑے بڑے شہروں کے قرب و جوار میں بیکار پڑے ہیں۔ یہ زمینیں ان معنوں میں رائیگاں جا رہی ہیں۔ کہ لوگوں کی معاش کیلئے یہ کچھ پیدا نہیں کرتیں اور ان کا ہونا بالکل ایسا ہے۔ جیسے اراضیٔ شور کا ہونا۔ اس کی وجہ ناموافق طبیعی یا کیمیاوی حالات کا ہونا نہیں بلکہ سیاسی خرابیوں کا ہونا۔ یہ زمینیں عموماً تخمین کیلئے ہوتی ہیں۔ ان کے مالک ان سے روپیہ کماتے ہیں یا امید رکھتے ہیں کہ کسی دن کمائینگے۔ وہ اس طرح نہیں کہ اس سے کچھ کام لیں بلکہ اس طرح کہ اس سے مطلق کچھ کام نہ لیں۔ ان کو امید یہ ہوتی ہے کہ سال بسال انکی قیمت چڑھتی جائیگی۔ جو روپیہ وہ اس طور پر کماتے ہیں وہ اس بنا پر کماتے ہیں کہ باقی مخلوقِ خدا محنت کر کے ملک و قوم کی دولت میں اضافہ کر رہی ہے۔ یا اس بنا پر کہ باقی لوگوں کی ضرورتیں ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی ہیں۔ بہرکیف مالکوں کو یہ امید ہوتی ہے کہ ان کی جماعت کو بہت جلد اُن کی زمین کی زیادہ ضرورت لاحق ہوگی۔ یہ سیاسی حالات کی

ایک خرابی اور کمزوری ہے کہ کوئی شخص ایسے قدرتی عطیئہ کو صرف میں لاکر نہیں بلکہ بیکار رکھ کر اور اپنی جماعت کی قوتِ پیدا آوری میں اضافہ کرکے نہیں بلکہ اس قوت کے پورے استعمال کا انسداد کرکے روپیہ کمائے۔ اور کوئی مزاحم نہ ہو۔ امریکہ کی اکثر ریاستوں میں محصول کے متعلق ناقص قوانین ہونے کی وجہ سے لوگوں کو اس قسم کی زیاں کاری کی ہمت ہوتی تھی۔ اور اب بھی بعض ریاستوں میں ایسی حالت ہے۔ جو شخص اپنی زمین کو استعمال نہ کرتا تھا وہ حکومت سے یہ درخواست کرتا کہ اس کے محصول میں کمی کی جائے۔ اور اس کی درخواست عموماً منظور کرلی جاتی۔ اب چونکہ ایک مقررہ رقم محاصل جمع کرنا لازمی تھا۔ اسلئے اس نقصان کی تلافی کرنے کیلئے اور قسم کی ملکیتوں پر محصول بڑھانے پڑتے۔ اس طور پر ایک شخص کو ایک قدرتی وسیلہ کے ضائع کرنے کا انعام ملتا۔ اور اس کے ہمسایہ کو اس بات کی سزا ملتی۔ کہ وہ کیوں ایک قدرتی وسیلہ سے وہ کام لیتا ہے۔ جس کیلئے جمہور نے وہ قدرتی وسیلہ اس کو تفویض کیا ہے۔ مقامِ شکر ہے کہ اب آہستہ آہستہ عوام کو اس بات کا احساس ہوتا جا رہا ہے۔ اور اب زمین کے ضائع کرنے والے پر اتنی مہربانیاں نہیں ہوتیں جتنی کسی زمانے میں ہوتی تھیں۔ خاصکر اُن ریاستوں میں جہاں پبلک مسائل کے متعلق لوگوں میں روشن خیالی پیدا ہوگئی ہے۔ تاہم یہ بات اب بھی ساری ریاستوں میں پائی جاتی ہے کہ جو شخص اپنی زمین کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کرے زیادہ محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ بشرطیکہ طبعی حالت میں دونوں زمینوں کی قیمت مساوی ہو۔ اس قسم کا محصول اُس محصول کی ذیل میں آتا ہے جو ملکیت کی تمام صورتوں پر یکساں لگایا جاتا ہے۔ زمین پر بھی اُتنا زمین کی اصلاح پر بھی اتنا ہی۔ اگر اصلاح شدہ زمین اور بغیر اصلاح زمین دونوں پر مساوی محصول لگایا جائے۔ تو اس صورت میں کسی قطعۂ زمین کو بیکار رکھنے میں کوئی فائدہ مالکوں کو نظر نہ آئے۔ ان کو جتنی قیمت بڑھنے کی امید ہو اُس کی کسر محصول میں نکل جائے اور مالک محسوس کرنے لگیں کہ زمین سے روپیہ کمانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ وہ جس کام کیلئے ہے اس سے وہ کام لیا جائے۔ اس سے یہ فائدہ بھی ہوگا کہ وہ زمین جس کی اصلاح میں محنت۔ کفایت شعاری اور اولوالعزمی کا اظہار کیا گیا ہے۔ اُس پر یہ جو محصول لگایا جاتا ہے۔ وہ

قدر سے کم ہو جائیگا اور اس طرح لوگوں کو اس بات کی ترغیب ہوگی کہ وہ اپنی زمین کو بہتر بنائیں اور محنت کفایت شعاری اور جواں ہمتی کا ثبوت دیں۔ اگر سیاسی حالات میں یہ اصلاح ہو جائے تو زمین کے بیکار پڑے رہنے سے جو سخت نقصان ہوتا ہے۔ وہ بڑی حد تک دور ہو جائے اس زیاں کاری کے جو مضر اثرات ہیں اُن کا اندازہ زمین کے رقبے کے حساب سے نہیں کیا جا سکتا۔ جو زمینیں یوں ضائع کی جاتی ہیں وہ عموماً ملک بھر میں سب سے زیادہ قیمتی ہوتی ہیں۔ اُن میں کا ایک ایک ایکڑ اس زمین کے سو سو ایکڑوں کے برابر ہوتا ہے۔ جو خشک زراعت کے خطے میں بیکار پڑی ہیں۔ پارکوں۔ عشرت گاہوں اور شکارگاہوں میں جو زمین برباد کی جاتی ہے۔ خاصکر یورپ میں۔ اس کے متعلق بہت کچھ تحریر و تقریر کی صورت میں اظہار رائے کیا جا چکا ہے۔ اگر زمین فی الواقع پیداوار کے لحاظ سے اتنی قیمتی ہو کہ اس کو ان مقاصد کیلئے استعمال کرنا کفایت شعاری کے منافی ہو تو اس صورت میں یہ خرابی اس طرح با آسانی دور کی جا سکتی ہے کہ ایسی زمینوں پر محصول اس اعتبار سے لگایا جائے کہ زراعت یا اس قسم کے اور پیداآور مقاصد کے نقطۂ نگاہ سے ان کی قیمت کیا ہے۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوگا۔ کہ یہ خرابی جو بیان کی جاتی ہے۔ اس میں بڑی حد تک مبالغہ کو بھی دخل ہے۔ جو زمینیں ان سیر و تفریح کے مقاصد کیلئے استعمال کی جاتی ہیں۔ ان میں یقیناً اکثر ایسی ہیں جو زراعت کیلئے کچھ زیادہ موزون و مناسب نہیں ہیں۔ یہ زمینیں عموماً بیجد ناہموار پتھریلی اور بنجر ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں صریح طور پر یہ کہنا چاہیئے کہ اگر ان کو ہل جوتنے کیلئے صاف نہیں کیا جا سکتا۔ تو ان میں جنگل اُگنے دینا چاہیئے۔ اگر کچھ شکار ان سے حاصل ہو جائے اور بحیثیت پارکوں یا شکارگاہوں کے سامان تفریح بھی ان سے مہیا ہو جائے۔ علاوہ اس کے کچھ لکڑی بھی ہاتھ لگ جائے۔ تو کیا مضائقہ ہے۔ لیکن اگر اچھی اچھی زراعت کے قابل زمینیں ایسے کاموں کیلئے استعمال کی جاتی ہوں۔ حالانکہ اگر ان میں کاشت کی جاتی تو زیادہ فائدہ ہوتا اور پھر یہ بھی ہو کہ لوگوں کے وسیلۂ معاش کیلئے ان زمینوں میں زراعت کرنے کی ضرورت ہو تو یہ یقیناً سیاسی بدنظمی کی دلیل ہے۔ جن لوگوں کو یہ اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اچھی زمینوں کو یوں برباد کرتے ہیں۔ اُن سے کم از کم اس رعایت کا معقول معاوضہ لینا چاہیئے۔ اور کچھ نہیں تو

ان سے اتنا محصول تو ضرور وصول کرنا چاہیئے۔ جتنا کہ وہ اس صورت میں ادا کرتے کہ زمین کو درست کرتے اور اس میں ہل جوتتے۔ یہ علاج اگر کیا جائے تو جو زمینیں سرے سے زراعت کے قابل ہی نہیں اُن کو تو جانے دیجیے۔ باقی جو زمینیں زراعت کے کام کی ہیں۔ اُن میں یقیناً زراعت ہونے لگے گی ؎

---

(۳) زمین کے بکفایت استعمال کے طریقے

(بسلسلہ ماسبق)

فی ایکڑ زیادہ پیداوار کرنا - بیکار زمین کو قابلِ زراعت بنانا اور جن زمینوں میں پہلے ہی زراعت ہوتی ہے۔ ان کی پیداوار قوت کو بڑھانا۔ یہ دو مختلف باتیں ہیں۔ لیکن ان کا باہمی فرق بآسانی واضح نہیں کیا جا سکتا۔ جو زمینیں پہلے صرف مویشی چرانے کیلئے استعمال کی جاتی تھیں لیکن اب ان میں خشک زراعت یا آبپاشی کے ذریعے کاشت کی جاتی ہے۔ ان کو ہم بعض اوقات اُن زمینوں کی ذیل میں شمار کرتے ہیں۔ جو پہلے خراب تھیں اور اب قابل زراعت ہوگئیں ہیں۔ اور بعض اوقات ان زمینوں کے زمرہ میں جن کی قوتِ پیداوار کو بڑھایا گیا ہے مغرب بعیدہ کی خشک زمینیں بعض اوقات چراگاہوں کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ حالانکہ ان میں سبزی اس قدر کم ہوتی ہے کہ کئی کئی ایکڑوں کو اکیلی بھیڑ چر سکتی ہے۔ جب ایسی زمینوں میں آبپاشی کی جائے اور اُن میں غلہ اور الفا فا کی فصلیں پیدا کی جائیں تو درست شدہ زمینوں کا نام اُن پر ٹھیک بیٹھتا ہے۔ لیکن جب مشرقِ بعیدہ کی طرف کی زمینوں میں جہاں بارش کافی ہوتی ہے اور سبزی بھی ذرا زیادہ اُگتی ہے۔ اور اس لئے چراگاہیں اچھی ہوتی ہیں۔ خشک زراعت کے قاعدے کے مطابق ہل چلائے جائیں اور دوسرے سال اُن میں گیہوں کی فصل پیدا کی جائے۔ تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ درست شدہ زمینیں ہیں۔ گو ان کی پیداوار میں ترقی ہی کیوں نہ ہوگئی ہو۔ اسلئے بیکار زمینوں کو استعمال میں لانے کا سوال اس بڑے مسئلہ کی ایک شق ہو کر رہجاتا ہے کہ فی ایکڑ پیداوار کو بڑھانے کی کیا ترکیب ہے۔ آخرالذکر زمین کے باکفایت استعمال کا ایک اور طریقہ ہے۔

اس جگہ ایک بات جتا دینی ضروری ہے۔ بعض اوقات یہ فرض کرلیا جاتا ہے۔ کہ فی ایکڑ زیادہ پیداوار بذات خود ایک پسندیدہ چیز ہے۔ لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے جس چیز کی خواہش کرنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ فی کس پیداوار زیادہ ہو۔ جن ملکوں میں فی کس پیداوار کافی ہوتی ہے صرف وہاں متوسط الحال آدمی کا معیار زندگی بلند ہوتا ہے اور اعلیٰ درجے کی

خوشحالی اسے نصیب ہوتی ہے۔ جن ملکوں میں زمین کی بہتات ہو۔ وہاں فی کس کافی پیداوار کاشت وسیع سے بآسانی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یعنی اس طرح کہ فی کس کافی رقبۂ زمین کی کاشت کی جائے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فی ایکڑ پیداوار کم ہوتی ہے۔ لیکن اگر کسی ملک میں ساری کی ساری زمین رُکی ہوئی ہو۔ اور آبادی بڑھتی جارہی ہو تو فی کس زیادہ پیداوار جاری رکھنے کی صرف ایک ترکیب ہے۔ وہ یہ کہ فی ایکڑ پیداوار زیادہ کی جائے یعنی یہ کہ اگرچہ فی ایکڑ زیادہ پیداوار بذاتِ خود کوئی پسندیدہ چیز نہیں۔ تاہم فی کس زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے وسیلہ کے طور پر اس کو پسندیدہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ملک میں فی ایکڑ بہت زیادہ پیداوار ہو۔ اور فی کس پھر بھی ناکافی ہو۔ لیکن جہاں یہ حالت ہو وہاں عموماً افلاس اور فلاشی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ ایسے بہت سے ملک جن میں فی ایکڑ پیداوار زیادہ ہوتی ہے لیکن لوگ بھوکے مرتے ہیں مثال کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں۔ لطف کی بات ہے کہ یہی وہ ملک ہیں جن کو بے عقل اور کم فہم لوگ قابل رشک بتاتے ہیں۔

ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ خدا کی مہربانی ہمیں اس افتاد یعنی مصیبت سے محفوظ رکھیگی جو ان ملکوں پر پڑی ہے یا یوں کہئے کہ ہمارے اہل ملک خود اس بارے میں خبردار رہینگے۔ کہ ایسی بات یہاں نہ ہونے پائے۔ تاہم یہ بات اٹل معلوم ہوتی ہے کہ آئندہ چند سال میں ہمارے ملک کی آبادی بڑی تعداد میں بڑھے۔ خاصکر اس صورت میں کہ لوگ جس طرح ان دنوں جوق درجوق امریکہ کی طرف ٹوٹے پڑتے ہیں۔ اسی طرح آتے رہے۔ اس لئے اشد ضروری بات ہے۔ کہ ہم جہاں فی ایکڑ پیداوار بڑھانے کا ڈھنگ سیکھیں۔ وہاں فی کس پیداوار بڑھانے کا طریقہ بھی نظرانداز نہ کریں۔ جس زمین میں پہلے زراعت ہوتی ہو۔ اس کی پیداوار فی ایکڑ بڑھانے کے دو عام طریقے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ کم پھلنے پھولنے والی اجناس کی بجائے اچھی پھلنے پھولنے والی اجناس لگائی جائیں۔ دوسرے یہ کہ ہر جنس کی زیادہ عمیق کاشت کی جائے۔

کم حاصل اجناس کی بجائے بیر حاصل اجناس کی کاشت کرنا۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے۔ درستیٔ زمین کے کام کے بیشتر حصے سے اوّل الذکر عنوان کے ماتحت بحث کی جاسکتی ہے خودرَو گھاس کی بجائے مزروعہ گھاس کا اُگانا چراگاہونکی

بجائے کاشتکاری۔ ایسی چیزوں کی بجائے جو کم کاشت لیکن زیادہ زمین چاہتی ہوں ایسی چیزوں کا اُگانا جو زیادہ کاشت اور کم زمین چاہتی ہوں۔ یہ زمین کے باکفایت استعمال کی مختلف منزلیں ہیں۔ اس معاشیاتی ترقی کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ریاستہائے متحدہ کا علاقہ مغرب کی طرف ہٹتا چلا جا رہا ہے۔ گیہوں دنیا کی تجارت میں بڑی اہمیت رکھتا ہے تاہم کاشتِ عمیق کے زاویۂ نگاہ سے یہ ایک ادنیٰ درجہ کی جنس ہے۔ ایک درمیانہ درجہ کی فصل پیدا کرنے کیلئے معمولی محنت درکار ہوتی ہے۔ لیکن اس فصل کی مقدار بڑھانے کیلئے اگر کاشتکار کوشش کرے تو اور اجناس کی فصل تو بڑھ جاتی ہے لیکن گیہوں کی فصل نہیں بڑھتی۔ مکّی کے ایک ایکڑ کی کاشت میں گیہوں کے ایک ایکڑ کی کاشت سے زیادہ محنت خرچ ہوتی ہے۔ لیکن اگر آب و ہوا اور طبیعتِ زمین مناسب حال ہو تو ان اجناس کی فصل بہت مقدار میں بڑھائی جا سکتی ہے۔ یعنی یہ اجناس بہ نسبت گیہوں کے کاشتِ عمیق کو جلدی قبول کر لیتی ہیں۔ گیہوں نقل و حمل کیلئے بہت مناسب ہوتا ہے تھوڑا سا حجم اور زیادہ قیمت یہ اس کی بڑی خوبی ہے۔ اس لئے وہ دور دور تک جہازوں پر لدکر جا سکتا ہے۔ اور نقد داموں پر بک سکتا ہے اس بنا پر کئی سال سے یہ ہو رہا ہے کہ دنیا کی گیہوں کی رسد زیادہ تر اُن خطوں سے آتی ہے جن کی آبادی کھلی کھلی ہے۔ اور جو مرکزی منڈیوں سے بہت فاصلے پر واقع ہیں۔ زمین بکثرت ہے اور مزدوروں کی تعداد کم۔ جہاں تک ہمارے ملک کا تعلق ہے۔ گیہوں سرحدی علاقوں میں پیدا ہوتا رہا ہے اور گیہوں کی پیداوار کا مرکز پچھلے سالوں میں مغرب کی طرف ہٹتا گیا ہے اور اب بھی اُسی طرف جا رہا ہے آبادی جیسے جیسے گنجان ہوتی چلی گئی ہے اور زمین کی بمقابلہ مزدوروں کے قلت ہوتی چلی گئی ہے ویسے ویسے یہ محسوس کیا گیا ہے کہ گیہوں کی بجائے اور کوئی غلّہ یا دوسری اجناس اُگانا معاشیاتی اعتبار سے زیادہ نفع بخش ہے۔ یا گیہوں کو اگر اُگایا بھی جائے تو ان دوسرے پودوں کے ساتھ باری باری اگایا جائے۔ بہرکیف زمین کی روز افزوں قلت اور مزدوروں کی کثرت نے بجائے کم حاصل اجناس کے سیر حاصل اجناس کی کاشت کو رواج دیا ہے۔

یہ سیر حاصل اجناس کا کم حاصل اجناس کے بجائے اُگایا جانا بعض نہایت پیچیدہ معاشیاتی مسائل پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ اوپر ظاہر کیا جا چکا ہے۔ گیہوں کا خطہ جو مغرب کی طرف ہٹتا جاتا ہے۔ تو اس کا ایک سبب نقل و حمل کی آسانیاں ہیں۔ گو سستی زمینوں کا دستیاب ہو سکنا اور کاشت وسیع کے موقعوں کا میسر آنا بھی بڑے اہم اسباب ہیں۔ بڑے بڑے شہروں کے قرب و جوار میں باغ کے پودوں کی جو کہ اور بھی سیر حاصل ہیں۔ لیکن نقل و حمل کے کام کے نہیں۔ جو کاشت ہونے لگی ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی نقل و حمل کا سوال ہے۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے۔ کہ جو چیزیں حجم میں زیادہ یا جلدی خراب ہو جانے والی ہوتی ہیں۔ یا اور کسی وجہ سے اُن کی نقل و حمل کا کام مشکل ہوتا ہے۔ اُن کو اس جگہ کے نزدیک پیدا کرنا چاہیئے۔ جہاں کہ وہ صرف میں آتی ہوں۔ اور وہ چیزیں جو حجم میں کم اور نسبتاً دیر سے خراب ہونیوالی ہوں یا جن کے نقل و حمل میں خراب ہونے والی ہوں، یا جن کے نقل و حمل میں اتنی دقت پیش نہ آتی ہو۔ وہ اگر اس جگہ سے جہاں وہ صرف ہوتی ہیں دُور بھی پیدا کی جائیں تو مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ نقل و حمل کے ذرائع کی کفایت کرنے کا ایک طریقہ ہے نہ کہ زمین کی کفایت کرنے کا طریقہ۔ مزید بریں تقسیم کار کی یہ صورت اسی ملک میں کفایت کا باعث ہو سکتی ہے۔ جہاں گنجان آبادی والے اور کم آبادی والے دونوں طرح کے خطے موجود ہوں۔ اور دونوں ایک جیسے زرخیز ہوں۔ جب تمام ملک میں آبادی گنجان ہو جائے۔ تو اسی میں زیادہ کفایت ہوگی۔ کہ جہاں ملک میں سیر حاصل اجناس کی کاشت کی جائے وہاں ایسی پیداوار بھی کیجائے جو بھاری بھر کم اور جلدی خراب ہو جانے والی ہو اور جس کی نقل و حمل میں دقت پیش آتی ہو۔ اور گیہوں اور اس قسم کے اور کم حاصل اجناس کی رسد کیلئے دوسرے ملکوں پر انحصار رکھا جائے۔ جن کی آبادی کم گنجان ہو۔ بشرطیکہ ہمارے پاس کوئی ایسی پیداوار ہو کہ ہم وہ اس کے عوض میں اُن ملکوں کو بھیج سکیں۔ گیہوں اور گائے کا گوشت ایسی چیزیں ہیں جو سرحدی علاقوں میں سب سے زیادہ پھلتی پھولتی ہیں۔ اس لئے ہم کو یہ دیکھ کر تعجب نہ ہونا چاہیئے کہ ریاستہائے متحدہ میں جوں جوں آبادی بڑھتی جائیگی یہ دو چیزیں کمتر مقداروں میں پیدا کی جائینگی اور ان کی جگہ ان سے

زیادہ فائدہ بخش چیزیں اُگائی جائینگی - یہ ترقی کی نشانی ہے نہ کہ زوال کی - کم حاصل اجناس کو چھوڑ کر سیر حاصل اجناس کی کاشت کرنے کی ایک اور مثال مغرب بعیدہ میں ملتی ہے - وہاں کے مویشی پالنے کے میدانوں میں ایسے لوگ آکر آباد ہو رہے ہیں - جنہوں نے زمین میں کاشت کرنا شروع کر دی ہے - جس طرح مکّی کے علاقے نے گیہوں کے علاقے کو مغرب کی طرف دھکیل دیا ہے - اسی طرح گیہوں کے علاقے نے مویشیوں کے علاقے کو مغرب کی طرف ہٹا دیا ہے - جب تک میدانی علاقے میں ایسے خطے مل سکتے تھے - جو رُکے ہوئے نہ تھے اور وہاں جا سکتے تھے اور مویشی گاہیں (Ranches) گیہوں کے علاقے سے آگے آگے مغرب کی طرف ہٹتی جاتی تھیں - لیکن جب سارے کا سارا رینج (Range) کا علاقہ رُک چکا - تو پھر گیہوں کے علاقہ کے مغرب کی طرف ہٹنے کے معنی یہ تھے - کہ رینج کے علاقے میں مویشیوں کے پالنے کا کام بالکل فنا ہو گیا یا تباہی کے قریب آگیا - پچھلے چند سالوں سے یہ صورتِ حالات پیدا ہو رہی ہے - رینج کے علاقے کے اندر بھی اس طرح کا عمل بروئے کار ہے - بھیڑوں کی تعداد میں ترقی ہو رہی ہے - اور مویشی باہر دھکیلے جا رہے ہیں - کیونکہ بھیڑیں ان چراگاہوں میں جن میں بہت کم چارہ ہوتا ہے - گذارہ کر سکتی ہیں - اور مویشی نہیں کر سکتے -

زراعتی پیداوار کے ان مختلف علاقوں کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے کا نتیجہ غالباً اس صورت میں رونما نہیں ہوا کہ تمام تجارتی دنیا کی منڈیوں کو رسد بہم پہنچانے کے رقبہ میں کچھ نمایاں تغیر ہوا ہو - یعنی کسی جنس کیلئے زیادہ رقبہ وقف کیا جانے لگا ہو - اور کسی کیلئے کم - مختلف اجناس کیلئے جو رقبہ وقف کیا جاتا ہے - اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے - لیکن جب تک تجارتی دنیا خورد و نوش کے متعلق اپنی عادتیں نہ بدلیگی اس وقت تک وہ مختلف اجناس کو اسی نسبت سے خریدے گی - اگر ہم یہ تصوّر کر سکیں کہ دنیا میں جتنی زمین ہے سب رُک چکی ہے اور اس میں کاشت ہوتی ہے اور "پرانے ملکوں" اور "نئے ملکوں" کے درمیان جو فرق تھا اُٹھ گیا ہے - تو اس وقت یہ تصوّر کرنا مشکل نہ ہوگا - کہ کیونکہ یہ مختلف علاقہ جاتِ پیدائش ایک دوسرے کو نئے اور سستے ملکوں کی

کہ میٹھے آلوؤں کی غذا کو محض اسلئے ترجیح دیجانی چاہیئے کہ اس کے ایک ایکڑ میں آلوؤں کی زیادہ تعداد پیدا ہوتی ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے۔ کہ جب کوئی چیز اتنی خوش ذائقہ اور زود ہضم ہو جتنا کہ آلو ہوتا ہے تو اس کے زیادہ کھانے سے زمین کی بہت کفایت ہو سکتی ہے۔ دوسرے فی ایکڑ پیداوار کا اندازہ ہم نے محض مشاہدہ عام کی بنا پر لگایا ہے۔ یہ اندازہ اوسط پیداوار کے اعداد و شمار یا بیشتر بیں پیداوار پر مبنی نہیں۔ فی ایکڑ جتنی پیداوار ہم نے اوپر کی فہرست میں دکھائی ہے۔ وہ اتنی ہے جتنی راقم الحروف کی رائے میں ایک اوسط درجہ کی ایک ایکڑ زمین میں جو کسی جنس کیلیئے موزوں ہو اور جس میں عمدہ طور پر کاشت کی جائے اُگنے کی توقع رکھنی چاہیئے۔ کوئی اور مصنّف بجا طور پر پیداوار کی مختلف مقداریں بنا سکتا تھا۔ اور مختلف نتیجے اخذ کر سکتا تھا۔ لیکن راقم الحروف کو یہ یقین ہے۔ کہ خود اس کے اندازے صحیح ہیں۔ اور اس کا خیال ہے کہ اُس نے جو پیداوار مختلف اجناس کے متعلق بتائی ہے وہ پیدا کی جا سکتی ہے۔

ہمارے ملک کی مختلف اجناس میں جو غذائیت کی قوّت ہے اور جو صفحہ ۱۸۹ کی فہرست میں دکھائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ کیلوں۔ کھجوروں اور منطقہ حارہ کے پھلوں کی غذائیت بھی بہت زیادہ ہے۔ جب ہم اس امر پر غور کریں اور یہ بھی دیکھیں کہ یہ پھل اُن ملکوں میں پیدا کیئے جاتے ہیں۔ جہاں زمین بکثرت اور سستی ہو تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان ملکوں کیلیئے خوراک کا مسئلہ آئندہ کئی سال کیلیئے ایک طے شدہ امر ہے۔ بشرطیکہ وہ کیلوں۔ کھجوروں اور اس قسم کے اور پھلوں کو بطور خوراک کے کھانا پسند کریں۔ اور ان پھلوں کو دوسرے ملکوں سے معاوضہ پر لینے کیلیئے کوئی اپنی جنس بھی پیدا کرتے ہوں۔ اگر یہ شرائط پوری ہو جائیں تو پھر خوراک کا مسئلہ محض نقل و حمل کے مسئلہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

معیار زندگی پر اس کا اثر۔ خورد و نوش کی عادات میں ایسی تبدیلی کا ہونا جسکے رُو سے بیر حاصل اجناس زیادہ اُگائی جائیں اور کم حاصل اجناس نسبتاً کم اُگائی

جائیں۔ قابلِ اعتراض سمجھا جا سکتا ہے۔ اس پر اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس سے معیارِ زندگی پست ہو جاتا ہے۔ ایسا ہونا بہت ممکن ہے۔ اس صورت میں کہ کسی سستی چیز کو کسی عمدہ چیز کے مقابلے پر ترجیح دیجائے اور تنوع و تبدیل ذائقہ کا کچھ خیال نہ کیا جائے۔ روٹی کی بجائے نرے آلوؤں کا کھانا ایک بات ہے اور روٹی کے ساتھ ساتھ آلوؤں کا بھی استعمال کرنا بالکل جدا بات ہے۔ اگر نرے آلو روٹی کے بجائے کھائے جائیں۔ تو معیارِ زندگی پست ہو جاتا ہے۔ اور اگر روٹی کے ساتھ ساتھ کھائے جائیں۔ تو اس سے کھانے میں تنوع پیدا ہو جاتا ہے۔ اور معیارِ زندگی بلند ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی کھانے کے اخراجات بھی کم ہوتے ہیں۔ اگر کسی ملک کے باشندوں کو صرف ایک سیر حاصل جنس پر گذارہ کرنا پڑے۔ خاصکر جب وہ جنس آلوؤں اور دیگر زمینی پودوں کی طرح جو جاپان میں بہت کھائے جاتے ہیں۔ فی پونڈ غذائیت کم رکھتی ہو تو اس ملک کی حالت قابلِ رحم ہے۔ فی ایکڑ پیداوار اگر اتنی زیادہ ہوگی۔ تو فی ایکڑ غذا بھی کسی قدر زیادہ ہوسکتی ہے۔ باوجود اس بات کے کہ وزن کی نسبت سے غذائیت کم ہوگی۔ لیکن عام رائے یہ ہے کہ کسی قوم کے لئے مشکل ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کے کھائے بغیر جس میں غذائیت بہت زیادہ مقدار میں ہو اپنی قوت و طاقت کو قائم رکھ سکے۔ ایک ملک کو کس حد تک سستی چیزیں کھانا چاہئیں یا ایسی چیزیں کھانا چاہئیں۔ جن سے زمین کی کفایت ہوتی ہے۔ یہ ایک مشکل مسئلہ ہے۔ لیکن اس بات میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں۔ کہ ایسی خورد و نوش کی عادتیں جو مضر ہوں۔ اور جن سے خوراک کی تضیع لازم آتی ہو۔ چھوڑ دینا کفایت کا باعث ہے مثلاً افیون اور تمباکو کے استعمال کی عادت۔ ان چیزوں کے پیدا کرنے کیلئے بہت زیادہ زمین درکار ہوتی ہے۔ اور پھر یہ زندگی کے آرام اور بہتری و بہبودی میں بالکل حائل نہیں ہوتیں۔

ترکاری اور گوشت بہ حیثیت غذا کیا معاشیاتی قدر و قیمت رکھتے ہیں؟

بعض اوقات یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ ترکاریوں کا کھانا بمقابلہ گوشت کے کھانے کے

زیادہ کفایت کا باعث ہے۔ ہمی ملکوں میں گوشت یے کاشت اور بنجر زمینوں کے حالات کے ماتحت پیدا ہوسکتا ہے۔ مثلاً جس طرح مغربی میدانوں میں آج سے ایک صدی پہلے ہوتا تھا۔ یا جس طرح نئی دنیا کے اور حصوں میں آجکل بھی ہوتا ہے اُن ملکوں میں اس کی پیداوار پر محنت بہت کم صرف ہوتی ہے۔ اور اس لئے وہ منجملہ سستی غذاؤں کے ہوتا ہے۔ بیشک اس کیلئے زمین بہت درکار ہوتی ہے۔ اور جب یہ نئے علاقے آباد ہوجائیں اور ان کی آبادی گنجان ہوجائے تو پھر گوشت کی رسد مزرعوں سے حاصل کرنی پڑیگی۔ ان حالات میں اگر گوشت زیادہ مقدار میں پیدا کیا جائے تو ایک مہنگی چیز ہے۔ ایک گائے کو موٹا کرنے کیلئے دانوں میں جتنی قوت تغذیہ درکار ہوتی ہے۔ وہ اس گوشت سے جو پیدا ہوتی ہے۔ کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ پھر اس کے علاوہ گائیں اور بہت سی چیزیں کھا جاتی ہیں۔ سال بھر ایک گائے چرانے کیلئے جتنی زمین درکار ہوتی ہے اگر اس میں غلہ یا ترکاریاں پیدا کی جائیں تو جتنا گوشت اس عرصے میں اس گائے کے جسم پر بڑھے گا۔ اُس سے کہیں زیادہ خوراک حاصل ہوگی۔ بہرحال یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے اس کا اطلاق گوشت پر اسی صورت میں ہوتا ہے کہ اس کو ایک منڈی کی جنس کے طور پر پیدا کیا جائے۔ اگر گوشت تھوڑی مقدار میں اور ملک کی ایک ضمنی پیداوار کے طور پر پیدا کیا جائے تو وہ کفایت کے لحاظ سے ایک ملک کیلئے بہترین پیداواروں میں سے ہے۔ اوّل یہ بات ہے کہ غلہ اور ترکاریوں کے پیدا کرنے میں بہت سی فاضل اور بیکار چیزیں اتنی پیدا ہوجاتی ہیں۔ جو انسان کے کھانے کے کام کی تو نہیں ہوتیں۔ لیکن جانور اُنہیں کھا سکتے ہیں۔ ہضم کرسکتے ہیں۔ اور کھا کر موٹے ہوسکتے ہیں۔ اس نقطۂ نگاہ سے یوں سمجھئے کہ جانور گویا ایک مشین ہے۔ جس کے ذریعے ناخوردنی اور فضول چیزوں کو نہایت عمدہ غذا کی صورت میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ ایک ایسی مشین کا بڑا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے۔ کہ ان فضول چیزوں کو دودھ یا انڈوں کی صورت میں منتقل کیا جائے۔ لیکن دودھ اور انڈوں کے پیدا کرنے کیلئے اس بات کی ضرورت ہے کہ مویشی اور مرغیاں پورے طور پر پل چکی ہوں۔ لیکن جب وہ پل کر

جوان ہو چکی ہوں۔ تو پھران کو بیکار رہنے دینے کی بجائے اُن کا کھا لینا بہتر ہے۔ یہی حال بھیڑ کے گوشت کا ہے۔ اگر وہ بھی زراعت کی ضمنی پیداوار کے طور پر پیدا کیا جائے تو یہی مشکل پیش آتی ہے۔ جب بھیڑیں پورے طور پر پل چکیں تو بجائے اس کے کہ فاضل چیزوں کو کھائیں اور بیکار موٹی ہوتی جائیں۔ اُن کو بطور غذا کے کام میں لے آنا اچھا ہے جن جن ملکوں میں گھوڑے کے گوشت کو مکروہ نہیں خیال کیا جاتا۔ وہاں بھی یہی مشکل پیش آتی ہے۔ اگر وہاں گھوڑوں کی بطور بار برداری کے جانوروں کی ضرورت ہو۔

اس قسم کی ایک اور دلچسپ اور قابل تذکرہ بات یہ دلیل ہے۔ جو شہری لوگ پیش کرتے ہیں۔ کہ اگر بچھڑے ذبح نہ کئے جائیں۔ بلکہ اُن کو بلکر جوان ہونے دیا جائے تو پھر گوشت کی مقدار اور بھی زیادہ پیدا ہوگی۔ یہ نظریہ ہماری قومی کانگریس میں شدو مد سے پیش کیا جا چکا ہے۔ اور روزانہ اخباروں کے بعض اخبارات کے ایڈیٹروں نے بھی اس کی حمایت میں بہت کچھ کہا ہے۔ لیکن یہ تو بالکل یوں ہے۔ جیسے کوئی یہ کہے کہ اگر معمار اس وقت تک اپنا کام بند نہ کیا کریں۔ جب تک کہ عمارت بیس منزل اونچی نہ ہو جائے۔ تو مکانوں میں گنجائش زیادہ نکل آئیگی۔ یہ بات بظاہر صحیح ہے۔ کہ اگر ہر بچھڑے کو اس وقت سے پیشتر ذبح نہ کیا جائے جب تک اس کا وزن ایک ٹن نہ ہو جائے تو اس کا گوشت زیادہ ہوگا۔ بہ نسبت اس کے کہ جب اس کا وزن کل دو سو پونڈ ہو اُسے ذبح کر لیا جائے۔ لیکن ذرا غور کیجئے اور حقیقت حال کو دیکھئے اگر یہ ممکن ہو کہ بچھڑا جن دنوں پل رہا ہو ان دنوں وہ اپنی غذا فضائے آسمانی سے حاصل کرتا ہو اور زمین کی چیزوں کو منہ نہ لگاتا ہو۔ اس کو موٹا ہونے دینا یقیناً اعلیٰ درجے کی کفایت شعاری ہے۔ لیکن واقعہ چونکہ یہ ہے کہ وہ زمین سے اپنی غذا حاصل کرتا ہے اور جوں جوں بڑا ہوتا جاتا ہے اتنی زیادہ غذا کھاتا ہے۔ اسلئے صریح طور پر یہ اصول کفایت کے منافی ہے۔ کہ اسکو خواہ مخواہ ضرورت سے زیادہ طویل مدت کیلئے پلنے اور موٹا ہونے کی اجازت دی جائے جب وہ اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس کا گوشت کھانے کے قابل ہو جائے اسی وقت اس کا قصہ پاک کر دینا بہتر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چاہے کتنی ہی زمین کیوں نہ صرف کی جائے اور محنت کی کوئی مقدار کیوں نہ خرچ کی جائے۔ تب بھی گائیوں کی بہ نسبت بچھڑوں سے زیادہ خوراک

حاصل ہو سکتی ہے۔

رسالہ "امریکہ کی دیہاتی زندگی" بابت جولائی ۱۹۰۵ء میں ایک مضمون نگار لکھتا ہے یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ اگر جانوروں کو موٹا کرنے کی مدت کو طول دیا جائے تو فی پونڈ گوشت کے مصارف بڑھتے جاتے ہیں۔ ایک تجربہ کر کے یہ دیکھا گیا کہ موٹا کرنے کی مدت کے پہلے دو مہینوں میں سو پونڈ گوشت کیلئے ۷۰۰ پونڈ دانوں کی ضرورت تھی۔ لیکن ۶ مہینے کے بعد گوشت کی اس مقدار کیلئے ۱۰۰۰ پونڈ دانے درکار تھے۔ ثابت کیا گیا ہے کہ بعض جانور ایسے ہوتے ہیں کہ جتنا خرچ اُن کو موٹا کرنے کیلئے شروع شروع میں برداشت کرنا پڑتا ہے اس سے چار گنا زیادہ خرچ اخیر میں ہوتا ہے۔

یہی مضمون نگار ایک اور جگہ لکھتا ہے:۔ یہ بیشک درست ہے (کہ جانوروں کو زبردستی کھلا کھلا کر موٹا کرنے کا سوال تو علیحدہ رہا) اُن کے کھانے دانے کا خرچ اُن کی عمر کے تقاضے سے بڑھتا ہے۔۔۔۔۔ ۵۰ سے زیادہ مختلف عمروں کے جانوروں پر تجربہ کرکے دیکھا گیا ہے۔ ان تجربوں کے اعداد و شمار سے ظاہر ہے۔ کہ آدھ سال کی عمر کے جانور میں گوشت کی اوسط روزانہ ترقی ۲٫۰۳ پونڈ ہوتی ہے۔ ۱½ سال کی عمر میں ۲٫۰۹ پونڈ ۲½ سال کی عمر میں ۱٫۵۸ پونڈ ۳½ سال کی عمر میں ۱٫۴۴ پونڈ ۴½ سال کی عمر میں ۱٫۲ پونڈ۔

ان اعداد و شمار سے یہ ظاہر ہو گیا ہوگا کہ گوشت کی رسد بڑھانے کا طریقہ یہ نہیں۔ کہ جانوروں کو پل کر جوان ہونے دیا جائے۔ بلکہ یہ کہ جب وہ اس قابل ہو جائیں کہ اُن کو کھایا جاسکے تو فوراً انہیں ذبح کر دیا جائے۔ رہا یہ فیصلہ کہ کوئی جانور کھانے کے قابل ہوا ہے یا نہیں۔ سو یہ کھانے والوں کے ذائقہ اور عادتوں پر منحصر ہے۔ اگر بہت سے جانور پالے جائیں اور چھوٹی عمر ہی میں ذبح کر لئے جائیں تو ہماری چراگاہوں اور کھیتوں میں زیادہ گوشت پیدا ہوا کرے۔ بہ نسبت اس کے کہ جانوروں کی تھوڑی سی تعداد بہت مدت تک ان چراگاہوں اور کھیتوں کی پیداوار کو کھاتی رہے۔ بچھڑوں کا گوشت چونکہ شیر خانہ (Dairy) کے کام کی ایک ضمنی پیداوار (By product) ہے۔ اس لئے یہ خاص طور پر سستا پڑتا ہے خورد و نوش کی عادتوں کے بدلنے سے صرف غذا کے بارے میں کفایت نہیں ہو سکتی۔

اور طرح کی کفائتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ اُون کے کپڑوں کی بجائے سوت کے کپڑے پہننے سے بھی زمین کی بڑی بچت ہوتی ہے۔ ایک ایکڑ زمین سے جسقدر کپاس اُگی ہو۔ اُتنے ہی کپڑے کیلئے مواد مل سکتا ہے۔ جتنا کہ دس ایکڑ زمین سے جس میں اُون کی پیداوار کی جاتی ہو۔ مانا کہ اون کے کپڑے زیادہ پائدار ہونگے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ کپاس سے زمین کی بہت بچت ہوتی ہے۔ سُوت کے کپڑے بیشک وہ کام نہیں دے سکتے۔ جو اُون کے کپڑے دے سکتے ہوں۔ تاہم بعض باتوں کے لحاظ سے ایک اور مقررہ حد تک وہ دونو ایک دوسرے کا بدل ہیں۔ اس حد کے اندر اندر ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی بنا محض یہ ہو سکتی ہے کہ سوت سستا ہے اور اُون فیشن میں داخل ہے۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں۔ کہ فیشن آہستہ آہستہ سستے پن کی طرف رجوع کریگا۔ بہرحال گمانِ غالب یہ ہے۔ کہ اگر اون کی بجائے سُوت کے کپڑے پہننے لگیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زیادہ مقداریں اور زیادہ انواع و اقسام کے کپڑے پہنے جائینگے۔ اس سے یہ فائدہ تو بیشک نہیں ہوگا۔ کہ زمین کم خرچ ہونے لگے۔ تاہم ایک اعتبار سے زمین کی کفایت ہوگی۔ وہ یوں کہ بغیر اور زیادہ زمین کو استعمال کئے معیارِ زندگی بلند ہو جائیگا۔ دوسری طرف یہ بات ہے۔ کہ اُون کا نقل و حمل آسان ہے۔ اور اسلئے صَرف کے مرکزوں سے بہت دور نئے ملکوں میں اس کی کاشت ہو سکتی ہے یعنی ایسے ملکوں میں جہاں زمین بکثرت ہے۔ اور اس لئے اسکی بچت کا خیال کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ برخلاف اس کے کپاس کیلئے بہت زیادہ محنت درکار ہوتی ہے۔ اور اسلئے اُس کی کاشت اُسی جگہ ہو سکتی ہے جہاں آبادی اتنی ہو کہ مزدور بآسانی مل سکیں یعنی یوں کہئے۔ کہ وہ سرحدی علاقوں میں پیدا ہونے کیلئے موزوں نہیں۔ علاوہ بریں جن ملکوں میں بھیڑ کا گوشت پسند کیا جاتا ہوں اور اس کی بڑی قیمت ادا کی جاتی ہو اور اُن کے پیدا کرنے کا خرچ اس طرح کم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ سوال حل طلب ہے۔ کہ آیا اُون بھیڑ کے گوشت کی ایک ضمنی پیداوار ہے۔ بھیڑ کا گوشت اون کی ایک ضمنی پیداوار ہے۔ جہاں پہلی صورت ہو۔ وہاں یہ سمجھئے کہ ابھی سوت کے کپڑوں کے حق میں لوگوں کا اتنا خیال پیدا نہیں ہوا جتنا آئندہ زمانے میں ہونا یقینی ہے۔ بشرطیکہ کوئی اور چیز مثلاً [illegible]

کپاس کی جگہ نہ لے لے تو

کاشت عمیق - ایک ایکڑ زمین میں جتنی پیداوار اب ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ پیداوار کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ کہ اس کا فوری حل اشد ضروری ہے۔ جسے کاشت عمیق کہتے ہیں۔ اس کا عام طور پر یہی مطلب سمجھا جاتا ہے۔ گو اس سے کبھی کبھی یہ مراد بھی جاتی ہے۔ کہ کم حاصل اجناس کے بجائے سیر حاصل اجناس کی کاشت کی جائے۔ کاشتِ عمیق صحیح صحیح معنوں میں مندرجہ ذیل طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کا نام ہو سکتا ہے۔ (۱) زمین کی گوڈائی کرنے اور فصل کو کاٹنے میں زیادہ محنت کی جائے۔ (۲) کسی رقبہ معلوم پر محنت کی کفایت کرنے کیلئے زیادہ اصل خرچ کیا جائے تا کہ اتنی ہی محنت سے زمین زراعت کیلئے اچھی طرح نگہداشت ہو جائے۔ (۳) زمین کی زرخیزی کو قائم رکھنے کیلئے یا اس کو زیادہ کرنے کیلئے زیادہ سائنٹفک طریقے اختیار کئے جائیں۔

کاشت عمیق کی بہترین صورت یقیناً وہ ہوگی۔ جس میں یہ تینوں طریقے ایک ساتھ اختیار کئے جائیں۔ لیکن یہ طریقے عموماً یکجا نہیں پائے جاتے۔ پرانے اور زیادہ آباد ملکوں میں جہاں زمینیں مہنگی ہیں۔ اور مزدور سستے مل جاتے ہیں۔ ان میں سے پہلا طریقہ زمین کی پیداوار بڑھانے کیلئے اختیار کیا جاتا ہے۔ انتہا درجے کے استقلال اور محنت و جفاکشی دکھانے میں پرلے درجے کی کفایت کرنے سے اور کھاد کے ذرا ذرا سے حصے کو سنبھال کر رکھنے سے ان ملکوں نے زرخیز زمین کے چپہ چپہ میں عمدہ طریقے سے زراعت کی ہے۔ اور اپنی بیشمار آبادی کیلئے اپنی ہی زمین کی پیداوار سے خوراک بہم پہنچائی ہے۔ ان میں مشینری کا استعمال کم کیا جاتا ہے۔ اور غالباً اس کا استعمال ہونا بھی کفایت کے منافی۔ کیونکہ مشینری کیلئے طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ طاقت خاصکر طاقتِ حیوانی کیلئے زمین کی پیداوار کا ایک حصہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اگر یہ ہو سکے کہ زمین کی پیداوار میں اتنا اضافہ ہو جائے۔ کہ باربرداری کے جانوروں کی مزید تعداد کی خوراک اس میں سے نکل آئے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر یہ نہ ہو سکے تو زیادہ جانوروں کے رکھنے کے معنی یہ ہونگے۔ کہ ملک کے باشندوں کیلئے جو خوراک مہیا کی جاتی ہے۔ اسکی مقدار میں کمی واقع ہو جائے گی۔ جن ملکوں میں

مزدور سستے داموں مل سکتے ہیں اور زمینیں مہنگی ہیں۔ وہاں یہ سوال نہیں پیدا ہوتا۔ کہ محنت کی کفایت کیونکر کی جائے۔ بلکہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ زمین کی کفایت کیونکر کی جائے مشینری کا استعمال ایسے ملکوں کے باشندوں کو اس مسئلہ کے حل میں مدد نہیں دے سکتا۔ کیونکہ مشینری محنت بچانے کا ایک ذریعہ ہے نہ کہ زمین بچانے کا ؎

پہلے سے زیادہ محنت۔ زمین کی بچت کرنے کا یہ طریقہ کہ زمین پر زیادہ محنت صرف کی جائے۔ کوئی ایسا فائدہ بخش اور پسندیدہ نہیں کہ ریاستہائے متحدہ کے معاشیات دیہاتی کے طالب علم اس کی طرف متوجہ ہوں یہ طریقہ یہ چاہتا ہے کہ یا تو کاشتکار زیادہ محنت کریں یا یہ کہ زمین کی نسبت سے کاشتکاروں کی تعداد زیادہ ہو۔ پہلی صورت صریح طور پر رد کر دینے کے قابل ہے۔ کیونکہ اس بات میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں کہ ہمارے یہاں کے کاشتکار عام طور پر ضرورت سے زیادہ محنت کرتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم ان کو کاشت کے کام میں زیادہ محنت کرنیکی تلقین کریں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان کو کم محنت کرنے کا مشورہ دیں گو اس سے زراعت کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے۔ امریکہ کی دیہاتی زندگی کی اہم ضروریات میں ایک ضرورت یہ بھی ہے کہ کسانوں کو پڑھنے لکھنے کیلئے آپس میں ملنے جلنے کیلئے دیہاتی اصلاحات کی ترکیبوں پر تبادلۂ خیالات کرنے کیلئے اور دیہاتی مفاد و مصالح کی ترتیب و تنظیم کیلئے فرصت کا وقت ملے۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ نکھٹو اور نکمے لوگ ہمارے ملک میں موجود نہیں ہیں۔ یقیناً بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو مزرعوں میں رہتے ہیں اور بظاہر کاشت کے کام میں بڑے مصروف ہیں۔ لیکن فی الحقیقت اپنا وقت بیکاری میں ضائع کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ "کاشتکار" کے نام کے مستحق ہی نہیں۔ جس طرح وہ شخص جو بوٹ کے تسمے بیچتا ہو "سوداگر" کے نام کا مستحق نہیں۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ جو اصل معنوں میں کاشتکار ہیں وہ بہت زیادہ کام کرتے ہیں۔ کم از کم جسمانی محنت میں وہ کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ دماغی کام کاشتکار یا اس قسم کے لوگ زیادہ نہیں کرتے۔ اور نہ اسیات کا اندیشہ ہو سکتا ہے کہ زیادہ کرنے لگیں گے ؎

پہلے کی بہ نسبت چھوٹے مزرعے۔ رہی یہ بات کہ مزرعوں میں کام کرنیوالوں کی

تعداد بڑھا کر زیادہ پیداوار کی جائے۔ تو اس پر نسبتاً کم اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ بھی کوئی زیادہ دلکش اور مرغوب طریقہ نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اوسطاً مزرعے چھوٹے ہو جائیں گے یا مزرعوں میں۔ اجرتی مزدوروں کی تعداد زیادہ ہو جائیگی۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ ملک کے بعض حصوں میں چھوٹے مزرعے زیادہ مفید ثابت ہونگے۔ بعض بعض جگہ کاشتکاروں نے ایک تخمینی (Speculative spirit) جذبۂ عمل کے زیر اثر اتنی زیادہ زمین لے لی ہے۔ کہ اس کی اچھی طرح کاشت نہیں کر سکتے۔ ان کو امید یہ تھی۔ کہ زمینوں کی قیمت بڑھ جائیگی یا اصل میں اتنی ترقی ہو جائیگی کہ وہ ان زمینوں سے مناسب طور پر نفع حاصل کر سکینگے۔ یا اُن کا یہ خیال ہوگا کہ اتنی زمین پاس ہو کہ اولاد میں تقسیم ہو سکے۔ کچھ بھی ہو۔ انہوں نے ضرورت سے زیادہ زمینیں خرید لی ہیں۔ حالانکہ اگر وہ کم زمینیں خریدتے۔ اور اُن کو بہتر طور پر سامان سے آراستہ کرتے تو ہر سال زیادہ روپیہ کماتے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ اس خرابی کو مبالغہ کی صورت میں بھی پیش کیا جاتا ہے۔ ملک کے بعض حصوں میں اوسط طور پر مزرعے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ بات نیو انگلینڈ کے اُن حصوں میں خاص طور پر پائی جاتی ہے جو بازاری پھل ترکاریوں کے اُگانے کیلئے موزوں نہیں ہیں۔ بہت سے حصوں میں مزرعوں کا اوسط رقبہ ۷۰ سے ۱۰۰ ایکڑ تک ہے۔ اور اس میں سے ایک چوتھائی سے لیکر آدھ تک درختوں سے رکا ہوا ہے۔ اس رقبہ کے مزرعے کھیتی کے پودوں کو اُگانے کیلئے پرانے قاعدوں کے مطابق نہایت موزوں تھے۔ لیکن جب یہ اعلیٰ درجہ کے اوزار اور مشینری کا رواج ہو گیا ہے۔ اس وقت سے ایک آدمی کافی گھوڑوں کی طاقت کی مدد سے پہلے سے کہیں زیادہ کام کر سکتا ہے۔ اور زیادہ بڑے کھیتوں میں کاشت کر سکتا ہے۔ مزید براں آجکل کے بیش از بیش بڑے آلات کے باکفایت استعمال کیلئے کھیت بھی اتنے بڑے درکار ہوتے ہیں۔ کہ نیو انگلینڈ کے متوسط درجے کے مزرعے میں ایسے کھیت میسر نہیں آ سکتے۔ اسی لئے کھیتی کے پودوں کو اُگانے میں نیو انگلینڈ کی زراعت کو اوسطاً چھوٹے کھیت درکار نہیں۔ بلکہ بڑے بڑے کھیت جو اب موجود ہیں۔ وہ البتہ بازاری پھل ترکاریوں کے اُگانے اور غالباً شیر خانہ کے کام کیلئے کافی بڑے ہیں۔

مغرب وسطیٰ میں بھی یہ اندیشہ ہے۔ کہ اگر مزرعے بہت چھوٹے ہوجائیں تو پیداوار فی کس میں بہت کمی ہوجائیگی۔ اور اس کا انجام سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں۔ اگر مزرعے بہت چھوٹے ہوجائیں۔ تو بہترین اور مفید ترین اوزار استعمال نہیں کئے جا سکتے۔ اور اگر استعمال کئے بھی جائیں تو اتنے کم کئے جائینگے۔ کہ ان کا خریدنا منفعت سے خالی ہوگا۔ اگر کاشتکار مفید ترین اوزار اور مشینری استعمال نہ کرسکے اور اپنے مزرعہ کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے مجبور ہو کر پرانے اور کم پیدا آور طریقے اختیار کرے تو اسکی پیداوار کم ہوجاتی ہے۔ اور وہ مفلس ہوجاتا ہے۔ گو وہ اپنے چھوٹے سے مزرعہ میں فی ایکڑ بہت سی فصل کیوں نہ پیدا کرلے۔

یہ قبل از وقت نہیں کہا جا سکتا کہ کسی شخص کا مزرعہ کتنا بڑا ہونا چاہیئے تاہم عام الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مزرعہ اتنا بڑا ضرور ہونا چاہیئے کہ کاشتکار اور اس کے خاندان کو معقول طور پر کام کرنے کیلئے جو وقت ملتا ہے وہ وقت اس میں صرف ہوسکے اور وہ بھی اس صورت میں کہ وہ مفید ترین اوزار اور مشینری جو زراعتی دنیا کو معلوم ہے استعمال کرے۔ اور اس مشینری کے چلانے کیلئے کافی گھوڑوں کی طاقت سے یا کسی اور قسم کی طاقت سے کام لے۔ اس قاعدہ کلیہ کے مطابق یہ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے۔ کہ مکئی۔ گیہوں۔ دالیں۔ سوکھی گھاس۔ اور اس قسم کے دوسری کھیتی کی پیداوار کے اُگانے میں ایک مزرعہ جس کا رقبہ ۱۶۰ ایکڑ سے کم ہو محنت کے سب سے زیادہ باکفایت استعمال کیلئے بہت چھوٹا ہے۔ یعنی اتنا چھوٹا ہے کہ فی کس جو بیشترین مقدار پیدا کی جا سکتی ہے وہ اس میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ تاہم ٹوٹی پھوٹی اور ناہموار زمین میں جہاں جدید مشینری کا استعمال محال ہے۔ مزرعے اگر چھوٹے بھی ہوں تو مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ اس قسم کی چیزیں ضروری طور پر اگائے جائیں۔ لیکن اس امر کی صحت میں شک ہے۔ کہ ایسی زمین کا باکفایت استعمال ایسی چیزوں کی کاشت کے لئے کیا بھی جا سکتا ہے یا نہیں۔ پھر اس ناہموار زمین کے بیشتر حصے کو بطور چراگاہ استعمال کرنا مقصود ہو تو اس صورت میں

قی کس بیشترین مقدار پیدا کرنے کے لئے بہت بڑے مزرعے ہونے چاہئیں۔ یا غیچہ یا باڑی کی پیداوار کی پیدائش کیلئے یا ایسی چیزوں کی پیدائش کیلئے جن کی کاشت میں دستی کام کرنے کی بہت ضرورت ہو۔ اس سے بہت چھوٹے مزرعے بھی باعثِ کفایت ہو سکتے ہیں۔

مزید اُجرتی مزدور۔ لیکن ایک ایکڑ پر جو محنت صرف ہوتی ہے۔ اُسکی مقدار کو بڑھانے کے علاوہ اس امر کے کہ ہر کاشتکار سے زیادہ محنت طلب کی جائے یا اُس سے کہا جائے۔ کہ اپنے مزرعہ کا رقبہ کم کردے۔ ایک اور بھی طریقہ ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ مزرعہ میں جو مزدور ہیں۔ یا ایسے کام کرنے والے ہیں کہ اُجرت پر کام کرتے ہیں۔ لیکن زمین کے یا اُن اوزاروں کے جو وہ استعمال کرتے ہیں مالک نہیں ہوتے۔ نہ اُس فصل میں جو وہ پیدا کریں حصہ دار ہوتے ہیں اُن کی تعداد بڑھا دی جائے۔ جن مقامات میں مزرعہ کے مزدور کم مقدار میں ہوتے ہیں اور مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔ وہاں اُن کی اُجرت اچھی ہوتی ہے۔ اور اُنکی زندگی بڑی آرام کی زندگی اور تسلی بخش زندگی ہوتی ہے۔ باوجود اس بات کے کہ جن چیزوں سے وہ کام کرتے ہیں اُن میں سے ایک کے بھی مالک نہیں ہوتے۔ گو قانونی طور پر اُن برخاست کیا جا سکتا ہے۔ گو ظاہری حیثیت سے وہ بے گھر ہوتے ہیں۔ اور کوئی دائمی جائے سکونت نہیں رکھتے۔ تاہم عملی اور واقعی حیثیت سے ضرورت مند اُن کے پیچھے پھرتے ہیں۔ اور وہ جہاں چاہیں اپنے لئے مقام سکونت اور جس قسم کا کام چاہیں ایسا کام ڈھونڈ سکتے ہیں۔ لیکن جب اُنکی تعداد بہت بڑھ جائے۔ تو حالات بدل جاتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ لوگ اُنکو ڈھونڈھتے پھریں۔ وہ خود روزگار کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ اپنی جائے سکونت خود پسند کریں اور جو کام چاہیں اختیار کریں۔ وہ مجبور ہو جاتے ہیں۔ کہ جس قسم کا کام ملے منظور کریں اور صبر و شکر سے گذارہ کریں۔ یہ صورتِ حالات مزرعوں کے مالکوں کیلئے تو بہت خوشگوار ہوتی ہے۔ لیکن اُجرتی مزدوروں کیلئے ایک مصیبت

ہوتی ہے۔ چونکہ مساوات کے لحاظ سے ایک شخص کا فائدہ اُتنا ہی اہم ہے۔ جتنا کہ دوسرے کا۔ اس لئے اس قسم کی صورتِ معاملات دیہاتی معاشیات کے عالم کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ کیونکہ اُسے کسی جماعت سے جانبدارانہ دلچسپی نہیں ہوتی چاہیئے بلکہ سب کے ساتھ ایک جیسی دلچسپی۔ مزید بریں پُرانی ریاستوں میں اُجرتی مزدوروں کی تعداد میں کثیر ترقی گو پیداوار فی ایکڑ میں اضافہ کا باعث ہوگی۔ تاہم پیداوار فی کس اس سے کم ہو جائیگی۔ زراعتی پیدائش کے اُس بڑے قانون کی رُو سے جسے "قانون تقلیل حاصل" کہتے ہیں۔ دو آدمی جو مساوی قابلیت رکھتے ہوں۔ اگر مل کر کام کریں تو اس کی ایک آدمی سے جو ایسے مزرعہ میں کاشت کرتا ہو۔ جس میں ایک آدمی کی محنت سے پیداوار کی بیشتریں مقدار حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ دُگنی مقدار میں پیدا نہیں کر سکتے۔ اس قانون کے ماتحت تم ایک مزرعے میں مزدوروں کی تعداد جتنی بڑھاتے جاؤ گے۔ اتنی ہی پیداوار فی کس کم ہوتی جائیگی۔ (گو پیداوار فی ایکڑ زیادہ ہو جائیگی) اِلّا اس صورت میں کہ مزدوروں کی تعداد میں جو اضافہ ہوا ہے۔ اُس کے ساتھ اصل میں بھی اضافہ کیا جائے۔ اوزار اور مشینری بھی استعمال کی جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ بعض صورتوں میں اُجرتی مزدوروں کی تعداد میں تھوڑا سا اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مزرعہ کے مالک بعض اوقات بیماری یا کسی حادثہ یا بڑھاپے کی وجہ سے کام کے لائق نہیں رہتے۔ ایسی صورتوں میں اگر اُجرتی مزدوروں سے مدد نہ لی جائے تو مالکانِ مزرعہ کو بڑا نقصان رہتا ہے۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ زراعتی مزدوروں کی ایک جماعت کی جماعت دائمی طور پر رکھی جائے۔ تاکہ ایسے وقتوں میں کام آئے۔ بحیثیت مجموعی یہ ایک بہتر زراعتی طریقہ ہے۔ کہ ہر مزرعہ کا مالک عام حالت میں خود اپنا کام کرنے کیلئے آمادہ رہے بہ نسبت اس کے کہ وہ عام حالات میں اُجرت پر دوسروں سے کام لینے کی توقع رکھے۔

مزید اصل ۔ ایک اور ممکن طریقہ یہ ہے۔ کہ کاشتکار اپنے کھیتوں کی کاشت کا کام کریں۔ اور اس کے ساتھ جو اصل خرچ کرتا ہے۔ اس میں اضافہ کر دیں۔ اس طریقے سے مزدوروں کی ایک مقررہ تعداد جو ایک مقررہ رقبۂ زمین میں کام کر رہی ہے۔ اُس زمین کی کاشت زیادہ کارگر طریقے سے کر سکتی ہے۔ اور اس طرح نہ صرف پیداوار فی ایکڑ

نی کس کو بھی بڑھا سکتی ہے۔ اس اصل کو عموماً ڈالروں کے حساب سے ظاہر کیا جاتا ہے اور شروع شروع میں اصل یا تو زر کی صورت میں ہو سکتا ہے یا اس صورت میں کہ کاشتکار کے پاس خرید کرنے کی قوت کہاں تک ہے۔ لیکن بالآخر یہ اصل یا تو عمارتوں۔ اوزاروں۔ مشینری بار برداری کے جانوروں اور دوسرے جانوروں باڑ کے سامان۔ بدررؤں۔ نلوں۔ پمپوں اور آبپاشی کے کاموں۔ زمین پرور چیزوں۔ بیجوں۔ جانوروں کے بھوسے چارے اور ایندھن وغیرہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جس جگہ زمین بکثرت ہو اور مزدوروں کی قلت ہو وہاں اصل کی ان صورتوں میں اضافہ کرنے کا عموماً یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ محنت کی کفایت ہو جاتی ہے یعنی مزدوروں کی جو تعداد موجود ہو۔ وہی زمین میں کاشت کر سکتی ہے۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اصل کی ان صورتوں سے یہ فائدہ بھی اس حد تک اٹھایا جا سکے۔ کہ مزدوروں کی کوئی تعداد معلومہ ان کی بدولت اسی رقبۂ زمین میں زیادہ عمیق کاشت کر سکے اور جب زمین کی قلت ہو جائے اور اس کے بکفایت استعمال کی ضرورت محسوس ہو تو اُتنے ہی رقبۂ زمین سے پیداوار حاصل کر سکے۔ بہرحال اس مقصد کیلئے اصل کی صورت میں کسی قدر ترمیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ بجائے اس کے کہ مزرعہ کا مالک اپنے اصل میں یوں اضافہ کرے کہ مزید اوزار خریدے۔ جن سے وہ ایک بہتر قسم کا کام انجام دے سکے۔ مثلاً ایسے ہل جو گہری زمین کھودتے ہوں۔ ایسے آلات جو مٹی کو پیس کر خوب باریک کر دیتے ہوں اور دوسرے اوزار جو گھاس پات کو نکال کر باہر پھینکنے میں زیادہ کار آمد ہوں تاکہ زمین کی تمام تری اور زرخیزی پودوں ہی کے کام آئے۔ بہتر گھوڑے جو ان اوزاروں کو چلا سکیں۔ مال مویشی کی بہتر نسلیں کہ جو کچھ وہ کھائیں اُس کو بہ نسبت ہمارے معمولی ڈھور ڈنگر کے زیادہ قیمتی پیداوار کی صورت میں منتقل کریں۔ اس طریقے سے اس قسم کے دوسرے بیشمار طریقوں سے اپنے اصل میں اضافہ کر کے کاشتکار اپنی زمین کی پیداوار کو اور اپنی محنت کے نتیجہ کو بھی زیادہ کامیاب بنا سکتے ہیں۔

بہبودِ انشمندی۔ مزید اصل کا خرچ کرنا۔ زراعت کے بعض زیادہ علمی طریقوں سے اگر پوری موافقت نہیں رکھتا۔ تو قریب کا تعلق ضرور رکھتا ہے۔ پوری موافقت اس لئے نہیں کہ نئے انکشافات یا نئی معلومات کی عدم موجودگی میں کاشتکار کے پاس

اگر کثیر سرمایہ ہو تو یہ ایک خاص طریقہ اختیار کریگا اور اگر اس کے پاس سرمایہ کی کمی ہو اور اسے کہیں سے اصل میسر بھی نہ آتا ہو۔ تو اس صورت میں وہ کس قدر مختلف طریقے سے کام کریگا۔ اس کو گہرا ہل چلاتے۔ آڑا ہل چلاتے۔ سطح زمین کے نیچے تہ جمانے۔ بار بار سیدھا اور آڑا سراون پھیرنے کے فائدے خواہ معلوم ہی کیوں نہ ہو کہ دانوں کو بکھیر کر بونے کی بہ نسبت ان کو ویرہ کر بونا بہتر ہے۔ تاہم اگر اس کے پاس اتنے جانور نہیں کہ قلبہ رانی اور سراون پھیرنے کا کام آ سکیں اور اگر وہ ایک اناج ویرنے کی کل خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ تو پھر اس کیلئے زیادہ منفعت بخش یہی بات ہے کہ اپنی زمین میں کسی قدر عمیق کاشت کرے۔ بہ نسبت اس کے کہ زمین کے ایک حصے پر اپنی تمام قوت و طاقت صرف کردے۔ اور باقی زمین کو بیکار پڑا رہنے دے۔ اگر اسکے پاس اصل ہو یا کہیں سے لے سکے تو اس کو بکثرت صرف کرنا اور ساری کی ساری زمین میں سراسر کاشت کرنا زیادہ کفایت کا باعث ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ تھوڑی سی زمین میں عمیق کاشت کی جائے۔ اور باقی کو بیکار رہنے دیا جائے۔ اسلئے علمی طریق کاشت سے اعلیٰ درجہ کی واقفیت رکھنے کے بغیر بھی کاشتکاروں کیلئے یہ امر ممکن ہے۔ کہ اپنی زمین کی کفایت کرسکیں اور فی ایکڑ کے حساب سے بھی اور فی کس کے حساب سے بھی زیادہ پیداوار حاصل کریں۔

اگر زیادہ اصل بھی ہو اور اس پر علم زراعت سے اعلیٰ درجہ کی واقفیت اس کے علاوہ ہو تو سونے پر سہاگہ ہے۔ اور اس سے زمین کو بکفایت استعمال کرنے کا امکان اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ یہ مسئلہ کہ ہر کھیت کے حالات کے مطابق (جس میں نہ صرف اس کی مٹی کی کیفیت اسکی آب و ہوا اور اس کی بلندی اور سطح کی حالت وغیرہ شامل ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہ اس کو منڈیاں کتنی دستیاب ہوسکتی اور اس کے رسد کے وسایل کیا کیا ہیں) سائینٹفک طریقے سے اجناس باری باری کس طرح اُگائی جانی چاہئیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جو نہایت گہرا مطالعہ چاہتا ہے۔ اور اس پر عبور وہی شخص حاصل کرسکتا ہے۔ جس کو سائنٹفک تعلیم یا طویل تجربہ حاصل ہو چکا ہو۔ جب سائنٹفک کاشتکاروں کی کئی نسلیں ایک مزرعہ میں رہتے رہتے گذر جائیں گی اور اپنا علم و تجربہ وراثتہً ایک دوسری کو دیتی جائینگی تو ان میں سے بہت سے مسائل یقیناً حل ہوجائیں گے اور زمین اور محنت کی تضیع میں بہت کمی ہوجائیگی۔ ان کے علاوہ اور مسائل بھی ہیں

مثلاً ہلواہی اور زمین کی قوتِ نمو کو بڑھانے کا مسئلہ۔ زمین کی طبیعی اور کیمیاوی حالت کو بہتر بنانے کا مسئلہ یا جانوروں کی نسل بڑھانے اور پودوں کا مسئلہ جس کیلئے قوانینِ وراثت سے واقفیت رکھنے کی ضرورت ہے۔ وبائی بیماریاں مثلاً۔ مری۔ پھپھوندی وغیرہ جو نہ جانے کہاں سے آتی ہیں۔ اور بیچارے کسان کیلئے سوہانِ روح ہوتی ہیں۔ یہ اور اس قسم کے ہزارہا مسئلے ابھی حل کے محتاج ہیں۔ اور ان کو حل نہ کرسکنے کے معنی ہیں نہ صرف زمین کا بلکہ محنت کا رائگاں جانا۔ بہرحال ان علمی طریقوں کا مفصل تذکرہ ہمیں دیہاتی معاشیات کے دائرے سے نکال کر زراعت کی فنی و اصطلاحی بحث کے دائرے میں لے جائیگا ؛

(۴) محنت زراعتی پیدایش کے ایک عامل کی حیثیت سے

یہ مقولہ کہ محنت اور زمین پیدائش کے اصلی اور بنیادی عوامل ہیں اور سرمایہ گو ایک اہم عامل ہے تاہم ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ علم ریاست تدن (political economy) کے مقولات عامہ میں سے ہے۔ زراعت کی کامیابی و ناکامیابی کا انحصار جتنا زمین کی طبیعت و خاصیت پر ہے۔ اس سے بھی کہیں زیادہ محنت کی کیفیت پر ہے۔ قوم کی مرفہ الحالی کا دارومدار جتنا زمین کے بکفایت استعمال اور وسائل قدرتی کے تحفظ پر ہے۔ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر محنت کے بکفایت استعمال اور وسائل مصنوعی کی حفاظت پر ہے ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ کہ جماعتیں یا قومیں اعلیٰ درجہ کے ماحول میں رہنے کے باوجود افلاس اور ناداری کی تباہ کن حالت میں رہی ہیں۔ یا باوجود زمین کی زرخیزی اور وسائلِ قدرتی کی بہتات کے اُن کو زوال آگیا ہے۔ یا اُن کو افلاس کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ صرف اس وجہ سے کہ اُن کے افراد نکمّے اور ادنیٰ درجہ کے تھے یا ان کو زوال اور تباہی سے بچانے کی کوئی ترکیب نہیں کی گئی۔ اس طرح بہت سی جماعتیں باوجود بنجر اور بے حاصل زمینوں کے اور ادنیٰ درجہ کے ماحول میں رہنے کے دولتمند اور مرفہ الحال ہوگئی ہیں۔ اور وہ اس امر کی بدولت کہ اُن کے افراد جفاکش اور ذہین تھے۔ اور سب کے سب کوئی نہ کوئی مفید کام کرنے میں مصروف تھے۔ کسی جماعت کی قوتِ محنت عبارت ہے۔ اُس کے عنصرِ انسانی سے۔ یعنی اس کے افراد کس قسم کے ہیں۔ اور اس امر میں ذہنی و جسمانی دونوں قسم کی قابلیت شامل ہیں۔ جس طرح موجد کا جوہرِ قابل منتظم کی قابلیت نظم و نسق۔ اور معلم کی علمیت و فضیلت اس میں شامل ہیں۔ اسی طرح کلینک (مستری) کی کاریگری۔ کاشتکار کی ہمت اور حسنِ تدبیر اور دہاڑی دار مزدور کی قوتِ عصبی بھی اس کی تعریف میں آتی ہیں۔ اس لئے کسی جماعت کیلئے یہ بات اتنی اہم نہیں کہ وہ اپنی زمین کے استعمال میں کفایت اور بچت سے کام لے۔ جتنی یہ بات اہم ہے کہ وہ اپنی قوتِ محنت کی کفایت اور تحفظ کرے۔ اسی

قوتِ محنت کا ضائع کرنا بہ نسبت زمین یا معدنی اور جنگلاتی وسائل کے ضائع کرنے کے بہت بڑا جرم ہے۔ اس جرم کے ارتکاب سے قوم پر زیادہ سُرعت کے ساتھ ادر ناگزیر طور پر تباہی آتی ہے۔ گو یہ بات یقیناً پسندیدہ ہے۔ کہ ایک قوم کی قوتِ محنت اور اس کے طبعی وسائل دونوں کا تحفظ کیا جائے اور ان کو انتہائی درجہ تک ترقی دی جائے۔

محنت کی کفایت کرنے کے معنی ہیں زیادہ پیداوار فی ایکڑ۔ محنت کی کفایت پر بحث کرتے وقت یہ اہم فرق ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ کہ وہ صنعت و حرفت جسے ہم معقول کہہ سکتے ہیں اور وہ ملک داری جو تدبیر پر مبنی ہو دونوں کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ ہونا چاہیئے کہ فی کس جسقدر زیادہ پیداوار ہو سکے حاصل کی جائے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ فی ایکڑ جتنی پیداوار ہو سکے کی جائے۔ فی ایکڑ زیادہ پیداوار اُسی صورت میں پسندیدہ ہے۔ جب وہ فی کس زیادہ پیداوار کی ضامن ہو۔ اور اس کے سوا کسی صورت میں وہ پسندیدہ نہیں۔ اسی طرح زراعتی تدبیر مدن (agricultural statesmanship) کی حکمت عملی یہ ہوتی ہے اور ہمیشہ ہونی چاہیئے۔ کہ اُن حالات کو قائم رکھا جائے۔ جن کے ہوتے ہوئے ہر کام کرنے والے کیلئے زیادہ پیداوار میسر آئے۔ نہ یہ کہ ہر ایکڑ زمین سے زیادہ پیداوار ہو۔ سستے داموں پر مزدوروں کی کافی تعداد کا مل جانا بعض اوقات فی ایکڑ معقول پیداوار کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ بعض گمراہ لوگ جو معاشیات کے ابتدائی اصولوں سے ناواقف ہیں۔ اس بات کو لے اُڑے ہیں۔ اور بیہودہ شور مچاتے رہتے ہیں۔ کہ کم اُجرت پر مزدوروں کی کافی تعداد حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ لیکن وہ نفس مطلب پر غور نہیں کرتے۔ سستے داموں پر کافی تعداد میں مزدوروں کے مل جانے کے معنی یہ ہیں کہ متعدد خاندان نہایت تھوڑی اُجرت پر پل رہے ہیں۔ اور پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ ملک میں افلاس اور غریبی پھیلی ہوئی ہے اور یہی چیز ہے جس کا سدِ باب تدبیر مدن کی اصلی غرض و غایت ہے چونکہ ہمارا مقصد یہ دریافت کرنا ہے کہ غریبی کا تدارک کیونکر ہو سکتا ہے اور مرفہ الحالی کس طرح عام کی جا سکتی ہے۔ اس لئے یہ لازمی ہے کہ ہم وہ طریقہ دریافت کریں۔ جس سے ہم فی کس زیادہ پیداوار حاصل کر سکیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ اگرچہ زمین کے

بارے میں ہم بلا خوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ کافی مقدار میں سستی زمین کا مل سکنا پسندیدہ امر ہے لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ بہت سے مزدوروں کا سستی اُجرت پر دستیاب ہونا پسندیدہ امر ہے بلکہ یہ تو وہ چیز ہے۔ جس کے انسداد کی ہمیں کوشش کرنی چاہیئے۔

فی ایکڑ زیادہ پیداوار کی خواہش کرنی قطع نظر اس کے کہ کتنے لوگوں میں اس پیداوار کو تقسیم ہونا ہے۔ اور یہ خواہش کرنی کہ موجودہ آبادی فی ایکڑ جتنی زیادہ پیداوار ممکن ہے۔ اُتنی حاصل کرے۔ یہ دو بالکل جدا باتیں ہیں۔ اگر کاشتکاروں کی موجودہ آبادی یا وہ آبادی جسکی ہمیں توقع ہے اپنی زمین کی پیداآوری کی قوت کو بڑھا سکتی ہے تو ان کاشتکاروں کی آمدنیاں بڑھ جائینگی۔ یہ بات بہت بہتر ہے کہ ہر ۱۶۰ - ایکڑ کے رقبہ میں ایک خاندان ہو۔ خواہ اس صورت میں پیداوار فی ایکڑ فقط بیس پونڈ کی مالیت کے برابر پیدا ہو۔ بہ نسبت اس کے کہ ہر ۸۰ - ایکڑ کے رقبہ میں ایک خاندان ہو۔ چاہے اس صورت میں فی ایکڑ پیداوار تیس پونڈ کی قیمت تک کیوں نہ پہنچ جائے۔ لیکن اگر فی الواقع ہر ۸۰ - ایکڑ کے رقبہ میں ایک خاندان موجود ہو تو صریح طور پر یہ بہت بہتر ہے۔ کہ فی ایکڑ زمین سے بجائے بیس کے تیس پونڈ کی مالیت کی پیداوار حاصل ہو۔ یہ وہ نقطۂ نگاہ ہے۔ جس سے ہمیں زمین کی پیداوار بڑھانے کے مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے جس نتیجہ کو ہم نے پسندیدہ قرار دیا ہے وہ فقط کاشتکاروں کی آبادی کے بڑھنے سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ ملک میں جتنی قوتِ محنت موجود ہے اسکو زیادہ کفایت شعارانہ عقلمندانہ اور مفید طریقے سے صرف کیا جائے۔ بالجملہ محنت کے بکفایت استعمال کا یہی مطلب ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ آئیندہ کئی سال تک ہماری آبادی غالباً بڑھیگی۔ اور ہمارے یہاں مزدوروں کی تعداد بہت قلیل ہے۔ یہ امر صاف ظاہر ہے کہ فی زمانہ جو فی کس اوسط شرح پیداوار ہے۔ اس کا بڑھانا تو کجا وہ برقرار بھی نہیں رکھی جا سکتی۔ الا اس صورت میں کہ زمین کی اوسط پیداآوری کو ترقی دی جائے۔ اس لئے ہمارے لئے یہ مناسب ہے کہ ہم وہ طریقے دریافت کریں۔ جن سے ہم اپنے مزدوروں کو اپنی زمین کے کام پر اس طرح لگا سکیں کہ اُن کو اس کام سے جو کچھ اب حاصل ہوتا ہے۔ وہ کم نہ ہو جائے بلکہ زیادہ ہو؛

کاشت عمیق ہمیشہ محنت کی کفایت کا باعث کیوں نہیں ہوتی۔ اس کام کے انجام دینے میں دو بڑے موانع ہیں۔ جن کو ہمیشہ دور کرنا چاہیئے۔ اوّل مٹی کی یہ خاصیت کہ جسقدر زیادہ رسد خوراک یا اور پیداوار اُس سے حاصل کی جائے۔ تو اُتنی ہی اسکی زرخیزی میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے توڑ کیلئے زراعتی اجناس کے باری باری اُگانے میں اور کھاد اور دیگر مصنوعی زمین پرور چیزوں کے استعمال میں نہایت دانشمندی اور کارآگاہی سے کام لینے کی ضرورت ہے دوسری بات جو سدّ راہ ہے۔ وہ "قانون تقلیل حاصل" ہے۔ جسے بعض اوقات زراعتی پیداوار کا ایک بہت بڑا قانون کہا جاتا ہے۔ یہ قانون مجملاً ان الفاظ میں ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ تمدن کی کسی خاص حالت میں اور فنِ فلاحت کی واقفیتِ عامہ کی کسی خاص حالت میں اس محنت اور اصل میں جو زمین کے کسی قطعہ کی کاشت میں صرف ہو۔ اضافہ کا ہونا زمین کی پیداوار میں اضافہ کا باعث ہوگا۔ لیکن اُسی نسبت سے نہیں۔ جس نسبت سے محنت اور اصل میں اضافہ ہو"۔ یعنی فرض کیجئے کہ شروع شروع میں کاشت کی حالت نہایت عمدہ ہے۔ اور یہ بھی فرض کیجئے کہ کاشتکار نے اپنی محنت کو استعمال کرنے کے کوئی نئے اور بہتر طریقے نہیں سیکھے۔ اور بہتر تخم یا اوزار یا اس قسم کی اور اشیائے مفیدہ اکتساب نہیں کیں۔ اب اگر وہ اُسی زمین کی کاشت میں پہلے سے دُگنی محنت صرف کرے۔ تو اس سے اسکی فصل دُگنی نہ ہو جائیگی۔ گو کسی قدر بڑھے گی ضرور۔ اسی مطلب کو ایک اور پیرائے میں یوں ادا کیا جاسکتا ہے کہ بفرض ان مقدمات کے جو پہلے فرض کئے گئے ہیں۔ اگر کاشتکار اپنی آدھی زمین کو بے کاشت چھوڑ دے اور باقی آدھی زمین پر وہ تمام محنت صرف کرے۔ وہ جو پہلے ساری زمین پر صرف کرتا رہا ہے۔ تو اس کو پہلے جتنی فصل نہ حاصل ہوگی۔ گو یہ ضرور ہے کہ پہلی فصل کے نصف سے زیادہ مل سکتی ہے۔ یعنی فی ایکڑ اس کو قدرے زیادہ پیداوار حاصل ہوگی نہ کہ پہلے سے دُگنی پیداوار فی ایکڑ۔ اس قانون کا عالمگیر طور پر اعتراف کیا جاتا ہے۔ اور اس کا ثبوت ملاحظات ذیل سے بہم پہنچتا ہے۔

کاشتکار صرف اپنی بہترین زمین کی کاشت کیوں نہیں کرتا۔ آپ کو کسی کاشتکار سے ملنے کا اتفاق ہو تو اُس سے اس کی زمین کے متعلق پوچھ دیکھئے اگر اس کے

کھیت خاص طور پر اچھے ہیں تو خیر ورنہ وہ ضرور یہ جواب دیگا کہ ساری زمین ایک جیسی نہیں۔ ایک کھیت دوسروں سے زیادہ سیر حاصل ہے اور اس پر جتنی محنت اور جتنا سرمایہ خرچ کیا جائے۔ اسی نسبت سے اُس میں زیادہ مقدار میں اور زیادہ قیمتی فصل پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ذرا اُس کاشتکار کو یہ مشورہ بھی دے کر آزمائیے۔ کہ "بھئی تم اُسی اچھے کھیت پر اپنی تمام محنت اور اپنا تمام اصل خرچ کرو اور باقی زمین کو یونہی پڑا رہنے دو"۔ یقین رکھئے۔ وہ ہرگز آپ کے مشورہ پر عمل نہ کریگا۔ بلکہ آپ کی عقل و دانش کے متعلق اُسے بدظنی ہو جائیگی۔ تاہم اگر کوئی شخص کاشتکاری کے متعلق الف کے نام بے نہ جانتا ہو۔ اور اس میں وہ جسارت ہو۔ جو اس قسم کی جہالت کا جزو لاینفک ہوتی ہے۔ یعنی وہ جہل مرکب میں مبتلا ہو۔ تو وہ کاشتکار سے بحث مباحثہ کرنے لگیگا۔ اور اس کا طریق استدلال حسب ذیل ہوگا۔ اگر محنت اور سرمایہ کی ایک خاص مقدار زیادہ سیر حاصل زمین پر خرچ کرنے سے زیادہ قیمتی فصل پیدا ہو۔ بہ نسبت اس کے کہ محنت اور اصل کی وہی مقدار کسی کم سیر حاصل زمین پر خرچ کی جائے تو پھر گھٹیا درجے کی زمین پر محنت اور اصل کا ضائع کرنا غلطی ہے۔ مثلاً اگر سو دن کی محنت معہ مناسب آلات کے بہترین کھیت پر خرچ کی جائے تو اس سے پانچسو ڈالر کی مالیت کی فصل پیدا ہوگی۔ حالانکہ وہی محنت اگر کسی اور کھیت پر خرچ کی جائے تو فقط چار سو ڈالر کی مالیت کی فصل پیدا ہوسکتی ہے۔ تو اُس صورت میں کاشتکار کو اپنی دو سو دن کی محنت کے بدلے میں صرف ۹۰۰ ڈالر ہاتھ آئینگے لیکن اگر بہترین کھیت پر سو دن کی محنت خرچ کرنے سے پانچسو ڈالر کی مالیت کی فصل پیدا ہوسکتی ہے تو اُسی کھیت پر دو سو دن کی محنت خرچ کرنے سے اُس سے دگنی فصل یعنی جس کی قیمت ایک ہزار ڈالر ہو پیدا ہوگی۔ اگر یہ بات درست ہوتی کہ دوسری مرتبہ جو سو دن کی محنت بہترین کھیت پر خرچ کرنے سے ہوئی تھی۔ یا زیادہ صریح الفاظ میں یوں کہئے کہ اگر دو سو دن کی محنت ایک کھیت پر خرچ کرنے سے اُس سے دگنی فصل پیدا ہوگی جتنی کہ سو دن کی محنت سے ہوتی تھی۔ اور اس طرح غیر معین طور پر ہوتا چلا جائے تو اس صورت میں مندرجہ بالا دلیل ناقابل جواب ہوتی۔ اور کاشتکار اگر آپ کے

مشورہ پر کاربند نہ ہوتا۔ تو پرلے درجے کا احمق ہوتا۔ مزید بریں اُس صورت میں عام لوگ اگر اپنی بہترین زمین کے چھوٹے سے رقبہ پر اپنی تمام قوتوں کو مجتمع نہ کرتے تو ایک فعل بیہودہ کے مرتکب ہوتے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ کاشتکار بھی اور عام لوگ بھی خوب جانتے ہیں کہ واقعہ میں ایسا نہیں یعنی کسی خاص قطعہ زمین پر جو محنت اور اصل صرف کیا جاتا ہے۔ اس کی مقدار کے دگنا تگنا۔ چوگنا کر دینے سے اس کے حاصل کو دگنا۔ تگنا۔ چوگنا نہیں بڑھایا جاسکتا۔ وعلی ہذا القیاس جو صورت ہم نے اوپر فرض کی ہے۔ اس کے مطابق اگرچہ ایک سو دن کی محنت پانچسو ڈالر کی مالیت کی فصل پیدا کریگی۔ دو سو دن کی محنت اُسی کھیت پر خرچ کرنے سے صرف آٹھ سو ڈالر کی قیمت کی فصل ہوگی۔ اُس صورت میں اُن حالات کے ہوتے ہوئے جو ہم نے فرض کئے ہیں اگر ہم کسی اور کھیت پر دوسرے سو دنوں کی محنت خرچ کریں تو ہمیں سو ڈالر زیادہ وصول ہونگے۔ چونکہ کاشتکار جو اس معاملے میں خود بہترین فیصلہ کرسکتا ہے۔ یہ جانتا ہے کہ یہ حالات واقعی ہیں اس لئے وہ یہ نہیں کرتا کہ صرف اُس چھوٹے سے قطعے پر جسے وہ اپنی بہترین زمین سمجھتا ہے۔ اپنی ساری قوت خرچ کر دے۔

زیادہ زمین تھوڑی زمین سے کیوں بہتر ہے؟ ہم نے یہ جو کہا ہے کہ کاشتکار اتنا احمق نہیں۔ کہ اپنی ساری قوتیں اپنے بہترین قطعہ زمین پر خرچ کر دے اُس کے معنی یہ ہیں کہ وہ معاشیات کے ایک بنیادی قانون سے واقف ہے۔ اور اس پر کاربند ہوتا ہے۔ اس قانون سے ہماری مراد "قانون تقلیل حاصل" ہے۔ یہ قانون اس عام مشاہدے کا فقط ایک جزو ہے کہ موسم اور طبیعتِ زمین کے حالات چاہے ایک ہی کیفیت پر کیوں نہ رہیں پھر بھی کسی قطعۂ زمین کا حاصل اُس محنت اور اصل کے ساتھ جو اُس پر صرف کی جائے نسبت مستقل نہیں رکھتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس حساب سے محنت اور اصل میں تبدیلی ہو اُسی حساب سے حاصل میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہ نہیں ہوتا کہ جس نسبت سے محنت اور اصل بڑھیں یا گھٹیں اُسی نسبت سے حاصل بھی بڑھے یا گھٹے۔ بلکہ یہ ہوتا ہے کہ حاصل بمقابلہ ان عاملین پیدائش کے کم شرعت سے بڑھتا اور گھٹتا ہے۔ بشرطیکہ زمین کی مقدار مستقل رہے۔

اس کے معنی فقط یہ ہیں۔ کہ کسی فصل کی پیدائش میں بہت سے عاملین بر روئے کار ہوتے ہیں۔ جو محنت اصل اور زمین پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اب فصل کی مقدار ان میں سے کسی ایک عامل یا دو عاملین پر منحصر نہیں ہوتی۔ بلکہ سب پر بطور متحدہ محنت اور اصل چونکہ ان عاملین کا ایک جز ہیں اسلئے فقط ان پر فصل کا دار و مدار نہیں ہو سکتا۔ عملاً آدمی خوب جانتے ہیں۔ کہ کسی قطعۂ زمین پر اگر کنجوسی سے محنت اور اصل صرف کیا جائے۔ تو وہ اکارت جاتا ہے۔ جتنی پیداوار اس زمین میں ہونی چاہیئے تھی۔ اس کے مقابلے میں خاک بھی پیدا نہ ہوگی۔ . . . .

. . . .

. . . . برخلاف اس کے اگر کھلے دل سے محنت اور اصل صرف کیا جائے۔ تو یہی نہیں ہوگا۔ کہ فصل پہلے سے زیادہ پیدا ہوگی۔ بلکہ اتنی ہی زیادہ فصل پیدا ہوگی۔ جتنی مقدار میں اس پر محنت اور اصل صرف کیا جائیگا۔ یہاں تک تو یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ جتنی زیادہ مقدار میں محنت اور اصل زمین پر خرچ کیا جائیگا۔ اُتنی ہی زیادہ فصل پیدا ہوگی۔ لیکن اگر ان عاملین کی مقدار کسی قطعۂ زمین کی کاشت میں اور بڑھادی جائے۔ تو بالآخر ہمیں ایک ایسے نقطہ پر آکر ٹھیرنا پڑیگا۔ جس کے بعد پیداوار اُسی نسبت سے ترقی نہ کریگی۔ جس نسبت سے ان عاملین میں اضافہ کیا جائیگا۔ اس نقطہ کے بعد زمین محنت اور اصل کا جو صلہ دیتی ہے۔ وہ قلیل تر ہوتا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ زیادہ مقدار میں محنت اور اصل خرچ کرنے سے پھر بھی فی ایکڑ زیادہ پیداوار ہوگی۔ تاہم محنت اور اصل کی پیداوار اتنی زیادہ ہوگی۔ مثال کے طور پر گیہوں جیسی جنس کی پیدائش میں اگر ایک شخص مع اپنے گھوڑوں کی جوڑیوں اور مناسب آلات کے دس ایکڑ رقبۂ زمین پر صرف ایک دن کی محنت خرچ کرے تو اسکی محنت اکارت جائیگی۔ کیونکہ مطلق کوئی فصل پیدا نہ ہوگی۔ اگر اسی رقبۂ زمین پر پانچ دن کی محنت خرچ ہوتی تو برائے نام کچھ فصل پیدا ہوتی۔ دس دن کی محنت یقیناً پانچ دن کی محنت سے دگنی نہیں بلکہ دگنی سے زیادہ فصل پیدا کرتی۔ اور بیس دن کی محنت غالباً دس دن کی محنت کے مقابلے میں دگنی سے زیادہ پھل لاتی۔ لیکن مشکل تھا۔ کہ چالیس دن کی محنت بیس دن کے مقابلے میں دگنی سے زیادہ فصل پیدا کرتی۔ اسی دن کی محنت قطعاً چوگنی نہ پیدا کرتی۔ اور دو سو دن کی محنت دس دن کی فصل تو کجا اس سے بہت کم پیدا کرتی۔ اگر یہ مقدمات زیر بحث کھیت کے

ہارنے ہیں صحیح تسلیم کر لئے جائیں۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ کھیت اس نقطہ تک کہ ہم اس پر بیس دن کی محنت خرچ کریں بڑھتا ہوا حاصل پیدا کرتا ہے۔ اس نقطہ کے ماوراء وہ گھٹتا ہوا حاصل پیدا کرتا ہے۔

اس امر کی توضیح فہرست ا سے ہو سکتی ہے۔ جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ ایک دس ایکڑ رقبہ کے کھیت سے کتنی پیداوار حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر اس پر محنت اور اصل کی مختلف مقداریں صرف کی جائیں۔ ہم نے ان مقداروں کو یوں ظاہر کیا ہے۔ کہ ایک شخص مع اپنے گھوڑوں کی جوڑیوں اور ضروری آلات کے دنوں کے حساب سے کتنی محنت کرتا ہے۔ ایک طرف حاصل اور دوسری طرف محنت اور اصل ان دونوں کے درمیان جو نسبت ہے۔ وہ آخری کالم میں درج کی گئی ہے۔ اس کالم کے اعداد ظاہر کرتے ہیں۔ کہ فی یوم محنت کے حساب سے کتنی مقدار پیداوار حاصل ہوئی۔ یا کتنے بشل پیدا ہوئے:۔

فہرست ا

ایک آدمی کی روزانہ محنت گھوڑوں اور آلات کی معیت میں۔ (دنوں کی تعداد)	مجموعی پیداوار بشلوں کے حساب سے	روزانہ محنت کے مطابق بشلوں کی تعداد	
۱	۰	۰	بڑھتا ہوا حاصل
۵	۵۰	۱۰	
۱۰	۱۵۰	۱۵	
۱۵	۲۷۰	۱۸	
۲۰	۳۸۰	۱۹	
۲۵	۴۵۰	۱۸	گھٹتا ہوا حاصل
۳۰	۵۱۰	۱۷	
۳۵	۵۶۰	۱۶	
۴۰	۶۰۰	۱۵	
۴۵	۶۳۰	۱۴	
۵۰	۶۵۰	۱۳	

اس فہرست کے مطابق اس نقطہ پر پہنچکر جہاں بیس دن کی محنت کھیت کی کاشت میں خرچ کی گئی ہے۔ حاصل تکثیر ختم ہو جاتی ہے اور تقلیل شروع ہو جاتی ہے۔

فہرست ب

ایک آدمی کی روزانہ محنت کھوڑوں اور آلات کی معیت میں (دنوں کی تعداد)	مجموعی پیداوار (شلنگ کے حساب سے)	روزانہ محنت کی نسبت شلنگوں کی تعداد	
۱	۰	۰	
۵	۴۰	۸	بڑھتا ہُوا حاصل
۱۰	۱۳۰	۱۳	
۱۵	۲۴۰	۱۶	
۲۰	۳۰۰	۱۵	
۲۵	۳۵۰	۱۴	
۳۰	۳۹۰	۱۳	
۳۵	۴۲۰	۱۲	گھٹتا ہُوا حاصل
۴۰	۴۴۰	۱۱	
۴۵	۴۵۰	۱۰	
۵۰	۴۵۵	۰	

یہ تو ایک فرضی صورت تھی۔ لیکن کسی واقعی صورت میں بغیر آزمائش کے یہ بتانا ناممکن ہے کہ کس نقطہ پر پہنچ کر حاصل کی تقلیل شروع ہوتی ہے۔ گو یہ درست ہے۔ کہ ایک سمجھدار کاشتکار اپنے تجربے کی بنا پر اصلیت کے اس قدر قریب اندازہ کر سکتا ہے۔ کہ جس سے عملی طور پر کام چل سکے جب کبھی آپ یہ دیکھیں کہ ایک سمجھدار اور کار آگاہ کاشتکار عمداً اپنی محنت اور اصل کا ایک حصہ مختلف قسم کی زمینوں میں کوئی فصل بونے پر خرچ کر رہا ہو تو یقین کر لیجئے تو اُس کے خیال میں بہ نسبت بہترین زمین پر اپنی تمام قوتوں کو مجتمع و مرتکز کر دینے کے لئے یہ زیادہ نفع بخش ہے۔ لیکن یہ بات کسی حالت میں درست نہ ہو سکتی تھی۔ بغیر اس صورت کے کہ محنت اور اصل کی اُس کے پاس اتنی مقدار ہو کہ وہ اگر اس کو صرف اپنے بہترین قطعہ زمین پر لگادے تو وہ اسکی کاشت کو تقلیل حاصل کے نقطہ سے پار

لیجا سکے ۔ مثلاً اگر ہم یہ فرض کر سکیں کہ فہرست (الف) کی اس مقدار کو ظاہر کرتی ہے ۔ جو کاشتکار کے بہترین دس ایکڑ رقبہ کے کھیت پر محنت اور اصل کی مختلف مقداروں کے خرچ کرنے سے پیدا ہوتی ہے ۔ اور فہرست ب بھی مقدار دوسرے درجہ کے دس ایکڑ رقبۂ زمین کے متعلق ظاہر کرتی ہے ۔ تو دونوں فہرستوں کا مقابلہ کرنے سے ہمیں معلوم ہوگا ۔ کہ اگر وہ صرف بیس دن تک محنت خرچ کر سکتا ہے تو اس تمام محنت کو بہترین کھیت پر صرف کرنے سے وہ زیادہ حاصل حاصل کر سکتا ہے ۔ بہ نسبت اس امر کے کہ وہ اس محنت کو بہترین کھیت اور دوسرے درجہ کے کھیت کے درمیان تقسیم کر دے

وہ آبادی جس کیلئے خوراک ۔ لباس ۔ گھر در ۔ اور دوسری بے شمار اشیا ایک علاقے کی پیداوار سے مہیا کرنی ہوتی ہیں ۔ اُس کے بڑھ جانے سے یہ بات فی الواقعہ لازم آتی ہے کہ زمین سے زیادہ فصلیں حاصل کی جائیں ۔ الّا اس صورت میں کہ لوگ صنعت و حرفت اور تجارت اختیار کریں ۔ ایک ہی زمین سے فصل کی بڑھتی ہوئی مقدار حاصل کرنیکی کوشش کا نتیجہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ زمین کی زرخیزی کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے ۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے ۔ کہ بالفرض اگر زمین کی زرخیزی نقصان سے محفوظ رہے بھی ۔ تو پھر بھی زمین سے بڑھتی ہوئی مقدار حاصل کرنے کیلئے بمطابق "قانون تقلیل حاصل" کے اس امر کی ضرورت ہوگی ۔ کہ کاشت میں جو محنت صرف کی جائے اُس کی مقدار حاصل کی مقدار کی نسبت سے بہت زیادہ بڑھائی جائے ۔ اس سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے ۔ وہ یہ کہ زراعت کے نئے اور بہتر طریقوں کا انکشاف ہوا اور اُن پر عمل درآمد ہونے لگے ؛

تجرباتی ثبوت ۔ کاشتکاروں کو اس بات کا جو عام تجربہ ہے اور جس کا تذکرہ ہم اوپر کر چکے ہیں ۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر سر جان لاز (Sir John Lawes) کی بین شہادت ملتی ہے جو غالباً عصرِ حاضر کے سب سے بڑے ماہر زراعت ہیں ۔ اُنہوں نے ۱۸۹۷ء میں ایک پارلیمنٹری کمیشن کے سامنے یہ بیان کیا کہ اُن کے تمام تجربات کے نتائج یہی ظاہر کرتے تھے کہ جوں جوں آپ اپنی فصل کو زیادہ عمیق کاشت سے بڑھاتے چلے جائیں ۔ ہر بُشل ایک خاص مقدار پر پہنچنے کے بعد زیادہ لاگت چاہتا ہے ۔ . . . . . آخری بُشل پر سب سے زیادہ مصارف ہوتے ہیں ۔ اسی سلسلے میں اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ جن دنوں قیمتیں گری ہوئی ہوں اُن دنوں عمیق کاشت پہلے سے زیادہ نہیں بلکہ کم کرنی چاہیئے ۔ اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جیسے جیسے آبادی بڑھتی جائے اور زمین سے

زیادہ فصل طلب کی جائے۔ ویسے ویسے قیمتیں لازماً بڑھنی چاہئیں۔ تاکہ مزید تفصیل پر جو پہلے سے زیادہ لاگت آتی ہے اُس کی کسر نکل جائے۔ یہ شہادت خاص وقعت رکھتی ہے۔ اور ایک مدتِ مدید کے تجربوں کا نچوڑ ہے۔ اس شہادت کی تصدیق ہر جگہ کے کاشتکاروں کے تجربہ اور عمل سے بھی ہوتی ہے۔ چاہیئے کہ یہ شہادت عوام کے ذہن کو اُن بیہودہ خیالات سے خالی کر دے۔ جو اُنہوں نے بعض کوتاہ بین کاشتکاروں سے اخذ کئے ہیں۔ جو ان دنوں میں بھی یہی تعلیم دیتے ہیں۔ کہ زیادہ عمیق کاشت چھوٹے مزرعے اور اس قسم کی اور چیزیں ہمارے تمام زراعتی مشکلات کا حل ہیں۔

"قانون تقلیل حاصل" کے عملدرآمد کی چند نہایت واضح اور آسان مثالیں گیہوں بونے کے اُن تجربات سے ملتی ہیں۔ جو مقام راتھم سٹیڈ (Rothamstead) کئے گئے۔ جہاں سر جان لاز نے اپنا گرانمایہ کام انجام دیا۔ کہ زمین کو پانچ کھیتوں میں تقسیم کیا گیا۔ جن کی زرخیزی تقریباً مساوی تھی۔ اُن یکساں حیثیت سے کاشت کی گئی۔ البتہ اس بات میں فرق رکھا گیا کہ نائیٹروجن کی مختلف مقداریں ان کھیتوں میں داخل کی گئیں۔ اس طور پر کہ ۴۳ پونڈ نائیٹروجن ہر کھیت میں پہلے کھیت سے زیادہ ڈالی گئی ہے۔ جیسا کہ ذیل سے ظاہر ہے:-

	آٹھ سال کی اوسط پیداوار (بشلوں کے حساب سے)	۴۳ پونڈ نائیٹروجن کے پیچھے فائدہ
کھیتی نمبر ۵	۱۹	.....
کھیتی نمبر ۶	۲۷ ۷/۸	۸ ۷/۸
کھیتی نمبر ۷	۳۵ ۱/۲	۷ ۵/۸
کھیتی نمبر ۸	۳۶ ۷/۸	۱ ۳/۸
کھیتی نمبر ۱۶	۳۷ ۱/۲	۵/۸

اس فہرست سے پتہ چلتا ہے کہ جب ۴۳ پونڈ نائیٹروجن کا پہلا جزعہ دیا جا چکا تو اُس کے بے حاصل کی مقدار گھٹنا شروع ہوئی۔ جیسا کہ تیسرے خانہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ یعنی کھیتی نمبر ۷ میں جو ۴۳ پونڈ کی مقدار بڑھائی گئی (اضافہ نمبر ۲) اُس سے حاصل میں کم ترقی ہوئی بہ نسبت اُس ترقی کے جو ۴۳ پونڈ کی مقدار سے ہوئی تھی۔ جو کھیتی نمبر ۶ میں بڑھائی گئی تھی۔ اور تیسرے جزعے سے

اس سے بھی کم ترقی ہوئی وعلیٰ ہذا القیاس۔ کھیتی ۶ کی مقدار سے اگر کھیتی نمبر ۸ کی مقدار منہا کی جائے تو اتنی کم ترقی ہوئی کہ نہ ہونے کے برابر۔ ایک بُشل کا ۳/۸ حصہ اگر بڑھ گیا تو یہ مزید ۳۴ پونڈ نائیٹروجن کی لاگت پوری کرنے کیلئے ناکافی تھا۔ اس بنا پر اس کھیت کی کاشت بند کردی گئی۔ اور دوسرے کھیتوں کی کاشت اڑتالیس سال تک جاری رہی۔ ان اڑتالیس سال کے اوسط نتائج حسب ذیل ہیں:۔

	پیداوار (بشلوں کے حساب سے)	۳۴ پونڈ نائیٹروجن کے پیچھے فائدہ
کھیتی ۵	۱۵	......
کھیتی ۶	۲۴	۹
کھیتی ۷	۳۳	۹
کھیتی ۸	۳۶ ۳/۴	۹ ۳/۴

اس فہرست میں کھیتوں کی تعداد قدرے کم ہے۔ تاہم جو نتائج اوپر درج کئے گئے ہیں وہ بیش قیمت اور معنی خیز ہیں۔ کیونکہ وہ ایک طویل مدت کا اوسط ظاہر کرتے ہیں۔ پہلے دو جُرعے جو کھیتی ۶ اور کھیتی ۷ کو دیئے گئے۔ اُن سے بڑھتی ہوئی مقدار حاصل ہوئی۔ لیکن تیسرے جُرعے سے (جو کھیتی ۸ کو دیا گیا) نمایاں طور پر کم مقدار حاصل ہوگی۔ فرض کیجیے کہ ۳۴ پونڈ نائیٹروجن کی قیمت ۶٫۵۰ ڈالر ہے اور گیہوں ایک ڈالر فی بُشل کے نرخ سے بکتا ہے۔ اس صورت میں منافع حسب ذیل ہے:۔

کھیتی ۵	۱۵	......	......	......	......
کھیتی ۶	۲۴	۹	۹٫۰۰ ڈالر	۶٫۵۰ ڈالر	۲٫۵۰ ڈالر
کھیتی ۷	۳۳	۹	۹٫۰۰ ״	۶٫۵۰ ״	۲٫۵۰ ״
کھیتی ۸	۳۶ ۳/۴	۳ ۳/۴	۳٫۷۵ ״	۶٫۵۰ ״	۲٫۷۵ — ״

بہرحال اگر گیہوں کی قیمت اس سے زیادہ ہوتی اور نائیٹروجن کی لاگت کم ہوتی۔ تو نائیٹروجن کا تیسرا جُرعہ کھیتی ۸ کو دینے سے جو گھاٹا ہوا وہ نفع میں تبدیل کیا جاسکتا تھا۔

محنت کا اکارت جانا۔ یہ بات معاشیات کے طالب علم کیلئے سمجھنا آسان ہے۔ کہ جماعت کی قوتِ محنت کا بکفایت استعمال اشد ضروری ہے۔ تاہم اس اصول کے متعلق غلط فہمیاں عام ہیں۔ قوتِ محنت کا بیجا صرف ضیاع کی ایک ایسی قسم ہے۔ جسے لوگ عام طور پر ضیاع نہیں سمجھتے۔ اور اس کی اہمیت کو محسوس کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس امر کا ثبوت اس سے بہم پہنچتا ہے۔ کہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد بلکہ غالباً اکثریت کی جماعت یہ خیال کئے ہوئے ہے کہ یہ کوئی بری بات نہیں۔ بلکہ اچھی ہے۔ بیشمار لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسی فارغ البال جماعت کا ہونا جو کام کرنے والوں کی محنت کا پھل کھائے معاشیاتی نقطہ نگاہ سے ایک ضروری امر ہے تاہم یہ بات یقینی ہے۔ کہ نقصان چاہے کسی قسم کا ہو اور پھر خاصکر جب وہ کسی عامل پیدایش کی ضیاع ہو وہ کام کرنے والوں کیلئے گرانباری کا باعث ہوتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ عموماً یہی ہوتا ہے۔ کہ ملک بحیثیت مجموعی دولت مند بننے کی بجائے مفلس ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں کی محنت ضائع جاتی ہے۔ اُن کی چار اقسام ہیں:۔

(۱) وہ لوگ جن کا کوئی شغل نہیں۔

(۲) وہ لوگ جن کا شغل اُن کے لئے غیر موزون ہے۔

(۳) وہ لوگ جو مکمل طور پر مشغول نہیں۔

(۴) وہ لوگ جو اپنی خوشی سے بے شغل اور بیکار رہیں۔

ان چاروں اقسام کی روک تھام میں تعمیری کام کرنے والے معاشیات دان کیلئے کارگذاری کے اتنے موقع ہیں کہ وہ کسی کام میں میسر نہیں آ سکتے۔

بیکار لوگ۔ ان چاروں میں سب سے کم اہم ان لوگوں کی جماعت ہے جو بے شغل اور بیکار ہیں۔ لیکن مقام حیرت ہے کہ ضیاع محنت کی صرف یہی ایک قسم ہے۔ جس کی طرف لوگوں نے توجہ مبذول کی ہے۔ یہ سب سے اس لئے کم اہم ہے کہ اوّل تو عام طور پر جو لوگ سب سے کارآمد ہوتے ہیں وہی بیکار رہتے ہیں۔ دوسرے معاشرت کے اوپر کے طبقات میں جو قوتِ محنت ضائع ہو رہی ہے اگر اس کو کام میں لایا جائے تو اُس سے یہ ہوگا کہ نیچے کے طبقات میں جو بیکاری کا مسئلہ ہے۔ اس کا حل بڑی حد تک خود بخود ہو جائیگا۔

وہ لوگ جو ناموزوں کام کرتے ہیں - وہ محنت جو ایک شغل ناموزوں پر صرف کی جاتی ہے۔ اس سے مراد وہ محنت ہے جو خود دولت پیدا کرنے کی غرض سے کسب روزی کے معاشیاتی طریقوں کے بجائے غیر معاشیاتی طریقوں میں خرچ ہو۔ (ملاحظہ ہو باب اول) بہت سے ایسے کاروبار ہیں۔ جن کا واحد مقصد یہ ہوتا ہے۔کہ دوسرے لوگوں کی جیبوں سے جہاں پہلے ایک ڈالر نکالا جاتا تھا۔ وہاں اب دو نکالے جائیں۔ ان کی بدولت قوت کا ایسا معقول ذخیرہ ضائع ہوتا ہے۔ جس کا مناسب استعمال تو یہ تھا کہ جہاں پہلے گھاس کی ایک پتی پیدا ہوتی تھی۔ وہاں اب دو پیدا کی جائیں۔ جو کاروبار صحیح معنوں میں پیدا آور ہو اور جو خالص پیدا آور طریقوں سے چلایا جائے۔ وہ جتنا کامیاب ہوگا اُتنا ہی دوسرے لوگوں کی دولت میں ازدیاد کا باعث ہوگا۔ اور ایک ایسے کاروبار میں اور ایسے طریقوں کے اختیار کرنے سے کوئی شخص جتنا دولتمند بنتا جائیگا اُتنا ہی وہ اپنے ملک کو بجائے مفلس بنانے کے دولتمند بنائیگا۔ وہ قانون ساز جو ہماری ذہنی اور جسمانی قوتِ محنت کو ایسے کاموں پر لگادے وہ ملک کو اتنا پیدا آور بنادے گا کہ باہر سے کوئی حملہ یا کوئی آفتِ ارضی ہمیں دولتمند بنانے سے روک سکے تو روک سکے ورنہ اور کوئی چیز نہ روک سکیگی۔ چاہے ہمارے مادی وسائل اتنے کم کیوں نہ ہوں۔ جتنے کہ نیو انگلینڈ کے ہیں۔

وہ لوگ جو مکمل طور پر مشغول نہیں ہیں - وہ محنت جس سے پورا پورا کام نہیں لیا جاتا۔ اس سے ہماری مراد وہ محنت ہے جو گو پیدا آور کاموں میں صرف کیجاتی ہے۔ تاہم ایسے پیدا آور کاموں میں نہیں جیسے کہ ہونے چاہئیں اگر کوئی شخص جو باقاعدہ تعلیم حاصل کرکے با مہارت محنت کرنے کے قابل ہو سکتا تھا۔ بے مہارت محنت کرتا ہو۔ یا با مہارت دستی کام کرتا ہو۔ حالانکہ وہ کوئی اس سے زیادہ مہارت طلب اور اس سے زیادہ ضروری کام مثلاً کسی کاروبار کا انتظام و اہتمام کرسکتا تھا۔ تو اس صورت کو ہم ایسی محنت کی جس سے پورا پورا کام نہیں لیا جاتا۔ ایک مثال کہیں گے۔ یہ قوتِ پیدا آوری کا ایسا ہی بیجا استعمال ہے۔ جیسا کہ ایک ایسی زمین کو جو باغیچہ کے لائق ہو۔ کسی "لانگ ہارن" بچھڑے کے سے ادنیٰ جانور کے چرنے کے کام میں لانے سے ہوگا۔ ایک مدبر ملکی کیلئے اپنی قوم کو دولتمند بنانے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ وہ اپنی قوم کی قوتِ محنت کے پورے پورے استعمال کے مواقع مہیا کرے۔ ہماری بہت سی قوتِ محنت رائگاں جارہی ہے۔ ان

معنوں میں کہ اس سے ایسے کام لینے پڑتے ہیں۔ جو بالکل بے قدر وقیمت ہیں اور یہ محض اس وجہ سے کہ محنت کی رسد طلب سے زیادہ ہے۔ برخلاف اس کے بہت سے کام ایسے ہیں۔ جن کو قابل اور ذی لیاقت آدمیوں کی کمی کی وجہ سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ جس طرح ایک زنجیر کی مضبوطی کا اندازہ اُس کی سب سے کمزور کڑی سے کرنا چاہیئے۔ اسی طرح کوئی صنعت و حرفت بھی ہو وہ صرف اس حد تک ترقی کر سکتی ہے۔ جس حد تک وہ عامل جو اس کے عاملین میں سب سے کمزور ہے۔ اجازت دیتا ہو۔ فی زمانہ بہت سے کاموں میں سب سے کامیاب چیز قابلیت انتظام ہے۔ اسلئے جو حکمت عملی عام اس سے وہ تعلیمی ہو یا اخلاقی۔ قابلیت انتظام کی رسد بڑھ جانے کا باعث ہوگی وہ صنعت و حرفت کی اشاعت میں مدد دیگی اور بیشتر بیکار لوگوں کو برسر کار روبار کرنے کا باعث ہوگی۔ ضمناً یہ دوسری تمام چیزوں سے زیادہ تقسیم دولت میں مساوات پیدا کرنے کا موجب بھی بنے گی۔

وہ لوگ جو اختیاری طور پر بیکار ہیں۔ جو لوگ اختیاری طور پر کاہل ہیں۔ اُن کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل وہ لوگ جنہوں نے قابلیت اور محنت سے دولت پیدا کی ہے اور آرام سے بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو اس دولت پر گذارہ کرتے ہیں۔ جو اُنہوں نے خود نہیں کمائی۔ پہلی جماعت سے امریکہ بڑی حد تک محفوظ ہے۔ گو اس بات کا تھوڑا بہت خطرہ ہے کہ کہیں امریکہ والے یورپی نکتہ چینوں کی باتوں سے متاثر نہ ہونے لگیں۔ جو فتور دماغ کے باعث اس عجیب و غریب نظریئے کے حامی ہیں۔ کہ تضییع محنت کا بہ نمایاں طریقہ یعنی اپنی مرضی سے بیکار رہنا شرافت و نجابت اور شائستگی کی نشانی ہے۔ دوسری جماعت کی زحمت سے بھی ہم ابھی کل کی بات ہے۔ کہ بالکل محفوظ و مصون تھے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ خود ہماری مرفہ الحالی اس جماعت کی پیدائش کا باعث ہو رہی ہے اور ہمیں آئندہ کیلئے اس کا تدارک کرنا چاہیئے۔ وہ لوگ جو موروثی دولت کھاتے ہیں۔ یا وہ دولت کھاتے ہیں۔ جو اراضی کی قیمتوں کے چڑھ جانے سے حاصل ہوتی ہے۔ اُن کا عنصر اس جماعت کے افراد میں غالب ہے۔ یہ ایک اور صورت حالات ہے جو تعمیری کام کرنے والے مدبر کی توجہ کی محتاج ہے۔ اس قسم کی تضییع محنت خاص طور پر افسوسناک ہے۔ کیونکہ عموماً بہترین قسم کی قوت محنت اس طور پر برباد ہو جاتی ہے۔ جس شخص کو باپ سے

بڑی جائداد ورثہ میں ملے۔ اُس کا باپ یقیناً غیر معمولی کاروباری قابلیت کا آدمی ہوگا قانونِ وراثت کے مطابق گمان غالب یہ ہے کہ بیٹے نے بھی کچھ حصہ باپ کی قابلیت سے پایا ہوگا۔ لیکن اس بات کا امکان بہت زیادہ ہے۔ کہ چونکہ اس شخص کے بیٹھے بٹھائے موروثی دولت مل گئی ہے۔ اور اُسے کام کرنیکی ضرورت نہیں پڑی۔ اس لئے اس کی قابلیت محنت یقیناً تباہ ہوگئی ہوگی۔ اور اس کاروباری صلاحیت کو قوت سے فعل میں لایا جائے اور اس کے صحیح طور پر نشو و نما کیجائے تو ہمارے ملک کے وسایلِ پیدا آوری میں اُس عنصر کا اضافہ ہوگا۔ جو سب سے زیادہ کم یاب ہے اور جس کی ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ یعنی تنظیم کی قابلیت یہ اس قسم کی قوت ہے کہ اگر اس سے کام لیا جائے تو صنعتی ترقی کا سب سے قلیل عنصر بڑھ جائیگا۔ صنعت و حرفت کی جو سب سے بڑی کمزوری ہے۔ وہ دُور ہو جائیگی۔ اور ہماری قومی مرفہ الحالی دن دونی رات چوگنی ہوگی

تضییع قوت۔ قوتِ محنت کی تضییع کا سب سے بڑا ذریعہ بدکرداری اور بداخلاقی ہے۔ وسیع معنوں میں ہر قسم کی بدکرداری اور بداخلاقی انسانی قوت کے ضائع کرنے کا طریقہ ہے۔ اور انسانی قوت کے ضائع کرنے کا ہر طریقہ بدکرداری اور بداخلاقی میں شامل ہے۔ کاہلی۔ شراب خوری۔ فتنہ پردازی۔ غل غپاڑا۔ ہمسایوں سے لڑائی جھگڑا۔ بددیانتی۔ یہ تضییع قوت کے انتہائی اور معروف طریقے ہیں۔ اس سے کم درجے کے طریقے لیکن اتنے ہی نمایاں طریقے یہ ہیں۔ عہدی پن۔ غیر ذمہ دارانہ عادتیں۔ اور اپنے کام سے کوئی دلچسپی نہ رکھنا۔ اگر مزدور اس طور پر کام کرنے لگیں۔ تو یہی نہیں ہوگا۔ کہ ان کا کام بالکل ناکارہ ثابت ہوگا۔ بلکہ حالات سے زیادہ ان مزدوروں کی نگرانی کی ضرورت ہوگی۔ یہ انتہائی نگرانی کی ضرورت اتنی قوتِ محنت کی تضییع کا باعث ہوتی ہے۔ جس کو براہِ راست پیدا آوری کے طریقوں میں استعمال کیا جا سکتا تھا۔ بجائے اس کے کہ اُس کو دوسروں کے کام کی نگرانی کرنے میں بالواسطہ صرف کیا جائے۔ کسی قوم کی وہ خصوصیات جو اس کی قوتِ پیدا آوری کے زوال کا باعث ہوں اس طور پر کہ یا تو اس کی محنت کو بالکل ناکارہ کردیں۔ یا اس کو پیدائش اور خدمت کے کام سے ہٹا کر دوسروں کے کام کی خبر گیری و نگرانی۔ داروغائی و جمعداری کی طرف منذول کردیں۔ وہ خصوصیات تضییع قوت کا باعث ہیں۔ اور اسی لئے ان کو بدکرداری اور بداخلاقی میں شمار کرنا چاہیئے۔ اس نقطہ نگاہ سے

اخلاق کو محنت کی کفایت کا سب سے بڑا کفیل کہنا چاہیئے۔ اس لئے یہ کوئی امر اتفاقی نہیں کہ جن ملکوں میں اخلاق کا معیار سب سے بلند ہے وہی سب سے زیادہ خوشحال اور زبردست ہیں۔ اس کی ساری وجہ یہی ہے کہ اُن کا نظام اخلاق ان کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ بمقابلہ دوسری قوموں کے جن کا نظامِ اخلاق ادنیٰ ہے۔ اپنی قوتِ پیدا آوری کو بہتر اور زیادہ کفایت شعارانہ طریقے سے کام میں لاسکیں۔ اس بنا پر ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے مادی وسائل کی حفاظت اور کفایت کی ترکیبیں سوچیں اور قوائے انسانی کی اُس بے اندازہ دولت کے اکارت جانے کو نظر انداز نہ کردیں۔ جو اس وقت دیکھنے میں آتا ہے۔ ورنہ ہم ایک جرم عظیم کے مرتکب ہونگے بہرحال یہ امور عام اعتبار سے قوتِ محنت کے بکفایت استعمال پر صادق آتے ہیں۔ اور زراعت میں محنت کی جو کفایت ہونی چاہیئے۔ کچھ اُسی پر خصوصیات سے چسپاں نہیں ہوتے۔ یہ امر عبارت ذیل کا موضوع بحث ہے:۔

ہمیں محنت کی کفایت کرنی چاہیئے یا زمین کی؟ اس بات کی اہمیت جتاتا نہایت ضروری ہے کہ محنت کی کفایت کرنے کا مقصد جیسا کہ ہم پیشتر بیان کرچکے ہیں۔ کہ فی کس بیشترین پیداوار کی جائے نہ کہ فی حصۂ زمین بیشترین پیداوار۔ اس تعریف کے مطابق محنت کی بیشترین کفایت کیلئے حسب ذیل چیزیں ضروری ہیں۔ (۱) زمین کی کافی مقدار (۲) طاقت آلات اور مشینری کے متعلق کافی ساز و سامان۔ (۳) زراعت سے علمی وفنی دونوں حیثیتوں سے واقفیت۔ (۴) اعلیٰ درجہ کی کاروباری تنظیم۔ اس بات کے وجوہ کہ زمین کی کافی مقدار کیوں ضروری ہے۔ مجملاً "قانونِ تقلیل حاصل" کی صورت میں بیان ہوچکے ہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو معاشیات کے اہم ترین مسائل میں سے ہے۔ کیونکہ محنت کی بیشترین کفایت کیلئے اتنی وسیع زمین کا استعمال ضروری ہوتا ہے کہ صرف بیجا کی حد تک پہنچا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اور اسی طرح زمین کی بیشترین کفایت کیلئے محنت کی اتنی مقدار ضروری ہوتی ہے کہ وہ بھی اسراف کی حد میں داخل معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ ایک ایسا دو پہلو قیاس ہے۔ جس سے گریز ناممکن ہے۔ یہ زراعتی انتظام میں ایک مستقل حیثیت رکھنے والا مسئلہ ہے۔ اور اس کا تصفیہ دائمی توجہ کا محتاج ہے۔ اگر کسی قطعۂ زمین کی کاشت میں اتنی محنت کی جائے کہ فی ایکڑ بیشترین

پیداوار ہو سکے۔ تو اس سے فی مقدارِ محنت نسبتاً کم پیداوار ہوگی۔ برخلاف اس کے اگر فی مقدارِ محنت اتنی زمین خرچ کی جائے کہ فی کس بیشترین پیداوار ہو سکے تو اس سے فی ایکڑ نسبتاً کم پیداوار ہوتی۔

یہ سوال کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ فرض کیجئے کہ ایک شخص دس ایکڑ زمین کی کاشت میں تمام ممکن محنت مع متناسب آلات کے صرف کرے اور اس سے ۱۰۰۰ بشل کی فصل پیدا کرے۔ یعنی فی ایکڑ ۱۰۰ بشل درآنحالیکہ اگر وہ ۲۰ ایکڑ زمین زمین کی کاشت میں اتنی ہی محنت کرتا تو ۱۵۰۰ بشل کی پیداوار اُسے ملتی۔ یعنی فی ایکڑ ۷۵ بشل۔ اگر وہ تیس ایکڑ پر اتنی محنت خرچ کرتا۔ تو اس کو صرف ۱۸۰۰ بشل کی فصل حاصل ہوتی۔ یعنی ۶۰ بشل فی ایکڑ اگر چالیس ایکڑ پر اتنی محنت کرتا تو ۲۰۰۰ بشل اُسے ملتے یعنی فی ایکڑ پچاس بشل۔ پچاس ایکڑوں سے اُسے اس سے زیادہ پیداوار نہ ملتی۔ جتنی کہ چالیس ایکڑوں سے۔ یعنی کل دو ہزار بشل اور چالیس بشل فی ایکڑ۔ ان مفروضات کو تسلیم کرتے ہوئے ان مختلف تجربات کے نتائج ذیل کی شکل کے مطابق ظاہر کئے جا سکتے ہیں:-

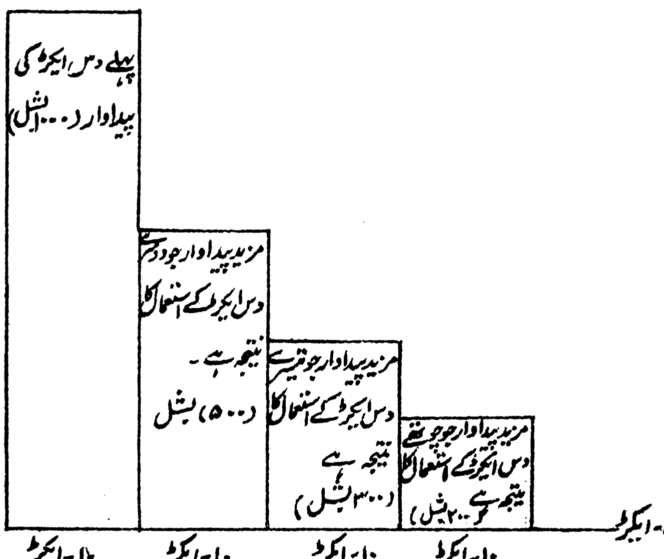

اس سے یہ ظاہر ہے کہ کاشتکار اپنے سال بھر کے کام کے بدلے اوپر کی مقداروں میں سے سب سے بڑی مقدار کے برابر کل پیداوار حاصل کرتا ہے۔ یعنی ۲۰۰۰ ہزار بشل چاہے وہ ۴۰۔ ایکڑ زمین میں کاشت کرے۔ چاہے ۵۰۔ ایکڑ میں۔ لیکن چونکہ وہ پچاس ایکڑ زمین میں چالیس سے زیادہ پیداوار نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ امر واضح ہے کہ پچاس ایکڑ میں کاشت کرنا زمین کو خواہ مخواہ ضائع کرنا ہے۔ یہ مزید دس ایکڑ زمین بالکل رائگاں جاتی ہے۔ اور اس کو اگر بے کاشت پڑا رہنے دیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ ۴۰۔ ایکڑ زمین میں کاشت کرنے سے ۳۰۔ ایکڑ سے زیادہ پیداوار ہوتی ہے۔ یعنی جہاں ۳۰۔ ایکڑ سے ۱۸۰۰ بشل پیداوار ہوتی ہے وہاں ۴۰ سے ۲۰۰۰ بشل تاہم یہ بھی ایک نقطہ نگاہ سے زمین کا بے جا استعمال ہے۔ کیونکہ مزید دس ایکڑ کے صرف سے صرف ۲۰۰ بشل کا اضافہ ہوتا ہے۔ ۳۰۔ ایکڑ سے اُسے بہ نسبت ۲۰۔ ایکڑ کے ۳۰۰ بشل زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔ تاہم یہ بھی زمین کا کوئی بہت کفایت شعارانہ استعمال نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں اُس کے مزید ۱۰۔ ایکڑ اُسے محض ۲۰۰ بشل زیادہ دیتے ہیں۔ اسی طرح اگرچہ ۲۰۔ ایکڑ زمین سے اُسے ۱۰۔ ایکڑ کی بہ نسبت زیادہ فصل حاصل ہوتی ہے۔ یعنی (۱۵۰۰ کے مقابلے میں ۲۰۰۰) تاہم یہ بھی زمین کا بہترین کفایت شعارانہ استعمال نہیں۔ کیونکہ یہ دوسری دس ایکڑ زمین فقط ۵۰۰ بشل کا اضافہ اسکی مجموعی پیداوار میں کرتی ہے۔ درانحالیکہ پہلی دس ایکڑ زمین اگر اکیلی جوتی جاتی تو اکیلی اُس سے ۱۰۰۰ بشل پیداوار ہوتی۔ اس مثال سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر دس ایکڑ کے رقبہ کیلئے ایک آدمی ہونے میں بہت کفایت شعاری ہے۔ تاہم یہ بھی کسی قدر بیجا استعمال ہے یہ امر ملاحظاتِ ذیل سے ظاہر ہے:۔

اگر ایک شخص جو بیس ایکڑ زمین میں کاشت کر رہا ہے اوپر کی مثال کے مطابق ۱۵۰۰ بشل کی پیداوار حاصل کرے۔ اور دو آدمی جو انہی بیس ایکڑوں میں کاشت کر رہے ہیں ۲۰۰۰ بشل کی مجموعی پیداوار حاصل کریں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ دوسرے آدمی نے پہلے آدمی کی پیداوار میں صرف ۵۰۰ بشل کا اضافہ کیا ہے۔ ایک کی بجائے دو آدمیوں کے ہونے سے اس رقبہ کی فصل صرف اتنی بڑھتی ہے۔ یہ محنت کا بیجا صرف ہے۔

کم ازکم بمقابلہ اُن نتائج کے جو ایک ایک شخص کے چالیس چالیس ایکڑ میں کاشت کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جس سے ہر شخص ۲۰۰۰ بُشل پیدا کرتا ہے۔

ہم اس تجزیہ کی ذرا تفصیل کئے دیتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک جماعت ایسی ہے جس کی تمام زمین یکساں طور پر زرخیز ہے۔ اور تمام کاشتکار ایک جیسے ہوشیار اور محنتی ہیں۔ سب کے پاس ایک جیسے اوزار ہیں۔ اور علاوہ بریں اوپر جو مثال دی گئی ہے۔ اس کے تمام حالات محنت کی پیدا آوری کے بارے میں جوں کے توں موجود ہیں۔ یہ بھی فرض کیجئے کہ اوّل اوّل اس جماعت میں ایک ایک آدمی چالیس چالیس ایکڑ کی کاشت کرتا ہے۔ اس صورت میں ہر آدمی ۲۰۰۰ بُشل گیہوں پیدا کر سکیگا۔ بعدہٗ آدمیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک ایک آدمی تیس تیس ایکڑ کی کاشت پر لگایا جاتا ہے اس صورت میں ہر شخص اوسطاً صرف ۱۸۰۰ بُشل پیدا کر سکیگا۔ لیکن ایک بات ہے۔ اور وہ نہایت معنی خیز بات ہے۔ وہ یہ کہ اس پیداوار میں جو پہلے آدمیوں کی تعداد یعنی تھوڑی تعداد پیدا کر سکتی تھی۔ یہ مزید آدمی صرف ۱۲۰۰ بُشل فی کس کے حساب سے اضافہ کر سکینگے۔ ایک آدمی اگر ۳۰ ایکڑ کی کاشت کرے تو یہ مساوی ہے۔ اس کے کہ ۱ ⅓ آدمی ۴۰ ایکڑوں کی کاشت کرتے ہیں۔ یا یوں کہیئے کہ ایک آدمی اپنا پورا وقت لگاتا ہے۔ اور دوسرا اپنے وقت کا تیسرا حصہ۔ مثال بالا کے مطابق ایک آدمی جو ۳۰ ایکڑ کی کاشت کرتا ہو وہ ۱۸۰۰ بُشل پیدا کر سکتا ہے۔ اس حساب سے ۱ ⅓ آدمی ۴۰ ایکڑوں کی کاشت کریں تو جتنی پیداوار ایک آدمی تیس ایکڑ کی کاشت کر سکتا ہے۔ وہ اُس سے ۱ ⅓ گنا زیادہ پیدا کر سکتے ہیں۔ یعنی ۲۴۰۰ بُشل۔ چونکہ ایک آدمی چالیس ایکڑوں سے ۲۰۰۰ بُشل پیدا کر سکتا تھا۔ اور ۱ ⅓ آدمی اتنی ہی زمین سے ۲۴۰۰ بُشل پیدا کر سکتے ہیں۔ اس لئے ۴۰۰ بُشل کا فرق ⅓ آدمی یا ایک آدمی کی ⅓ محنت کی طرف منسوب کرنا چاہیئے۔ اگر ایک شخص اپنے وقت کا ⅓ حصہ صرف کرنے سے ۴۰۰ بُشل پیدا کر سکتا ہے۔ تو اس کی سارے وقت کی پیداوار ۱۲۰۰ بُشل ہوئی۔ اس لئے یہ مقدار فی کس لے دے کر وہ ساری مقدار ہے جو ہم مزید آدمیوں کی محنت کی طرف

منسوب کر سکتے ہیں۔ ان آدمیوں کے آنے سے پہلے جو پیداوار ہوتی تھی۔ اُس میں اُنہوں نے فقط اس قدر اضافہ کیا۔

اب اگر کچھ تازہ وارد مہاجرین اس جماعت میں آملیں یا کسی اور وجہ سے اس کے افراد کی تعداد میں اضافہ ہو جائے تاآں کہ ایک آدمی کیلئے صرف ۲۰ ایکڑ زمین رہ جائے۔ تو مثال بالا کے مفروضات کے مطابق نتائج ذیل نمودار ہونگے :-

ایک آدمی ۲۰ ایکڑ کی کاشت سے ۱۵۰۰ بُشل پیدا کرتا ہے۔ اس لئے ۴۰ ایکڑ زمین سے دو آدمی ۳۰۰۰ بُشل پیدا کریں گے۔ یعنی ۱½ آدمیوں سے ۶۰۰ بُشل زیادہ۔ اس لئے یہ ۶۰۰ بُشل ۲/۳ آدمیوں یا ایک آدمی کی ۲/۳ محنت کی طرف منسوب کرنے چاہئیں۔ اگر ایک آدمی کے وقت کے ۲/۳ حصے سے اس ۴۰ ایکڑ کی پیداوار میں جو اُس کے بغیر ہوتی تھی صرف ۶۰۰ بُشل کا اضافہ ہوتا ہے۔ تو ایک آدمی کے پورے وقت سے ۹۰۰ بُشل کا اضافہ ہوگا۔ اسلئے یہ وہ مقدار ہے جو ہم نوواردوں میں سے ہر فرد واحد کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ جو مقدار اُن کے آنے سے پہلے پیدا ہوتی تھی اور جو اُن کی مدد کے بغیر پیدا ہو سکتی تھی۔ اُس میں اُنہوں نے صرف اسقدر اضافہ کیا۔

اب اگر آدمیوں کی تعداد میں اور بھی ترقی ہو تاآں کہ ہر دس ایکڑ زمین ایک آدمی کے ذمے ہو۔ تو مثال بالا کے مطابق نتائج ذیل ظاہر ہونگے۔

چونکہ ایک آدمی دس ایکڑ زمین سے ۱۰۰۰ بُشل پیدا کرتا ہے۔ اس لئے دو آدمی جو علیحدہ علیحدہ دس ایکڑ زمین کی کاشت کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر ۲۰۰۰ بُشل پیدا کر سکیں گے۔ لیکن ایک شخص بیس ایکڑ کی کاشت کر کے ۱۵۰۰ بُشل پیدا کرتا ہے۔ اس رقبہ سے دو آدمی ایک آدمی کی بہ نسبت ۵۰۰ بُشل زیادہ پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے ۵۰۰ بُشل فی کس وہ تمام مقدار ہے جو ہم اُن نئے آدمیوں میں سے ایک ایک کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ جو پیداوار اُن کے آنے سے پہلے ہوتی تھی اور جو اُن کی مدد کے بغیر پیدا ہو سکتی تھی۔ اُس میں یہ لوگ اسی مقدار کا اضافہ کرتے ہیں۔ اگر اسے محنت کا بیجا صرف نہ کہا جائے تو اُسی کے مرادف لفظ اس کیلئے استعمال ہونا چاہیئے۔ بہرکیف اگر اتنی قوت محنت اُس جماعت میں موجود ہے

تو اس کو کام میں لانا چاہیئے۔ اور اس کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ حالات موجودہ میں جو بہترین طریقہ ہو وہ اختیار کیا جائے۔ لیکن اس کے معنی ہونگے فی کس نہایت تھوڑی پیداوار کا نقشہ ذیل اس تجزیہ کے نتائج مجملاً ظاہر کرتا ہے:-

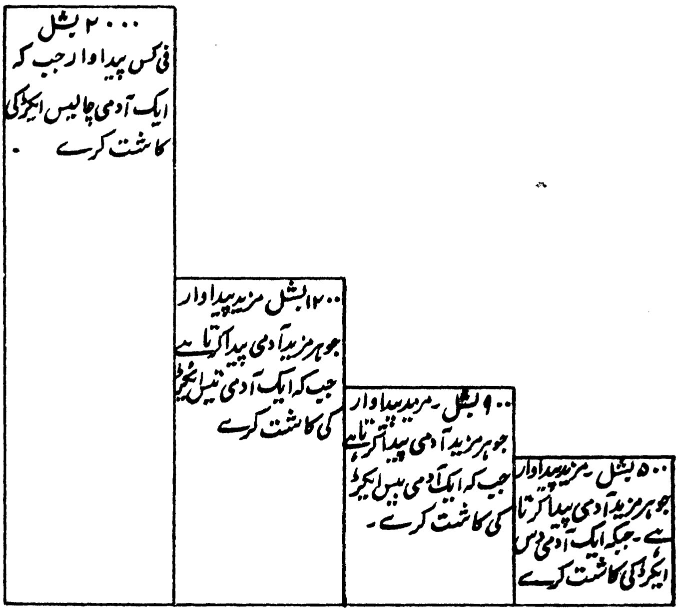

اس مثال سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ بعض کم نظر اور عاقبت نااندیش مصنفین جو یہ تلقین کرتے رہتے ہیں۔ کہ فی ایکڑ زیادہ پیداوار کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ قطع نظر اس کے کہ فی کس پیداوار کتنی ہوگی۔ کتنی بڑی حماقت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارا سب سے بڑا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے۔ کہ اگر ہم زراعت سے فی کس زیادہ پیداوار حاصل کرنا چاہیں تو ہر مزدور کے لئے کافی رقبہ زمین مہیا کرنا کس قدر اہم بات ہے اور اگر ہماری زراعت بڑھتی گئی۔ بغیر اس کے کہ مزروعہ زمین کا رقبہ اس کے ساتھ ساتھ بڑھے تو پھر یہ کس قدر مشکل بات ہو جائیگی

اس سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ مختلف ملکوں کی پیداوار فی ایکڑ کا مقابلہ کرکے اس سے نتیجے نکالنا بغیر اس کے کہ ان ملکوں کی پیداوار فی کس کا مقابلہ بھی کیا جائے۔ کتنی بڑی

غلطی ہے۔ اور بہت سے معاملوں کی طرح اس معاملے میں بھی وہ لوگ جو خود اپنے ہاتھوں سے کام کرتے ہیں۔ بہ نسبت اُن لوگوں کے جن کا علم صرف کتابی اور درسی ہے۔ زیادہ واقفیت رکھتے ہیں۔ مغربِ وسطی کے کاشتکار اپنے مزرعوں کے رقبہ کو وسیع بناتے جا رہے ہیں۔ اور جو زاید تعداد ہے وہ اُن علاقوں میں جہاں کافی زمین مل سکتی ہے جا رہی ہے۔ اور یہ سب کچھ وہ اندھادھند نہیں کر رہے بلکہ سمجھ بوجھ کر۔ مختلف ملکوں کے گیہوں کے مزرعوں میں جو اوسط حاصل فی کس ہوتا ہے۔ اُس کے متعلق تسلی بخش اعداد و شمار طیار کرنا ناممکن ہے۔ لیکن ریاستہائے متحدہ کے مغربی حصے میں ایسے لوگوں کی بہت مثالیں ملتی ہیں جنہوں نے سالہا سال تک ۲۰۰۰ بشل سالانہ کی اوسط فصل پیدا کی ہے۔ جن ملکوں میں کاشتِ عمیق کے طریقوں پر عملدرآمد کیا جاتا ہے۔ اُن میں اس قسم کی پیداوار کی کوئی مثال موجود نہیں۔

ڈاکٹر ایل جی پاورز (L. G. Powers) جو بارہویں اور تیرہویں مردم شماری میں زراعتی اعداد و شمار کے کام پر مقرر کئے گئے تھے۔ اُن کے بیان کے مطابق ریاستہائے متحدہ میں ۹۰۰۰۰ زراعت پیشہ لوگ اُس سے آدھا اناج پیدا کر لیتے ہیں۔ جتنا کہ یورپ میں ۶۶۰۰۰۰ زراعت پیشہ لوگ پیدا کرتے ہیں۔ جو لوگ پیداوار فی ایکڑ کو کامیاب زراعت کا معیار قرار دیتے ہیں۔ وہ ہمارے ملک کو ان دوسرے ممالک کے مقابلے میں حقیر سمجھتے ہیں۔ لیکن جب ہم اس بات کو سمجھ لیں کہ پیداوار فی کس اصلی معیار ہے۔ تو اس میں ہرگز شرمندہ نہ ہونا چاہیئے۔

مردم شماری کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ مکئی کی پیداوار فی ایکڑ میسیکوسٹس (Massachusetts) میں بہ نسبت الینائس (Illinois) یا آئیووا (Iowa) کے زیادہ ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ میسیکوسٹس مکئی کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی ریاست ہے۔ یا مکئی کی پیدائش میسیکوسٹس میں بہ نسبت ان دوسری ریاستوں کے زیادہ کفایت شعارانہ اصول پر مبنی ہے۔

کافی اصل ضروری ہے۔ چونکہ ساری دنیا یہ اعتراف کرتی ہے کہ آلات اور

مشینری محنت کو بچانیکی تدابیر ہیں۔ اس لئے یہ کہنے کی ایسی ضرورت نہیں کہ ان تدابیر کی کافی رسد محنت کی بیشتر بن کفایت کیلئے لازمی ہے۔ تاہم "محنت بچانے کی تدابیر" ایک ایسی ترکیب الفاظ ہے۔ جو ہر اعتبار سے موزوں نہیں۔ "پیداوار بڑھانیکی تدبیر" کی ترکیب کا استعمال کرنا بعض صورتوں میں بہتر ہوگا۔ بہر کیف اگر یہ بخوبی ذہن نشین کرلیا جائے کہ آلات ان معنوں میں محنت بچاتے ہیں۔ کہ کام کرنے والوں کو زیادہ اور بہتر کام کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ تو اس صورت میں آلات کو "محنت بچانے کی تدابیر" کہنا موردِ اعتراض نہیں ہوسکتا۔

مزرعے کی مشینری نے ہماری بڑی اجناس کی پیدائش میں کتنی مدد دی ہے۔ یہ فہرستہائے ذیل سے ظاہر ہے جو ایچ ڈبلیو کوینٹنس (H. W. Quaintance) کے رسالہ بعنوان "مزرعہ کی مشینری کا اثر پیدائش اور محنت پر" سے اقتباس کی گئی ہیں:-

کتنے دن کی محنت دستی طریقوں سے پیداوار کرنے کے لئے ضروری ہے

جنس	کس سال کی فصل ہے		تعداد ایام
جو	۱۸۹۶	۱۸۲۹—۳۰	۱۴،۷۷۱،۵۱۵
مکئی	۱۸۹۴	۱۸۵۵	۱۱۷،۴۸۷،۰۹۸
کپاس	۱۸۹۵	۱۸۴۱	۸۰،۱۰۸،۷۷۱
بھوسہ	۱۸۹۵	۱۸۵۰	۹۹،۲۵۷،۲۵۷
	۱۸۹۳	۱۸۳۰	۱۰۵،۸۱۰،۳۳۴
آلو	۱۸۹۵	۱۸۶۶	۱۴،۷۱۵،۵۰۱
چاول	۱۸۹۶	۱۸۷۰	۳۹۶،۶۸۷
	۱۸۹۵	۱۸۴۷—۴۸	۶،۸۵۴،۹۴۲
گیہوں	۱۸۹۶	۱۸۲۹—۳۰	۱۳۰،۹۲۱،۹۲۷
کل			۵۷۰،۰۲۴،۰۳۲

کتنے دن کی محنت مشین کی مدد سے پیدا وار کرنے کیلئے ضروری ہے

جنس	کس سال کی فصل ہے	کس سال کے طریقے استعمال کئے گئے	تعداد ایام محنت	مشینری کی بدولت کتنے دنوں کی بچت ہوئی	بچت فیصدی
جو	۱۸۹۶	۱۸۹۵-۹۶	۶۳۰،۳۵۴	۱۴،۱۴۱،۱۶۱	۹۵٫۷
مکی	۱۸۹۴	۱۸۹۴	۴۵،۸۷۳،۰۲۷	۷۱،۶۱۴،۰۷۱	۶۰٫۹
کپاس	۱۸۹۵	۱۸۹۵	۲۸،۱۷۸،۹۰۴	۵۱،۹۲۹،۸۶۷	۶۴٫۸
بھوسہ	۱۸۹۵	۱۸۹۵	۱۸،۵۵۶،۷۹۱	۸۰،۷۰۰،۴۶۶	۸۱٫۳
	۱۸۹۳	۱۸۹۳	۱۱،۳۳۴،۲۶۶	۹۴،۴۷۶،۰۶۸	۸۹٫۲
آلو	۱۸۹۵	۱۸۹۵	۵،۱۳۴،۱۰۰	۹،۵۸۱،۴۰۱	۶۵٫۱
چاول	۱۸۹۶	۱۸۹۶	۱،۰۸۰،۸۸۹	۲۸۷،۷۹۶	۷۲٫۵
	۱۸۹۵	۱۸۹۴-۹۵	۲،۷۳۹،۱۴۷	۴،۱۱۵،۷۹۵	۶۰٫۰
گیہوں	۱۸۹۶	۱۸۹۵-۹۶	۷،۰۹۹،۵۶۰	۱۲۳،۵۲۲،۳۶۷	۹۴٫۵
کل			۱۱۹،۶۵۵،۰۳۸	۴۵۰،۳۶۸،۹۹۲	۷۹٫۰

اگرچہ کافی آلات اور ساز و سامان کا استعمال زراعت میں پرلے درجے کی اہمیت رکھتا ہے۔ خاصکر ایک ایسے ملک میں جہاں زراعتی مزدوروں کی اتنی ہی قلت ہے اور اُجرتیں اتنی ہی زیادہ ہیں۔ جتنی کہ ہماری ملک میں ہیں۔ تاہم ہر مصنف کا جو اس موضوع پر کچھ لکھ سکے۔ یہ فرض ہے کہ وہ اس بارے میں احتیاط اور دور اندیشی کی بھی تلقین کرے۔ جس شخص نے بھی امریکہ کے زراعتی حالات اور زراعتی رسم و رواج کا بغور مشاہدہ کیا ہے۔ اُس نے ضرور دیکھا ہوگا کہ بعض مرتبہ لوگ بیش قیمت آلات اور مشینیں خریدنے میں ضرورت سے زیادہ روپیہ لگا دیتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ جتنی اس کے مخالف مثالیں ملتی ہیں۔ یعنی محنت بچانے کے آلات کے بخیلانہ استعمال کی مثالیں۔ اتنی مثالیں اس امر کی دیکھنے میں نہیں آتیں۔ تاہم ان دونوں باتوں کے نتائج ایک جیسے مضر ہوتے ہیں۔ بیش قیمت آلات کا خرید لینا۔ بغیر ان باتوں کو سوچے ہوئے کہ اوّل زمین سے بچت کیا کرنی چاہیئے۔ اور دوسرے لاگت کیا آئے گی۔

کاروباری مصلحت کے منافی ہے اور تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ بیشمار کاشتکار آپ کو ایسے ملیں گے۔ جنہوں نے تلخ تجربہ سے عبرت حاصل کی ہے۔ جو شخص اپنی ضرورتوں کا صحیح صحیح اندازہ کئے بغیر چیزیں خرید لیتا ہے وہ عموماً مصارف کا حقیقت سے کم تخمینہ کرتا ہے زرِ مشغولہ (Invested money) کی پہلی رقم پر جو سود ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا اندازہ کرنا بہت آسان ہے۔ لیکن یہ تو مصارف کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہوتا۔ مرمت پر جو خرچ کرنا پڑیگا۔ اس کا اندازہ کرنا قدرے مشکل ہے اور یہ خرچ بہت جلد ایک بڑی رقم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اتنی جلدی کہ ناتجربہ کار کاشتکار یا وہ کاشتکار جو باقاعدہ طور پر حساب کتاب نہیں رکھتا۔ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ مزرعے کی مشینری بہت جلد خراب ہو جاتی ہے اور اسکی وجہ سے اتنے اخراجات کا متحمل ہونا پڑتا ہے کہ جس کاشتکار نے چند سال تک باقاعدہ حساب کتاب نہیں رکھا وہ انہیں سنکر دنگ رہجائیگا۔ منیسوٹا (Minnesota) کی تجربہ گاہ میں جو تحقیقات اس کے متعلق پانچ سال تک کی گئی ہے۔ اُس کے مطابق مزرعے کی مشینری کی اوسط سالانہ فرسودگی ۳ء۷ فی صدی ہوتی ہے۔ مختلف آلات کی فرسودگی مختلف شرح فیصدی کے حساب سے ہوتی ہے۔ چھکڑوں کی فرسودگی سے لیکر جو ۹ء۸ رہم فی صدی ہوتی ہے۔ مکئی کے گٹھے باندھنے والی کل کی فرسودگی تک جو ۳ء۱۰ فیصدی ہوتی ہے اسلئے نہایت ضروری ہے۔ کہ کاشتکار کوئی قیمتی مشین خریدتے وقت بہت سوچ سمجھ سے کام لے۔ اور پورے طور پر اپنی تسلی کرلے کہ اس مشین سے اپنا کام لے سکیگا یا نہیں۔ کہ سود مشین کے روزانہ مصارف اور مرمت اور فرسودگی کے متعلق اُس کے جو اخراجات ہونگے اُن سے زیادہ منافعہ کی گنجائش نکل آئے۔ اُس کو یہ اچھی طرح دیکھ بھال لینا چاہیئے کہ اپنی لاگت کی رقم وہ کس صورت سے واپس لیگا۔ یعنی اگر وہ مزدوروں سے کام لیگا۔ تو مزدوروں کی اُجرت میں اس کو کس طرح بچت ہوگی۔ یا اپنے مزرعہ کی پیداوار کو وہ کس صورت سے اس حد تک بڑھا سکیگا۔ کہ لاگت کا معاوضہ بھی مل جائے اور اس کے ساتھ ہی منافع کی اتنی وسیع گنجائش ہو کہ اگر اندازہ کرنے میں کہیں غلطی ہوگئی ہے تو اسکی کسر نکل جائے۔ تاہم ایک بات

اوریاد رکھنی چاہیئے۔ اس بارے میں ضرورت سے زیادہ پھونک پھونک کر قدم رکھنا بھی انتہائی بُرا ہے۔ جتنی کہ بد احتیاطی بُری ہے۔ اگر کم احتیاط کرنے سے یہ ڈر ہے کہ کاشتکار کا بہت جلد دیوالہ نکل جائیگا۔ تو بہت زیادہ احتیاط کرنے سے یہ احتمال ہے کہ وہ رجعت پسندانہ اور مخالفِ ترقی طریقہ ہائے زراعت پر عمل کئے جائیگا۔ اور خواہ مخواہ کی محنت شاقہ کرتا رہیگا جس میں نہ کچھ لطف ہوگا نہ صلہ۔ جب کاشتکار خوب سوچ سمجھ کر اندازہ کر چکے اور اپنی دلجمعی کر چکے کہ قیاس کردہ نفع قیاس کردہ نقصان سے زیادہ رہیگا۔ تو پھر اس کو روپیہ لگانے میں ذرہ برابر تامل نہ کرنا چاہیئے۔ چاہے اُسے کتنے ہی زیادہ سود پر روپیہ قرض کیوں نہ لینا پڑے۔

چھوٹے چھوٹے مزرعوں کی کاشت ایک ناقص طریقہ ہے۔ امریکہ کے لوگوں کی خاص طور پر عادت ہے۔ کہ یورپ کے چھوٹے چھوٹے کسانوں[1] (peasant farmers) پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں۔ اور اُن کے طریقوں کو قدامت پرستی اور لکیر کی فقیری سے موسوم کرتے رہتے ہیں۔ ریاستہائے متحدہ کے مغربی حصہ کے بعض بڑے بڑے مزرعوں میں جو گھوڑوں کی بہت بہت سی جوڑیاں اور قوی ہیکل مشینیں استعمال کی جاتی ہیں ان کا مقابلہ اگر ان چھوٹے کسانوں کے سیدھے سادے دستی طریقوں سے کیا جائے تو اس غلطی کا شکار ہونے کا بہت امکان ہے کہ ہم خود کسان کو ذاتی طور پر کند ذہن اور تنزل پسند خیال کرنے لگیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسان خود نمایاں طور پر دانشمند ہو اور اپنے طریقوں کو حالات کے مطابق بنانے میں انتہا درجے کی عملی قابلیت رکھتا ہو۔ قصور اس نظام کا ہے۔ جس کے ماتحت وہ کام کرتا ہے۔ اُس کو ذاتی طور پر الزام نہیں دیا جا سکتا۔ انگلستان کے نظام زراعت میں بہ حیثیت ایک نظام زراعت کے جو خوبیاں اور برائیاں ہیں انکی

نوٹ [1] اردو میں اگرچہ "کاشتکار" اور "کسان" کے الفاظ مرادف الفاظ کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں اور ان کے معنی یا استعمال میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ تاہم میں نے ضرورۃً farmer اور peasant farmer کے فرق مفہوم کو واضح کرنے کیلیے ان کو علیحدہ علیحدہ معنوں میں استعمال کیا ہے۔ "کاشتکار" تو وسیع معنوں میں اُس شخص سے مراد ہے جو ایک ایسے قطعہ زمین میں جو بہت سے کھیتوں پر مشتمل ہوتا ہے کاشت کرتا ہے اور آلات مشینری وغیرہ سے مدد لیتا ہے "کسان" پر بھی گو یہی تعریف صادق آسکتی ہے۔ لیکن وہ اول تو تھوڑی سی زمین کی جو خود اس کی ملکیت ہوتی ہے کاشت کرتا ہے اور دوسرے مشینری وغیرہ سے مدد نہیں لیتا اس فرق کو مثال سے واضح کرنا ہو تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسان سے ہماری مراد اس قسم کا کاشتکار ہے جیسا ہندوستان میں عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے اور کاشتکار سے بحیثیت اصطلاحی ہماری مراد وہ کاشت کا کام کرنیوالا شخص ہے جو امریکہ جیسے ترقی یافتہ ممالک میں ... (مترجم)

مفصل بحث آگے چل کر کسی باب میں آئیگی ۔ تاہم یہاں یہ خیال دینا مناسب ہوگا کہ اگر مزرعہ بہت ہی چھوٹا ہو تو وہاں اتنا کام سرے سے ہوہی نہیں سکتا کہ اعلیٰ درجے کی اور بڑی بڑی قیمتوں کی مشینیں استعمال کی جائیں ۔ اکثر اتنا کام بھی نہیں ہوتا ۔ کہ دو گھوڑے یا ایک گھوڑا رکھنے میں کوئی نفع ہو ۔ جتنا ایک گھوڑا اتنے چھوٹے مزرعہ کی پیداوار میں اضافہ کریگا ۔ اُس سے زیادہ تو وہ خود کھا لیگا ۔ جب یہ صورت ہو تو گائے رکھنے میں زیادہ کفایت شعاری ہے ۔ مزرعہ میں جو کام ہوتا ہے ۔ وہ اتنا ہلکا اور معمولی ہوتا ہے ۔ کہ گائے کے دودھ دینے پر اس کا کچھ مضر اثر نہ ہوگا ۔ اور نہ اسکی خوراک کا کچھ خرچ بڑھیگا ۔ چنانچہ گائے ہر کام کیلئے استعمال کی جاتی ہے ۔ ان چھوٹے چھوٹے مزرعوں میں یہ عموماً دیکھنے میں آتا ہے ۔ کہ ہل چلانا ۔ ہینگا پھیرنا اور کھیت سے کھلیان تک بوجھ اُٹھا کر لیجانا یہ سارے کے سارے کام دو گایوں کو کرنے پڑتے ہیں ۔ بعض اوقات اگر مزرعے ذرا اس سے بڑے ہوں تو وہاں اکیلے ایک بیل سے یا ایک بیل اور ایک گھوڑے سے یہ کام لیا جاتا ہے ۔ لیکن بہت چھوٹے مزرعوں میں ایسی ایک گائے یہ سب کام نباہتی ہے ۔ باقی جو کام ہوتے ہیں مثلاً بیج بونا ۔ کھیت جوتنا ۔ فصل کاٹنا ۔ اناج گاہنا اور چھڑانا وغیرہ یہ سب ہاتھوں سے کئے جاتے ہیں ۔ اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ یہ قدیم دستی طریقے عموماً ایک اکیلے کسان کیلئے اس کے حالات کے مطابق مشینوں کے استعمال کی بہ نسبت زیادہ کفایت کا باعث ہوتی ہیں ۔ مثال کے طور پر اس سوال پر غور کیجئے ۔ آیا کسان کو گیہوں سانٹے سے پٹنا چاہیئے ۔ یا بھاپ کی خرمن کوب مشین کرایہ پر لینا چاہیئے ۔ اوّل تو اس کا مزرعہ نہایت چھوٹا ہے ۔ اور اس کا سارا گیہوں کا کھیت پانچ ایکڑ سے زیادہ نہیں ۔ دوسرے اُس کی ساری کمائی لے دے کر اس مزرعہ کی پیداوار ہے ۔ تیسرے اُس کو اپنا وقت گذارنے کے لئے اور کوئی کام نہیں ۔ جب خود اس کے یہاں کام کی کمی ہے ۔ تو دوسری جگہ اس کو کام ملنا معلوم ۔ اگر وہ کسی اور جگہ جا کر اُجرت پر کام کر سکتا ۔ تو اُس صورت میں یقیناً اس کیلئے یہ زیادہ کفایت شعاری ہوتی کہ مشین کرایہ پر لے کر اپنا غلہ چھڑا لیتا ۔ لیکن جب اس کی کوئی

صورت ہی نہیں۔ تو اس کا وقت خالی پڑا ہے۔ اور اگر وہ اس سے یہ کام نہ لے کہ اپنے گیہوں کو سانٹ سے چھڑ لے۔ تو اس کی ذاتی محنت بیکار جائیگی۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر وہ غلے کو سردی کے طویل موسم میں اپنے ہاتھوں سے چھڑ لے۔ تو اس کا کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے اگر وہ اسی کو کرایہ یا اُجرت پر کراتا تو جو لاگت آتی وہ اس کی نقد آمدنی میں سے ایک معقول حصہ کم کر دیتی۔

ان حالات میں ایک کسان کا اپنے گیہوں کو آپ چھڑنا چاہے کتنا ہی کفایت پر مبنی کیوں نہ ہو۔ تاہم جہاں اس قسم کے حالات موجود ہوں۔ وہاں بہت سی محنت بلاشک وشبہ ضائع کی جاتی ہے۔ جس کسی نے یہ منظر دیکھا ہے کہ درجنوں اور کوڑیوں اس قسم کے چھوٹے چھوٹے کسان ایڑی چوٹی کا زور لگا کر گیہوں کو سانٹ سے پیٹ رہے ہیں۔ اس پر یہ حقیقت ثابت ہو جاتی ہے۔ اگر ایک مرتبہ وہ اپنے ماحول پر غالب آ سکیں۔ اور ایسے حالات پیدا کر سکیں کہ سال کے ایک حصے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کے بجائے وہ اپنا تمام وقت کسی پیداآور کام میں لگا سکیں۔ تو وہ یقیناً اس قابل ہو جائیں کہ اس سے بہت کم محنت سے اپنے گیہوں کو چھڑ سکیں۔ اور اس سے زیادہ نفع حاصل کریں۔ ایک صورت صاحبِ لیاقت کسان کیلئے ممکن ہے۔ وہ یہ کہ وہ اپنے چند ہمسایوں کی زمین خرید لے۔ ان کی چھوٹی چھوٹی جوتوں کو ملا کر ایک مزرعہ بنائے۔ اور پھر جن لوگوں کے پاس پہلے وہ زمینیں تھیں انہیں اُجرت دے کر اپنے کھیتوں میں کام پر لگائے۔ بعض ملکوں کی رسم ورواج اور روایاتِ قدیمی اور انتقالِ اراضی کی مشکلات اس امر میں سدِّ راہ ہوتی ہیں۔ ورنہ یہ صورت کسی نہ کسی دن پیدا ہو کر رہتی۔ مثال کے طور پر بعض ملکوں میں انتقال اراضی پر جو اخراجات ہوتے ہیں۔ وہ مزرعہ کی نصف قیمت کے برابر ہوتے ہیں۔ جب یہ حالت ہو تو زمین کی خرید وفروخت میں زبردست رکاوٹ حائل ہونا قدرتی امر ہے۔

اگر بہت چھوٹے چھوٹے کسان امداد باہمی کے طریقے کے مطابق ایک خرمن کوب مشین سے مل کر کام لیں۔ تو اس سے بھی کچھ امید ہو سکتی ہے۔ گو اس میں بھی ایک خرابی کا احتمال ہے۔ اگر وہ اس وقت کو جو اس طرح ان کے پاس بچ رہے۔ کسی مفید کام میں لگا سکیں

تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ورنہ ہمیں اس طریقے کی کفایت میں شک ہے۔ کیونکہ اس قسم کی مشین کا خرچ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس مسئلے کا حقیقی معنوں میں صرف ایک حل ہے۔ وہ یہ کہ ان کسانوں کو جو وقت مشین کے استعمال کی بدولت بچ رہے۔ اس کے دوران میں وہ کوئی پیدا اور کام کریں۔ صرف یہی ایک صورت ہے۔ جس وہ مشین کی اصلی لاگت ادا کر سکتے ہیں۔ یہی صورت دوسری مشینوں کے معاملے میں بھی ہے۔ اُس وقت کفایت ہو سکتی ہے۔ جب کسان اپنے زائد وقت کو زاید اً ور کام میں صرف کریں۔ راقم الحروف نے ان چھوٹے چھوٹے کسانوں کا جہاں تک مشاہدہ اور مطالعہ کیا ہے اُس سے اُس پر ثابت ہو گیا ہے کہ وہ جس کی وجہ سے یہ کسان ایسے طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں بیہودہ ہے۔ تاہم کسانوں کیلئے یہ انتہائی دانائی ہے۔ کہ اپنے آپ کو اس نظام کے مطابق بنائیں۔ اور جس طرح کام چل سکے چلائیں۔ کاشتکاری کے مختلف طریقوں کی قدر و قیمت کا موازنہ ہم کسی آئندہ باب کیلئے اُٹھا رکھتے ہیں۔

سائنٹفک واقفیت۔ یہ امر کار آمد آلات اور اوزار کے استعمال سے قریب کا تعلق رکھتا ہے کہ کاشتکار ذاتی طور پر زراعت سے مکمل اور سائنٹفک واقفیت رکھتا ہو۔ باستثنائے طب اور نوشت و خواند کے اور جتنے پیشے ہیں۔ اُن میں تعلیم کی جو ضرورت ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ ضرورت۔ خاصکر سائنٹفک تعلیم کی ضرورت کاشتکاری میں ہوتی ہے۔ مکمل سائینٹفک کاشتکار بننے کیلئے اعلیٰ درجہ کی سائینٹفک تعلیم سے بہرہ ور ہونا لازمی ہے۔ اس قسم کے کاشتکار کیلئے صریح طور پر ضرورت ہے کہ وہ علم نباتات جیانباتات۔ علم کیمیا۔ طبعیات۔ اور علم ساخت سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہو۔ اور ان علوم کی بعض خاص خاص اور مشکل شاخیں اُسے بوجہ احسن جاننی چاہئیں۔

زراعتی پیداوار اور جانوروں کی افزائش جنس کے اصول بھی اگر ممکن ہوں تو اچھی طرح جاننا چاہئیں۔ لیکن یہ آجکل ممکن نہیں۔ کیونکہ کوئی ایسا شخص زراعتی جماعت میں یا اس کے باہر موجود نہیں۔ جو پورے طور پر اُن سے واقف ہو۔ کاشتکار کو مٹی کے علم الکیمیا مٹی کی طبعیات۔ مٹی کے علم الجراثیم۔ ماکولات کی غذائیت۔ زمین پرور کھادوں کے باہمی

تناسب اور اسی قسم کے اور مشکل مضامین سے جن کی طرف ان دونوں سائنس کے ماہرین خصوصی کی توجہ مبذول ہو رہی ہے آشنا سا ہونا چاہیئے۔ گو یہ بات درست ہے۔ کہ کوئی فرد بشر تمام اس سے کہ وہ کاشتکار ہو یا نہ ہو۔ صحیح معنوں میں ان تمام مضامین پر عبور حاصل نہیں کر سکتا۔

کاشتکاروں میں ایک پرانی کہاوت چلی آتی ہے کہ:۔

"یہ کہاوت نہایت مختصر طور پر اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ محنت کی کفائیت کیلئے حسن انتظام کس قدر ضروری ہے۔ اس میں مطلق شبہ نہیں کہ ہمارے ملک کے مزرعوں میں جو محنت ضائع ہوتی ہے وہ اور سب چیزوں سے زیادہ بد انتظامی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ امر آگے چل کر ایک مستقل باب کا موضوع ہوگا۔ جس کا عنوان ہے "تنظیم"۔

ترقی پسندی۔ محنت کی کفایت میں جو روکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ اُن میں شاید سب سے بڑھ کر خود کاشتکاری یا مزرعہ کے مزدوروں کی خصلت و سیرت ہے۔ اس امر کی اس سے زیادہ نمایاں مثالیں پرانے ملکوں میں یا ایسے ملکوں میں جہاں رسم و رواج کے معاملے میں لکیر کی فقیری کی جاتی ہے مل سکتی ہے۔ مشرقی ممالک میں اور بعض اطالوی امریکی ممالک میں مزرعہ کے کام کرنے والے اپنے طریقہ ہائے کار کے بدلنے کیلئے اس قدر کم آمادہ ہوتے ہیں۔ کہ یہ بھی طبیعت زمین یا خاصیت آب و ہوا کی طرح ایک زبردست رکاوٹ ثابت ہوتی ہے اور ان لوگوں کی طبیعت کا بدلنا۔ ڈین ڈیون پورٹ (Devonport) اپنی ایک تحریر میں ذکر کرتے ہیں۔ کہ جنوبی امریکہ کی ایک جاگیر میں ایک نہایت قیمتی چھکڑا بیکار پڑا پڑا ٹوٹ گیا۔ بات یہ ہوئی کہ وہاں کے مزدوروں نے اُس کے استعمال سے محض اس بنا پر انکار کر دیا۔ کہ اس کے پہیوں سے وہ چوں چوں کی آواز پیدا نہیں ہوتی۔ جو اُن کی پرانی لکڑی کی گاڑیوں سے پیدا ہوتی تھی۔

قدامت پرستی کی اس سے زیادہ مضحکہ خیز مثالیں ہماری سرحدوں کے باہر بیشمار مل سکتی ہیں۔ لیکن دور کیوں جائیے۔ ہمارے ملک میں بھی ایسی مثالیں بہت مل جائینگی ہر مزرعہ کے مینجر کو اُجرتی مزدوروں کی حماقت اور خرد ماغی سے پالا پڑا ہوگا۔ یہ لوگ یہ

خیال کرتے ہیں۔ کہ بعض کام ہیں جو خاص خاص مقررہ طریقوں سے کرنے چاہئیں۔ اور نہ نرمی سے نہ سختی سے صیہ مانیں گے کہ ان کے کرنے کا کوئی اور بھی طریقہ ہے۔ بس اسی ڈگر پہ چلے جائینگے مزدمعد نوبیٹرے مزدور۔ بعض کاشتکار جو خود اپنے مالک و مختار ہیں۔ ایسے موجود ہیں۔ جو چاند سے شگون لیکر اور مہورت دیکھ کر بیج بوتے ہیں۔ اور ٹونے ٹوٹکے والوں سے پوچھ پوچھ کر کنوئیں کھودتے ہیں۔ خاصکر ایسے نئے طریقوں کے اختیار کرنے میں تو وہ نہایت سست ہیں۔ جن سے جلدی اور تھوڑی محنت سے کام ختم ہو سکے۔ آپ ان لوگوں کو سمجھانے کی ہزار کوشش کیجئے۔ کہ مکی کے ایک بھٹے کا چھلکا اتارنے یا گھوڑوں کو ہل سے آگے جوتنے کے کسی خاص طریقے سے یا اس قسم کے اور کھیتی باڑی کے کاموں کے خاص ڈھنگ سے کم محنت کرنی پڑتی ہے اور وقت بھی آدھا صرف ہوتا ہے۔ لیکن وہ ہیں کہ ایک بھی نہیں سنتے۔ اور ان طریقوں پر عمل کرنا تو کجا اُن کو آزمانے کے بھی روادار نہیں۔ اُن کی حالت بالکل اس شخص کی ہے۔ جس نے پہلی مرتبہ اونٹ دیکھا تھا۔ پہلے تو وہ بڑی دیر تک اس عجیب الخلقت جانور کو گھورتا رہا۔ پھر یہ کہکر چلدیا۔ " اونہہ اونٹ وونٹ کسی جانور کا نام نہیں"۔ ترقی کو پسند کرنا۔ اپنی عادات تبدیل کرنے کیلئے آمادہ ہونا۔ اگر کوئی نیا طریقہ پہلے طریقوں سے بہتر پایا جائے تو اُسے سیکھنے کی کوشش کرنا۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ کسی جماعت کی قوتِ محنت کے بالفاظ بہت صرف کیلئے سب سے لازمی ہیں۔ بعض طبائع کیلئے اپنے آپ کو بدلنے یا کوئی نیا طریقہ سیکھنے کا عمل اسقدر تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی کم محنت طلب کام جس سے بیشتر آمدنی ہو سکے اُن کو بتایا جائے۔ تو وہ اس کے سیکھنے کی زحمت گوارا نہ کریں گے۔ اور اس پر محنت شاقہ اور تنگدستی کو ترجیح دیں گے۔ اجتماعی مسائل کے بعض طلبا اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ کسی قوم میں اس ترقی پذیری اور اصلاح پسندی کی خاصیت کا ہونا ٹکنیکل اور سائنٹفک علم سے بھی زیادہ قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اگر لوگوں میں صرف اتنی بات ہو کہ وہ نئی بات سیکھنے کی طرف مائل ہوں تو ٹیکنیکل اور سائنٹفک علم دوسری قوموں سے بآسانی عاریتہً لیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ میلانِ ترقی عاریتہً نہیں لیا جا سکتا۔ یہ لوگوں کی گھٹی میں موجود ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ پشتہا پشت کی تربیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر جاپانیوں کو لیجئے۔ اہل مغرب کو فن حرب کے متعلق جو کچھ معلوم تھا اور جو آلات اور ہتھیار اُنہوں نے ایجاد کئے تھے۔ وہ سب جاپانیوں نے ان سے اخذ کر لئے ہیں۔ لیکن ایک چیز اُنہوں نے کسی سے نہیں لی اور نہ قدرتی طور پر لے سکتے تھے۔ وہ بہادری دلاوری۔ وہ انتظام پسندی اور وہ سرگرمی جس کی بدولت اُنہوں نے ان صنعتی ایجادات کے ایسے ایسے شاندار کام کئے ہیں یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہیں۔ کہ اگر ہمارا نظام تعلیم ترقی پسندی کا رجحان اور ہر وقت اپنے آپ کو بہتر بنانے کا حقیقی ذوق و شوق ہماری قوم میں پیدا کر سکے۔ تو ہم زراعت کے متعلق لازمی ٹیکنیکل علم کسی نہ کسی طرح حاصل کریں گے۔ اگر علاوہ ترقی پسندی کی خاصیت پیدا کرنے کے ہمارے مدارس کسان کو ٹیکنیکل علم سے بھی مرصع کر دیں۔ تو یہ سونے پر سہاگہ ہوگا ؛

(۵) اصل زراعتی پیدائش کے ایک عامل کی حیثیت سے

ابواب سابق میں ہم نے ملاحظہ کیا ہے۔ کہ اصل زمین کو بہتر طور پر استعمال کرنیکا یا اس کی کفایت کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور اس طرح محنت کی کفایت کا باعث ہے اب ہم اصل کی ماہیت پر غور کرتا ہے اور یہ دریافت کرنا ہے کہ وہ کون کون سے حالات ہیں۔ جن کے ماتحت یہ وجود میں آتا ہے۔ اور زراعتی پیدائش میں اس کا کیا حصہ ہے؟

معاشیاتی نقطۂ نگاہ سے مفید اشیاء کونسی ہیں؟ تمام فائدہ بخش چیزیں دو بڑی جماعتوں میں تقسیم ہوسکتی ہیں۔ اوّل وہ جنہیں معاشیاتی مفید اشیاء اور دوسری وہ جنہیں غیر معاشیاتی یا بغیر محنت کے ملی ہوئی مفید اشیا کہا جاتا ہے۔ پہلی قسم کی مفید اشیا اس قدر کثیر التعداد ہیں کہ ہر شخص جتنی چاہے اتنی حاصل کرسکتی ہے۔ اس لئے اُن کے بارے میں کفایت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ بات فوراً ہر شخص کے ذہن میں آئیگی کہ ایک ہی چیز ایک وقت یا مقام پر معاشیاتی اعتبار سے ایک مفید شے (a good) ہوسکتی ہے۔ اور دوسرے وقت اور مقام پر غیر معاشیاتی اعتبار سے بھی ایک مفید شے (a good) ہوسکتی ہے۔ اور یہ اسکی قلت یا کثرت پر منحصر ہے۔ معاشیاتی مفید اشیا یعنی وہ اشیا جو نادر الوجود ہیں۔ تمام معاشی جدو جہد کا مقصد و منتہا ہیں۔ کفایت۔ بچت۔ ذخیرہ رکھنا اور تبادلہ ان تمام کا مقصد کوئی نہ کوئی معاشیاتی فائدہ ہی ہوتا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں۔ جن کے پیدا کرنے کیلئے ہم محنت کرتے ہیں۔ جن کیلئے تمام معاشیاتی نظام تیار کیا گیا ہے۔ صرف یہی تبادلہ میں کچھ قدرو قیمت یا حیثیت رکھتی ہیں۔ اور یہ محض اس وجہ سے کہ کوئی شخص کسی چیز کو معاوضہ میں نہیں لیتا۔ جب تک وہ کم یاب نہ ہو۔ یعنی جب تک وہ چیز اُس کے پاس ضرورت سے کم نہ ہو۔ باقی تمام مفید اشیاء کو معاشیات کا عالم نظرانداز کردیتا ہے۔ جس طرح ہم جہاں تک کہ ہمارے کسب معاش کیلئے کوششوں کا تعلق ہے انہیں نظرانداز

کر دیتے ہیں۔

پیدا کنندوں اور صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء۔ ان معاشیاتی اشیاء میں سے اکثر اپنے استعمال یا صرف کرنے والوں کے لئے براہ راست فائدہ بخش ہوتی ہیں۔ اور دوسری بالواسطہ فائدہ بخش ثابت ہوتی ہیں۔ یا رفع حوائج کا باعث ہوتی ہیں یعنی دوسری قسم کی مفید اشیاء کی وساطت سے۔ روٹی پہلی قسم کی مثال ہے۔ یعنی وہ اُن مفید اشیاء میں سے ہے جنہیں صرف کرنے والوں کی مفید مطلب اشیاء کہا جاتا ہے دوسرے الفاظ میں ..... صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیا وہ ہیں جو براہ راست صرف کی جاتی ہیں۔ یا براہ راست ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔ برخلاف اس کے پیدا کنندوں کی وہ مفید مطلب اشیا دوسری کارآمد اشیاء کے پیدا کرنے کیلئے کام میں لائی جاتی ہیں۔ یا ان دوسری مفید اشیا کی مدد سے جن کو وہ پیدا کرتی ہیں۔ ضرورتوں کو بالواسطہ پورا کرتی ہیں۔ بہرحال بعض مفید اشیاء ایسی ہیں کہ ایک وقت میں صرف کنندوں اور دوسرے وقت میں پیدا کنندوں کے حق میں مفید ہو سکتی ہیں۔ یا ایک ہی وقت میں کسی حد تک صرف کنندوں اور کسی حد تک پیدا کنندوں کے لئے مفید ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر کاشتکار کی گھوڑوں کی جوڑی اُس کو کاروبار میں بھی مدد دے سکتی ہے اور تفریح کی سواری کے کام بھی آسکتی ہے یا منتی کا ساز روزی کمانے کا وسیلہ بھی بن سکتا ہے۔ اور نشاط و تفریح کا ذریعہ بھی۔

اصل کیا چیز ہے؟ زمین کے سوا باقی جتنی چیزیں پیدا کنندوں کے حق میں مفید ہیں اُن کو مجموعی طور پر اصل کہا جاتا ہے۔ وہ اس مقصد کیلئے استعمال کی جاتی ہیں۔ کہ دوسری مفید اشیا کی صورت میں اُن سے آمدنی ہو سکے۔ بعض ایسی چیزیں ہیں۔ جنہیں عموماً صرف کنندوں کے حق میں مفید اشیاء کہا جاتا ہے۔ یعنی بعض اوقات اصل کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اصل کے مفہوم نہ صرف تمام پیدا کنندوں کی مفید اشیاء شامل ہیں۔ بلکہ وہ صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء بھی جن کو اُن کے مالک (مالکوں اور استعمال کرنے والوں میں فرق کرنا چاہیئے) آمدنی کیلئے استعمال کریں۔ یعنی وہ

صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء جن کے مالک انہیں قرض پر یا کرایہ پر دوسروں کو استعمال کیلئے دیدیتے ہیں۔ اپنے مالکوں کیلئے بہر صورت وہ ایک قسم کا اصل یا ذریعۂ آمدنی ہیں۔ کیونکہ اصل اُس دولت کا نام ہے۔ جو آمدنی کیلئے صرف میں لائی جائے آمدنی سے مُراد مادّی مفید اشیاء کی ایک مقدار ہے نہ کہ غیر مادی یا روحانی تسکین۔ جیسی کہ اس قسم کی اشیاء سے حاصل ہوتی ہے۔ جنہیں ہم اصل کے نام سے موسوم نہیں کر سکتے۔ تاہم اصل کی ان دو قسموں کے درمیان تفریق کی جاتی ہے۔ ایک کو اصل پیدا آور یا اجتماعی اصل کہا جاتا ہے۔ اور دوسری کو اصل جلبی یا شخصی اصل کہا جاتا ہے۔ پیداکنندوں کی مفید مطلب اشیاء یا اصل پیدا آور کو اجتماعی اصل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ تمام جماعت کی قوتِ پیدائش میں اضافہ کرتی ہیں۔ اور اس قسم کا اصل جتنا زیادہ ہوگا۔ اُتنی ہی زیادہ ساری جماعت پیدا کر سکیگی۔ صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء جو قرض پر کرایہ پر یا استعمال کرنے والوں کو بھاڑے پر دیجاتی ہیں۔ اُن کو شخصی اصل کا نام دیکر اجتماعی اصل سے الگ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ جماعت کی قوتِ پیدائش میں کوئی اضافہ نہیں کرتیں۔ جو دولت پہلے ہی پیدا ہو چکی ہے۔ یہ اس کو از سرِ نو تقسیم کرنے کے ذرائع ہیں اور بس یعنی وہ اپنے مالکوں کیلئے انفرادی طور پر آمدنی کا وسیلہ ہے لیکن جماعت کے لئے حیثیت کُلی نہیں۔ اس باب میں ہم صرف اصل پیدا آور پر غور کریں گے۔ کیونکہ شخصی یا جلبی سرمایہ تعریف بالا کے مطابق زراعتی پیداوار کا عامل نہیں ہے۔

یہ بات کہ زمین اصل سے مختلف چیز ہے۔ اور ایک علیحدہ قسم کی چیز ہے۔ عموماً تسلیم کی جاتی ہے۔ گو یہ ضرور ہے کہ ان دونوں میں بہت مشترک صفات پائی جاتی ہیں۔ محاسب یا کاروباری آدمی کے نقطۂ نگاہ سے ان دونوں کا باہمی فرق بہت بڑا نہیں۔ اور زمین عموماً اصل کی اقسام میں شمار کی جاتی ہے۔ ایک شخصی کاروبار کی حساب کی کتابوں میں ہم زمین کو اصل کی ایک قسم کی حیثیت دے سکتے ہیں۔ اور اس سے کوئی غلط مبحث نہ ہوگا۔ لیکن معاشیات دان جب اس مسئلے پر اجتماعی یا

سیاسی زاویۂ نگاہ سے غور کرتا ہے۔ اس کے نزدیک زمین بہت سے اہم امور میں اصل سے مختلف حیثیت رکھتی ہے۔ اوّل زمین ایک قدرتی پیداوار ہے درآنحالیکہ اصل (یعنی آلات عمارتیں وغیرہ) انسانی محنت کے نتائج ہیں۔ دوسرے زمین کی رسد عملی طور پر ایک دفعہ مقرر ہو چکی ہے۔ درآنحالیکہ اصل غیر معین طور پر بڑھایا گھٹایا جا سکتا ہے۔ تیسرے زمین کی رسد چونکہ معین ہے۔ اور طلب معین نہیں اس لئے اس کی قیمت یا لگان کا کوئی حد وحساب نہیں۔ اگر آبادی کافی بڑھ جائے اور اس کے ساتھ ہی زمین کی طلب ترقی کر جائے تو اتنی اتنی قیمتیں زمین کی اداکی جا سکتی ہیں۔ اور کیجاتی ہیں۔ کہ سُنکر مبالغہ آمیزی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ کسی قسم کے اصل کی رسد معین نہیں بلکہ غیر محدود طور پر بڑھائی جا سکتی ہے۔ اسلئے کوئی جزو اصل جو قیمت پا سکتا ہے اس کی حد مقرر کی جا سکتی ہے۔ اگر طلب زیادہ ہو جائے اور قیمتیں چڑھ جائیں تو رسد اتنی بڑھائی جا سکتی ہے کہ طلب کو پورا کر سکے۔ اور قیمتوں کو بڑھنے سے روک دے۔

زراعتی معاشیات کے عالم کے نقطۂ نگاہ سے زمین اور اصل کی تفریق باہمی کا بخوبی ذہن نشین کر لینا نہایت اہم ہے۔ ملک کی زرعی زمین ایک عطیۂ قدرت ہے۔ لیکن وہ آلات اور ساز وسامان جو اس زمین سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کیلئے ضروری ہیں صرف غور وفکر اعتدال اور محنت سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ اصل کبھی اپنے آپ پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ مساعی انسانی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اصل کی پیدائش میں اوّلین کام یہ ہے کہ آدمی انتظار کے لئے تیار ہو جائے۔ یعنی صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء کیلئے جو خواہش اس کے دل میں ہے اس خواہش کی تسلی کیلئے عام حالات سے زیادہ دیر تک انتظار کیلئے آمادہ ہو جائے۔

یہ انتظار بیشمار طریقوں سے کیا جا سکتا ہے۔ کسی شخص نے ایک ڈالر کمایا ہے تو وہ یا تو اسے اپنے مصرف کی چیزوں کیلئے خرچ کر سکتا ہے یا اس کو لیسے طور پر استعمال کر سکتا ہے۔ جس سے اسکی موجودہ صرف تو نہ بڑھے لیکن آئندہ آمدنی بڑھ جائے۔ اگر وہ شخص اپنے ڈالر کو آئندہ آمدنی بڑھانے کیلئے استعمال کرے تو وہ ایک اصل دار بن جاتا ہے۔ جس کی دولت ایک ڈالر ہے۔ اگر وہ شخص کوئی آلہ یا کوئی جانور یا کوئی

ایسی چیز جس سے اسکی آئندہ آمدنی بڑھے۔ خریدے تو وہ ساری جماعت کی آئندہ قوتِ پیدائش میں اضافہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ خود اس جماعت کا ایک فرد ہے۔ یعنی ایک آلہ کے عوض میں وہ ایک ڈالر دے کر اُس آلہ کے بنانے والے کی ہمّت افزائی کرتا ہے۔ اور اُن کو آلات بنانے کے کام میں اتنی مدد دیتا ہے۔ جتنی ایک ڈالر سے مل سکتی ہے۔ اگر وہ ایک جانور کے بدلے میں ڈالر دیتا ہے۔ تو وہ جانوروں کا بیوپار کرنے والوں کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ اور جانوروں کی پرورش کے کام میں بھی اس حد تک مدد و معاون ہوتا ہے۔ جتنا ایک ڈالر سے ممکن ہے۔ وہ چاہے ایک ڈالر کوئی سامان خریدنے میں لگائے یا ایک کروڑ ڈالر۔ تاہم معاملے کی حقیقت ایک ہی ہے اور اس کے نتائج بھی نسبتاً ایک ہی ہیں۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے ڈالر کو بالواسطہ کسی کام میں لگائے۔ یعنی وہ اسے کسی بنک میں جمع کرا دے۔ اس صورت میں وہ اپنا ڈالر بنک والوں کو قرض دے دیتا ہے۔ اور بنک آگے وہ ڈالر کسی اور شخص کو دیدیتا ہے۔ جو اُسے کاروبار میں لگاتا ہے۔ یعنی اُس سے آلات۔ جانور یا کوئی اور عامل پیدائش خریدتا ہے۔ اصل کے وجود میں آنے کی کوئی صورت تصور کیجیے یا کوئی ایسی صورت تصور کیجیے۔ جس سے دنیا کا ذخیرۂ اصل بڑھ سکتا ہو تو معلوم ہوگا کہ اس کا آغاز انتظار یا بچت سے ہوا یعنی اس کے صرف کو معرضِ تصدیق میں ڈال دیا گیا تاکہ آئندہ کی آمدنی کا ذریعہ اپنے پاس موجود رہے۔ اس لئے عاقبت اندیشی تمام اصل وارانہ پیدائش کا بنیادی اصول ہے۔

زر اور اصل۔ جو مثالیں اوپر پیش کی گئی ہیں۔ اُن میں زر کو اس چیز کی حیثیت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ جو پس انداز کی جاتی ہے۔ اور کاروبار میں لگائی جاتی ہے۔ جب زر نہ تھا۔ تو اس وقت بھی اصل موجود تھا۔ اور یہ آج بھی ممکن ہے کہ زر کے استعمال کے بغیر اصل پیدا ہو جائے لیکن چونکہ ہم ایک ایسے زمانے میں رہتے ہیں۔ جس میں زر ہر جگہ ذریعہ مبادلہ ہے۔ زر ہی کی صورت میں اُجرت ادا کی جاتی ہے۔ اور زر ہی شغل اصل کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اصل عموماً یا زیادہ تر سب سے پہلے زر کی صورت اختیار کرتا ہے۔ یعنی عموماً اصل کے استعمال کا پہلا درجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ زر کی ملکیت حاصل کی جائے۔ یا قرض کے ذریعے اس پر قبضہ حاصل کیا جائے۔ بعدہٗ یہ زر آلات۔ جانوروں اور دوسرے ساز و سامان کے عوض میں

دے دیا جاتا ہے۔ چونکہ زر پہلی صورت ہے۔ جس میں ایک شخص پہلے پہل اصل حاصل کرتا ہے اس لئے عام طور پر اصل کو زر کا مرادف قرار دیا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں تمام پیدا کنندوں کی مفید مطلب اشیاء ایک شخص کے پاس ہیں۔ وہ سب زر کے ذریعے خریدی گئی ہیں۔ اور چونکہ ان سب کی ایک قیمت فروخت مقرر رہتی ہے۔ اس لئے یہ رواج ہوگیا ہے۔ کہ ان اشیاء کے اصطلاحی ناموں کو بھی زر سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی فلاں چیز اتنے ڈالر کی قیمت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں۔ کہ چونکہ ایک شخص کے تمام آلات۔ اوزار۔ مال مویشی وغیرہ قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کو صرف ایک صفت سے منسوب کرنا باعثِ سہولت ہے۔ اس خیال نے بعض لوگوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔ کہ اصل ایک قسم کی روحانی یا غیر مادی شے ہے جو ان اجسام مادی میں جنہیں اوزار۔ آلات اور مشین کہا جاتا ہے رہتی ہے واقعہ یہ ہے کہ جب لوگ ان الفاظ میں تحریر یا تقریر کرتے ہیں۔ تو ان کے ذہن میں صرف ان اشیاء کی "قدر و قیمت" ہوتی ہے۔ اور اس کے سوا کوئی چیز نہیں ہوتی۔ کسی کاشتکار یا کاروباری آدمی سے پوچھ دیکھئے کہ تمہارے پاس کتنا اصل ہے وہ کہے گا کہ "اتنے ڈالر یا اتنے ڈالر"۔ پھر اس سے پوچھئے کہ تمہارا اصل کن چیزوں پر مشتمل ہے۔ اب وہ ڈالروں کے حساب سے اپنے اصل کا اندازہ نہیں بتائیگا بلکہ یہ کہے گا کہ "اتنے ہل۔ اتنے گھوڑے۔ اتنے مویشی۔ اتنی عمارتیں۔ اتنی مشینیں وغیرہ وغیرہ"۔ اس کے جواب سے ظاہر ہوگا کہ وہ اصل کے صحیح معنی جانتا ہے۔ گو وہ بعض اوقات الفاظ کا غلط استعمال بھی کر جاتا ہے۔ بہرحال قدر و قیمت کے ذریعے مقدار ظاہر کرنا یعنی یہ کہنا کہ کتنی دولت کس شخص کے پاس ہے کوئی غلطی نہیں۔ بہت سی مختلف النوع چیزوں کی مقدار کو ظاہر کرنے کا سوائے اس کا کوئی طریقہ نہیں کہ ان تمام کیلئے ایک مشترکہ نام تجویز کیا جائے۔ مثلاً طول۔ حجم وزن وغیرہ۔ لیکن اگر کوئی کاشتکار ان الفاظ میں سے کوئی لفظ استعمال کرکے آپ کو اپنے اصل کی مقدار بتائے مثلاً اگر وہ یہ کہے کہ میرے پاس اتنے سیر یا اتنے مکعب فٹ آلات گھوڑے اور مویشی ہیں۔ تو یہ بالکل بیہودہ بات ہوگی۔ اس کیلئے صرف ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ ان چیزوں کی "قدر و قیمت" کا

مجموعہ وہ آپ کو بتائے اور ان کی قدر و قیمت کو با صطلاحِ زر ظاہر کرے۔

جُز رسی کا تعلق اصل سے - جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے وہ دور اندیشی اور جُز رسی اصل دارانہ پیدائش کا سنگِ بنیاد ہیں - اگر ہر شخص اپنی ساری آمدنی کھا ڈالے تو اصل کا وجود ناپید ہو جائیگا - یعنی کوئی نئے اوزار نہیں بنیں گے اور جو ذخیرہ پہلے موجود ہے وہ بھی بالآخر استعمال ہوتے ہوتے ختم ہو جائیگا - جس جماعت کے تمام افراد ایسے ہوں وہ بہت جلد تباہ ہو جائیگی - اب اگر ایک جماعت میں ہر شخص اوسطاً اپنی آمدنی میں سے اتنا بچا لے کہ جو اصل فرسودہ ہو چکا ہے - اس کی بجائے اور خرید سکے تو ایسی جماعت کو ثبات و استقلال ہوگا - اگر ایک تیسری جماعت کا ہر رکن اپنی آمدنی میں سے اتنا بچا لے کہ فرسودہ اصل از سر نو مہیا کرنے کے بعد بھی اس کے پاس کچھ بچ رہے تو ایسی جماعت دولت اور قوت پیدا آوری میں ترقی کرے گی - اسی مطلب کو مختصر طور پر یوں ادا کیا جا سکتا ہے - اگر صرف پیدائش کے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو تو صنعتی انحطاط اس کا نتیجہ ہوگا - اگر پیدائش صرف سے زیادہ ہو تو اس کا نتیجہ صنعتی ترقی ہوگا -

اصل کن معنوں میں پیدا آور ہے - جو لوگ موجودہ نظامِ معاشی میں خاص قسم کی اصلاحات کے آرزو مند ہیں - یا اس میں یک قلم انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں انہوں نے یہ ثابت کرنے کیلئے بہت کچھ لکھا ہے کہ اصل غیر پیدا آور چیز ہے - اس قسم کے تمام دلائل جن کا مقصد یہ نتیجہ ثابت کرنا ہو - وہ لفظ اصل کے معنی سمجھنے میں غلطی کرنے کے باعث ہیں - یہ بات ایک مرتبہ نہایت وضاحت سے سمجھ لینی چاہیئے کہ اصل سے مراد آلات ہیں - پھر کوئی صحیح الدماغ شخص یہ نہیں کہہ سکتا - کہ اصل غیر پیدا آور ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آلات بیکار اور بیفائدہ ہوتے ہیں - اب اگر آلات مفید ہیں تو وہ کسی چیز کیلئے مفید ہونے چاہئیں - وہ چیز کیا ہے - اس کا جواب ہے پیدائش آلات ہمیں اس مقدار سے زیادہ پیدا کرنے میں مدد دیتے ہیں - جو ہم ان کے بغیر پیدا کر سکتے تھے - ان معنوں میں اور صرف ان معنوں میں ہم نے آلات کو پیدا آور کہا ہے لیکن اس کے جواب میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے - کہ گو آلات بے شک پیدا آور ہیں

لیکن اصل کی جو ابتدائی صورت ہوتی ہے۔ وہ پیدا آور نہیں ہوتی۔
عبارتِ بالا میں ہم نے یہ ملاحظہ کیا ہے۔ کہ اور زمانوں کا تو ذکر نہیں۔ کم از کم آجکل اصل اوّل زر کی صورت اختیار کرتا ہے۔ یعنی جو شخص اصل کی ملکیت یا اُس پر قبضہ حاصل کرنا چاہے وہ پہلے زر کو اپنے قبضہ میں لاتا ہے۔ خواہ براست خواہ قرض کے ذریعے یہ عام قاعدہ ہے۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ یہی واحد قاعدہ ہے اور اس کے سوا کوئی قاعدہ ممکن نہیں۔ نہ اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ قاعدہ لازمی اور ناگزیر ہے۔ البتہ یہ بات لازمی ہے۔ کہ ایک شخص جتنی دولت صرف کرتا ہے۔ اس سے زیادہ دولت پر قبضہ حاصل کرے یعنی اس کے پاس دولت کی ایک فاضل رقم موجود ہونی چاہیئے۔ یہ فاضل رقم زر کی صورت میں ہو یا نہ ہو۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ زائد الصرف دولت اگر اس کو فقط فاضل دولت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کیا یہ پیدا آور ہے؟ ہرگز نہیں۔ جب تک اسے آئندہ پیداوار کے بڑھانے کیلئے استعمال نہ کیا جائے۔ لیکن جب اس کا استعمال اس مقصد کیلئے کیا جائے تو پھر اس کو پیدا آور کہنا غلط نہیں۔ الفاظ کے معنوں کے متعلق کوئی قیل و قال نہ ہونی چاہیئے۔ صرف اس بات پر اتفاق کر لینا کافی ہے کہ اس فاضل دولت کا موجود ہونا اس مقصد کے لئے کہ وہ آئندہ پیدائش کے لئے استعمال کی جائے۔ جماعت کے حق میں مفید ہے۔

اصل میں اضافہ کیونکر کیا جاتا ہے؟ یہ امر کہ جماعت کے قبضے میں جو آلات ہیں۔ اُن کی تعداد۔ طاقت اور کاریگری کو آئندہ بڑھانے کیلئے فاضل دولت کی ضرورت ہے۔ ملاحظاتِ ذیل سے واضح کیا جاسکتا ہے:۔

(۱) اس مقصد کیلئے کہ آلات کی تعداد میں آئندہ ترقی ہو۔ موجودہ قوتِ پیدا آوری کا یہ حصہ جو یوں صرف کیا جاتا ہے خود بخود پیدا نہیں ہو جاتا۔ بلکہ یہ اُسی قوتِ پیدا آوری سے منہا کیا جاتا ہے۔ جو صرف کنندوں کے مفید مطلب اشیاء کے پیدا کرنے میں خرچ کی جارہی ہیں۔ اسی طرح آخر الذکر قوتِ پیدا آوری کی مقدار کم ہو جاتی ہے۔ جماعت کو چاہیئے کہ جو صرف کنندوں کے حق میں مفید اشیاء اُس کی قوتِ پیدا آوری کا ایک

حصّہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اُن سے وہ فی الحال گزارہ کرے۔ کیونکہ باقی حصّہ آلات کے پیدا کرنے میں لگایا جا چکا ہے۔ جو سرِ دست زندگی کا سہارا نہیں ہیں۔ بلکہ کسی مستقبل میں جا کر سہارا بنیں گے۔ اس لئے یہ اشد ضروری ہے۔ کہ جماعت کے پاس صرف کی ضروریات سے زائد قوتِ پیدا آوری موجود ہو ورنہ وہ آلات کی تعداد کو کسی صورت میں نہیں بڑھا سکتی۔

(۲) موجودہ نظامِ اجتماعی کے ماتحت یہ کبھی نہیں ہوتا کہ جماعت بحیثیت مجموعی ہمیشہ یہ حکم دے کہ اُس کی قوتِ پیدا آوری کا ایک حصّہ صرف کنندوں کے حق میں مفید اشیاء تیار کرنے کی بجائے آلات کے تیار کرنے میں لگایا جائے۔ البتہ بعض صورتوں میں ایسا ہوتا ہے۔ مثلاً روشنی کے مینار۔ سڑکیں نہریں اور مختلف قسم کے رفاہِ عام کے کام جماعت کی مرضی سے ہوتے ہیں۔ لیکن عموماً افراد آلات وغیرہ کے بنانے کا کام اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ کوئی شخص اُٹھتا ہے اور دل میں یہ سوچتا ہے۔ کہ "کیا میں اپنی ساری آمدنی صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء میں خرچ کروں یا کچھ حصّہ اس کا پیدا کنندوں کی مفید مطلب اشیاء کیلئے بھی اُٹھا رکھوں"؟ اگر وہ اپنی ساری آمدنی صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء میں خرچ کر دے تو وہ اس آمدنی کی حد تک جماعت کی قوتِ پیدا آوری کو صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء کیلئے وقف کریگا۔ لیکن اگر وہ یہ فیصلہ کرلے۔ کہ اپنی آمدنی کا کچھ حصّہ پیدا کنندوں کی مفید مطلب اشیاء پر خرچ کرے گا خواہ براہِ راست ذاتی طور پر خواہ سیونگ بنکوں کے ذریعہ تو اُسی حد تک وہ جماعت کی قوتِ پیدا آوری کو پیدا کنندوں کی مفید مطلب اشیاء میں یعنی آلات کے پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے۔

اس بات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کہ آلات کو پیدا کرنے کے لئے قوتِ پیدا آوری کا یہ زاید ذخیرہ موجود ہونا ضروری ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں معلوم ہوتا کہ اصل اس ابتدائی صورت یعنی زر کی صورت میں بھی ایک عاملِ پیدائش ہے وہ یقیناً ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے جماعت کی آئندہ قوتِ پیدا آوری بڑھائی جا سکتی ہے

اور اس کا عدم وجود اس قدرت کے گھٹانے کا ذریعہ بن سکتا ہے یعنی یوں کہیئے کہ زر بھی ایک عامل پیدائش ہے۔ ان معنوں میں کہ ضروری تبادلے کرنے میں جو وقت اور طاقت محنت میں صرف ہوتی ہے۔ وہ اس کے بچانے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس دعویٰ کی صداقت کا ہر شخص کو قائل کیا جا سکتا ہے۔ ذرا غور تو کیجیئے۔ کہ اگر کسی قسم کا زر مروج نہ ہوتا تو آپ کو ضروریاتِ زندگی کے فراہم کرنے میں کتنی مشکلات پیش آتیں۔ بجائے اس کے کہ آپ زر کی صورت میں قیمت ادا کریں اور ضروری چیزیں خرید لیں۔ آپ کو یہ کرنا پڑتا کہ ہر چیز کے عوض میں اپنی خدمات یا اپنی پیدا کی ہوئی چیزیں پیش کرتے پھرتے۔ اس سے کتنا وقت محنت میں ضائع ہوتا اور کتنی قوت بیکار خرچ ہوتی؟ لیکن ان سب تکالیف کو زر نے دور کر دیا ہے۔ اس اعتبار سے زر کو ہم ایک محنت بچانے کا آلہ کہہ سکتے ہیں۔ اور اصل کی ذیل میں اسے شمار کر سکتے ہیں۔

زر کے استعمال میں کفایت کے طریقے۔ اصل زر کو کہنا یقیناً بڑی غلطی ہے تاہم جیسا کہ ہم اوپر کی فصل میں دیکھ چکے ہیں۔ زر کو اصل کی ایک صورت کہنا غلطی نہیں۔ بہر حال ہم زر کو اصل کی ایک قسم کہیں یا نہ کہیں۔ تاہم اس امر کے متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کا بکفایت استعمال یعنی اسے اس طرح برتنا کہ تھوڑے سے زیادہ کام نکلے۔ ایک اچھی بات ہے۔ تاہم اس کے فقط یہی معنی ہیں۔ کہ افراد کو اپنے طور پر سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیئے۔ کہ آپس میں تمام ضروری تبادلے کمترین مقدار زر سے کئے جا سکیں۔ یہ امر چاہے کبھی ممکن ہو یا نہ ہو۔ کہ خالص زرِ اعتباری بغیر کسی زرِ فلزاتی کے رائج ہو سکے۔ تاہم یہ یقینی ہے۔ کہ اب تک کوئی قوم ایسی نہیں ہوئی۔ جس کو یہ ضرورت محسوس نہ ہوئی ہو۔ کہ ایسے زر کی کوئی خالص مقدار ہونی چاہیئے۔ جو کہ دھات سے بنا ہو اور جس کی قدر و قیمت علاوہ زر کے اور مقاصد کے اعتبار سے بھی بہت زیادہ ہو۔

جدید زمانے میں سونے اور چاندی سے یہ کام لیا گیا ہے۔ لیکن ان دھاتوں کا زر مہنگا پڑتا ہے۔ اس لئے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ دنیا کی قوتِ پیدا آوری کا

ایک حصّہ زمین سے سونا چاندی نکالنے کیلئے وقف کر دیا جائے۔ زرِ فلزاتی کی جو مقدار ان دنوں رائج ہے۔ اگر اس سے آدھی مقدار سے ہم گذارہ کر سکتے۔ یعنی اپنے تمام مبادلات جاری رکھ سکتے۔ تو جتنی قوتِ پیدا آوری اب ان دھاتوں کے نکالنے میں خرچ ہوتی ہے۔ اُس سے آدھی خرچ ہوتی۔ اور باقی آدھی سے یہ کام لیا جا سکتا تھا۔ کہ جن جن چیزوں کے بغیر ہم گذارہ نہیں کر سکتے۔ وہ چیزیں اُس سے پیدا کیجائیں ساکھ (credits) زرِ فلزاتی کے استعمال میں کفایت برتنے کی ایک ترکیب یہ بھی ہے۔ کہ اُس کے بجائے کسی قسم کے اعتبار سے کام لیا جائے۔ جہاں ایک اعلیٰ درجہ کا نظامِ اعتباری موجود ہو۔ وہاں زرِ فلزاتی کے ایک ڈالر سے اتنے کام چلائے جا سکتے ہیں۔ جتنے اس نظام اعتباری کے نہ ہونے کی صورت میں چار یا پانچ ڈالروں سے چلائے جا سکتے تھے۔ مثلاً ایک ڈالر اگر بنک میں جمع ہو۔ تو چیک لکھ کر دیئے جا سکتے ہیں۔ اور بنک کے ساتھ حساب کھولا جا سکتا ہے۔ اس طرح اعتباری انتظامات اور رواجات کی مدد سے یہ اکیلا ڈالر اتنے کام کر سکتا ہے۔ جتنے سات ڈالر ان کی مدد کے بغیر کر سکتے تھے۔ نظری حیثیت سے وہ نظام بہترین نظام ہوگا۔ جس کے ماتحت یہ لین دین اور جمع خرچ کا حساب ڈالر کے استعمال کے بغیر ہو سکے۔ یہ بالکل ایسا ہی خیال ہے۔ جیسے یہ خیال کہ تمام سڑکیں ہوا میں بنائی جائیں۔ جس سے زمین کی کافی بچت ہو سکتی ہے۔ لیکن ان دونوں خیالوں کا پورا ہونا غالباً محال ہے۔ گو یہ ضرور ہے کہ ہم ترقی کر کے ان کو کسی حد تک عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ اگر ہم رگڑ کو دور کر سکتے تو دائمی حرکت ممکن تھی۔ لیکن ہم رگڑ کو دور کر ہی نہیں سکتے۔ اس لئے بات یہیں تک آ کر رہ جاتی ہے۔ اس طرح اگر ہم فطرت انسانی کے بعض جذبات کو بدل سکیں۔ مثلاً خود غرضی اور دوسروں پر اعتماد نہ کرنا۔ تو ممکن ہے۔ کہ ایک خالص اعتباری زر رواج پا جائے۔ لیکن اب تک ایسا نہیں ہوا کہ ہم انسان کے ان خواصِ فطری کو جنہیں ہم استعارۃً اجتماعی کہہ سکتے ہیں۔ دور کرنے میں کامیاب ہوئے ہوں۔ اس لئے جدید زمانے کے قانون ساز کے لئے یہ کوشش بالکل لاحاصل ہے۔ کہ ایک خالص اعتباری زر رواج پا جائے۔

تاہم یہ بات ممکن العمل ہے۔ کہ کسی ملک سے اعتبار کی اسطرح ترتیب و تنظیم کی جائے کہ زر کے استعمال میں معقول کفایت ہونے لگے۔ یعنی یا تو ایسا انتظام کیا جائے۔ کہ ملک کا کاروبار زر فلزاتی کے ایک نسبتاً تھوڑی مقدار میں گردش کرنے سے چل سکے یا یہ کیا جائے۔ کہ پہلے سے زیادہ کاروبار بغیر زر فلزاتی کی مقدار کو بڑھائے چل سکے ٭

مبادلہ کی تنظیم ۔ زر کی کفایت کا ایک اور طریقہ یہ ہے۔ کہ ملک کے تمام لین دین کے بازاروں کا انتظام اچھی طرح کیا جائے تاکہ خریدار اور فروخت کرنے والے ایک دوسرے سے کافی تعداد میں اور آئے دن مل سکیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ زر بہت جلدی گردش کرتا ہے۔ اور اس بات کی ضرورت نہیں رہتی۔ کہ اُسے اُٹھا کر دور دور تک لیجایا جائے۔ یا مدتوں تک بیکار پڑا رہنے دیا جائے۔

جو زر لوگوں کی جیبوں میں یا چور بکسوں میں پڑا رہتا ہے۔ اُس سے صریح طور پر کوئی کام نہیں لیا جاتا۔ جتنی جلدی وہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جائے گا اُتنا ہی زیادہ ہر ڈالر سے کام لیا جائے گا۔ اور اس لئے بہت تھوڑے ڈالروں سے زیادہ کام چل سکے گا۔

جزرسی ۔ لیکن زر ملک کے اصل کا ایک ادنیٰ جزو ہے۔ جب ہم اصل کی عام کفایت تدبیروں پر بحث کریں۔ تو ہمیں اس کے تمام مختلف مدارج پر نظر ڈالنی چاہیئے جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے۔ اصل اُس وقت وجود میں آتا ہے۔ جب کوئی شخص یہ ارادہ کرے۔ کہ وہ اپنی ساری آمدنی صرف نہیں کریگا۔ بلکہ اُس کے ایک حصہ سے اوزار اور آلات خریدے گا۔ خواہ براہ راست خواہ بالواسطہ۔ اگر اس قسم کا ارادہ کوئی شخص بھی نہ کرے۔ تو ملک کی دولت میں اصل کی ذرہ برابر مقدار کا اضافہ نہ ہو۔ جتنے زیادہ لوگ اس قسم کا ارادہ کریں گے۔ اُتنا ہی ہمارا اصل بڑھے گا۔ اس لئے اصل کی کفایت میں پہلا قدم یہ ہے۔ کہ آمدنی بچانے والے لوگوں کی تعداد بڑھائی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اصل بالقوہ کو اصل بالفعل کی صورت میں منتقل کیا جائے ٭

اس میں دو زبردست رکاوٹیں ہیں۔ اوّل خدشہ کا ہونا یا دوسرے دوراندیشی کا

نہ ہونا۔ مستقبل کے متعلق کوئی تجویز سوچنے کی ناقابلیت۔ موجودہ عیش و عشرت کی چند لمحوں کی لذت کو مستقبل کے فواید پر ترجیح دینا۔ یہ تمام ناقص الفطرت اشخاص کی خاصیت ہے۔ مہذب آدمی اور وحشی کے درمیان یا ایک کامیاب کاروباری آدمی اور ایک فضول خرچ آدمی کے درمیان جو بڑی بڑی باتیں ما بہ الامتیاز ہیں۔ اُن میں ایک بات یہ بھی ہے۔ وحشی آدمی آیندہ کے منافع کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے نقد امروز (نقد آج) اُسے نسیۂ فردا کے مقابلے میں ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ جزرسی اور دوراندیشی کی عادتوں کا خاصکر بچوں میں پختہ کرنا اصل کے اضافہ کے سب سے زیادہ مفید طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔

زر کی حفاظت کے متعلق اطمینان۔ بچت اور شغل اصل کی راہ میں ایک اور بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ جب لوگ اپنا اصل کسی کام میں لگانے لگتے ہیں تو اُنکے دلوں میں یہ خدشہ ہوتا ہے۔ کہ کہیں ہماری پونجی ضائع نہ ہو جائے۔ عام مقولہ یہ ہے کہ "نو نقد نہ تیرہ ادھار"۔ بہتر یہی ہے کہ تمہاری آمدنی جب تک تمہارے پاس ہے اسکو صرف کرو۔ اگر اسے کاروبار میں لگا دیا جائے۔ تو کیا جانے پھر اُسکی صورت دیکھنی نصیب ہو یا نہ ہو۔ جس ملک میں حالات ایسے ہوں کہ یہ طریق استدلال صحیح سمجھا جاتا ہو۔ وہاں اصل بہت کم جمع ہوگا۔

اس دغدغہ اور بے اعتباری کی بہت قسمیں ہیں۔ بدامنی کے زمانے میں جب جنگ و جدل اور غیر ملکی حملوں لوٹ مار اور بے آئینی کا دور دورہ ہو۔ صنعت و حرفت کی رفتار بہت سست پڑ جاتی ہے۔ اور اصل بہت کم جمع ہوتا ہے۔ لوگوں کو صرف آئندہ منافع کے متعلق ہی دغدغہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن کو اکثر اپنی جمع کو بڑھاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ کہ مبادا لٹیروں کی نظر پڑ جائے۔ ہمارے ملک میں جب امن اور انتظام کا دور دورہ ہوا۔ تو لوگوں کو نئے سرے سے اصل جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ جب لوگوں کو یقین ہونے لگا۔ کہ سادہ گذران اور جزرسی و دوراندیشی سے کچھ حاصل ہوگا۔ تو اُنہوں نے یہ عادتیں اپنے میں پختہ کیں۔ لیکن خدشہ اور وسواس حکومت کی خرابیوں ہی سے پیدا

ہوتا ہے۔ ایک متلون مزاج اور جابر حکومت کے ماتحت کسی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ محصول والا اُس سے کیا طلب کرلیگا۔ ہر شخص کو ہمیشہ یہ خوف دامنگیر رہتا ہے کہ کسی نہ کسی دن حکومت کے کرگسے محصول والوں کا روپ بھرے ہوئے آئینگے۔ اور قانون کی آڑ میں اُس کی دولت پر چھاپہ ماریں گے۔ ایک جمہوری حکومت جس کے ارکان میں ایک زبردست حسِ انصاف اور ضابطۂ قانون کا احترام موجود ہو۔ اُس کے ماتحت ہر شخص محفوظ ہوتا ہے۔ لیکن ایک جمہوری ریاست جس پر شورش پسند لوگ حکمران ہوں اور جس کی یہ حالت ہو۔ کہ ذرا کسی نے کہدیا کہ فلاں شخص دولتمند ہے۔ اور ایسی دولتمندی ایک جرم ہے۔ تو سب اُس پر پل پڑے۔ بغیر اس بات کی تمیز کئے ہوئے کہ کس شخص نے دیانتداری سے دولت جمع کی ہے۔ اور کس نے مجرمانہ طریقوں سے اور یہ سوچے بغیر کہ ایسے لوگ جن کی دولتمندی ایک جرم ہے انکی تعداد کتنی ہے۔ اور وہ لوگ کتنے ہیں۔ جن کی غریبی اور ناداری خود ایک جرم کبیرہ ہے۔ ایسی جمہوری ریاست غالباً حکومت کی بدترین صورت ہے۔

اس طرح ایک کمزور اور ناقابل حکومت جس کے ماتحت بڑے بڑے دولتمند مل کر لوٹنے پر کمر باندھے بیٹھے ہوں۔ ایسے حالات کا سدِباب نہیں کرسکتی۔ جن کے ہوتے ہوئے تھوڑی پونجی والے کے لئے کوئی رقم کسی کاروبار میں لگانا جوکھوں میں پڑنا ہے زمانۂ جدید بڑے بڑے اصل وارانہ کاروبار کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں نہایت وسیع پیمانہ پر ایک منتظم جماعت کے ماتحت کام شروع کئے جاتے ہیں۔ جن کیلئے اتنا اصل درکار ہوتا ہے۔ کہ ایک شخص کی استطاعت سے باہر ہوتا ہے۔ اس کیلئے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ بہت سی چھوٹی چھوٹی جائدادیں یکجا جمع ہوجائیں اور یہ یوں کہا جاتا ہے کہ سرمایۂ مشترک کی کمپنیاں بنائی جاتی ہیں۔ اور اُن کے حصے فروخت کئے جاتے ہیں۔ ان حصوں کو تھوڑی پونجی والوں کے لئے سیونگ بنک کا کام کرنا چاہیئے۔ اور اگر حکومت دیانتدار اور قابل ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ حصے سیونگ بنک کا کام نہ دیں۔ چاہیئے تو یہ کہ جس کسی نے سو ڈالر کی رقم یا اس سے بھی کم رقم پس انداز کی ہو۔ وہ بغیر خدشہ کے بڑی بڑی ریلوں کے کارخانوں یا صنعتی کارخانوں یا کانوں کے سرمایہ میں یہ رقم جمع

کرا سکے۔ لیکن بڑے بڑے سرمایہ داروں کی ریشہ دوانیوں کے باعث تھوڑی آمدنی والے آدمیوں کیلئے اپنے زر کو اس طرح بیوپار میں لگانا مخدوش ہو گیا ہے۔ اور یہ حالت وہی ہے۔ جہاں حکام اور خاص کر عدالتہائے دیوانی کے حکام اس قدر رشوت ستان۔ بددیانت اور کمزور ہوں۔ کہ اس قسم کی ٹھگی کی روک تھام نہ کر سکیں۔ لوگوں کے دلوں سے خدشہ اور دغدغہ کسی حد تک یوں بھی دور کیا جا سکتا ہے کہ سیونگ بنکوں کے متعلق عمدہ قانون بنائے جائیں۔ اور پھر بنکوں کی ساکھ بھی ایسی ہو کہ لوگوں کے دلوں میں بدگمانی نہ پیدا ہو۔ یا سرکار کی طرف سے ڈاک خانوں کے سیونگ بنک کھولے جائیں۔ تاکہ اُن کے ذریعے تھوڑی پونجی والے لوگ بھی اپنے اندوختہ کو کسی کام میں لگا سکیں۔ لیکن اگر حکومت صحیح معنوں میں اہلیت اور قابلیت رکھتی ہو۔ تو اس قسم کے بنکوں وغیرہ کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے بغیر بھی تھوڑی پونجی والے اپنا روپیہ کام میں لگا سکیں گے۔ کیونکہ اُن کے دل میں کسی قسم کا خدشہ نہ ہو گا:

محصول۔ ایک اور بات ہے۔ اگرچہ کسی ملک کے باشندے کتنے ہی امن پسند اور قانون کا احترام کرنے والے کیوں نہ ہوں اور حکومت کتنی ہی قابل کیوں نہ ہو۔ تاہم اگر محصول کا صحیح مفہوم حکومت کے ذہن نشین نہ ہو اور محصول کا جو اثر صنعت و حرفت پر ہوتا ہے۔ اُس کے متعلق اُس نے کوئی غلط نظریہ (اصول کار) قائم کیا ہو اور اس پر عمل کرے تو یہ بھی اصل کی فراہمی میں مزاحم ہو سکتا ہے۔ محصول کے متعلق اگر کوئی ایسا دستور ہو کہ جو اصل اس طرح شغلِ زر سے فراہم کیا گیا ہو اُس پر محصول لگایا جائے۔ اور زمین یا ایسی چیزوں پر جو قدرتی طور پر میسر آئیں محصول نہ لگایا جائے۔ تو یہ دستور بھی مضر اثر رکھتا ہے مثال کے طور پر یہ فرض کیجئے۔ کہ دو کاشتکار ہیں جو ایک دوسرے کے ہمسایہ ہیں اور جن کی زمین ایک جیسی زرخیز اور ایک جیسے اچھے موقعہ پر ہے۔ ان میں سے ایک جزرس اور ترقی پسند ہے۔ اپنی آمدنی میں سے کچھ پس انداز کرتا ہے۔ اور اس رقم کو کسی کام میں لگاتا ہے۔ دوسرا ایسا نہیں۔ اب اگر کوئی ایسا قانون ہو۔ جس کے رو سے

پہلے کاشتکار پر زیادہ محصول لگایا جائے۔ تو یہ قانون جزرسی اور ترقی پسندی کا دشمن ہوگا۔ فرض کیجیے کہ ایک کاشتکار کاہلی اور سستی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ کبھی اپنے مزرعے کی اصلاح نہیں کرتا۔ کبھی اسکی قدر و قیمت میں گندے پانی کے نکاس حدبندی تعمیر عمارات اور نئے نئے ساز و سامان سے اضافہ نہیں کرتا۔ برخلاف اس کے دوسرا کاشتکار مستقبل کیلئے تدبیریں سوچتا ہے۔ اپنے مزرعہ کی اصلاح کرتا ہے۔ گندے پانی کے نکاس سے حدبندی سے نئی نئی عمارتوں اور اعلیٰ اعلیٰ قسم کے ساز و سامان سے اُس کو بہتر بناتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی ذاتی محنت اور دوراندیشی کی بدولت دوسرے کاشتکار کی زمین سے قیمت میں دوبالا ہو جاتی ہے۔ اب اگر اس شخص کو دوسرے کی بہ نسبت جس کی زمین شروع میں اُس جیسی ہی اچھی تھی دگنا محصول ادا کرنا پڑے تو ظاہر ہے کہ حکومت محنت اور دوراندیشی کی قدر نہیں کرتی۔ اور ان کی ترقی میں کوشاں نہیں ہوتی۔ اس سے زیادہ اس معاملے میں کیا کہا جائے؟

قانون تناسب (Law of proportions) کفایت اصل کے مسئلے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے۔ کہ جو اصل فراہم کیا جا چکا ہے۔ اُس سے جتنا کام ممکن ہو لیا جائے۔ اس مسئلے کے متعلق پہلا اہم قانون وہ ہے جسے "قانون تناسب" کہتے ہیں۔ بطریق مجمل وہ قانون یہ ہے۔ کہ اصل کی مختلف اقسام کو بہترین تناسب باہمی سے جمع کرنا چاہیئے۔ بطریق تفصیل اُس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہل کے اندازے سے زیادہ گھوڑے نہ ہونے چاہئیں۔ اور گھوڑوں کی تعداد اور طاقت کے اندازے سے بڑا ہل نہ ہونا چاہیئے۔ سرادنوں کی تعداد اور جسامت گھوڑوں کی تعداد کے مطابق ہونا چاہیئے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اس قانون کا اطلاق مختلف صورتوں میں ہوتا ہے۔ جو آپس میں کم و بیش تعلق رکھتی ہیں۔ اور مجموعی طور پر بیشتر اہمیت رکھتی ہیں۔ مثلاً ہل کی جوڑی کو لیجیے۔ ہل چلانے میں جو تکان ہوتی ہے۔ وہ کسی حد تک تو محض چلنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور کسی حد تک ہل پر بوجھ ڈالنے کی وجہ سے۔ اگر گھوڑوں کو بغیر کسی چیز کو کھینچنے کے کھیت میں چلایا جائے۔ تو بھی اُن کو کچھ ماندگی ضرور ہوتی ہے۔ گو ہل چلانے سے ماندگی دوچند ہو جاتی ہے۔ جس ہل کو دو گھوڑے چلائیں

اُس کی جسامت اتنی ہونی چاہیئے - کہ یہ دونوں باتیں جن سے تکان ہوتی ہے - ایک دوسرے سے اس طور پر متوازن و متوافق ہو جائیں - کہ مجموعی طور پر تکان جتنی کم ممکن ہے اتنی کم ہو اگر دو گھوڑے اتنا بڑا ہل چلائیں جو بارہ انچ گہرا چلتا ہے - تو وہ ایک ایکڑ زمین کو جوتنے میں آٹھ میل کی مسافت طے کرینگے (اور ابھی اس میں وہ مسافت شامل نہیں - جو وہ کھیت کے کناروں پر مڑنے میں طے کرتے ہیں) لیکن اگر ہل ایسا ہو جو چودہ انچ بڑا ہو - تو وہ ۷½ میل کا سفر کرینگے - چلنے سے جو تکان ہوتی ہے - وہ قدرے بڑھ جائیگی - رہی یہ بات کہ ان دونوں میں سے کونسی بات کم تھکانے والی ہے - یہ کچھ تو زمین کی کیفیت پر منحصر ہے - اور کچھ گھوڑوں کی قسم پر - اگر گھوڑے ایسے ہوں کہ دوڑنے میں اچھے ہوں - اور ہل چلانے میں ناقص تو چھوٹا ہل اُن کو نسبتاً کم تھکائیگا - لیکن اگر وہ بھاری ڈیل ڈول کے جانور ہوں تو بڑا ہل بہتر ہوگا - تناسب کا اصول دونوں صورتوں میں تجربہ سے دریافت کیا جا سکتا ہے - جو مثال ہم نے دی ہے - اس زیادہ سادہ مثال ممکن نہیں

اب فرض کیجیئے - کہ آپ کے پاس چودہ انچ کی پھال کا ہل ہے - اور آپ کو یہ سوال درپیش ہے - کہ دو گھوڑے جوتے جائیں یا تین - گو آپ جانتے ہیں - کہ بہر صورت آپ کو جتنا گہرا ہل چلانا ہے - گمان غالب یہ ہے کہ اگر آپ دو گھوڑوں کی مدد سے دن بھر میں دو ایکڑ زمین جوت سکتے ہیں - تو تین گھوڑوں سے آپ دن بھر میں تین ایکڑ زمین میں کسی صورت ہل نہیں چلا سکتے - بغیر اس کے کہ گھوڑے اور آدمی دونوں کو تکان پہلے سے بہت زیادہ ہو - بجائے ۱۰½ میل چلنے کے ۲۱ میل چلنا ضروری ہوگا - اور یہ اتنا فاصلہ ہے کہ ہل چلانے کے بغیر بھی بجائے خود کافی تھکا دینے والا ہے - جتنا بوجھ ایک گھوڑے کو کھینچنا پڑتا ہے - اُس میں ایک تہائی کی کمی کر دینے سے یہ نہیں ہوتا - کہ اُس کی مسافت میں جو نصف کا اضافہ کیا گیا ہے - اس کی کسر نکل جائے - علاوہ بریں کھینچنے کی تکلیف ایک تہائی نہیں کم ہوگی - ہر کوئی اتنی بات جانتا ہے - کہ ایک کشتی کو چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلانے کیلیئے جتنی محنت درکار ہوتی ہے ہل کیلیئے اُس سے دُگنی کی ضرورت ہوتی ہے رفتار جتنی زیادہ تیز ہوگی پانی کی مزاحمت بھی اُتنی ہی زیادہ تیز ہوگی یہی کیفیت ہل کی ہے - اگر ہل زیادہ رفتار سے زمین میں

چلانا ہو تو اُس سے ہل پر زیادہ تناؤ ہوتا ہے۔ ایک خاص حد تک تو یہ ہوتا ہے کہ زور لگانے سے جو تکان ہوتی ہے۔ وہ محنت کے مطابق ہوتی ہے۔ لیکن اس حد سے گذرنے کے بعد جتنی محنت کی جائے۔ اس کے تناسب سے زیادہ تکان ہوتی ہے۔ گھوڑوں کی ایک جوڑی جہاں تک مزے مزے چل سکے وہاں تک تو ٹھیک ہے۔ اس کے بعد اپنی رفتار کو دوبالا کرنے سے اُسے دُگنی سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

یہ بات یقینی ہے۔ کہ جتنی آسانی سے دو گھوڑے دو ایکڑ زمین میں ایک دن میں ہل چلا سکتے ہیں۔ اُتنی آسانی سے تین گھوڑے تین ایکڑ زمین میں ہل نہیں چلا سکتے۔ تاہم بہت ممکن ہے۔ کہ اگر ہل زیادہ بڑا بنا دیا جائے۔ تو پھر دونوں صورتوں میں ایک جتنی آسانی ہو۔ یہاں بھی ضرورت اسی بات کی ہے۔ کہ اس تمام مجموعے کے مختلف اجزاء کے تناسب باہمی کا اندازہ صحیح صحیح کیا جائے۔ اس تناسب باہمی کی ماہیت ذرا زیادہ موزوں الفاظ میں ذیل کی مثال کے ذریعے بیان کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس اصول کا عمل میں لانا صرف تجربہ سے ہو سکتا ہے۔

فرض کیجئے کہ دو گھوڑے حد سے زیادہ کام کر کے نہیں بلکہ جتنا کام معقول طور پر اُن کی طاقت برداشت کر سکتی ہے۔ اُتنا کام کر کے دو ایکڑ زمین میں روزانہ ہل چلاتے ہیں۔ تین گھوڑے اسی ہل سے تین ایکڑ نہیں۔ بلکہ ½۲ ایکڑ زمین میں ہل چلا سکتے ہیں ایسے طور پر کہ آدمیوں کو بھی اور جانوروں کو بھی پہلے جتنی تکان ہو۔ اس صورت میں آدھ ایکڑ زیادہ زمین میں ہل چلنا ایک تیسرے گھوڑے کا اضافہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا اس صورت میں فائدہ ہے؟ اگر تیسرے گھوڑے سے جو کام لیا گیا ہے وہ نہ لیا جائے۔ تو اُسے بیکار کھڑا رہنا پڑتا۔ یعنی اس کے سوا اُس کے لئے اور کوئی کام کرنے کو نہ تھا۔ تو بیشک اس کے اضافے میں فائدہ ہے۔ لیکن فرض کیجئے کہ تیسرا گھوڑا کرایہ پر لینا پڑتا ہے۔ یا دو کی بجائے تین گھوڑے رکھنے پڑتے ہیں۔ اس صورت میں یہ سوال درپیش ہوگا۔ کہ آدھی ایکڑ زمین میں جو ہل چلایا جاتا ہے۔ آیا اُس کی قیمت اُتنی زیادہ ہے کہ تیسرا گھوڑا رکھنے کے مصارف کا اور علاوہ بریں اُس کی بیماری

اور بڑھاپے کے اخراجات کا اُس کی اصل قیمت پر جو سود دیا جائے گا۔ اُس سود کا معقول معاوضہ ہو سکے۔ اگر گھوڑے کا مجموعی خرچ ۔ ۵ ، ا ڈالر روزانہ ہو۔ اور ہل چلانے سے ۰۰ ، ۲ ڈالر فی ایکڑ کی آمدنی ہو تو یہ نسبت ہرگز تسلی بخش نہیں۔ اور دو گھوڑے تین گھوڑوں سے زیادہ نفع بخش ہیں۔ لیکن اگر روزانہ اخراجات ایک ڈالر سے کم ہوں تو یہ نسبت باہمی نفع بخش ہے:۔

عام الفاظ میں ہم اس قانون کو یوں بیان کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اس مجموعہ کا ایک حصہ لیں (جیسے کہ اوپر کی مثال میں ہم نے ہل کو لیا تھا) اور اُسے قاعدہ یا مقررہ اکائی قرار دیں۔ اور دوسرے حصوں کو بدلیں۔ (مثلاً گھوڑوں کو) تو قانون تناسب یہی چاہتا ہے۔ کہ جو حصہ ہے۔ اُس میں جو آخری اکائی اضافہ کی جائیگی۔ (جیسا کہ اوپر کی مثال میں تیسرا گھوڑا) وہ جتنے مصارف کو بڑھاتی ہے۔ اتنا ہی حاصل کو بڑھائیگی علاوہ بریں اس جزو میں اضافہ اُس وقت تک نفع بخش ہوگا۔ جب تک کہ آخری اکائی جس کا اضافہ کیا جائے۔ وہ حاصل کی مقدار کو بہ نسبت مصارف کے زیادہ ترقی دے جب یہ قانون ان الفاظ میں بیان کیا جائے۔ تو خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا قانون ہے کہ اگر اعلیٰ ترین کامیابی حاصل کرنیکی خواہش ہو تو اس کے بغیر چارہ نہیں۔ بہت سے کامیاب کاشتکار ایسے ہیں۔ کہ اُن کو مطلق خبر نہیں کہ یہ بھی کوئی قانون ہے۔ لیکن اس کے باوجود جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ وہ اس قانون کے مطابق ہوتا ہے۔

اس قانون سے واقف ہونے کا قاعدہ حسب ذیل ہے:۔

اگر کسی مزرع کا منیجر اس بات کا خواہشمند ہو کہ ایسے ایسے مسائل کے حل کرنے میں کہ ایک ہل کیلئے کتنے گھوڑے درکار ہیں۔ ہر جوڑی کے ساتھ کتنا بڑا ہل ہونا چاہیئے ہر ایک آدمی کے ذمے کتنے گھوڑے اور کتنا بڑا ہل ہونا چاہیئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ وہ بجائے اپنی عقل دوڑانے کے صحیح صحیح تجربات سے کام لے۔ تو اس کے لئے اس قانون سے واقف ہونا بہت مفید ہے۔ اس کی مدد سے وہ ان مسائل کو بوجۂ احسن حل کر سکیگا

مزید بریں یہ مسائل کہ ایک آدمی اور گھوڑوں کی جوڑی کو کتنے ایکڑ زمین کی کاشت کرنی چاہیئے جانوروں کو کتنی خوراک دینی چاہیئے۔ اور اُس خوراک کے اجزا کیا ہونے چاہئیں۔ اور ایسے ایسے جتنے بیشمار مسائل ہیں۔ جن کا فیصلہ خواہ غلط ہو خواہ صحیح۔ خواہ یونہی عقل سے ہو یا تجربوں سے ہو مزرعہ کے مینجر کو ضرور کرنا پڑتا ہے۔ ان سب مسائل پر یہ قانون حاوی ہے۔ ایک بات کا اس موقع پر بتا دینا بیجا نہ ہوگا۔ یہ زمین کے متعلق ہم نے جو قانون "قانون تقلیل حاصل" کے نام سے بیان کیا ہے۔ اُس میں اور قانونِ زیر بحث میں صرف اتنا فرق ہے کہ یہ اُس کی ایک مجمل صورت ہے۔ اس کی مزید توضیح آئندہ صفحہ کے اعداد سے ہو سکتی ہے۔ جو بغیر کسی انتخاب کے مثالاً پیش کئے گئے ہیں۔

ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ ہل چلانے کے کاموں کے مجموعہ میں قاعدۃً منصوصہ یا مقررہ اکائی (fixed unit) ایک آدمی ہے۔ وہ ایک دو تین چار یا آٹھ تک گھوڑوں سے ہل چلا سکتا ہے۔ اور گھوڑوں کی تعداد کے مطابق مختلف قسم کے ہل استعمال کرتا ہے مزید بریں یہ فرض کیجیے کہ ایک گھوڑے کے ساتھ وہ ایک ایکڑ زمین جوت سکتا ہے اگر یہ بات صحیح تسلیم کر لی جائے تو یہ بات بالکل قرین قیاس ہے۔ کہ وہ خود کو یا گھوڑوں کو تھکائے بغیر دو گھوڑوں کے ساتھ دو ایکڑوں میں ہل چلا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ ہل پہلے سے بڑا استعمال کرے۔ دو گھوڑوں کو چارہ دینے ساز سجنے۔ جوتنے۔ کھولنے میں ایک گھوڑے کی بہ نسبت بیشک زیادہ وقت لگیگا۔ لیکن یہ وقت کا زیان اتنا معمولی ہوگا۔ کہ ہم اس کو بآسانی نظر انداز کر سکتے ہیں۔ اب اگر تین گھوڑے ہوں۔ تو انکی خبر گیری کرنے۔ چارہ ڈالنے۔ ساز سجنے اور ایسے ایسے اور کام اُن کے متعلق کرنے میں جو وقت ضائع ہوتا ہے وہ اتنا ہوتا ہے۔ کہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر آدمی پہلے سے زیادہ وقت کیلئے کام نہ کرے تو تین گھوڑوں کے ساتھ تین ایکڑ زمین میں ہل نہ چلا سکیگا چاہے وہ پہلے سے بہت بڑا ہل کیوں نہ استعمال کرے۔

سر دست ہم ایک بات کو خارج از بحث قرار دیتے ہیں۔ یعنی اس بات کو کہ ایک بڑا ہل بمقابلہ ایک چھوٹے ہل کے چلنے میں اُس سے زیادہ سخت ہوتا ہے جتنا کہ بلحاظ

تناسب ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بڑے ہل کے ساتھ بڑے بڑے ڈھیلے زمین سے کھُد آتے ہیں۔ اور ان کا توڑنا زیادہ وقت طلب ہوتا ہے۔ جتنے وقت میں ایک آدمی دو گھوڑوں سے دو ایکڑ زمین میں ہل چلاتا ہے۔ فرض کیجیئے اُتنے ہی وقت میں وہ تین گھوڑوں سے تین ایکڑ زمین نہیں بلکہ ۷/۸ ۲۔ ایکڑ زمین جوتتا ہے۔ جس بنا پر ہم یہ کہتے ہیں اُسی بنا پر چار گھوڑوں سے وہ ۴۔ ایکڑ زمین میں ہل نہیں چلا سکیگا۔ بلکہ ۵/۸ ۳ میں یا پانچ گھوڑوں سے پانچ ایکڑ میں نہیں۔ بلکہ ۱/۴ ۴ میں۔ ۶ گھوڑوں سے ۶۔ ایکڑ زمین نہیں بلکہ ۳/۸ ۵ میں ۷ گھوڑوں سے ۷۔ ایکڑ زمین میں نہیں بلکہ ۱/۸ ۵ میں۔ اور ۸ گھوڑوں سے ۸۔ ایکڑ میں نہیں بلکہ ۳/۸ ۵ میں۔ یہ بات ضرور ہے کہ اگر وہ صبح سویرے اُٹھ بیٹھا کرے اور گھوڑوں کو چارہ دے دلا کر ساز بیج سجا کر فارغ ہو جائے۔ دوپہر کو تھوڑی دیر دم لیا کرے اور اُسی میں گھوڑوں کو دانہ کھلا دیا کرے۔ اور پانی پلا دیا کرے۔ پھر کھیت سے واپس آکر شام کو پہلے سے زیادہ کام کیا کرے۔ تو اس طرح ممکن ہے کہ وہ گھوڑوں کی تعداد اور جُتے ہوئے ایکڑوں کی تعداد میں ایک مقررہ تناسب قائم رکھ سکے۔ یعنی گھوڑے چاہے کتنے ہی کیوں نہ ہوں وہ ایک گھوڑے کے ساتھ ایک ایکڑ کے حساب سے ہل چلا سکے۔ لیکن اس صورت میں زیادہ گھنٹوں کے لیئے کام کرنے کے معنی ہیں زیادہ کام کرنا۔ اور یہ معاشیاتی نقطۂ نگاہ سے مزدوروں کی تعداد بڑھا دینےکے مرادف ہے۔

ہمارے مفروضات کے مطابق یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے گھوڑے کے اضافہ نے دو گھوڑوں کی جُتی ہوئی زمین میں ۱/۸ ایکڑ کا اضافہ کیا۔ چوتھے گھوڑے کے اضافہ نے تین گھوڑوں کی جوتی ہوئی زمین میں ۳/۴ ایکڑ کا اضافہ کیا۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ اس سے ہر گھوڑے نے دوسرے گھوڑوں کے اضافہ کے ساتھ علی الترتیب ۵/۸ ایکڑ ۱/۲ ایکڑ ۳/۸ ایکڑ اور ۱/۴ ایکڑ مزید زمین میں ہل چلایا:۔

(سلسلہ کیلئے دیکھو صفحہ نمبر ۲۵۹)

ان اعداد کو ہم اوپر کی شکل میں ظاہر کرتے ہیں۔ پہلے گھوڑے نے جو کام کیا وہ مستطیل ۱ کی صورت میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ دو گھوڑوں نے جو کام کیا وہ مستطیل ۱ اور مستطیل ۲ کے مجموعہ کی صورت میں تین گھوڑوں نے جو کام کیا وہ مستطیل نمبر ۱ و ۲ و ۳ کے مجموعہ کی صورت میں۔ مستطیل ۳ یہ ظاہر کرتی ہے کہ تیسرے گھوڑے نے دو گھوڑوں کے کام سے کتنا زیادہ کام کیا۔ یعنی مستطیل نمبر ۳ تیسرے گھوڑے کی کارکردگی کو ظاہر کرتی ہے۔ اور یہ بتاتی ہے کہ سارے گھوڑوں میں سے اُس نے متقابلتہً کتنا کام کیا۔ مزید گھوڑوں کی کارکردگی رفتہ رفتہ کم ہوتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ مستطیل نمبر ۸ جو آٹھویں گھوڑے کی کارکردگی کو ظاہر کرتی ہے۔ بہت چھوٹی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اگر ۱/۲ ایکڑ زمین میں ہل چلانے کی قدر و قیمت (مستطیل ش) ہنگامی اور مقامی حالات کے ماتحت ایک گھوڑے کے روزانہ مصارف سے زیادہ ہے۔ تو آٹھ گھوڑوں سے کام لینا نفع بخش ہے ورنہ ہرگز نہیں۔ آپ اگر اس شکل میں وہ مستطیل دریافت کر لیں جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ کتنی زمین میں ہل چلانے کا فائدہ اتنا ہے کہ ایک گھوڑے کے روزانہ مصارف (جن میں تمام مدات خرچ مثلاً مطالبات فرسودگی۔ بیمہ۔ سود وغیرہ شامل ہیں) کے مساوی یا لگ بھگ ہو سکے۔ تو آپ نے یہ مسئلہ حل کر لیا کہ کتنے گھوڑوں کے ساتھ مل کر ایک آدمی کا کام کرنا سب سے زیادہ فائدہ بخش ہے

جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ ہل چلانے کے کاموں کے مجموعہ میں اگر ہم کسی قطعۂ زمین کو اساس یا معینہ اکائی قرار دیں اور یہ مسئلہ درپیش ہو کہ اس قطعۂ زمین

کے ساتھ جو دوسرے عاملین شامل کئے جائیں گے (یعنی آدمی - ہل - گھوڑے) اُنکی مقدار یا تعداد کیا ہونی چاہیئے - تو اُس صورت میں بھی یہی قانون حاوی ہوتا ہے - اس مسئلے کا حل بھی اُسی طریقے سے ہوسکتا ہے - اور اسکی تصریح کیلئے بھی وہی اوپر کی شکل استعمال کی جاسکتی ہے - حاصل کلام قانون تناسب ایک قاعدہ کلیہ ہے - جس کا اطلاق ہر مجموعہ عاملین پر ہوسکتا ہے - کیا کاشتکاری میں اور کیا صنعت وحرفت کے دوسرے شعبوں میں - مثلاً ایک جانور کو موٹا کرنے کا مسئلہ لیجیئے - اگر ہم اس کو بہت کافی مدت تک غذا دیتے جائیں - تو بالآخر معلوم ہوگا کہ روز جتنا گوشت جانور کے جسم پر بڑھتا تھا - اس کی مقدار کم ہوتی جارہی ہے - ہر مزید دن کے پیچھے مزید ترقی وزن میں یا قیمت میں کم ہوتی جارہی ہے - جب وہ وقت آئے کہ قدر وقیمت میں روزانہ ترقی روزانہ خوراک کے مصارف سے زیادہ نہ رہے - تو اس وقت جانور کو بیچ دینا چاہیئے یا اس کو خوراک دینی بند کردینی چاہیئے - اس مسئلہ کی تصریح بھی اُس جیسی شکل سے ہوسکتی ہے جیسی ہم نے اوپر بنائی ہے - فرض کیجئے کہ مختلف مستطیلیں روزانہ یا ہفتہ وار ترقی قدرو قیمت کو ظاہر کرتی ہیں - اب اگر آپ وہ مستطیل دریافت کریں جو روزانہ یا ہفتہ وار خوراک کے مصارف کے مساوی یا الگ ہے تو آپنے یہ مسئلہ حل کرلیا کہ جانور کو کب فروخت کرنا چاہیئے -

زراعت پر قانون تناسب جس طرح منطبق ہوتا ہے اسکا ایک پہلو یہ قاعدہ ہے کہ ہر قسم کے اصل سے حتی الوسع فائدہ اُٹھانا چاہیئے - اگر آپ ایک چھوٹے سے مزرعے میں بہت بڑا ہل جسکے آگے گھوڑوں کی کئی کئی جوڑیاں جُتی ہوں یا گٹھے باندھنے والی مشین استعمال کریں تو آپ اس قانون کی خلاف ورزی کے مرتکب ہونگے - جہاں ایک گھوڑا کافی ہو وہاں دو گھوڑے رکھنا ضرورت سے زیادہ اوزار اپنے پاس رکھنا جن میں سے بعض کے استعمال کرنیکی کبھی نوبت ہی نہیں آتی - یہ بھی فضول خرچی اور عدم کفایت کی مثالیں ہیں - جو اکثر دیکھنے میں آتی ہیں - اس بات کیلئے کہ آدمی اصل کے اس نقصان سے بچ سکے اور اس کے ساتھ ہی اپنے مزرعے کا کام عمدہ طریقے پر چلانیکے لئے کافی ساز وسامان بھی مہیا کرسکے - یہ ضروری ہے کہ مزرعے کا منتظم نہایت صائب رائے اور قوت فکر و نظر رکھتا ہو -

مسائل تنظیم مزرعہ

- مسائل ابتدائیہ یا شغل اصل کے مسائل
  - زمین کیونکر حاصل کیجائے؟
    - خرید
    - ٹھیکہ
      - نقد
      - حصہ داری میں
  - پیدا کیا کیا جائے؟
    - بڑی بڑی اجناس
    - متفرق پیداوار ......
      - اجناس بازاری
      - اجناس خاص
      - متقابل اجناس — وہ اجناس جو کاشتکار کے وقت کے معاملے میں ایک دوسرے کے حریف ہیں
      - غیر متقابل اجناس — وہ اجناس جو زمین کی زرخیزی کے معاملے میں ایکدوسرے کے حریف ہیں
    - باری باری اجناس کی کاشت کی ترتیب
  - کس پیمانے پر پیداوار کیجائے
    - بڑا پیمانہ
      - تجارت کی کفائتیں
      - مشینری کی کفائتیں
      - خرید و فروخت میں کفائتیں
    - متوسط پیمانہ
      - [illegible] فوائد
      - [illegible] فوائد
      - [illegible] فوائد
    - چھوٹا پیمانہ
      - اجتماعی فوائد
      - اصطلاحی نقصانات
  - کس قسم کا سامان ہونا چاہیے ......
    - طاقت
      - حیوانی
        - بیل
        - گھوڑے
        - خچریں
      - میکانی
        - ہوا
        - پانی
        - بھاپ اور بجلی
        - اشتعال پذیر انجن
    - مال مویشی
    - مشینری
    - عمارات
- اہتمام اور بندوبست کے مسائل ......
  - کام کی نگرانی
  - وقت اور موسم کا معین کرنا
  - مال مویشی کا انتظام
  - حساب کتاب رکھنا
- بازار کے متعلق مسائل
  - خرید
    - کیا خریدنا چاہیے
    - کس سے خریدنا چاہیے
      - پیدا کنندوں سے
      - بچولیوں سے
    - کیسے خریدنا چاہیے
      - فرداً فرداً
      - امداد باہمی کے طریق پر
    - کس طور پر خریدنا چاہیے
      - نقد
      - اعتبار پر
        - اسٹور کا اعتبار
        - بنک کا اعتبار
        - امداد باہمی کا اعتبار
  - فروخت
    - بڑی بڑی بازاری اجناس ....
      - کیا بیچنا چاہیے
        - قیمتیں بڑھنے تک فصل کو محفوظ رکھنا
        - فصل کٹتے ہی جنس بیچ دینا
        - فصل سے پیشتر بیچ دینا
      - کس کے ہاتھ بیچنا چاہیے
        - صرف کنندوں کے ہاتھ
        - بچولیوں کے ہاتھ
      - کیونکر بیچنا چاہیے
        - فرداً فرداً
        - امداد باہمی کے طریق پر
    - خاص خاص اجناس
      - اشتہار دینا
      - نمائش
      - نمونے دکھا کر بیچنا

چوتھا باب

انتظام زراعتی پیداوار کے ایک عامل کی حیثیت سے

کفایت کا انحصار منیجر (ناظم) پر کہاں تک ہے؟ زمین" "محنت" اور "اصل" کی کفایت کے متعلق اور باتیں جتنی اہم ہیں وہ تو ہیں۔ لیکن ان باتوں کو عملی جامہ پہنانا اور مادی صورت میں متشکل کرنا سب مزرعہ کے ناظم کا کام ہے۔ دانشمندانہ قوانین جو پہلے نافذ ہیں۔ اُن کے عملدرآمد میں قابلیت سے کام لینا اور سائنس کے نئے نئے انکشافات یہ وہ باتیں ہیں۔ جو زراعت کیلئے موافق حالات اور مناسب مواقع پیدا کرسکتی ہیں۔ رہا یہ امر کہ زراعت کہاں تک اپنے آپکو ان موافق حالات کے مطابق بنائیگی اور کہاں تک ان نئے مواقع سے فائدہ اُٹھائیگی۔ اس کی ذمہ واری تمام و کمال مزرعہ کے منیجر پر ہے۔ کوئی نئی زراعتی ایجاد چاہے کتنی ہی عمدہ کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر ناظم اتنی دانشمندی۔ دوراندیشی اور اجتہاد ذاتی نہیں رکھتے۔ کہ اپنے پرانے طریقوں میں ترمیم کرکے اُن کو اس نئی ایجاد کے مطابق بنائیں۔ اور اپنے مزرعہ کی از سر نو تنظیم کریں۔ تو اس ایجاد کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اور موجد کو اپنی محنت کے عوض نہ شہرت حاصل ہوگی۔ نہ کوئی مادی نفع۔ حکومت اپنی زراعتی حکمت عملی میں چاہے کتنی ہی دانائی اور قابلیت سے کام کیوں نہ لے۔ لیکن اگر ناظم ترقی کے دلدادہ نہیں اگر وہ ایک توہم پرست مذہب کی قید و بند میں جکڑے ہوئے ہیں یا بے اصول خداوندانِ تعلیم کے زیر اثر ہیں تو قانون ساز کی تمام محنت رائگان جائیگی۔ ان حالات میں اُس کے لئے زراعت کو فائدہ پہنچانے کی صرف ایک ممکن صورت ہے۔ وہ یہ کہ وہ اپنا کام اُلٹے سرے سے شروع کرے۔ یعنی ایک ایسا نظام تعلیم وضع کرے جو عوام کو آخر کار مائل ترقی کردے۔ اور رکاوٹوں کو دور کرے۔ مزرعہ کے منیجر کا سب سے بڑا فرض

کفایت کی تجاویز سوچنا ہے۔ جتنی ذمہ داری اس کام کے متعلق اس کی ہوتی ہے اور کسی کی نہیں ہوتی۔ کہ جماعت کے وسائل پیدا آوری کو ایسے طریقہ سے استعمال میں لایا جائے۔ کہ اُن سے کچھ حاصل ہو۔ اور وہ بیکار و بے سود ضائع نہ ہو جائیں۔ گو اسکی حیثیت فقط مینجری کی کیوں نہ ہو۔ مگر وہ زمین کے مالک مزدور اور اصل دار کی حیثیتوں کا جامع ہوتا ہے اُس کے فرائض بحیثیت مینجر کے ان تمام مناسب کے فرائض سے جداگانہ ہیں۔ اور بآسانی تمیز کئے جا سکتے ہیں۔ چاہے وہ ایسا ناظم ہو۔ جو کسی دوسرے کی زمین کرایہ پر دینے کا ذمہ دار ہو گیا ہو یا کو دوسرے سے قرضہ لیکر دینے کا مجاز ہو یا دوسروں سے اُجرت پر کام کراتا ہو۔ چاہے وہ ناظم زمیندار۔ اصل دار۔ مزدور ان تمام حیثیتوں کو اپنی ذات میں جمع کرے۔ بہر صورت اُس کے تین ضروری فرائض ہیں۔

اوّل۔ شغل اصل کے بعض اساسی مسائل کا فیصلہ کرنا۔

دوم۔ کام چلانا اور اس امر کی نگرانی کرنا کہ کام ٹھیک طرح پر انجام دیا جائے۔

سوم۔ خرید و فروخت کرنا۔ یعنی ضروری ساز و سامان (مثلاً بیج۔ زمین کمانے والی چیزیں۔ مال مویشی کا خریدنا اور مزرعہ کی پیداوار کو بیچنا۔

ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے۔ کہ یہ تین فرائض مختلف آدمیوں میں تقسیم ہو جائیں جو ایک ہی زراعتی کاروبار میں مشترکہ طور پر کام کرتے ہوں۔ تاہم ایسا ہونا ضرور ہے وہ یوں ہوتا ہے۔ کہ ایک آدمی پہلا فرض ادا کرتا ہے یعنی ان امور کا فیصلہ کرتا ہے کہ کس قسم کی چیزیں پیدا کرنی چاہئیں۔ کتنے وسیع پیمانہ پر اُن کی کاشت کرنا چاہیئے۔ اور کس قسم کے آلات استعمال کرنے چاہئیں۔ دوسرے آدمی کے ذمے یہ کام ہوتا ہے کہ اہتمام بندوبست کرے آدمیوں کی نگرانی کرے اور اس بات کا خیال رکھے کہ وہ اپنا اپنا کام مستعدی سے اور تسلی بخش طور پر کرتے ہیں یا نہیں۔ تیسرے آدمی کو یہ کام سپرد ہو کہ وہ خرید و فروخت کرنے والا کارندہ۔ لیکن ناظم کے فرائض کی یہ تقسیم اُس صورت میں ممکن ہے کہ زراعتی کاروبار اتنے وسیع پیمانے پر ہو جس کا نمونہ ہمارے ملک میں شاذ و نادر ملتا ہے۔ اسلئے ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں۔ کہ یہ تمام فرائض ایک ہی شخص کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔ گو بغرض بحث ہم ان کو جُدا جُدا لیں گے۔

(۱) بنیادی مسائل یعنی شغل اصل کے متعلق مسائل

جو بنیادی مسائل ناظم مزرعہ کو حل کرنے پڑتے ہیں۔ وہ ان باتوں سے متعلق ہیں۔ اول یہ کہ ناظم کا زمین سے کیا تعلق ہے۔ یعنی اس کی ملکیت۔
دوم۔ کس قسم کی زراعت کرنی مقصود ہے۔ یعنی کس قسم کی فصل پیدا کرنی چاہیئے۔
سوم۔ پیداوار کس پیمانے پر کیجانی چاہیئے۔ یعنی جس کاروبار کا انتظام وہ اپنے ذمہ لے گا۔ کس پیمانے پر ہوگا؟
چہارم۔ کس قسم کا سازوسامان استعمال کرنا چاہیئے۔ اور مختلف قسم کے آلات کس نسبت باہمی سے جمع کرنے چاہئیں۔
ان میں سے تیسرا مسئلہ کسی حد تک قانون تناسب سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا ہم باب ماسبق میں تذکرہ کر آئے ہیں۔ یہ مسئلہ کہ ناظم کا زمین سے کیا تعلق ہے۔ نہ صرف مزرعہ کے مالک کیلئے بلکہ معاشیات کے طالب علم کے لئے بھی ایک دائمی دلچسپی رکھتا ہے۔ ان صورتوں میں سے کونسی بہتر ہے۔ کہ کاشتکار خود اپنی زمین کا مالک ہو۔ یا زمین لگان پر لے یا تنخواہ لیکر کام کرے۔ یالفرض اگر وہ زمین لگان پر لے۔ تو پھر کونسی صورت بہتر ہوگی۔ آیا یہ کہ وہ نقد لگان ادا کرے۔ یا یہ کہ وہ پیداوار کا کچھ حصہ مالک کو دے۔ یا یہ کہ وہ کچھ لگان نقد ادا کرے۔ اور کچھ جنس کی صورت میں۔

زمین کا مالک ہونا بہتر ہے یا اجارہ دار ہونا۔ امریکہ کے کاشتکار عام طور پر یہ تصور کئے ہوئے ہیں کہ جس زمین وہ کاشت کریں اس کا مالک ہونا بہتر ہے۔ اس اصول کار کے فوائد یا ان کی خوبیوں سے ہمیں سردست بحث نہیں۔ ان سے قطع نظر کر لیجئے تو زیادہ نہیں تو کم از کم تین اتفاقی امور ایسے ہیں۔ جن کو دراصل زراعت کی کامیابی و خوبی سے ذرہ برابر تعلق نہیں۔ تاہم وہ اس رواج کو فروغ دینے کا باعث ہوئے ہیں۔ کہ کاشتکار خود زمین کا مالک ہو۔ اول یہ امر ہے۔ کہ حکومت متحدہ کی اراضی کے متعلق

حکمت عملی کم از کم ۱۸۴۱ئہ سے یہ رہی ہے کہ اوّلاً زمین کی ملکیت براہِ راست کاشتکاروں کو دی جائے۔ دوسرا یہ امر ہے کہ ملک کے بیشتر حصّے میں اور ہماری تاریخ کے بیشتر زمانے میں زمین قدر و قیمت میں بڑھتی رہی ہے۔ قدر و قیمت کی اس زیادتی کو کاشتکاری کے منافع کا ایک حصّہ خیال کیا جاتا رہا ہے۔ اور ہر ہوشیار کاشتکار کی یہی کوشش رہی ہے کہ دولت کے اس اضافہ سے خود فائدہ اُٹھائے۔ فائدہ اُٹھانا اسی صورت میں ممکن تھا کہ کاشتکار خود اپنی زمین کا مالک ہو۔ ورنہ زمین کی قیمت بڑھنے سے کسی غیر شخص کو جو اس کا مالک ہوتا فائدہ ہوتا۔ تیسرا امر یہ ہے کہ زمین کو ٹھیکہ پر دینے کا کوئی عمدہ دستور موجود نہیں اس کی وجہ بلا شک و شبہ یہ ہے۔ کہ ہمارے ملک میں جو بہترین کاشتکار ہوئے ہیں اُن سے بہت کم ایسے تھے کہ اُنہوں نے زمین ٹھیکہ پر لینا پسند کیا ہو۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ ہمارے یہاں آسامی داری کا کوئی ایسا دستور موجود نہیں جو کسی ترقی پسند اور دور اندیش کاشتکار کے لئے جاذب توجہ ہو سکے۔ ہمارے یہاں جو مختصر المیعاد ٹھیکوں کا دستور ہے جس کے مطابق آسامی کو بہت کم اختیار اور آزادی حاصل ہوتی ہے۔ وہ آپچ اور اجتہاد ذاتی اور اُلوالعزمی کا اتنا ہی دشمن ہے جتنی اور کوئی چیز ہو سکتی ہے۔ لیکن اتنا ضرور کہنا پڑتا ہے کہ زمیندار کے مفاد کی حفاظت بھی ہمارے قانون اور رسم و رواج اُس بُرے طریقے سے کرتے ہیں۔ کہ اُس کو اپنی زمین زیادہ مدّت کیلئے ٹھیکے پر دیتے ہوئے اور آسامی کے ہاتھ میں زیادہ اختیار دیتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے ضابطۂ قانون میں یہ جو نقص ہے۔ اُس نے اس ملک میں آسامی داری کے دستور کو اور بھی زیادہ نامناسب اور ناقابل قبول بنا دیا ہے۔

جو امور اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ اور جو کامیاب زراعت سے تعلق نہیں رکھتے ان سے قطع نظر کرکے اس دستور میں کہ کاشتکار زمین کے مالک ہوتے ہیں۔ بعض فائدے کی باتیں ہیں۔ ٹھیکیداری کے بکھیڑے اور معاہدہ کی شرائط کے متعلق جو دقتیں پیش آتی ہیں۔ یہ سب یکبارگی مٹ جاتی ہیں۔ کاشتکار کو زمیندار کی نگرانی کا ہر وقت کھٹکا نہیں لگا رہتا۔ جو کہ اپنی زمین کا ناجائز استعمال سے بچانے کے لئے اس بات پر مصر ہوتا ہے کہ کھاد ڈالنا

اجناس کا باری باری اُگانا۔ زمین کمانا وغیرہ یہ سب کام ٹھیک طور پر ہوں۔ پھر اس دستور سے یہ بھی فائدہ ہوتا ہے۔ کہ کاشتکار کو اپنے مزرعہ اور اپنی جماعت سے دائمی دلچسپی رہتی ہے۔ اور اس کو ایک ایسا ذمہ داری کا احساس رہتا ہے جو کرایہ دار یا آسامی کو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ لیکن دوسری طرف دیکھئے تو یہ اٹل امر واقعہ نظر آتا ہے جسکو کسی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا کہ دنیا میں بہترین زراعت پٹہ داری کے دستور کے ماتحت ہو رہی ہے۔ بالجملہ کاشتکاری کا بہترین اور کامیاب ترین نظام اس وقت انگلستان میں پایا جاتا ہے اور وہاں پٹہ داری کا طریقہ رائج ہے۔ زراعت کی خاص خاص پیداواروں کی کامیاب ترین کاشت پیرس کے مضافات کے چھوٹے چھوٹے باغیچوں میں ہوتی ہے۔ وہاں بھی ایسا کم ہوتا ہے کہ باغبان خود زمین کا مالک ہو۔ لیکن ان دونوں حالتوں میں بعض وجوہات ہیں۔ جنکی بنا پر کاشتکار زمین کا مالک ہونے کا خواہشمند نہیں ہوتا۔ انگلستان میں زمیندار ہونا معاشرت کے اعلیٰ طبقوں میں داخل ہونے کیلئے ایک قسم کا پروانہ راہداری ہے کم از کم اتنا ہے کہ زمین کے مالک کو ایک خاص عزت و وقار حاصل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے خوشحال طبقوں میں زمین کی ملکیت کے لئے نہایت شدید مقابلہ ہوتا ہے۔ اس مقابلہ کی وجہ سے زمین کی قیمت فروخت لگان کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ امریکہ میں جس زمین کا لگان ۵ ڈالر فی ایکڑ ہو وہ سو ڈالر حد ۱۵۰ ڈالر کی قیمت پاتی ہے انگلستان میں اسکی قیمت دگنی ہوگی۔ اس بنا پر مالک کو زمین پر اپنے روپیہ لگانے کے عوض میں اتنا کم سود ملتا ہے۔ یعنی قیمت کے مقابلہ میں زمین سے آمدنی اتنی کم ہوتی ہے کہ سوائے اُس شخص کے جو سوسائٹی میں نام و نمود حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کسی کی طبیعت زمین خریدنے کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ وہ کاشتکار جو فقط کاشتکاری کے منافع کا خواہاں ہے محسوس کرتا ہے۔ کہ اگر وہ اپنے اصل کو کسی اور صورت میں لگائے تو زمین پر روپیہ لگانے کی بہ نسبت اس کو زیادہ نفع ہوگا۔ اگر اُس کے پاس زمین ہوتی بھی اور اس کو ۲۰۰ ڈالر فی ایکڑ کے حساب سے قیمت ملتی۔ اور اس کے علاوہ اس کے ساتھ یہ رعایت بھی کی جاتی کہ اس کو زمین ۵ ڈالر سے لیکر ۷ ڈالر فی ایکڑ کے حساب سے کرایہ پر دی جاتی تو وہ زمین بیچنے کو تیار ہو جاتا۔

زمین بیچ کر اس کو جو معقول رقم ملے اُس سے وہ کاشتکاری کے آلات کا ذخیرہ اور ساز و سامان خرید سکتا ہے۔ اور اس طرح بہ نسبت زمین کا مالک ہونے کے زیادہ آمدنی پیدا کر سکتا ہے۔ اگر اُس کے پاس اپنی زمین موجود نہیں تو اس صورت میں انہی وجوہ کی بنا پر زمین کے ٹھیکے پر لینے میں بہ نسبت خریدنے کے اُس کو زیادہ نفع نظر آئے گا۔

پیرس کے مضافات میں اگر باغبان اُن مختصر قطعات زمین کا جن میں وہ باغ لگاتا ہے خود مالک نہیں ہوتا تو اُس کے بھی بعض وجوہ ہیں۔ اس زمین کا بہت سا حصہ ایسا ہے۔ جس کے مالکوں نے اُسے آئندہ عمارات کے موقعہ کے طور پر محفوظ رکھا ہے چنانچہ اس حصہ زمین کی جو قیمت بحالتِ موجودہ باغ کی زمین کی حیثیت سے ہے۔ اُس سے بدرجہا زیادہ اس کی تخمینی قیمت بہ حیثیت موقع کے ہے۔ جس شخص کو فقط باغ باغ لگانے کیلئے زمین درکار ہے وہ بھلا اتنی قیمت کہاں ادا کر سکتا ہے۔ بہرحال ایک شخص یہ سوچتا ہے کہ زمین بیکار کیوں پڑی ہے۔ اس سے کچھ آمدنی کیوں نہ پیدا کی جائے۔ اس لئے وہ اتنے لگان پر زمین دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ جو اس کی تخمینی قیمت کے معمولی سود کے برابر بھی نہیں ہوتا۔ بعض جگہ تو یہ صورت ہے اور بعض جگہ یہ کہ باغیچہ کی زمین فوج کے قلعوں کے نزدیک ہے۔ وہاں قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ عمارتیں بنائی جائیں۔

آرتھر ینگ کا ایک مقولہ مشہور ہے " اصل داری کا جادو مٹی کو کندن بنا دیتا ہے"۔ یہ مقولہ اُس نے شمالی یورپ کے چھوٹے چھوٹے کسانوں کو دیکھ کر کہا۔ جو اپنے مختصر قطعات زمین پر رات دن محنت کرتے رہتے ہیں۔ اور بنجر خطوں کو قلبِ ماہیت کر کے اعلیٰ درجہ کی زرخیز زمین بنا دیتے ہیں۔ یہ مقولہ عام کہاوت کی طرح ایک موٹی سی بات بیان کرتا ہے لیکن ایک علمی مضمون کی سی صحت اور عالمگیر شان اس میں نہیں پائی جاتی۔ یہ اصل داری کا افسون یا کوئی اور افسون نہ تھا۔ بلکہ محض ضرورت جس نے ان لوگوں کو بنجر اور ریتلی زمینوں سے روزی حاصل کرنے کا ہمت شکن اور روح فرسا کام کرنے پر مجبور کیا۔ اور یہ محض جفاکشی اور محنت کا کرشمہ تھا کہ ان لوگوں نے خشک اور بنجر

ریگستانوں کو گلزار بنا دیا۔ ان ہمت والے لوگوں کی کامیابی قابلِ تعریف ہے کہ اُنہوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر محنت کی۔ اور کٹھن کاموں اور خشک روٹی کے خیال سے نہ ڈرے۔ اگر اصل و سرمایہ میں کوئی جادو ہے۔ تو یورپ ہی پر کیا منحصر ہے۔ انگلستان میں بھی اس کو اپنا کرشمۂ کمال دکھانے کے ہزارہا موقع ملے ہیں اور نیو انگلینڈ (New England) میں اب بھی مواقع مل سکتے ہیں۔ پھر انگلستان کے کھیتوں میں کام کرنے والے مزدور اور وہ نو وارد جو نیو انگلینڈ میں باہر کے ملکوں سے آتے ہیں۔ یہ لوگ بھی اُتنے ہی ہمت والے اور مضبوط ہیں۔ جتنے یورپ کے کسان تھے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ انگلستان یا نیو انگلینڈ میں ضرورت نے ان لوگوں کو مجبور نہیں کیا۔ اصل میں بات بالکل سیدھی سادی ہے۔ انگلستان کے قوی اور مضبوط مزدور اُجرت پر کام کر کے اچھی طرح گزارہ کر سکتے ہیں۔ اور ان میں جو لوگ کچھ قابلیت بھی رکھتے ہیں۔ وہ اچھی اچھی زمینیں ٹھیکے پر لے کر کافی کما سکتے ہیں۔ پھر اُن کو کیا ضرورت پڑی تھی۔ کہ بنجر زمینوں کو زرخیز بنانے کا بیڑہ اُٹھائیں اور خواہ مخواہ کی مشقت کریں۔ اور وہ بھی بہت کم آمدنی کی خاطر اسی طرح نیو انگلینڈ میں جو لوگ باہر کے ملکوں سے ترک وطن کر کے آئے ہیں اُن کو بھی کوئی مجبوری نہیں کہ ذاتی ملکیت کی خاطر بنجر زمینوں کو کاشت کے قابل بنائیں۔ وہ اس سے بہتر اور کئی کام کر سکتے ہیں۔ بہر حال کیپ کاڈ (Cape cod) میں اور بعض مقامات پر چند پھلوں اور ترکاریوں کے مزارعے ہیں جو پرتگال اور اطالوی مہاجر نے ایسی زمینوں میں بنائے ہیں۔ جن سے مطلق کچھ امید نہیں ہو سکتی۔ لیکن ان لوگوں کا معیار زندگی نہایت پست ہے۔ اور ان کو جو کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ اُس پر صبر و شکر سے گذران کرتے ہیں۔ اُن لوگوں نے اس بات کی مثال پیش کی ہے کہ اگر کبھی ہماری آبادی اتنی بڑھ جائے۔ کہ لوگوں کو روزی میسر نہ آ سکے تو ہم کیا صورت اپنی بسر اوقات کیلئے کر سکتے ہیں۔ اگر معیار زندگی کافی پست ہو جائے تو نیو انگلینڈ میں بے شمار بنجر زمینیں ایسی ہیں۔ جو ایک گنجان زراعتی آبادی کے لئے روزی مہیا کر سکتی ہیں۔

بہر حال ہم کو جو مسئلہ سر دست درپیش ہے وہ یہ ہے کہ آیا ناظم مزرعہ کے لئے

زمین کا مالک ہونا بہتر ہے یا زمین لگان پر لینا۔ کوئی جواب ایسا نہیں دیا جا سکتا۔ جو تمام ممکن صورتوں پر حاوی ہو۔ کیونکہ وقت اور مقام کے حالات پر بہت کچھ منحصر ہوتا ہے۔ اگر اس بات کی کافی امید ہو کہ زمین کی قیمت بڑھ جائیگی۔ تو صریح طور پر زمین خریدنے میں فائدہ ہے۔ ریاستہائے متحدہ میں سینکڑوں کاشتکار ایسے ہیں۔ جن کو مرفہ الحالی کی عام رَو بےخبری ہی میں بہا کر کہیں سے کہیں لے گئی ہے۔ محض اس وجہ سے کہ انہوں نے جن دنوں زمینیں سستی تھیں کچھ زمین خرید لی تھی اور اب جو اسکی قیمت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ تو ان کو بیٹھے بٹھائے ایک خزانہ ہاتھ آ گیا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کاشتکاری کے کام میں کامیاب ہیں۔ یہ ترقی دولت ان کی دور اندیشی کا نتیجہ ہے۔ جس سے انہوں نے زمین کی مالیت کے اُتار چڑھاؤ یعنی بڑھنے گھٹنے کا اندازہ لگانے والے کی حیثیت سے کام کیا۔ اگر زمین کی قیمت اس اثنا میں بجائے بڑھنے کے کم ہو گئی ہوتی تو صریح طور پر ان اشخاص کو زمین کا مالک ہونے کی وجہ سے نقصان اُٹھانا پڑتا۔

تخمین اراضی کو یا زمین کے آئندہ اندازۂ قیمت کو جانے دیجئے۔ اس سے صرف نظر کر کے اور بھی چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں زمین کا ٹھیکہ کن شرائط پر لینا چاہیئے۔ یہ ایک نہایت اہم بات ہے۔ جہاں کہیں اسامی واری کے مروجہ شرائط کے مطابق کاشتکار کو بہت کم اختیار دیا جائے اور میعاد اجارہ بھی مختصر ہو تو ہر قابل کاشتکار یہ کوشش کرے گا کہ جتنی جلدی ہو سکے خود زمین کا مالک بنے اور کسی بنا پر نہیں تو کم از کم اس بات کو مد نظر رکھ کر کہ ملکیت سے اس کی دائمی حق استملاک بھی مل جائیگا اور خواہ مخواہ کے دخل در معقولات سے بھی چھٹکارا نصیب ہو جائیگا۔ جہاں کہیں زمین کا ٹھیکہ یا پٹہ اچھی شرائط پر مل سکتا ہے۔ وہاں فیصلہ اس امر پر منحصر ہوگا کہ لگان زمین کی قیمت سے کیا نسبت رکھتا ہے۔ اگر زمین کی قیمت بہ نسبت لگان کے اتنی زیادہ ہو کہ زمین خریدنے سے کم منافع ہو۔ تو لگان پر زمین لینا بہتر ہے۔ یعنی اس صورت میں ایک قابل کاشتکار اگر اپنا اصل آلات مشینوں اور جانوروں وغیرہ کے خریدنے میں لگا دے تو بمقابلہ زمین خریدنے میں روپیہ لگانے کے زیادہ کما سکتا ہے۔ اگر کوئی زمیندار ایسا ہو جو کاشتکاری کے کام سے

کما حقہٗ واقف ہو۔ اُسے زمین اور آسامیوں سے دلچسپی رکھتا ہو۔ اور معاملہ فہم ہو تو اس دستور کے بہترین فائدے ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو زمیندار اپنی زمینوں سے ہمیشہ غیر حاضر رہتے ہیں۔ اپنی زمین اور آسامیوں کو صرف ذریعۂ آمدنی سمجھتے ہیں۔ اور اس کے سوا اُن سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔ اُن کے اس فعل کے نتائج اجتماعی نقطۂ نگاہ سے اس قدر مذموم ہوتے ہیں کہ اُن کے حق میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس امر کو دیکھتے ہوئے کہ ہمارے ملک میں زرِ مشغولہ (investment) محفوظ رہتا ہے۔ اور دوسرے امور کا لحاظ کرتے ہوئے ہمارے ملک میں شاذ ونادر ایسا ہوتا ہے کہ زمین کی قیمت بہ نسبت لگان کے اتنی زیادہ ہو جائے کہ شرح سود بیحد کم حاصل ہو۔ قیمتیں ایسی غیر معمولی طور پر جبھی زیادہ ہوتی ہیں۔ جب آمدنی کی خواہش کے علاوہ کوئی اور خواہش مثلاً لوگوں کی نگاہ میں عزت پانے کی خواہش لوگوں کو زمین کے خریدنے کی محرک ہوتی ہو۔ اس لئے عام حالات میں ان باتوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کہ ہمارا ملک ابھی ترقی پذیر ہے اور زمین کی قیمتیں ابھی بڑھ رہی ہیں۔ نیز ہمارے آئین وقوانین اور رسم ورواج طویل المیعاد ٹھیکوں کے حق میں مضر نہیں ہیں۔ اور زمین کی قیمت لگان کے مقابلے میں زیادہ نہیں ہے۔ ہم یہ بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں۔ کہ قابل کاشتکار کے لئے زمین خریدنا بہ نسبت لگان پر لینے کے بہتر ہے۔ اور جتنی جلدی ہو سکے اُسے زمین خرید لینی چاہیئے۔

تاہم نوجوان کاشتکار جس کا اصل اور تجربہ محدود ہو۔ اس کی حدِّ امکان میں ہمیشہ یہ بات نہیں ہوتی۔ کہ وہ زمین بھی خرید سکے اور اس کے ساتھ ہی مزرعہ کو ساز وسامان سے آراستہ کرنے کی استطاعت بھی رکھے۔ یا تو وہ زمین خرید سکیگا یا ساز وسامان۔ اس بنا پر ہمارے ملک میں عام دستور یہ ہے۔ کہ نوعمر کاشتکار جس کے پاس کافی اصل نہ ہو وہ مختلف مدارجِ ترقی سے گذر کر بالآخر مزرعہ کے مالک کی حیثیت حاصل کرتا ہے۔ پہلے درجہ میں وہ مزرعہ کا ایک مزدور ہوتا ہے۔ جب وہ کچھ علم اور تجربہ حاصل کر چکتا ہے۔ اور آلاتِ کاشتکاری اور گھوڑے خریدنے کیلئے کچھ رقم حاصل کر لیتا ہے تو بہ حیثیت ایک کرایہ دار کے زمین کی کاشت شروع کرتا ہے۔ اگر وہ بہ حیثیت کاشتکار کے کامیاب ثابت ہوا اور جتنا اصل وہ فراہم کرے۔

وہ کسی آفتِ ناگہانی کے ہاتھوں خاک میں نہ مل جائے۔ تو یا آخر مزرعہ کا مالک بن جائیگا اوّل اوّل تو یہ ہوگا۔ کہ اُس کا مزرعہ رہن پر ہوگا۔ اور بعدہٗ وہ قرض سے بالکل سبکدوش ہو جائیگا۔

لگان نقد ادا کرنا چاہیئے یا حصّہ پیداوار کی صورت میں؟ جن دنوں کاشتکار مجبوراً آسامی کی حیثیت میں ہوتا ہے۔ اُس کیلئے یہ سوال عملی طور پر بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ آیا وہ لگان نقد ادا کرے یا جنس کے حصّے کی صورت میں۔ عام طور پر حالات نقد لگان کے حق میں ہوتے ہیں۔ گو بعض خاص حالات ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے ماتحت جنس کے حصّے کی صورت میں لگان ادا کرنا بہتر ہوتا۔ بہر حال چاہے۔ کسی طرح لگان ادا کیا جائے۔ دونوں حالتوں میں یکساں اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ معاہدہ نہایت صاف اور واضح الفاظ میں ہو اور آپس میں نیک نیتی برتی جائے۔ اگر نقد لگان کا دستور ہو تو اس بات کا اغلب گمان ہے کہ کرایہ دار زمین کا ناجائز استعمال کرے گا۔ اور ستیاناس کرکے رکھ دیگا۔ جنس کا حصہ دینے کا دستور ہو تو کرایہ دار زمین کی کاشت میں کم محنت سے کام لیتا ہے۔ اور کم درجے کے ٹکڑوں میں یا حدبندی کے قریب یا ایسے قطعوں میں جہاں کاشت کا نفع مشکوک ہو وہ بہت ہی کم محنت کرتا ہے فی الجملہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نقد لگان ادا کرنے کا دستور عمدہ کاشتکاری کے موافق ہوتا ہے۔ لیکن زمین کی آئندہ زرخیزی اس سے معرضِ خطر میں پڑ جاتی ہے۔

نقد لگان کو جنس کے حصّے کی صورت میں لگان دینے پر جو برتری حاصل ہے۔ اُسے نظر انداز کرکے اس بات کا ایک بنیادی معاشیاتی سبب یہ ہے۔ کہ نقد لگان بہ نسبت جنس کے لگان کے زیادہ عمدہ کاشت کا موجب ہوتا ہے۔ نقد لگان ادا کرنے والا جتنی اچھی کاشت کرے اُس کا نفع اُسی کو ہوتا ہے۔ حصہ دینے والی آسامی کو اس منافع کا صرف ایک حصہ ملتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہیئے کہ نقد لگان ادا کرنے والا جب اتنی پیداوار کر چکے کہ اپنا لگان اُس سے ادا کر سکے تو اس کے بعد ہر ڈالر جو وہ مزرعہ سے پیدا کرے خود اس کی جیب میں جاتا ہے۔ برخلاف اس کے حصّہ دینے والا چاہے پیداوار کے بڑھانے میں کتنی ہی محنت کرے اُس کو اضافۂ پیداوار کا فقط ایک حصّہ ملتا ہے۔

"قانون تقلیل حاصل" کے مطابق نقد لگان ادا کرنے والا اپنی زمین میں زیادہ عمیق کاشت کر سکتا ہے تا وقتیکہ مزید مصارف مزید پیداوار سے مساوی المقدار نہ ہو جائیں۔ برخلاف اس کے حصہ دینے والا کاشتکار کاشت اسی وقت تک کر سکتا ہے۔ جب تک مزید مصارف مقدار میں مزید پیداوار کے اسی حصے کے برابر نہ ہو جائیں جو اس کو ملیگا۔ اس اصول کی توضیح آئندہ صفحے کی شکل کی مدد سے کی جا سکتی ہے۔

مزرعہ کی کاشت میں جو محنت صرف ہوتی ہے۔ اس کی مقدار کو ہم خط ف۔ی کے اوپر ناپینگے۔ اور جو خرچ ہوتا ہے۔ وہ خط ف۔ق کے اوپر۔ ایک مقدار واحد پر جو مصارف ہوتے ہیں۔ وہ ف اور ا کے درمیانی فصل سے ظاہر ہوتے ہیں۔ خط منحنی ق۔ط۔ع۔ب ی اس پیداوار کو ظاہر کرتا ہے۔ جو زمین کی کاشت میں پے در پے محنت سے ہوگی۔ نقد لگان ادا کرنے والا مزرعہ کیلئے ایک مقررہ رقم ادا کرے گا۔ جس کو ہم شکل ف۔ق۔ط۔غ سے ظاہر کرتے ہیں۔ یا وہ ایک مقررہ مقدار محنت کا تمام حاصل ادا کرے گا۔ جسے ہم خط ف۔غ سے ظاہر کرتے ہیں۔ جب یہ حاصل ادا ہو چکے تو جو مزید محنت وہ کریگا۔ اس کا تمام حاصل اس کو ملیگا اس مزید محنت کو ہم خط غ۔ی سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس شکل کے مطابق وہ ایک مقدار محنت جو خط ف۔ح سے ظاہر کی گئی ہے۔ صرف کرنے کی استطاعت رکھتا تھا۔ کیونکہ اس مقدار کی آخری اکائی اتنا حاصل پیدا کرتی ہے۔ جو مصارف کے مساوی ہو۔ محنت کی اس آخری اکائی کے مصارف اور حاصل دونو خط ب۔ح سے ظاہر کئے گئے ہیں۔

یہ تو ایک نقد لگان ادا کرنے والے کی حالت تھی۔ لیکن ایک حصہ جنس کی صورت میں لگان ادا کرنے والا جو مزرعہ کے لگان کے طور پر پیداوار کا تیسرا حصہ دیتا ہے۔ اس کو اپنی محنت کے صلے میں حاصل کا بقیہ ⅔ حصہ ملیگا . . . .

. . . . جسے منحنی منقوطہ کے نیچے کی جگہ ظاہر کرتی ہے۔ اگر وہ اپنی کاشت کو اسی درجۂ عمیق تک پہنچائے تو اپنے کام کے ایک حصے پر اسے زر کا نقصان ہوگا۔ یعنی اگر وہ اتنی مقدار پر محنت صرف کرتا۔ جو خط ف۔ح سے ظاہر ہے تو اس کے کام کی آخری مقدار واحد کے مصارف اتنے ہوتے جو خط ب۔ح سے

ظاہر ہیں۔ لیکن اس کے عوض میں اس کو صرف اتنی مقدار ملتی۔ جو خط ص۔ ج سے ظاہر ہے
القصہ وہ خط ف۔ ر سے زیادہ محنت کرنے کو نفع سے خالی پائے گا۔ خط ف۔ ر اس مقدار
محنت کو ظاہر کرتا ہے۔ جس کی آخری مقدار واحد سے اس کو اتنا ہی حاصل ہوتا ہے۔ جتنے
اس کے مصارف ہوں۔ یعنی اتنی مقدار جو خط د۔ ر سے ظاہر ہے۔ حاصل کلام اس شکل
کے مطابق ایک نقد لگان ادا کرنے والا اس میں فائدہ دیکھیگا کہ اتنی مقدار محنت جو خط ف
ج سے ظاہر ہے صرف کرے۔ اور مجموعی پیداوار اتنی کرے جو شکل ف۔ ق۔ ب۔ ج سے
ظاہر ہے۔ برخلاف اس کے حصۂ جنس ادا کرنے والا اس میں فائدہ دیکھیگا کہ اس سے کم
مقدار محنت صرف کرے یعنی اتنی جتنی خط ف۔ ر سے ظاہر ہے۔ اور مجموعی پیداوار اتنی
کرے جو شکل ف۔ ق۔ ع۔ ر سے ظاہر ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نقد لگان ادا
کرنے کا دستور حصۂ جنس ادا کرنے کے دستور سے بہ حیثیت ایک نظام معاشیاتی کے
انسب ہے۔ بشرطیکہ زمین کی حفاظت ایسے طور پر ہو سکے کہ نقد لگان ادا کرنے والا زمین
میں کاشتکاری کا کام نہ کر سکے یا اپنے ٹھیکہ کی میعاد کے دوران میں اس کی زرخیزی کو اور طرح
برباد نہ کرے ؀

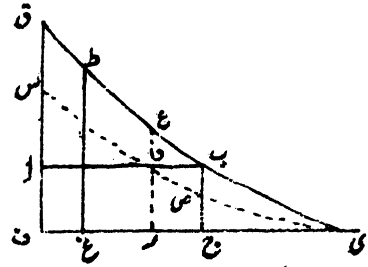

تنخواہ دار منیجر۔ یہ سوال کہ مزرعہ کے منیجر کو تنخواہ پر کام کرنا چاہیئے۔ یا نہیں محض ایک
ذاتی معاملہ ہے۔ فی الجملہ تمام اسباب و وجوہ اس کے مخالف ہیں۔ لیکن بعض بعض غیر
معمولی آدمی ایسے ہوتے ہیں۔ کہ بہ حیثیت کاشتکاری کے بڑی قابلیت رکھتے ہیں۔
جہاں تک کہ فصل اُگانے کے کام کا تعلق ہے۔ لیکن تجارتی معاملہ فہمی اور قابلیت اُن
میں اسقدر کم ہوتی ہے۔ کہ کاروبار کے لائق نہیں ہوتے۔ وہ ہر طرح کے ایجنٹوں کے
دھوکے میں آجاتے ہیں۔ جن چیزوں کی انہیں مطلق ضرورت نہیں ہوتی۔ اُن کے

خریدنے کی خواہش کو ضبط نہیں کر سکتے اور جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اُن کے خریدنے میں ہمیشہ دھوکا کھاتے ہیں۔ اور اس بنا پر باوجود کاشتکاری میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھنے کے وہ کاروبار کے معاملے میں اناڑی رہتے ہیں۔ ایک اس قسم کا آدمی اگر کسی زمیندار کے ماتحت تنخواہ پر ملازم ہو جائے اور زمیندار تجارتی پہلو کا خیال رکھے تو کچھ بُرا نہیں۔ راقم الحروف نے ایسی ایسی کئی مثالیں دیکھی ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ وہ اس قسم کی سرپرستی اور مدد کا محتاج نہ ہو تو اس کے لئے تنخواہ پر ملازمت کرنا زیادہ مدت کیلئے تسلی بخش نہیں ہو سکتا۔ اس کا نتیجہ کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ امکان ہوتا ہے کہ بڑھاپے میں آدمی بے روزگار رہ جائیگا۔

پیداوار کیا کرنی چاہیئے؟۔ یہ مسئلہ کہ پیداوار کیا کرنی چاہیئے۔ بعض اوقات کاشتکار اپنے مزرعہ کے موقعہ و مقام کو دیکھ کر خود حل کر لیتا ہے۔ یقیناً پہلی بات جو اُسے فیصلہ کرتے وقت دیکھنی چاہیئے۔ مزرعہ کا موقعہ و مقام ہے اور کاشتکار کے ذاتی نقطۂ نگاہ سے یہ ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ لیکن ملک کے نقطۂ نگاہ سے زمین کی مقدار تقریباً مقررہ ہے اور اُس کا ہر حصّہ جو دستیاب ہو سکتا ہے۔ کسی نہ کسی کے زیر انتظام ضرور ہوتا ہے۔ گو ایک مزرعہ کے مینجر کیلئے ہمیشہ یہ ممکن نہیں ہوتا۔ کہ بہت سی اجناس میں سے ایک جنس انتخاب کرے۔ تاہم اُسے انتخاب کی گنجائش کسی نہ کسی حد تک ضرور ہوتی ہے۔ وہ مسئلہ جس پر تنظیم کے متعلق اور بہت سے مسائل کا فیصلہ منحصر ہے یہ ہے کہ آیا بازار کی رائج الوقت اجناس پیدا کرنی چاہئیں یا خاص خاص اجناس؟

بازاری اجناس اگانی چاہئیں یا خاص خاص اجناس؟ بازار کی رائج الوقت اجناس اور خاص اجناس کے درمیان جو فرق ہے وہ ہمیشہ واضح نہیں ہوتا۔ اور ان دونوں کے درمیان کوئی حد فاصل قائم نہیں کی جا سکتی۔ یہ ایک دوسرے سے بہت سی باتوں میں مشابہ ہیں۔ فی الجملہ ایک بازاری جنس سے مراد وہ پیداوار ہے۔ جو کسی نرخ مقررہ پر بک سکتی ہو۔ یعنی کوئی ایسی پیداوار جس کی قیمت نرخنامۂ بازار سے دریافت کی جا سکتی ہے۔ مثلاً غلّہ۔ سوکھی گھاس۔ گائے کا گوشت۔ کپاس۔ سؤر اور

مویشی بازار کی رائج الوقت اجناس کہلا سکتی ہیں۔ برخلاف اس کے کوئی پیداوار جسکو بازار میں گھٹیا بڑھیا میل کے مطابق تقسیم نہ کیا جاتا ہو۔ اور جس کے متعلق کوئی بازار کا باقاعدہ نرخ مقرر نہ ہو تاہم اُس کی بکری کافی ہو۔ اور بعض اوقات خاص طور پر زیادہ قیمتیں پاتی ہوں۔ اس کو ہم خاص جنس کہہ سکتے ہیں۔ نسل لینے کے لیئے اعلیٰ قسم کے اصیل جانور سواری کے اور گاڑی کے اچھے اچھے گھوڑے جن میں سے ہر گھوڑے کی جداگانہ قیمت ہوتی ہے۔ خاصے کے پھل پھول اور ترکاریاں جو خاص مذاق کے کے لوگوں کے کام کی ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ چیزیں خاص خاص پیداواروں کی مثالیں ہیں۔ (Staple Product) یعنی بازاری جنس کے اگانے میں مزرعے کے منیجر کو سب سے پہلے یہ سوال درپیش ہوتا ہے۔ کہ پیدائش کے مصارف کس طرح کم کیئے جائیں۔ اُسکی پیداوار چونکہ ہمیشہ مقررہ نرخ پر بکے گی۔ اس لئے اُس کے فروخت کرنے کا سوال اُس کیلئے اتنا دقت طلب نہیں [illegible] گو اپنی ذات میں خاص اہمیت رکھتا ہے تاہم مصارف پیدائش کو کم کرنے کا مسئلہ اس سے نسبتاً زیادہ اہم ہے۔ لیکن خاص خاص اجناس کے اُگانے میں یہ صورت نہیں ہوتی۔ اُن کے معاملہ میں مزرعہ کے منیجر کو سب سے بڑا مسئلہ جو درپیش ہوتا ہے۔ وہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ان کو بازار میں کس طرح فروخت کرے۔ یعنی کس طرح اپنی جنس کیلئے اچھے دام چکائے۔ یہاں بھی گو مصارف پیدائش کو کم کرنے کا مسئلہ بخصوص اہم ہوتا ہے۔ تاہم فروخت کرنے کے مسئلہ کے مقابلے میں اس کی اہمیت بہت کم ہے۔ بازاری اجناس کے پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کرنا منحصر ہے۔ ایک اچھے کاشتکار ہونے پر۔ برخلاف اس کے خاص خاص اجناس کے پیدا کرنے میں کامیابی کا دارومدار ایک اعلےٰ درجے کا مشتہر یعنی اعلیٰ درجے کا فروشندہ ہونے پر ہے۔ خاص خاص زراعتی اجناس کے اگانے والے کی ضرورت گو ہمیشہ رہیگی۔ تاہم زراعتی صنعت و فروخت کا بیشتر حصہ ہمیشہ بازار کی رائج الوقت اجناس کی پیدائش سے متعلق رہیگا۔ بنابریں ہمارا موضوع خاص اس صنعت کی ہی شاخ ہے:۔

گو یہ درست ہے کہ یہ جغرافیائی حالات اور بازار کی صورتِ معاملات پر منحصر ہے کہ کونسی جنس کس مزرعہ میں اگائی جائے۔ تاہم یہ بات جتنی آسان معلوم ہوتی ہے۔ درحقیقت اتنی آسان نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی مزرعہ کی زمین گیہوں یا گائے کا گوشت پیدا کرنے کیلئے قابلِ تعریف طور پر موزوں ہو لیکن یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جو علاقے بازار سے دور ہوں۔ اُن میں بھی کامیابی کے ساتھ پیدا کی جاسکتی ہیں۔ اب اگر زیربحث مزرعہ ان دونوں میں سے کسی چیز کیلئے وقف کردیا جائے۔ تو اس کو بڑے بڑے علاقوں سے مقابلہ کرنا پڑیگا۔ جو ان چیزوں کی پیدائش کیلئے موزوں ہیں۔ اور دوسری اجناس کیلئے موزوں نہیں۔ جن کو کم زمین اور زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جو نقل و حمل کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ اب اگر یہ مخصوص قطعۂ زمین ان دوسری اشیاء کی پیدائش کیلئے زیادہ موزوں ہے۔ یعنی غلہ۔ کپاس۔ آلو۔ دودھ یا باغیچہ کے پودے یعنی ایسی اشیاء جو تھوڑے سے رقبوں میں یعنی بازار کے قریب پیدا کی جاسکتی ہوں۔ تو اس قطعۂ زمین میں ان میں سے چند اشیاء کی پیدائش کرنا نہ صرف کاشتکار کیلئے زیادہ منافع کا باعث ہے بلکہ قوم کے وسائل کے حق میں بھی زیادہ کفایت کا ضامن ہے۔

بہر حال یہ امر شاذونادر خود کاشتکار کیلئے نفع بخش یا قوم کیلئے باعث کفایت ہوتا ہے۔ کہ ایک مزرعہ کو صرف ایک چیز کی پیدائش کیلئے وقف کردیا جائے۔ صرف بعض مستثنیٰ حالات میں جبکہ کوئی خاص طور پر قیمتی زراعتی پیداوار کی جائیں۔ اور کھادوں اور حاصل خیز چیزوں پر کافی روپیہ صرف کیا جائے۔ یہ بات نفع بخش ہوسکتی ہے۔ پیداوار میں تنوع کا خیال رکھنا اکثر مزرعوں کیلئے ایک اُصول کار ہونا چاہیئے۔

تنوعِ پیداوار کے وجوہ۔ اس کے تین بڑے وجوہ ہیں۔ گو بعض اور وجوہ بھی بیان کیئے جاسکتے ہیں۔ اوّل ہر جنس کے مخالف اسباب ہوتے ہیں۔ اور اگر ایک ہی جنس متواتر اُگائی جائے۔ تو ان مخالف اسباب کی تعداد بڑھتی رہتی ہے۔ ایک جنس کے مخالف اسباب ضروری نہیں کہ دوسری جنس کے حق میں بھی مضر ہوں۔ گو ایسا بعض اوقات ہوتا ہے۔ اگر ہر سال جنس تبدیل کردیجائے۔ تو ہر جنس کے جو خاص خاص مخالف

اسباب ہیں۔ ان کی روک تھام ہو جاتی ہے۔ گو یہ ضروری نہیں کہ اُن کا پورے طور پر قلع قمع ہو جائے۔ ایک اصول کے مطابق کسی جنس کے جو مخالف اسباب معلوم ہے مثلاً کیڑے مکوڑے پھپھوندی وغیرہ اُن کے علاوہ خود پودوں میں جانوروں کی طرح یہ خاصیت ہوتی ہے۔ کہ اُن میں سے مادہ ہائے فاسد خارج ہوتے رہتے ہیں۔ جو خود اُن کے حق میں زہریلے ہوتے ہیں۔ اس لئے جب ایک ہی جنس کی نہایت گھنی گھنی فصلیں متواتر کئی سال کیلئے ہوتی رہیں تو اس کے بعد زمین اُس جنس کی پیداوار کے حق میں ناموزوں بن جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے بہت سے جانور اگر کسی تنگ جگہ میں کھچا کھچ بھرے ہوں اور مدت تک وہیں بند رہیں تو ہوا مسموم ہو جاتی ہے۔

تنوع پیداوار کی ایک اور وجہ یہ ہے۔ کہ مختلف اجناس زمین سے غذائے نباتی کے مختلف اجزا جذب کرتی ہیں اور مختلف مقداروں میں جذب کرتی ہیں۔ اس لئے اگر سوچ سمجھکر پیداوار میں تنوع کیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ زمین کی قوت نمو کم تیزی سے خرچ ہوگی۔ یا یہ کہیئے کہ زرخیزی کے جو مختلف اجزائے ترکیبی ہیں اُن میں زیادہ مدت کیلئے توازن قائم رہیگا۔ تنوع پیداوار کی تیسری وجہ گو بذاتِ خود چنداں اہم نہیں تاہم متوسط درجے کے کاشتکار کے دل کو بہت بھاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مختلف اجناس کیلئے سال کے مختلف حصوں میں محنت اور توجہ درکار ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک کاشتکار ایک ایسے علاقے میں رہتا ہے جہاں مکی پیدا ہوتی ہے۔ اگر اُس کے پاس کافی کام کرنے والے ہوں تو جتنی مکی وہ بو سکتا ہے۔ کاشت کر سکتا ہے۔ اور اس کی فصل کاٹ سکتا ہے اسکی ایک مقدار مقررہ کی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ مکی کے سوائے اور کوئی چیز نہ اُگائے تو ایسے وقت اور ایسے موسم بہت آئینگے۔ جب اُس کیلئے کوئی کام کرنے کو نہ ہوگا۔ مثلاً مکی کے کھیت میں ہل چلانے اور مکی اُگانے اور اس کے دانے الگ کرنے کے وقت کے درمیانی وقفہ میں وہ بالکل بیکار ہوگا۔ ایسے وقتوں میں اس کی قوتِ محنت ضائع ہو جائے گی۔ اگر وہ کوئی اور جنس بونی چاہیئے تاکہ فراغت کے وقتوں میں مصروف رہے۔ تو وہ اپنی قوتِ محنت میں بغیر کوئی اضافہ کئے ہوئے اور اپنی مکی کی فصل کو نقصان پہنچائے ایسا کر سکتا ہے

چھوٹے دانوں کی کوئی جنس ہو۔ یا بہتر یہ ہے کہ کوئی متصل ربیع کا غلہ ہو۔ مثلاً جئی یا اگر آب وہوا غلہ اور ربیع کے گیہوں دونوں کیلئے موافق ہو۔ تو ربیع کا گیہوں یہ چیزیں اُس کیلئے بہت موزون ہیں۔ ربیع کے گیہوں کو وہ ساون کے آغاز میں بو سکتا ہے۔ اور یہ وہ موسم ہوتا ہے کہ ابھی غلہ کے اگانے کا ٹھیک وقت نہیں ہوتا۔ رہا فصل کاٹنا اور اس کا چھڑنا تو یہ کام وہ مکئی کیلئے ہل چلانے اور اس کے دانے الگ کرنے کے درمیانی وقفہ میں کر سکتا ہے ؛

متقابل اور غیر متقابل اجناس۔ ان حالات کی بنا پر متقابل اور غیر متقابل اجناس کا باہمی فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ دو اجناس کو یا تو اس وقت ایک دوسرے کے متقابل اجناس کہا جاتا ہے۔ جب وہ زمین سے ایک ہی جیسے خواص کو جذب کریں۔ یا اس وقت جب وہ ایک ہی وقت میں کاشتکار کی توجہ کی محتاج ہوں۔ یعنی سال کے ایک ہی وقت میں کاشتکار کو ان کی ساخت پرداخت میں مصروف ہونا پڑے۔ یہ بات نہ ہو تو ان کو غیر متقابل اجناس کہا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ دو اجناس ایک لحاظ سے تو ایک دوسرے کے متقابل ہوتی ہیں۔ اور ایک لحاظ سے غیر متقابل اجناس کہا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو اجناس ایک لحاظ سے تو ایک دوسرے کے متقابل ہوتی ہیں اور ایک لحاظ سے غیر متقابل۔ تنوع پیداوار کی بہترین صورت یہ ہے کہ ایسی اجناس کی بیک وقت کاشت کی جائے۔ جو دونوں معنوں میں غیر متقابل ہوں۔ یہ اصول اسقدر اہم ہے کہ ہم قاعدہ کلیہ کے طور پر کہہ سکتے ہیں۔ کہ کوئی مزرعہ بغیر اس امر کے نفع بخش نہ ہوگا۔ کہ سال کے بیشتر حصے میں وہ مزدوروں کی ایک مستقل جماعت کیلئے مستقل اور باقاعدہ کام مہیا نہ کرے۔ اور تو اور شیرخانہ (dairying) کا کام بھی جسے ہم زراعت کی ایک انتہا درجے کی خاص قسم کہہ سکتے ہیں۔ شاذ و نادر نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔ جب تک کہ اس کے ساتھ ساتھ کسی قسم کی فصل فروخت کرنے کیلئے پیدا نہ کی جائے۔ جتنے آدمی صبح و شام دودھ دوہنے کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔ شاذ و نادر نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔ جب تک کہ اُس کے ساتھ ساتھ کسی قسم کی فصل فروخت کرنے کیلئے پیدا نہ کی جائے۔ جتنے آدمی صبح و شام دودھ دوہنے کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔ وہ گایوں کی خبرگیری کرنے اور ان کیلئے بھوسہ چارہ پیدا کرنے کیلئے کافی سے زیادہ ہوتے ہیں

یعنی اُن میں سے بہت سے فارغ رہتے ہیں۔ اب اگر کوئی اور پیداوار نہ کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اُن لوگوں کے وقت سے پورا پورا فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا۔ اگر کھیتی کی اجناس فروخت کیلئے پیدا کی جائیں۔ تو مزید اجناس اگانے کے مصارف دودھ پیدا کرنے کے مصارف ہی میں سے نکل آتے ہیں۔ یعنی نقطۂ نگاہ کو بدل کر یوں کہیئے۔ کہ یہ اجناس دودھ کی ضمنی پیداوار (by product) پیداوار ہوتے ہیں۔ اور ان پر بہت کم لاگت آتی ہے۔ ہمارے ملک میں مرغیوں وغیرہ کے بیوپار میں بہت کم فائدہ ہے۔ ہاں صرف ان مزروعوں میں کچھ فائدہ ہے۔ جہاں یہ صحیح معنوں میں دوسری اجناس کے مقابل نہ ہوں۔ اگر مرغیاں تھوڑی تعداد میں رکھی جائیں تو اپنا دانہ دنکا یہ خود ہی تلاش کر لیتی ہیں۔ ادھر ادھر کی بیکار پڑی ہوئی چیزوں اور کیڑوں مکوڑوں کو کھا کر گذارہ کرتی ہیں۔ اور زمین کو بالکل نقصان نہیں پہنچاتیں بلکہ اس کی زرخیزی کو بڑھاتی ہیں۔ علاوہ بریں مرغیوں کا بیوپار کاشتکار سے علیحدہ وقت نہیں چاہتا۔ کیونکہ عورتیں اور بچے مرغیوں کی رکھوالی کر لیتے ہیں۔ اس امر سے اس بات کے سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ کہ اگر کوئی شخص اکیلا مرغیوں کا بیوپار کرے۔ تو وہ اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جو مرغیوں کا بیوپار بھی کرے اور ساتھ ہی ساتھ کاشت کا کام بھی کرے البتہ اگر وہ یہ بیوپار بڑے پیمانہ پر شروع کرے۔ اور ہر طرح کی علمی واقفیت رکھتا ہو تو یہ اور بات ہے۔ جہاں پیداوار میں تنوع کرنے کے معنی یہ ہوں کہ اُن اجناس کی کاشت کی جائے۔ جو ایک دوسرے کے حریف اور مدمقابل نہ ہوں تو اختصاصیت (specialization) وہاں سے کوسوں دور ہوتی ہے ؎

اجناس کا باری باری اُگانا۔ تنوع پیداوار کا مطلب عام طور پر یہ ہوتا ہے۔ کہ پودے باری باری اگائے جائیں۔ ہمارے ملک میں کئی کا جو وسیع علاقہ ہے۔ اُس کے بیشتر حصے میں اگرچہ بیشمار تدبیریں کی جاسکتی ہیں۔ لیکن بہترین تدبیر یہ ہے۔ کہ تین سال کی مدت میں کئی جئی اور ٹیپنیا گھاس باری باری اُگائے جائیں۔ اگر مزرعہ کی قابل زراعت زمین تین حصوں میں منقسم ہو۔ اور ہر حصے میں باری باری اُن میں سے ایک ایک جنس اُگائی جائے تو یہ اجناس دونوں معنوں میں غیر متقابل ثابت ہونگی۔ تنوع پیداوار میں ایک بڑی

رکاوٹ یہ ہوتی ہے کہ ایسی عمدہ اجناس نہیں ملتیں۔ کہ اُن کو باری باری اُگایا جائے۔ مثلاً مکی۔ گیہوں اور پنیا گھاس کو یکجا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ جب مکی کی فصل کاٹی جا چکے۔ تو اس کے فوراً بعد خریف کا گیہوں نہیں ہو سکتا۔ اور ربیع کا گیہوں مکی کے علاقے کے شمال کی طرف بہت دور بویا جاتا ہے۔

کپاس کے علاقے میں تنوع پیداوار کے لئے ایک مزاحمت عظیم یہ ہے۔ کہ کپاس کے ساتھ کوئی ایسی جنس بونے کو نہیں ملی جو غیر متقابل ہو۔ کیونکہ کپاس کاشتکار کا بہت سا وقت لے لیتی ہے۔ جس زمین میں کپاس اگتی ہو۔ گو وہ عموماً مکی کے حق میں اچھی ہوتی ہے تاہم دو اجناس تقریباً ایک ہی موسم میں کاشتکار کی توجہ کی متقاضی ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ اگر وہ ہر ایک ایکڑ زمین مکئی کے کھیت میں اور شامل کرے تو وہ ہر کپاس کے پودوں سے ایک ایکڑ کم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قدرتی طور پر وہ ان دونوں میں سے اس جنس کو زیادہ وقت دیتا ہے۔ جو زیادہ نفع بخش ہو۔

بڑے متوسط اور چھوٹے پیمانے کی کاشت۔ ایک اور اہم اور بنیادی مسئلہ جو مزارعہ کے منیجر کو حل کرنا پڑتا ہے۔ یہ ہے کہ کاشت کا کام کس پیمانے پر کیا جائے۔ بعض اوقات مزرعہ کا رقبہ اصل کی مقدار اور اس کے اعتبار کی حد (extent of his credit) یہ باتیں اس مسئلے کو خود بخود حل کر دیتی ہیں۔ لیکن اگر اُسے ایک قابل کاشتکار کی شہرت حاصل ہو تو وہ جتنی زمین کی کاشت کامیاب طور پر اور بکفایت کر سکتا ہے۔ اُتنی زمین اُسے کرایہ پر مل سکتی ہے۔ اور جتنے اصل کی اُسے ضرورت ہو اتنا اصل اُسے قرض پر مل سکتا ہے۔ اگر بڑے پیمانے پر کاشت بمقابلہ چھوٹے پیمانے پر کاشت شروع کرنے کے نمایاں طور پر زیادہ نفع بخش ہوتی۔ تو اس کو بڑے پیمانے پر کاشت شروع کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آ سکتی تھی۔ لیکن چونکہ بڑے پیمانے پر کاشت عموماً کم نفع بخش ہوتی ہے اور بڑے پیمانے پر کاشت کرنے والے متوسط پیمانے پر کاشت کرنے والوں کی بہ نسبت زیادہ ناکام رہتے ہیں۔ اسلئے بڑے پیمانے پر زمین لگان پر لینا اور اصل قرض پر لینا مشکل ہے۔

بڑے متوسط اور چھوٹے پیمانے کی کاشت کے درمیان کوئی حدِ فاصل قائم کرنا محال ہے۔ مزرعہ کا رقبہ بحساب ایکڑوں کے اس امر کا کوئی معیار نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ دس ایکڑ زمین میں اگر کاشت عمیق کی جائے۔ تو بہ نسبت اس کے کہ ہزار ایکڑوں میں کاشت وسیع کی جائے زیادہ اصل خرچ ہو جائے اور زیادہ محنت صرف ہو۔ بغرض بحث ہم بڑے پیمانے کی کاشت کی تعریف یوں کئے دیتے ہیں۔ کہ اگر کسی مزرعہ میں اتنی کافی زمین۔ اتنا کافی سرمایہ اور اتنے کافی آدمی ہوں۔ کہ مینجر کیلئے اپنا تمام وقت کاشت کے کام کی نگرانی اور انتظام میں خرچ کرنا کفایت میں داخل ہو اور دستی کام تمام مزدوروں کے ذمے ہو جو اسکی زیرِ ہدایت کام کرتے ہوں تو اس مزرعہ میں بڑے پیمانے پر کاشت کی جاتی ہے۔ اگر ایک مویشی کی چراگاہ ہو۔ جس کا رقبہ وسیع ہو اور جس میں بہت سا اصل ذخیرہ کی صورت میں لگایا گیا ہو۔ اور اس میں قلیل التعداد آدمی کام کریں۔ تو وہ برابر ہونگے ان کثیر التعداد آدمیوں کے جو تھوڑے سے رقبہ زمین میں جس میں بازاری ترکاریاں اُگائی جاتی ہیں کام کرتے ہیں۔ وہ چیز جس کی بنا پر ہم کسی مزرعہ کو بڑا مزرعہ کہتے ہیں نہ اکیلے آدمیوں کی تعداد ہے اور نہ اکیلا رقبہ زمین بلکہ تمام کاروبار کا پیمانہ من حیث الکل متوسط پیمانے کی کاشت سے مراد وہ طریقۂ کاشت ہے۔ جس کے مطابق مینجر بیشتر کام بذاتِ خود انجام دیتا ہے۔ یعنی وہ خود اُس کا خاندان اور اِکا دکا اُجرتی مزدور کام کرتے ہیں۔ اور رقبہ زمین اتنا بڑا ہوتا ہے کہ مینجر کی تمام قوتِ محنت معہ گھوڑوں۔ اوزاروں۔ آلات اور مشینوں کے جو اس قوتِ محنت سے پورا پورا کام لینے کیلئے ضروری ہے۔ اُس پر خرچ ہوتی ہے۔ رقبہ جس طرح کی جنس بوئی جائے۔ اُس کے مطابق چاہے بڑا ہو چاہے چھوٹا۔ لیکن وہ اتنا بڑا ضرور ہونا چاہیئے کہ مشینوں اور اوزاروں وغیرہ کا استعمال کفایت سے کیا جا سکے۔ ہمارے وسطی مغربی حصےّ کے اناج اور بھوسہ کے رقبوں میں سو سے لیکر دو سو ایکڑ تک یا اوسطاً ۱۶۰ ایکڑوں پر یہ تعریف صادق آتی ہے

چھوٹے پیمانے کی کاشت سے مراد ایک ایسا طریقۂ کاشت ہے جو بعض یورپی ممالک کے چھوٹے چھوٹے کسانوں میں اور خاص طور پر جاپان۔ چین اور مشرق بعیدہ کے

بعض ممالک میں مروج ہے۔ یہ طریقہ حسب ذیل ہے۔ ایک چھوٹا سا قطعہ زمین جو وراثتاً یا کسی اور ذریعے سے کسی شخص کے قبضے میں آ جاتا ہے۔ اُس سے وہ شخص اپنی روزی کماتا ہے۔ اور وہ طریقے اختیار نہیں کرتا۔ جو فصل بالکفایت پیدائش کیلئے موزوں ہیں۔ بلکہ ایسے طریقے اختیار کرتا ہے۔ جو مزرعہ کے چھوٹے رقبے کے مناسب حال ہوں۔ اگر مزرعہ کافی بڑا ہو۔ تو فصل کاٹنے کی مشین یا غلّہ کے گٹھے باندھنے والی کل فصل کاٹنے کیلئے بہت خوب چیز ہے۔ لیکن زمین کے ان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں یہ چیزیں گیہوں کاٹنے کے حق میں بالکل نکمّی ہیں۔ اگرچہ گیہوں یا چاول کے ہرے پودوں کو ایک جگہ سے اُکھاڑ کر دوسری جگہ لے جانا کفایت کے منافی ہے۔ اور ایک بے ثمر اور لاحاصل طریقہ ہے۔ کیونکہ اس سے انسانی طاقت نہایت افسوسناک طور پر ضایع ہوتی ہے۔ تاہم جب اس بات کا خیال کیا جائے۔ کہ ان کسانوں کے پاس کتنے چھوٹے چھوٹے قطعے ہوتے ہیں۔ اور پھر انہی قطعوں کی پیداوار سے اُن کو اپنا پیٹ بھی پالنا ہوتا ہے۔ تو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جو طریقہ وہ اختیار کرتے ہیں وہ اس قسم کی کاشت کیلئے نہایت موزوں ہے۔ کیونکہ اس سے پیداوار فی ایکڑ ڈیوڑھ جاتی ہے یہ بات بیشک درست ہے۔ کہ اس طرح گیہوں اُگانے کے مصارف جہاں تک انسانی محنت کا تعلق ہے بمقابلہ زیادہ ترقی یافتہ ملکوں کے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ تاہم ان کسانوں کی مختصر جوت پر اس بات کا مطلق اثر نہیں ہوتا۔ وہ مجبور ہیں کہ جو زمین اُن کے پاس ہے اُنہی سے جس طرح ہو سکے روزی کمائیں۔ ورنہ بیچاروں کو فاقوں مرنا پڑیگا۔ اس لئے زمین سے جتنا کچھ حاصل ہو سکے اور چاہے کیسی محنت شاقہ سے حاصل ہو سکے۔ وہ اُسی پر قانع ہیں اُن کی روزی کا سہارا ان کی محنت کا ثمرہ نہیں بلکہ اُن کی زمین کی پیداوار ہی ہے۔ اسلئے وہ محنت کی چنداں پرواہ نہیں کرتے۔

متوسط پیمانے کی کاشت کی فوقیت۔ ہمارے ملک میں بلاشک وشبہ متوسط پیمانے پر کاشت کرنے کی طرف لوگوں کا رجحان زیادہ ہے اور وہ اس بارے میں افراط و تفریط دونوں سے گریز کرتے ہیں۔ دستکاری۔ باربرداری اور سکانکنی فی الجملہ بڑے پیمانے کی پیدائش کی طرف مائل ہیں۔ لیکن زراعت جو ہماری تمام صنعتوں میں سب سے بڑی

صنعت ہے۔ اس کا اب تک یہ حال ہے کہ متوسط الحال آدمی اس میں خود اپنا آجر (employer) بن سکتا ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ چند بڑے بڑے مزرعے بھی بنائے گئے ہیں۔ لیکن عام طور پر وہ متوسط پیمانے کے مزرعوں سے کم کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔ اور اتنے بڑے بڑے زراعتی کاروبار اب آہستہ آہستہ معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔ بڑے پیمانے کی پیدائش میں بیشک چند فائدے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی چند بڑی دقتیں اور نقصانات بھی ہیں۔ اور عام لوگوں کا تجربہ یہ بتاتا ہے۔ کہ اس کے نقصانات فائدوں سے زیادہ ہیں۔

بڑے پیمانے کی پیدائش کے فوائد۔ زراعت میں بڑے پیمانے پر پیدائش کے فوائد ہی ہیں۔ جو اور صنعتوں میں ہوتے ہیں۔ اور وہ حسب ذیل ہیں۔ اوّل۔ مہارت کے بارے میں کفایت۔ دوسرے ساز و سامان کے بارے میں کفایت۔ تیسرے خرید و فروخت کے بارے میں کفایت۔

مہارت کے بارے میں کفایت اُس وقت ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص جو کسی کام میں مہارت رکھتا ہو اپنا تمام وقت اس کام میں صرف کر سکے۔ اگر اس قسم کا کوئی کام اسکو صرف اتنا مل سکے کہ اس وقت کا کچھ حصہ اس میں صرف ہو تو باقی جو وقت بچ رہے۔ اُس میں اُسے بیکار رہنا پڑے گا۔ یا کوئی اس سے ادنیٰ درجہ کام کرنا پڑیگا۔ جو اس سے کم ہنرمند آدمی بھی کر سکتا تھا۔ بڑے مزرعہ میں بہ نسبت چھوٹے مزرعہ کے ایسے شخص کو اتنا با مہارت کام کہ وہ تمام وقت مصروف رہ سکے ملنے کا زیادہ امکان ہے۔ مثلاً ممکن ہے کہ کاشتکار خود ایک ماہر اور کار آگاہ مینجر ہو۔ ایک بڑے مزرعہ میں بہت سے آدمی اس کے زیر ہدایت کام کر سکتے ہیں۔ اور اس طرح اسکی مہارت سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ ایک چھوٹے مزرعہ میں کسی قدر تھوڑے آدمی اس کی مہارت سے فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ ایک بہت سے چھوٹے مزرعہ میں ممکن ہے۔ اس کو دستی کام اور قوتِ جسمانی کا کام سارے کا سارا یا اس کا بہت سا حصہ خود کرنا پڑے۔ حالانکہ اُس سے کم اُجرت والا آدمی بھی یہ کام اتنا ہی اچھا کر سکتا تھا۔ بہرحال بڑے پیمانے پر کاشت کرنے کا جو یہ فائدہ ہے کہ مینجر کی مہارت سے مکمل فائدہ اُٹھایا

جا سکتا ہے ۔ اس کے علاوہ مہارت کی کفایت کا موقعہ اس میں بہت کم ہے ۔ تاہم مینجری کی مہارت کا استعمال بکفایت بلا شک وشبہ بہترین طور پہ بڑے پیمانے کی کاشت ہی میں ہو سکتا ہے ۔ پروفیسر الیفریڈ مارشل (Alfred Marshall) اس موضوع پر یوں اظہار رائے کرتے ہیں ۔

" ایک بڑے کاروبار کا منتظم چاہے تو اپنی قوتوں کو اپنے کاروبار کے اور بنیادی امور کیلئے وقف کر سکتا ہے ۔ اُس کو اس بات کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیئے کہ اُس کے ماتحت مینجر ۔ کلرک اور فورمین اپنے اپنے فن میں طاق ہیں ۔ اور اپنا کام ٹھیک ٹھیک انجام دیتے ہوں ۔ لیکن جزئی امور کے متعلق اُس کو تکلیف کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ۔ وہ اگر چاہے تو چھوٹی چھوٹی باتوں کو دوسروں پر چھوڑ دے اور اپنے کاروبار کے اہم اور دقیق مسائل پر غور کرنے کیلئے اپنے دماغ کو تازہ رکھے ۔ ان باتوں کا خیال رکھے کہ بازار کے حالات میں کیا کیا تغیرات ہوتے ہیں ۔ اور ملک اور بیرونِ ملک میں جو واقعات رونما ہو رہے ہیں اُن کے نتائج وعواقب کیا ہونگے ۔ اور یہ تدبیریں سوچے ۔ کہ کاروبار کے اندرونی و بیرونی انتظامات کو کیونکر بہتر بنایا جا سکتا ہے ۔ وہ شخص جو کسی چھوٹے سے کاروبار کا مالک ہو اس میں اس قسم کے مسائل پر غور وفکر کرنے کی قابلیت ہو بھی تو اسے اتنی فرصت نہیں ہوتی ۔ وہ اپنی تجارت پر اتنی وسیع نظر نہیں ڈال سکتا ۔ اور نہ آئندہ کے متعلق تدابیر سوچ سکتا ہے ۔ اکثر معاملات میں اُسے دوسروں کی تقلید کرنی پڑتی ہے اور بہت سا وقت اُسے ایسے کاموں میں صرف کرنا پڑتا ہے جو اس کے شایانِ شان نہیں ۔ اگر اس کو اپنے کاروبار میں کامیاب ہونا منظور ہے تو اس کا دماغ اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہیئے ۔ اور اُس میں کافی اجتہاد ذاتی اور قابلیت انتظام ہونی چاہیئے ۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اس کو بہت سا ادنیٰ درجہ کا روز مرہ کا کام کرنا پڑتا ہے ۔"

سازوسامان کے بارے میں کفایت اُس وقت ہوتی ہے ۔ جب کسی محنت بچانے والی مشین سے پورا پورا کام لیا جائے ۔ یہ بات بہ نسبت ایک چھوٹے مزرعہ کے ایک بڑے مزرعہ میں ہونی آسان ہے ۔ ایک چھوٹے مزرعہ میں مشین صرف تھوڑے سے

وقت کیلئے چلائی جا سکتی ہے۔ اور اگر مزرعہ بہت ہی چھوٹا ہو تو بے حد تھوڑے وقت کیلئے اُس سے کام لیا جا سکتا۔ اس لئے اُس کے بغیر گذارہ کرنا اور ہاتھوں سے کام کر لینا بہتر رہے۔ مثلاً ایک غلہ کے گٹھے باندھنے والی کل چھوٹے مزرعہ میں صرف فصل کاٹنے کے دنوں میں استعمال ہو سکتی ہے۔ اور جہاں فصل ہی بہت تھوڑی سی ہوتی ہو۔ وہاں اس کو ہاتھوں سے کاٹ لینا سستا پڑتا ہے۔ تاہم مشینری سے چھوٹے چھوٹے کاشتکار تعاون اور امداد باہمی سے اُتنا ہی فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جتنا بڑے بڑے کاشتکار اُٹھاتے ہیں۔ یہ قول مغربِ وسطی میں اناج کے گاہنے اور چھڑنے پر بالخصوص صادق آتا ہے۔

خرید و فروخت میں کفایت بعض اوقات یوں ہوتی ہے کہ بڑے کاشتکار کو چونکہ زیادہ مقدار میں چیزیں خریدنے کی ضرورت رہتی ہے۔ اس لئے وہ بازار کے حالات کا خیال رکھنے میں زیادہ توجہ سے کام لیتا ہے۔ اور جب کبھی ضرورت پڑے تو بجائے خردہ کے تھوک کی قیمتوں پر چیزیں خرید سکتا ہے۔ اس طرح چونکہ اُس کے پاس بہت سی مقدار بیچنے کو ہوتی ہے۔ اسلئے بیچنے میں بھی وہ بازار کے حالات کا زیادہ خیال رکھتا ہے۔ اور بعض اوقات جنس کو موٹر یا ریل گاڑی کے ذریعے جہاز پر پہنچانے کا جو کرایہ اُسے دینا پڑتا ہے اُس میں اُس کے ساتھ رعایت ہو جاتی ہے۔ اگر خاص خاص زراعتی اشیا مثلاً نفیس مال عمدہ عمدہ پھل وغیرہ پیدا کرنے کے معاملے کو لیجئے۔ جن کیلئے ایک خاص قیمت مل سکتی ہے۔ جو شخص بڑے پیمانے پر ان کی کاشت کرتا ہے۔ وہ بہ نسبت چھوٹے پیمانے پر کاشت کرنے والے کے زیادہ کامیابی اور کفایت سے اشتہار دے سکتا ہے۔ لیکن منڈی کے اجناس کے پیدا کرنے والے کیلئے یہ کوئی نفع کی بات نہیں۔ کیونکہ منڈی کے اجناس بازار کے مقررہ نرخ پر بکینگی۔ اس لئے اُن کا اشتہار دینا فضول ہے۔

بڑے پیمانے کی کاشت کے نقصانات۔ بڑے پیمانے پر کاشت کرنے کی دقتیں یا نقصانات تین گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ یعنی ہندستی۔ موسمی اور مزاجی۔ ہندسی مشکلات اس امر کا نتیجہ ہیں۔ کہ کاشت کیلئے لازمی طور پر کافی جگہ یا سطحی رقبہ

ہونا چاہیئے ۔ اور نو اور کاشت عمیق اور باغبانی وغیرہ جو بڑے پیمانے کی کاشت کیلئے سب سے زیادہ موزوں ہیں ۔ یہ بھی دوسری صنعتوں کے مقابلے میں زیادہ جگہ چاہتی ہیں ۔ اس لئے بڑے پیمانے پر کاشت کرنے کیلئے بہت سی کھلی جگہ یا وسیع رقبہ زمین لازمی درکار ہوتا ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے ۔ کہ مزرعہ کے ایک حصے سے دوسرے حصہ تک جانے میں اور آلات اور مشین ، بیج اور فصل وغیرہ لے جانے میں اور خاص کر کام پر جانے اور واپس آنے میں بہت سی قوت اور وقت صرف ہوتا ہے ۔ علاوہ بریں نگرانی اور انتظام کی تکلیفیں اس سے بڑھ جاتی ہیں ۔ مینجر مزرعہ کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں جلد نہیں پہنچ سکتا ۔ جیسا کہ ایک مال گودام یا کارخانہ میں ممکن ہے ۔ اسی وجہ سے مزرعہ کا قطعہ ایک تھوڑا سا حصہ ایک وقت میں اس کے زیر نگرانی رہ سکتا ہے ۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے ۔ کہ ایک قسم کی جو مہارت بڑے پیمانے کی کاشت میں کام آسکتی ہے یعنی قابلیت انتظام اس سے فائدہ اٹھانے کا امکان بھی محدود ہو جاتا ہے ۔ یہ امکان موسمی مشکلات کی وجہ سے اور بھی زیادہ محدود ہو جاتا ہے ۔ ایک کارخانہ میں بعض کام ایسے ہوتے ہیں ۔ جو سال بھر متواتر کئے جاتے ہیں ۔ اگر ایک آدمی کو کسی ایسے کام پر لگا دیا جائے ۔ تو کسی قدر نگرانی اور حساب کی جانچ پڑتال کی ضرورت ہو تو ہو ۔ ورنہ یہ دیکھنے کیلئے کہ وہ پورا وقت سپرد شدہ کام میں لگاتا ہے ۔ یا نہیں اور اسے تسلی بخش طور پر کرتا ہے یا نہیں کسی مزید توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ اس لئے ایک اکیلا آدمی اپنے دماغ اور جدید کاروباری طریقوں اور جانچ پڑتال کے قاعدوں کی مدد سے ایک وسیع پیمانے کے کاروبار کا جن میں اس قسم کے آدمی کام کرتے ہوں ۔ بخوبی اہتمام و انتظام کر سکتا ہے ۔ جب آدمیوں کو ایک مرتبہ کسی ترتیب اور قاعدے کے مطابق کام پر لگا یا جائے ۔ تو اسکے بعد مینجر کا کام صرف اتنا ہوتا ہے ۔ کہ ان لوگوں کو بطریق احسن اپنے اپنے کام میں مصروف رکھے ۔ اس لئے مینجر ذہین اور مستعد ہو ۔ تو وہ اکیلا متعدد آدمیوں اور مشینوں کے مجموعہ کا اہتمام کر سکتا ہے ۔ لیکن بڑے پیمانہ کی کاشت کا معاملہ بڑے پیمانوں کے کارخانوں سے بالکل جدا ہے ۔ جہاں کئی ہزار یا چلئے کئی سو آدمیوں کو کاشت کے موسم میں بار بار کاموں کی

نوعیت کے مطابق تبدیل کرنا ہو۔ اور مختلف کاموں پر لگانا ہو۔ وہاں ایک اکیلا دماغ کیا کر سکتا ہے۔ آدمیوں کی ایک بڑی جماعت جس کے ایک ایک فرد کو سارا سال ایک ہی کام کرنا ہو۔ اُس کا انتظام جدا بات ہے۔ اور ایک بڑی جماعت جس کے ہر فرد کا کام آئے دن بدلتا رہے اس کا انتظام کرنا بالکل جُدا۔ ایک مزرعہ میں مہینے مہینے کے بعد ہفتے ہفتے کے بعد اور کبھی کبھی ہر گھنٹے آدمیوں کا کام تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اس تبدیلی کے باعث یہی نہیں کہ صرف نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ سارے کے سارے کام کی نئے سرے سے تنظیم کرنی پڑتی ہے۔ اور ہر آدمی کو مختلف نئے کام سپرد کرنے پڑتے ہیں۔ نگرانی کا کام بھی بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اسلئے کہ جانچ پڑتال کے کسی مقررہ طریقے سے کام کرنے والوں کے کام کا یا اُن کے کام کی نوعیت اور مقدار کا کوئی حساب نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اسی پر منحصر نہیں۔ کہ موسم کے معمولی تغیرات کے مطابق کام تبدیل ہوتا ہے۔ بلکہ اکثر غیر معمولی اور غیر متوقعہ تبدیلیاں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً طوفان۔ طغیانی۔ آتش زنی کیڑے مکوڑے۔ ٹڈی دل وغیرہ وغیرہ اور اُن کے مطابق نئے سرے سے آدمیوں کے کام کی تقسیم کرنی پڑتی ہے۔ فصل کے دنوں میں اگر یکایک بارش شروع ہو جائے تو بیٹھے بٹھائے سارے دن کے کام کا نقشہ بگڑ جاتا ہے۔ اور گھنٹے بھر میں نئے سرے سے کام کی تقسیم ضروری ہو جاتی ہے۔ سارے کام کرنے والوں کو از سرِ نو ایسے کام سپرد کرنے پڑتے ہیں۔ جو انہوں نے غالباً کبھی عمر بھر میں نہیں کئے اور اس لئے اُن کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے ایک درجن آدمیوں سے کام لینے کیلئے اعلیٰ درجے کی ذہانت۔ حاضر دماغی۔ حُسنِ تدبیر اور قابلیتِ نظم و نسق درکار ہے۔ سو آدمیوں سے کام لینے کیلئے ایک فوجی کمانڈر یا ایک رئیس التجار یا ایک ریلوے کے کروڑپتی سیٹھ کی قابلیت درکار ہے اور ہزار آدمیوں سے کامیابی کے ساتھ کام لینا ایسے طور پر کہ اس میں محنت کی کفایت ہو سکے۔ یہ قوتِ بشری کیلئے محال ہے۔ ہندسی وقتوں میں جب ان موسمی مشکلات کا اضافہ ہو جائے۔ تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کاشتکاری بمقابلہ دستکاری۔ کانکنی۔ باربرداری وغیرہ کے چھوٹے پیمانے پر ہونی چاہیئے۔ اگر اس کلیہ کی مستثنیات صرف ان خطوں میں پائی جاتی ہیں ...

جہاں موسم اور آب و ہوا کی کیفیت نمایاں طور پر مستقل اور غیر متغیر ہوتی ہے۔ یعنی مغرب کے بعض نیم بنجر علاقوں کے بعض۔ . . . . قطعوں میں تاہم وہاں بھی بڑے پیمانے کی کاشت اُسی صورت میں کامیاب ہوتی ہے۔ کہ پیداوار نہایت معمولی درجے کی کی جائے۔ اور جو مشکلات بیان کی گئیں۔ ان کے علاوہ مزرعہ کے منیجر کو بعض مشکلات کا بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ جو اُسکے کارکنوں کے مزاج کی خصوصیات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ مشکلات ایسی ہیں کہ ان کا سمجھنا اتنا آسان نہیں جتنا کہ اوپر کی مشکلات کا سمجھنا آسان تھا۔ جو لوگ کھیتوں میں کام کرتے ہیں بالعموم ان لوگوں کی بہ نسبت جو شہر کے کارخانوں وغیرہ میں کام کرتے ہیں۔ زیادہ آزاد منش اور انانیت پسند ہوتے ہیں۔ جو لوگ اپنے ہم جنسوں کے میل جول کے بھوکے ہیں۔ جو اکیلے کام کرنا پسند نہیں کرتے۔ جو دوسروں سے بہت جلد گھل مل جاتے ہیں۔ اُن لوگوں کو اگر شہر میں کام مل سکے تو کھیتوں میں کام کرنے سے کتراتے ہیں۔ چونکہ شہر کے کاروبار گاؤں سے آدمیوں کو کھینچے لئے جاتے ہیں۔ اس لئے بالعموم جو لوگ کھیتوں کو چھوڑ کر شہر میں نہیں جاتے وہ وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جن کو شہر کی دلفریبیاں نہیں بھاتیں۔ یہ لوگ بعید خود پسند اور اکھڑ ہوتے ہیں۔ اور قواعد کی پابندیوں سے اور دوسروں کی حکومت سے گھبراتے ہیں ان پر اکیلے اکیلے منیجر کیلئے بڑی تعداد میں ان لوگوں کو اپنی ہدایات پر چلانا اور بھی مشکل کام ہو جاتا ہے۔ چھوٹے پیمانے پر کاشت کرنے والا اس بنا پر بمقابلہ بڑے پیمانے پر کاشت کرنے والے کے فائدے میں رہتا ہے۔

بہرحال متوسط پیمانۂ پیدائش کو وسیع پیدائش کے مقابلے میں جو سب سے بڑا فائدہ حاصل ہے وہ یہ ہے کہ متوسط پیمانے کی صورت میں کام ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ جو براہ راست ذاتی طور پر کچھ دلچسپی رکھتے ہیں اور نتائج سے بے نیاز نہیں ہوتے۔ اسلئے کوئی پیچیدہ مشکلات با آجر و مزدور کے باہمی تعلقات کے متعلق کوئی مسائل اُن کے کام میں حارج نہیں ہوتے۔ بالفرض اگر بڑے پیمانے کی کاشت صنعتی نقطۂ نگاہ سے زیادہ کارآمد ہوتی بھی تو اس صورت میں بھی یہ معاشرتی فائدے جو متوسط پیمانے کی کاشت کو حاصل ہیں مقابلے میں اس کا پلہ بھاری رکھتے۔ اور

بڑے پیمانے کی کاشت کو اُس کے سامنے ٹھہرنے نہ دیتے۔ جہاں کہیں بہت سے اُجرتی مزدور جو کھیتی باڑی کا کام کرتے ہوں ملکر رہیں تو اُن میں ایک فرقہ دارانہ ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر اُن کا آجر اُن کا کام بڑھانے کی کوشش کرے تو یہ اتفاق باہمی سے اُس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اس کی کوششوں کو پنپنے نہیں دیتے۔ وہ یہ مطالبے کرتے ہیں کہ کام کا وقت کم کیا جائے۔ تعطیلیں زیادہ دی جائیں اور بہت سی رعائتیں کیجائیں یہ سب باتیں مل ملا کر اُس کاشتکار کیلئے جو اُجرتی مزدوروں کا محتاج ہے بمقابلہ اُس کاشتکار کے جو خود اپنا کام کر سکتا ہے دشواریاں پیدا کر دیتی ہیں۔ بنا بریں اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ صنعتی نقطہ نگاہ سے بھی بڑے پیمانے کی پیدائش قطعی اور یقینی طور پر فائدے میں نہیں رہتی اور چھوٹے پیمانے کی پیدائش کو معاشرتی فائدے حاصل ہیں وہ قطعی اور یقینی ہیں۔ یہ کہنا پڑتا ہے کہ جب تک معاشرتی ماحول یہی رہیگا۔ جو آجکل موجود ہے۔ اس وقت تک چھوٹے پیمانے کی پیدائش زیادہ نفع بخش ہوگی۔

تاہم بعض معاشرتی حالات ایسے ہیں جو اس صورت حالات کو تبدیل کر سکتے ہیں اور صنعتی اعتبار سے بڑے پیمانے کی پیدائش کا پلہ بھاری کر سکتے ہیں۔ یہ بات ہر کوئی جانتا ہے۔ کہ جہاں غلاموں کو مزدور مقرر کیا جائے۔ وہاں یقیناً بڑے پیمانے کی پیدائش لازم آتی ہے غلاموں کی محنت لازمی طور پر ادنیٰ درجے کی ہوتی ہے اور دوسروں کی ہدایت اور رہنمائی کی محتاج ہوتی ہے۔ غلاموں کیلئے ضروری ہے کہ وہ براہ راست کسی نگرانِ کار یا داروغہ کے زیر ہدایت کام کریں۔ نگران غیر معمولی لیاقت کا آدمی ہونا چاہیئے۔ اس لئے اسکی تنخواہ بھی خاص طور پر زیادہ ہوگی۔ دو تین غلاموں کے کام کی نگرانی پر ایسے اشخاص کا مقررہ کرنا صریح طور پر فضول خرچی ہے اور چاہیے مالک اپنے طور پر مہتمم کے فرائض انجام دے لے تاہم غلاموں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے کام کی نگرانی اُسکے لئے بھی غیر مفید ہوگی۔ اگر نگران کی قابلیت سے اور اس کے وقت سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا ہو تو ضروری امر ہے کہ غلاموں کی ایک معقول تعداد ہو۔ اور کافی رقبہ زمین ہو۔ جس کے معنی ہیں بڑے پیمانے پر کاشت۔ یہ تو ہے غلاموں سے کام لینے کا لازمی نتیجہ! لیکن غلاموں ہی پر کچھ منحصر نہیں جہاں کہیں بھی ادنےٰ درجہ کے

مزدوروں سے جو خود اپنی رہنمائی نہیں کر سکتے" عام اس سے کہ وہ غلام ہوں یا آزاد۔ بڑی تعداد میں کام لیا جائیگا۔ وہاں نتیجہ یہی ہوگا۔ کہ لازمی طور پر بڑے پیمانے کی کاشت کرنی پڑیگی۔ اگر زراعتی مزدور کھیتی باڑی کا کام خود بخود کرنا نہیں جانتے۔ اور کسی شخص کی براہ راست نگرانی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ تو صاف بات ہے۔ کہ اُن کے اوپر کوئی نگران ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر ایک نگران دو یا تین آزاد مزدوروں کے کام کی نگرانی کرنے لگے تو یہ بھی ویسی ہی بے سود ہے جیسی اُس صورت میں ہوتی۔ کہ وہ دو یا تین غلاموں کے کام کی نگرانی پر مقرر کیا جاتا نتیجہ یہ ہوگا کہ بڑے پیمانہ کی پیدائش کا پلہ متوسط یا چھوٹے پیمانے کی پیدائش پر بھاری رہیگا کیونکہ اُس میں آدمیوں کو ٹولیوں میں تقسیم کر کے اُن سے کام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر کھیتی باڑی کا کام کرنے والے مزدوروں میں ذہانت۔ قابلیت اور جوش پیدا ہو جائے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ بڑے پیمانے کی کاشت سب پر فائق رہے۔ اس صورت میں جو شخص بڑے پیمانے کی پیدائش کا حامی ہو۔ اس کیلئے صرف ایک بات ممکن ہے۔ وہ یہ کہ سستی اُجرتوں پر گھٹیا درجے کے مزدور جوق در جوق باہر سے لے آئے۔ اور اپنے وطن کے آزاد منش اور خود دار کاشتکاروں کو نکال باہر کرے۔"

مقابلہ سستے داموں میسر آئے یا مہنگے داموں؟ ہماری آبادی کے مختلف طبقوں کے مفاد (Class interests) کے درمیان جو مقابلہ جاری ہے۔ اُس کی ایک بنیادی وجہ کا اظہار عبارت بالا سے ہوتا ہے۔ وہ طبقہ جو زمین کا مالک ہے۔ لیکن اپنے ہاتھوں سے کام نہیں کرتا۔ اور جس کی تعداد ہمارے ملک میں کم ہے۔ اُس کی مصلحت اس میں ہے کہ سستی اُجرتوں پر بہت سے مزدور اُسے مل جائیں۔ جن کی مدد سے وہ زمین کی کاشت زیادہ نفع بخش طریقے سے کر سکے اور اپنی آمدنی بڑھا سکے وہ طبقہ جو اپنے ہاتھوں سے محنت کرتا ہے۔ لیکن زمین کا مالک نہیں۔ اُس کی مصلحت صریح طور پر اس میں ہے کہ محنت کی اُجرت مہنگی رہے لیکن متوسط طبقہ جو زمین کا بھی مالک ہوتا ہے اور محنت بھی اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے۔ اس کے اغراض اور مصالح کچھ اس طرف ہیں کچھ اُس طرف۔ یا دونوں کے بین بین۔ اس طبقہ کے افراد بحیثیت مالکان زمین کے یہ چاہتے ہیں کہ کرایہ بہت ملے۔ لیکن بحیثیت محنت کرنے والوں کے

وہ یہ چاہتے ہیں۔ کہ محنت کا صلہ بیش از پیش ملے۔ جب تک ہمارے ملک کے کاشتکار اکثر اس طبقے کے افراد ہیں۔ اس وقت تک اس بات کا امکان نہیں کہ زمین کے مالکوں اور اُجرت لینے والوں کے درمیان کوئی تنازعہ یا کشمکش ہو۔ اگر سستی اُجرت پر کثیر التعداد مزدور دستیاب ہونے لگیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ طبقوں میں تفریق ہو جائیگی۔ جب تک ہمیں سستی زمین اور مہنگے داموں پر مزدور ملتے ہیں۔ اُسی وقت تک ہر شخص کیلئے یہ آسان ہے کہ مزدور سے ترقی کر کے مزرعہ کا مالک بن جائے۔ اُجرت چونکہ زیادہ ہے۔ اس لئے مزدور کیلئے پس انداز کرنا آسان ہے۔ پھر زمین چونکہ سستی ہے۔ اس لئے اس کیلئے زمین سہل الحصول ہے اس لئے جو مزدور ذرا جزرسی اور دوراندیشی سے کام لے۔ اس کو زمیندار بننے کی بجا طور پر امید ہو سکتی ہے۔ بیماری ہو یا کوئی ناگہانی حادثہ ہو اس کیخلاف چارہ نہیں۔ ورنہ اگر وہ کچھ پس انداز نہ کرے تو کوئی معقول عذر پیش نہیں کر سکتا۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔ جو ساری عمر اُجرتی مزدور ہی رہیں۔ آج سے چالیس برس پہلے ریاست آئیووا (Iowa) میں یہ عالم تھا۔ کہ ایک مزدور ایک مہینے کی اُجرت سے جہاں چاہتا۔ ایک ایکڑ زمین خرید سکتا تھا۔ اور بعض بعض جگہ تو اتنے داموں سے دو تین بلکہ چار ایکڑ تک زمین مل سکتی تھی۔ آجکل اگرچہ اُجرت کی شرح پہلے سے بڑھی ہوئی ہے۔ لیکن زمین کی قیمت بھی اُس کے ساتھ چڑھ گئی ہے۔ چنانچہ اُسی ریاست میں ایک ایکڑ زمین خریدنے کیلئے کم از کم دو مہینے کی اُجرت درکار ہے اور بعض بعض جگہ تو عموماً تین چار یا پانچ بلکہ چھ مہینے کی اُجرت سے کام چلتا ہے۔ ان حالات کے ماتحت یہ بات سمجھنی آسان ہے۔ کہ آجکل ان لوگوں کی تعداد جو مزدور سے ترقی کر کے زمیندار بنتے ہیں۔ کیوں اتنی کم ہے؟

یہ رَو جو چلی ہے۔ اگر اسی طرح کچھ مدت اور جاری رہی۔ یعنی اگر زمین مہنگی اور محنت کی اُجرت کم ہوتی چلی گئی۔ تو نتیجہ بالکل مختلف ہوگا۔ محنت کی اُجرت چونکہ کم ہوگی۔ اس لئے مزدور کیلئے زمین کا خریدنا مشکل ہو جائیگا۔ آجکل جتنے لوگ مزدور کی حیثیت سے ترقی کر کے زمیندار بننے میں کامیاب رہتے ہیں۔ اُن سے کہیں زیادہ ناکامیاب رہنے لگینگے۔ اس لئے آجکل کی نسبت زیادہ کثیر التعداد لوگ ساری عمر مزدور ہی رہینگے۔ مختلف طبقوں کے درمیان

جو تفرقی اس سے پیدا ہو گی۔ اُس سے ملک کی دیہاتی زندگی اُنہی معاشرتی پیچیدگیوں میں مبتلا ہو جائیگی۔ جو ہمارے اکثر شہروں کیلئے باعثِ بدنامی ہیں۔ اس امر کی پیش بندی کرنیکا طریقہ صرف ایک ہے یعنی اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ہماری زراعتی آبادی میں ذہانت قابلیت آزادہ روی اور اجتہادِ ذاتی کا ایک اعلیٰ معیار قائم رہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیئے۔ کہ جس قدر زیادہ ممکن ہو۔ اُتنے اشخاص اتنی تنظیمی قابلیت رکھتے ہوں کہ بطور خود کاشتکار بن سکیں۔ اور ہمارے دیہاتی اضلاع میں دوسرے قسم کے لوگوں کی بھرمار کرنیکی جو کوششیں کی جائیں اُن کو پروان نہ چڑھنے دیا جاوے۔

چھوٹے پیمانے کی کاشت کے نقصانات۔ چھوٹے پیمانے کی کاشت کی خوبیوں اور بُرائیوں پر بحث کرنے سے پیشتر مناسب ہو گا کہ ہم متوسط اور بڑے پیمانے کی کاشت کے درمیان ذرا زیادہ واضح طور پر تفریق کریں۔ اگر ایک ایکڑ زمین یا اس سے بھی کم میں کوئی خاص جنس پیدا کیجائے۔ مثلاً بنفشہ یا موسم سرما کی ترکاریاں تو وہ چھوٹے پیمانے کی کاشت نہیں ہو گی بلکہ متوسط پیمانے کی کاشت ہو گی۔ اس قطعہ زمین پر جس میں یہ خاص خاص چیزیں بوئی جائیں۔ ایک پورے خاندان کا تمام وقت صرف ہو سکتا ہے۔ چاہے وہ تمام محنت بچانیکی تدابیر سے کیوں نہ مدد لیں۔ لیکن کاشتکاری کی فقط ایک محدود تعداد اس قسم کی انتہائی اختصاصیت (extreme specialisation) کر سکتی ہے۔ زیادہ تر کاشتکار لازمی طور پر بڑی بڑی منڈی کی اجناس اُگائیں گے۔ جن کی مانگ ہمیشہ رہتی ہے۔ اور بہت زیادہ رہنی ہے۔ اگر ان منڈی کی اجناس میں سے کوئی جنس یا کوئی عام جنس ایک ایکڑ یا تین یا پانچ بلکہ دس ایکڑ تک میں لگائی جائیں تو اسے ہم چھوٹے پیمانے کی کاشت کہینگے۔ اگر ایک خاندان محنت بچانے کے تمام ساز و سامان فراہم کرے تو ممکن نہیں کہ اتنے چھوٹے سے قطعہ زمین میں اناج۔ سوکھی گھاس۔ گائے کا گوشت۔ اون۔ کپاس جیسی بڑی بڑی چیزوں کی پیداوار کرنے میں اس کا تمام وقت صرف ہو جائے۔ چھوٹے پیمانے کی حمایت میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ایسے ایسے جاذبِ نظر عنوانوں کے ماتحت "جیسے تین ایکڑ اور ایک گائے" "تین ایکڑ اور آزادی" (دوسرا عنوان اُن لوگوں کے دل میں شوق کرنے کیلئے

رکھا گیا تھا۔ جو آزادی کو گائے سے زیادہ پسند کرتے ہیں) اگر تین ایکڑ زمین میں کوئی بیش
قیمت جنس خاص پیدا کی جائے تو اس سے معقول آمدنی ہوگی۔ تاہم جیسا کہ اوپر اشارہ
کیا جا چکا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ہمارے تمام یا اکثر کاشتکاران خاص خاص اشیاء
کی پیداوار کرنے لگیں۔ تین ایکڑ زمین میں اگر اُن بڑی اجناس میں سے جو نسلِ انسانی
کے کھانے اور پہننے کیلئے ضروری ہیں کوئی جنس پیدا کی جائے۔ تو اس سے نہایت معمولی
آمدنی ہوگی۔ اور جب تک مزدور معقول اجرتیں حاصل کر سکتے ہیں۔ اُس وقت تک وہ
تین ایکڑ کے ٹکڑے حاصل کرنیکے ہرگز خواہشمند نہ ہونگے۔ اس طرح اگرچہ ایک اعلیٰ
درجے کی کاروباری قابلیت کا آدمی تین ایکڑوں سے روزی کما سکتا ہے۔ لیکن اگر
اُس میں قابلیت ہو تو بالعموم وہ تین ایکڑوں کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ چاہے تو ایک
بنک کھول سکتا ہے۔ ایک مال گودام بنا سکتا ہے۔ یا ایک بڑے مزرعہ میں کاشت
کر سکتا ہے اور بمقابلہ اُس روزی کے جو وہ تین ایکڑوں سے کما سکتا تھا۔ بہت عمدہ
طریقے سے روزی کما سکتا ہے چاہے اُسے آزادی ہی کیوں نہ حاصل ہوتی اور چاہے
ایک عمدہ دودھیال گائے بھی اُس کے پاس ہوتی۔ تاہم بعض غیر معمولی صورتیں ایسی ہیں
کہ تین ایکڑ زمین شخصی آزادی اور دودھیال گائے مل ملا کر غنیمت شمار کئے جا سکتے ہیں
لیکن یہ صورتیں مستثنیات میں سے ہیں۔ اور اُن کا حل کرنا کسی اہم معاشیاتی مسئلہ کے
حل کا محتاج نہیں۔ گو یہ صورتیں ہماری خاص توجہ کی مستحق ہیں۔ اوّل۔ ہر شہر میں
بیکار لوگوں کی ایک فوج کی فوج ہوتی ہے۔ اس بات پر عموماً زور دیا جاتا ہے۔ کہ ان
لوگوں کو ایک چھوٹے چھوٹے قطعے دے دینے چاہئیں۔ تاکہ یہ خود اپنی روزی کما سکیں
یہ طریقہ اگر کامیاب ہو جائے تو یہ ایک دیہاتی مسئلہ کا نہیں۔ بلکہ ایک شہری مسئلہ کا حل ہے
کیونکہ اس کے ذریعے سے شہر اپنے بوجھ سے سبکدوش ہو کر اُس بوجھ کو دیہات
کے کندھوں پر ڈال دینا چاہتے ہیں۔ تاہم بہبودیٔ نوعِ انسانی کے نقطۂ نگاہ سے
دیہاتی معاشیات کے طالب علم کو بھی اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے۔ بہر حال تجربہ نے
یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو لوگ امریکہ کے ایک شہر میں جہاں

صنعت و حرفت اس قدر ترقی پر ہے۔ اور روزگار ملنے کے اتنے مواقع ہیں۔ روزی نہیں کما سکتے۔ وہ دیہات میں شاذونادر ہی روزی کما سکیں تو کما سکیں۔ گو ان کو ایک چھوٹا سا قطعہ زمین بغیر کسی معاوضہ کے کیوں نہ دیدیا جائے۔ بعض شخص ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ان کی صحت یا اُنکی طبیعت انہیں ایک بھرے ہوئے شہر میں رہنے کی اجازت نہیں دیتی نہ وہ ایک گروہ میں مل کر کسی داروغہ کے زیر ہدایت کام کر سکتے ہیں۔ . .

. . . . یہ وہ لوگ ہیں۔ جو دیہات میں اچھا کام کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہاں ایک تو کھلی ہوا میں کام کرنا پڑتا ہے۔ اور دوسرے کسی کی نگرانی یا حکومت نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ ایک نہایت عمدہ بات ہوتی ہے۔ کہ انہیں زمین کی کاشت کرنے کا موقعہ دیا جائے؟ اگر ان کی تھوڑی سی تعداد فی صدی کسی ملک کی آبادی میں ہو تو ان کیلئے تین تین ایکڑ کے مزرعے ایک نعمت غیر مترقبہ ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے اکثر کیلئے بہتر یہی ہوتا۔ کہ اُس سے بڑے مزرعوں میں مزدور کی حیثیت سے کام کریں۔ جو لوگ ان چھوٹے چھوٹے قطعات زمین سے روزی کمانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر بمشکل اتنا کماتے ہیں کہ اپنا پیٹ پال سکیں۔ تاہم ایک ایسے ملک میں جہاں معاشرت کے حالات بہت خراب و خستہ ہوں۔ یعنی جہاں آدمی زیادہ ہوں۔ اور اُجرتیں بہت تھوڑی۔ وہاں یہ بھی بسا غنیمت ہے۔ فی الجملہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ معاشرتی حالات جتنے خراب ہونگے۔ اُتنی ہی اُن آدمیوں کی تعداد زیادہ ہوگی جنکے لئے تین ایکڑ کے مزرعے کچھ نہ ہونے سے بہتر ہیں۔ لیکن جب تک اُجرتیں اور خاصکر کھیتوں میں کام کرنے کی اُجرتیں ایسی ہی اچھی رہیں۔ جیسی آجکل ہمارے ملک میں ہیں۔ اس وقت تک ایسے لوگ جو تین ایکڑ کے مزرعے کو غنیمت سمجھیں۔ معدودے چند ہونگے۔

ایک اور طبقہ ہے۔ جو ایسے لوگوں کے طبقہ سے زیادہ کثیر التعداد ہے۔ وہ اُن مزدوروں اور دستکاروں کا طبقہ ہے۔ جو کسی باقاعدہ کاروبار میں مصروف ہیں انکو کبھی کبھی صبح و شام یا رات کے وقت فراغت ہوتی ہے۔ اگر ان کے پاس اپنے

باغیچے ہوں۔ تو یہ فراغت کے اوقات اُن میں کام کرنے میں گذارا کریں۔ اور اُس سے اُنہیں بہ نسبت موجودہ حالتِ بیکاری کے زیادہ نفع ہو۔ علاوہ بریں ان کے بچوں کو بھی یقیناً بہت فائدہ ہو۔ کیونکہ مدرسہ کے وقت کے علاوہ انہیں ایک فائدہ بخش کام کرنے کو مل جاتے۔ اس قسم کے چھوٹے پیمانے کی کاشت کی توسیع میں جو سب سے بڑی وقت پیش آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ سر دست نقل و حمل میں کافی سہولتیں حاصل نہیں اگر یہ سہولتیں مہیا ہو بھی جائیں۔ تو پھر بھی بہت کم لوگ فی صدی اس ذریعۂ آمدنی سے حقیقی معنوں میں کچھ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ عام لوگوں میں وہ دماغی اور خاصکر اخلاقی خوبیاں نہیں ہوتیں۔ جو ایک کامیاب کاشتکار کے لوازم میں سے ہیں۔ تاہم یہ جو کروڑوں آدمی ہمارے شہروں میں محنت و مشقت کر رہے ہیں۔ ان میں بلا شک و شبہ ہزاروں ایسے ہونگے کہ اگر چھوٹے پیمانوں کی کاشت کا کام ان کے سپرد کر دیا جائے تو انہیں اپنے خاندانوں کیلئے روزی کمانے میں بڑی مدد ملیگی۔ بشرطیکہ زمین چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے دی جاوے۔ اور نقل و حمل کی سہولتیں اتنی کافی ہوں کہ وہ بآسانی اپنے کام پر جا سکیں اور واپس آ سکیں۔ مزدوروں کے جتنے خاندان اس وقت بُرے حالوں بسر کر رہے ہیں۔ ان میں سے سو میں سے بلکہ ہزار میں سے ایک کو بھی اس طرح فائدہ پہنچایا جا سکے۔ تو یہ ایک کارنامہ ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی کاشت اُن ملکوں میں اعلیٰ درجہ ترقی حاصل کرتی ہے۔ جہاں کاروبار میں آدمی ضرورت سے زیادہ ہوں۔ اور اُجرتیں بہت تھوڑی ہوں۔ نہ کہ ایسے ملکوں میں جہاں مزدوروں کی اچھی خاصی مانگ ہو۔ اور اُجرتیں معقول ہوں۔ اگر مزدوروں کی حالت خراب ہو۔ تو ضرورت اُن میں سے اکثر کو مجبور کرتی ہے کہ اپنی روزانہ آمدنی میں اور کوئی کام کر کے اضافہ کریں۔ مثلاً اپنے باغوں میں کام کریں۔ اور یوں اپنے خالی اوقات سے اور اپنے خاندان کی فاضل قوتِ محنت سے فائدہ اُٹھائیں۔ جس ملک میں اُجرتیں اچھی ہوں۔ وہاں بھی فنِ باغبانی کی اشاعت کا نتیجہ یقیناً یہ ہوتا ہے۔ کہ اُجرت پر کام کرنے والے اور ان کے خاندان باغبانی کا کام کرتے ہیں۔

اس قسم کے باغیچے جنہیں انگریزی میں کبھی کبھی (home crofters gardens) کہا جاتا ہے۔ یورپ کے بعض شہروں۔ مثلاً پیرس۔ لنڈن اور برلن کے امتیازی خصوصیات میں سے ہیں۔ انہوں نے سب سے زیادہ ترقی پیرس کے مضافات میں کی ہے۔ جہاں چھوٹے چھوٹے قطعوں میں نہایت عمدہ باغبانی کا کام کیا گیا ہے۔ یہ باغیچے جتنے عجیب وغریب ہیں وہ تو ہیں ہی۔ لیکن ان کے متعلق لکھنے والوں نے اُن سے بھی زیادہ عجیب باتیں کہی ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ باغیچے بذاتِ خود بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ تاہم فرانس کے دیہات کے عظیم الشان زراعتی کاموں کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

اب تک ہم نے چھوٹے پیمانے کی کاشت پر بحیثیت شہری مسائل کے ایک حل کے بحث کی ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ کہ بحیثیت ایک خالص دیہاتی مسئلہ کے اُس کی کیا اہمیت ہے۔ یعنی اب ہم اُنہیں لوگوں کو لینگے جو کاشتکار ہیں اور اس کے سوا کچھ کام نہیں کرتے۔ اور جو نہایت چھوٹے چھوٹے مزرعوں میں منڈی کی اجناس اُگا کر روزی کماتے ہیں۔ اس طریقِ کاشت کے مداحوں نے اس کی صفت میں بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن ان لوگوں کے دلائل بہ نسبت چھوٹے پیمانے کی کاشت کے متوسط پیمانے کی کاشت پر بہتر منطبق ہوتے ہیں۔ چھوٹے پیمانے کی کاشت کی ہم نے جو تعریف کی ہے اُسکے مطابق اُس سے کاشتکار کو بہت تھوڑی آمدنی ہوتی ہے۔ گو بالعموم کاشت بڑی محنت سے کی جاتی ہے۔ اور فی ایکڑ پیداوار بھی کافی ہوتی ہے۔ بہر حال یہ توقع نہ رکھنی چاہیئے۔ کہ چھوٹے مزرعوں میں بہ نسبت متوسط درجے کے مزرعوں کے فی ایکڑ زیادہ زیادہ پیداوار ہوگی۔ اور فی الحقیقت ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ اگر کوئی مزرعہ اتنا بڑا ہو کہ کاشتکار کافی گھوڑوں سے کام لے سکے اور کارگر آلات اور مشینیں استعمال کر سکے تو اس کی کاشت عموماً اتنی ہی اچھی ہوتی ہے۔ جتنی کہ ایک چھوٹے مزرعہ کی جس میں بھاری گھوڑے اور کارآمد آلات اور مشینیں استعمال کرنے سے کچھ نفع نہ ہو۔ جیسا کہ کسی گذشتہ باب میں ضمناً بیان کیا جا چکا ہے۔ فرانس اور بلجیم کے کاشتکار کو عموماً اسی میں فائدہ نظر آتا ہے۔ کہ گھوڑوں اور بیلوں سے قطعاً کوئی علاقہ نہ رکھے۔

اوساں کی بجائے دودھ دینے والی گائیں یا ایک گائے رکھے اور اُس سے وہ کام لے۔ جو وہ اپنی قوتِ بازو سے نہیں کرسکتا۔ اس میں اُس کی لاعلمی اور جہالت کو کچھ دخل نہیں۔ اسکی وجہ فقط یہ ہے کہ اُس کا مزرعہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ زیادہ کارآمد جانور جس پر زیادہ مصارف ہوں۔ اُسکے لئے نفع بخش نہیں ہوتے۔ ایک گھوڑے کو سارا سال چارہ دینے کیلئے۔ بھوسہ اور دانوں کے تین سے لیکر پانچ ایکڑوں تک کی پیداوار درکار ہوتی ہے۔ جس کاشتکار کی ساری کائنات ہی دس یا پندرہ ایکڑ زمین ہو وہ اگر دو گھوڑے کام کیلئے رکھے۔ تو اپنے لئے اُس کے پاس بہت کم بچے گا۔ البتہ ایک صورت ہے۔ کہ وہ کوئی خاص جنس پیدا کرے اس طرح فصل کاٹنے کی مشین اُس کیلئے نفع کا باعث ہےں۔ بنابریں اس قسم کی چھوٹے پیمانے کی کاشت میں جس سے معمولی منڈی کی پیداوار کی جائے۔ یہ عموماً لازمی ہوتا ہے۔ کہ وقت طلب اور طریقے اختیار کئے جائیں۔

اب اگر ہمارے ملک کی دیہاتی آبادی میں بہت زیادتی ہوجائے (جس کو بعض لوگ بعید پسندیدہ سمجھتے ہیں) تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو چھوٹے چھوٹے مزرعوں کی تعداد المضاعف ہوجائیگی یا زراعتی مزدوروں کی تعداد ترقی کرجائیگی۔ اگر یہاں کی دیہاتی آبادی میں ترقی ہونی ضرور ہے۔ تو پہلی صورت بہتر اور زیادہ امید افزا ہے۔ تاہم لوگوں کی خواہش یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی صورت نہ ہو۔ اس لئے لوگ دیہات چھوڑ چھوڑ کر شہروں کو جارہے ہیں۔ سب کا مقصد یہی تو نہیں ہوتا کہ دیہات کی آبادی کو بڑھنے سے روکا جائے۔ اس سے کم قابلِ تعریف مقاصد ضرور لوگوں کے پیشِ نظر ہوتے ہیں۔ تاہم زیادہ تر یہی مقصد اس امر کا محرک ہے کہ بیشمار لوگ ہمارے دیہاتی اضلاع سے شمال مغربی کینیڈا میں جارہے ہیں۔ جہاں اُنہیں اب بھی زمین بکثرت مل سکتی ہے۔

دیہات کو چھوڑ کر شہر میں جانے کی تحریک ایک طرف تو بجائے چھوٹے پیمانے کی کاشت کے متوسط پیمانے کی کاشت کے حق میں زیادہ مفید ہوتی ہے اور دوسری طرف ایک زراعتی جماعت کی پیدائش کا باعث ہوتی ہے۔ اس امر کے لحاظ سے وہ ایک قابلِ تعریف تحریک ہے۔ اور بعض کوششوں کا مقصد اس تحریک کا انسداد ہو یا یہ ہو کہ

دیہاتی آبادی کو اس حد سے بڑھا دیا جائے جہاں تک کہ متوسط پیمانے کی کاشت ممکن ہے۔ ایسی تمام کوششیں بیحد مذموم ہیں۔ اس بنا پر ہمیں اس بات کو امید افزا سمجھنا چاہیئے کہ زائد از ضرورت آبادی دیہات کو چھوڑ کر شہروں کا رُخ کرے۔ صرف یہ ایک طریقہ ہے جسکی مدد سے دیہاتی زندگی کا ایک اعلیٰ معیار قائم رکھا جا سکتا ہے۔ کارنل یونیورسٹی کے پروفیسر جی۔ ایف وارن (G. F. Warren) نے فیصلہ کن طور پر یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ متوسط پیمانے کے مزرعے چھوٹے مزرعوں سے زیادہ نفع آور ہیں۔ پروفیسر مذکور نے فہرستہائے ذیل ترتیب دی ہیں۔ یہ فہرستیں ٹامکنز کونٹی (نیویارک) (Tomkins county) (New York) کے ایک زراعتی پیمائش کے ضمن میں تیار کی گئی ہیں:

مزرعہ کے رقبہ اور مقدار پیداوار کا باہمی تعلق

مواضع انھاکا۔ ڈرابڈن۔ ڈینبی اور لینسنگ

مزرعوں کا رقبہ (ایکڑوں کے حساب سے)	پیداوار فی ایکڑ (بشلوں کے حساب سے)	آلو (بشلوں کے حساب سے)	بھوسہ (ٹنوں کے حساب سے)
۳۰ یا کم	۳۵	۱۱۷	۱٫۳۸
۳۰ – ۶۰	۳۲	۱۱۱	۱٫۳۶
۶۱ – ۱۰۰	۳۲	۱۱۹	۱٫۳۳
۱۰۱ – ۱۵۰	۳۴	۱۱۴	۱٫۳۵
۱۵۱ – ۲۰۰	۳۲	۱۲۷	۱٫۲۴
۲۰۰ سے زیادہ	۳۵	۱۱۳	۱٫۲۴

جیسا کہ عام لوگوں کی رائے ہے۔ اُس کے برخلاف متوسط درجے کے مزرعے اتنی ہی اچھی فصل پیدا کرتے ہیں۔ جتنی کہ چھوٹے پیمانے کے مزرعے۔ البتہ بھوسے کے معاملے میں یہ قاعدہ راست نہیں آتا۔ بڑے مزرعوں میں بھوسے کی پیداوار نسبتہً ذرا کم ہے۔

مزرعے کے رقبہ کا تعلق منافع سے

(۵۸۶ مزرعے جن کی کاشت خود مالکوں کے ہاتھ میں تھی۔ مواضع اتھاکا۔ ڈرائیڈن۔ ڈینبی۔ ویلینسنگ)

مزرعوں کا رقبہ (ایکڑوں میں)	مزرعوں کی تعداد	اوسط رقبہ (ایکڑوں میں)	محنت کی آمدنی
۳۰ یا کم	۴۰	۲۱	۱۶۸ ڈالر
۳۱ - ۶۰	۱۰۸	۴۹	۲۵۴ "
۶۱ - ۱۰۰	۲۱۴	۸۳	۳۷۳ "
۱۰۱ - ۱۵۰	۱۴۳	۱۲۴	۱۳۶ "
۱۵۱ - ۲۰۰	۵۷	۱۷۷	۶۳۵ "
۲۰۰ سے زیادہ	۳۴	۲۶۱	۹۴۶ "
اوسط		۱۰۳	۴۱۵

ان اعداد و شمار سے اس امر کی توضیح میں بہت مدد ملتی ہے۔ کہ ۱۹۱۵ء کی مردم شماری کے مطابق چھوٹے مزرعوں کی تعداد کم کیوں ہوتی جا رہی ہے۔ یہ امر بھی درست ہے کہ بڑے بڑے مزرعے جن کا رقبہ ۵۰۰ ایکڑ یا اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ وہ بھی غائب ہوتے جا رہے ہیں۔ ان دونوں رجحانِ عام بلاشک و شبہ متوسط پیمانے کے مزرعوں کی طرف ہے۔ اور اس کو عموماً زراعت کے حق میں بہترین چیز تصور کیا جاتا ہے۔

مزرعہ کا ساز و سامان۔ جیسا کہ ایک گذشتہ باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ مزرعہ کے ساز و سامان مہیا کرنے کا مسئلہ اس بات سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ دوسری چیزیں کس تناسب باہمی سے مہیا کی جائیں گی۔ اس مسئلہ کا یہ پہلو بالتفصیل زیر بحث آ چکا ہے۔ اس لئے اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں۔ کہ ساز و سامان کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے۔ بجائے اس کے کہ مختلف قسم کے ساز و سامان کی کتنی مقدار دوسری چیزوں کی مقدار کے مطابق ہونی چاہیئے۔

قوت۔ جس طرح کسی کارخانے یا ریلوے کے ضروری سامان کے متعلق پہلا سوال طاقت کا ہوتا ہے۔ اس طرح مزرعہ کے سامان کے متعلق بھی پہلا سوال یہ ہے۔ ہر شخص

بخوبی جانتا ہے۔ کہ قوت کے نئے سرچشموں اور خاص طور پر بھاپ کے انکشاف نے صنعت و حرفت کے دوسرے شعبوں میں کیا کیا انقلاب کئے ہیں۔ مزرعہ کے بہت سے کاموں میں "قوت" کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ ضرورت زمین کے معاملے میں ہے۔ یعنی اُس کی گڑائی کرنا۔ اس کو باریک کرنا۔ مناسب بیج انتخاب کرنا۔ پھر اُس کے بعد بیج کیلئے تیاریاں کرنا۔ اس کے بعد جو سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے وہ جنس کو کھیتوں سے کھلیان میں اور کھلیان سے بازار لیجانے میں۔ اور بیج کھاد کے متعلق چیزیں۔ باڑ لگانے کا سامان وغیرہ مزرعے کے ایک حصّے سے دوسرے حصّے تک لیجانے میں طاقت کی ضرورت پڑتی ہے۔ الا ہیں سے کسی مقصد کیلئے بھی ایک غیر متحرک انجن کسی کام کا نہیں۔ ان کیلئے کھینچنے کی طاقت کی ضرورت ہے۔ جہاں کہیں ساکن قوت کی ضرورت ہو تو مشین کی کسی قسم کی طاقت صریح طور پر اور بلا شک و شبہ قوتِ حیوانی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ سوائے ایک صورت کے کہ انجن کے واسطے خاص طور پر ایک سڑک کوٹ کر طیار کی جائے۔ اکثر مزرعوں میں ایسی سڑک تیار کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ مزرعہ کے بھاری بھاری کام۔ مثلاً ہل چلانا اور بازار میں بوجھ اٹھا کر لے جانا۔ انجن کی مدد سے بکفایت کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان کے معاملے میں بھی انجن کی تیزی تسلیم کرنے میں ہمیں کلام ہے اور ہر مزرعہ میں بعض کام ایسے ہوتے ہیں۔ جو قوت حیوانی کے بغیر بکفایت اور کامیابی کے ساتھ انجام نہیں دیئے جا سکتے۔ مثلاً سراؤن چلانا۔ غلہ بونے والی کلوں اور دیرنوں کو کھینچ کر لے جانا۔ اُگتے ہوئے غلے اور آلوؤں کی کھیتی کیاری کا کام کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور اس قسم کے تمام کاموں میں اتنی ضرورت مشین کی قوت کی نہیں ہوتی۔ جتنی قوتِ حیوانی کی ہوتی ہے۔ اور جہاں تک ہم مستقبل کے متعلق پیش بینی کر سکتے ہیں۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوگا۔ چونکہ ایک ایسے مزرعے میں جو ہر طرح کے ضروری سامان سے آراستہ ہو۔ قوتِ حیوانی کی ایک خاص مقدار کا مقاصدِ متذکرہ بالا کے لئے ہونا ضروری ہے۔ اس لئے بعض ایسے کاموں میں بھی جن میں قوت میکانی (Machanical Power) کا استعمال کفایت اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔ قوتِ حیوانی کا استعمال کرنا کفایت سے خالی نہیں ؎

قوتِ حیوانی ۔ دنیا کی تاریخ زراعت پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ ان مقاصد کیلئے مختلف جانور استعمال کئے جاتے رہے ہیں ۔ مثلاً ہاتھی ۔ اونٹ ۔ بھینس ۔ اینڈیر کتا ۔ بیل ۔ گھوڑا ۔ گدھا ۔ اور خچر ۔ امریکہ والے اور مغربی یورپ کی بعض قومیں صرف آخری چار جانوروں سے کام لیتی ہیں ۔ گمان غالب یہی ہے ۔ کہ ہم آئندہ بھی انہیں چار سے کام لیا کرینگے ۔ گو یہ خیال کرنے کے بعض وجوہ ہیں کہ جنوب مغرب کے خشک علاقے میں جو ٹیکساس (TEXAS) سے لیکر کیلیفورنیا (CALIFORNIA) تک پھیلا ہوا ہے ۔ بعض بعض مزرعوں میں اونٹ کا اضافہ نہایت مفید ثابت ہوگا ۔ بشرطیکہ ہم اس سے مانوس ہو جائیں ۔ اس پر قابو پانے کا طریقہ خوب سیکھ لیں ۔ بہر حال اونٹ کا فائدہ یقینی نہیں ۔ اور اس سے مانوس ہونے میں بڑی دقت پیش آئیگی ۔ اسلئے یہ قرین قیاس نہیں ۔ کہ امریکہ میں یہ جانور کبھی عام ہو ۔ بہر حال جنوب مشرقی یورپ میں یہ نظارہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ اونٹ ہلوں اور سراٹن پھیرنے کی کلوں اور کبھی کبھی تو امریکہ سے آئے ہوئے گٹھے باندھنے کی کلوں کو کھینچتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔

گدھا گو جنوبی یورپ کے بعض حصوں میں بحیثیت ایک باربرداری کے جانور کے عام ہے ۔ خاصکر چھوٹے چھوٹے مزرعوں میں تاہم ہمارے ملک میں اس سے ایسا کام لینا کوئی نہیں جانتا ۔ آج سے کچھ مدت پہلے بیل سے تقریباً ہر مزرعہ میں کام لیا جاتا تھا ۔ لیکن اس کا استعمال بھی بیحد کم ہوگیا ہے ۔ خاصکر خانہ جنگی کے زمانہ سے جب سے کہ کلیں عام استعمال ہونے لگی ہیں ۔ گذشتہ چند سال میں بیل کچھ نئے سرے سے مقبول ہونے لگا ہے ۔ جس کی وجہ ایک تو یہ ہے ۔ کہ اس کے گوشت کی قیمت بہت چڑھ گئی ہے اور دوسرے یہ گھوڑے سے بہت بیش قیمت ہوتے ہیں ۔ لیکن نئے سرے سے مقبولیت پیدا ہونے کے باوجود بیل ہماری قوم کے زراعتی کاروبار میں ایک نہایت ادنیٰ عنصر ہے ۔ باعتبار قوت حیوانی کے گھوڑا ہمارے ملک کے باقی تمام

پیش گوئی ہمیشہ خطرہ سے پُر ہوتی ہے ۔ نہ صرف یہ کہ بلکہ غیر ضروری ہوتی ہے ۔ اسلئے ہم صرف یہ غیر مشتبہ امر بیان کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں کہ تا حال مشین کی قوت نے قوتِ حیوانی کی جگہ نہیں لی ۔ آئندہ کا حال معلوم نہیں ۔

جانوروں میں ممتاز ہے۔ اس کے بعد دوسرا درجہ خچر کا ہے۔ لیکن وہ گھوڑے کے پاسنگ بھی نہیں۔ ۱۹۲۰ء کی مردم شماری کے مطابق ریاستہائے متحدہ کے مزارعوں میں ۱۶۱ ۹۸۶۷ گھوڑے تھے اور خچروں کی تعداد کل ۵۴۳۲۳۹۱ تھی۔ اس مردم شماری میں اُن بیلوں کی تعداد علیحدہ نہیں گنائی گئی تھی۔ جن سے کام لیا جاتا تھا۔ لیکن ۱۸۹۰ء کی مردم شماری کے مطابق تقریباً ۵۰۰۰۰ بیل ہمارے ملک میں تھے۔ بہرحال یورپ کے بعض حصوں میں بالخصوص جنوبی اور وسطی فرانس میں ہسپانیہ اور اٹلی میں اور جرمنی کے بعض حصوں میں بیل اب بھی زراعت کا اہم عنصر ہے۔ خاصکر فرانس اور اٹلی کے بعض بعض حصوں میں مویشی کھیتی باڑی کے کام کیلئے پالے گئے ہیں۔ نہ کہ گوشت اور دودھ کیلئے۔ اس لئے اُن ملکوں کے بیل بہ حیثیت کام کرنے والے جانوروں کے ہمارے ملک کی تمام نسلوں سے بہتر ہیں۔ استثنائے ڈیون (DEVON) مویشیوں کے جو کام کرنے والے مویشیوں کے طور پر اپنے وقت میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ٹسکنی (TUSCANY) کے قوی ہیکل سفید رنگ بیلوں کو دیکھئے۔ جو چلنے میں چست اور طاقت میں دیوہیکل ہیں۔ تو یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ بیل مزارع کے بھاری بھاری کاموں کیلئے گھوڑوں کے برابر مفید اور کارآمد ہو سکتے ہیں۔ مصنف کو ایک بڑے اطالوی زمیندار نے جو ایک سائنٹفک کاشتکار بھی تھا۔ ایک مرتبہ یہ بتایا۔ کہ اُس نے گھوڑے اور بیل دونوں کو اچھی طرح آزما دیکھا تھا۔ اور بیلوں کو بہتر اور زیادہ کارآمد پایا تھا۔ بہرحال بعض وجوہ ایسے ہیں جنکی بنا پر یہ بات اٹلی میں تو درست ہو سکتی ہے۔ لیکن امریکہ میں نہیں ہو سکتی۔ قطع نظر اس کے کہ مویشیوں کی نسل میں کیا فرق ہیں؟

گھوڑوں اور بیلوں کے اضافی فوائد۔ بیلوں سے کام لینے کے فوائد فی الجملہ حسب ذیل ہیں۔ گھوڑوں کے مقابلے میں انکی قیمت کم ہوتی ہے۔ (۲) وہ کم بیمار پڑتے ہیں۔ اور موسم کی سختیوں کو برداشت کرنیکی زیادہ قابلیت رکھتے ہیں۔ (۳) گھوڑوں کے سازکے مقابلے میں بیلوں کے جوئے اور زنجیروں کے

دام کم ہوتے ہیں۔ اور وہ چلنے بھی زیادہ دیر تک ہیں۔ (۴) جب بوڑھے ہوجانیکی وجہ سے یا کسی چوٹ کی وجہ سے کام کے لائق نہیں رہتے تو اُن کو موٹا کرکے اُن سے اچھا خاصہ گوشت حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کو ہم زیادہ وضاحت سے بیان کریں تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ بیل سے تین سال کی عمر سے لیکر سات یا آٹھ سال کی عمر تک کام لیا جا سکتا ہے۔ اس عرصے میں وہ وزن میں ترقی کرتا ہے اور آخر جب کام کے لائق نہیں رہتا۔ تو ذبح کرنے کیلئے بیچ دیا جاتا ہے۔ اور اُس نے وزن اور قیمت میں جو ترقی کی ہو۔ اُس سے اُس کے مصارف کے کچھ حصے کا معاوضہ مل جاتا ہے۔ بعض اور بھی فائدے ہیں۔ مثلاً بیلوں کے جوڑنے اور کھولنے میں بمقابلہ گھوڑوں کے کم وقت خرچ ہوتا ہے۔ بیل بہت کم گھبراتے ہیں۔ اور بہت کم بدکتے ہیں۔ اور جب ان سے سخت کام لیا جائے۔ مثلاً پتھریلی یا ٹھنڈوں سے پٹی ہوئی اور ناہموار زمین میں ہل چلوایا جائے تو یہ ان کیلئے کوئی ناقابل برداشت بات نہیں ہوتی۔ جب ان سے کام نہ لیا جاتا ہو تو اُنہیں چراگاہ میں چھوڑا جا سکتا ہے۔ اور گھوڑوں کی بہ نسبت اُن کی رکھوالی کم توجہ سے کرنی پڑتی ہے۔ بیل گھوڑوں کے مقابلے میں روکھی سوکھی غذا پر بھی گذارہ کرسکتے ہیں۔

جہاں یہ فائدے ہیں۔ وہاں چند نقصانات بھی ہیں:۔

(۱) بیل کی نقل و حرکت کی سستی اُسے سوائے اُن بھاری کاموں کے جو آہستہ رفتار سے کرنے ہوتے ہیں۔ باقی تمام کاموں کے ناقابل بنا دیتی ہے گھوڑے سے مختلف کام بآسانی لئے جا سکتے ہیں۔ جب ضرورت ہو وہ دُلکی چال چلے گا۔ جب کام ایسا آپڑے تو تیز دوڑیگا۔ اور جب چاہو اُسے آہستہ چلالو۔

(۲) ہمارے مزرعوں کی اکثر کلیں بیل کی سست رفتار کی بجائے گھوڑے کی تیز رفتار کی متقاضی ہوتی ہیں۔ اگر بیلوں سے عام طور پر کام لیا جاتا۔ تو یہ نقص مشینوں کے بنانے والے اس سیدھی سادی ترکیب سے دور کرسکتے تھے۔ کہ مشینوں کے پہیے ذرا اونچے کر دیتے۔ لیکن چونکہ مشینیں ایسی نہیں بنائی جاتیں۔ اس لئے بیلوں کا رواج عام نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ لوگ گھوڑے سے بڑی حد تک مطمئن ہیں۔ اور اگر یہ

ثابت بھی کر دیا جاوے۔ کہ بیل زیادہ کفایت کا باعث ہوتے ہیں۔ تو پھر بھی وہ گھوڑے کو چھوڑ کر بیل سے کام نہ لیں گے۔

(۳) یہ ممکن ہے۔ گو یہ ثابت شدہ امر نہیں۔ کہ گھوڑا بہ نسبت بیل کے غذا کو میکانی قوت میں تبدیل کرنے کے اعتبار سے بہتر کل ہے۔ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ بیل غذا کو گوشت کی صورت میں تبدیل کرنے کے اعتبار سے بہتر ہو۔ اگر متوسط درجے کے بیل کو آہستہ آہستہ چلنے دیا جائے اور اُسی حساب سے زیادہ بھاری بوجھ اُس پر لادا جائے تو وہ ایک دن میں اتنے ہی پونڈ بھاری چیز کو کھینچ سکیگا۔ جتنا کہ ایک متوسط درجے کا گھوڑا بمطابق اپنی خوراک کے۔ اس امر کو سائنٹفک طریقے سے تجربہ کی کسوٹی پر پرکھا نہیں گیا۔

چاہے کچھ بھی ہو۔ اس بات میں ذرا برابر شک نہیں۔ کہ ایک آدمی اچھے گھوڑوں کے ساتھ متفرق قسم کا کام جو سال کے دوران میں کاشتکار کو کرنا پڑتا ہے۔ بہتر طور پر کر سکیگا۔ بہ نسبت اس صورت کے کہ اس کے پاس بیلوں کی ایک جوڑی ہو۔ گو یہ بات ضرور ہے۔ کہ وہ خاص خاص قسم کے کام مثلاً ڈھیلے توڑنا۔ یا سخت زمین میں قلبہ رانی کرنا گھوڑوں کے ساتھ ایسے عمدہ طریقے سے نہ کر سکیگا۔ اٹلی جیسے ملک میں جہاں محنت کی اُجرت بہت کم ہے۔ اور اسلئے یہ کوئی اشد ضروری بات نہیں۔ کہ ہر شخص سے جتنا کام ممکن ہو۔ اُتنا لیا جائے۔ بیلوں کے کم مصارف ان کے کام کی کمی مقدار کی تلافی کر سکتے ہیں۔ لیکن ریاستہائے متحدہ جیسے ملک میں جہاں محنت کی اُجرت بہت زیادہ ہے۔ یہ نہایت ضروری امر ہے۔ کہ محنت کی کفایت کی جائے۔ اور ہر شخص سے حتی الوسع بہترین کام لیا جائے۔ اس لئے بہتر یہی ہے۔ کہ کاشتکار بجائے بیلوں کے گھوڑوں سے مدد لے۔ خواہ گھوڑوں کے اخراجات زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ بہر حال یہ اس شرط پر کہ وہ کام زیادہ انجام دے۔ یہ ایک ایسا اصول کفایت ہے۔ جس کا اطلاق نہایت وسیع ہے۔ اگر آپ ایک آدمی کو مہنگی اُجرت پر مقرر کرتے ہیں۔ تو آپ کو یہ نہ چاہیئے کہ اُسے کام کیلئے ضروری سامان گھٹیا درجے کا دیں۔ در آنحالیکہ اچھا سامان دینے سے

وہ کام بہتر اور زیادہ مقدار میں کر سکتا ہے۔ لیکن اگر آپ ایک آدمی اُجرت پر رکھیں تو اس کو بھینگا سامان دینا فائدہ بخش نہ ہوگا۔ امریکہ میں محنت کی اُجرت کا گراں ہونا اس بات کی قطعی وجہ ہے۔ کہ امریکہ کے مزرعوں میں گھوڑوں کی جگہ بیلوں سے کام لیا جانے لگا ہے۔ اور جنوبی یورپ میں محنت کی اُجرت کا ارزاں ہونا اس بات کا قطعی ثبوت ہے۔ کہ بیلوں کو گھوڑوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔

فرانس کے بعض حصّوں میں بالخصوص شمال مشرقی حصّے کے چقندر کے مزرعوں میں دیہاتی معاشیات کا جو نظام رائج ہے۔ بیل اس کیلئے خاص طور پر موزوں ہیں۔ بہت سے بیل عموماً سفید نو بنائیس (Nivemnais) نسل کے بیل ہر فصل ربیع کے دنوں میں خریدے جاتے ہیں۔ اور مزرعہ کے بھاری بھاری کاموں کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ جن میں چقندر کو گاڑی پر لاد کر کارخانے میں لیجانا اور چقندر کے گودے کو واپس کارخانے میں لانا بھی شامل ہے۔ جب یہ کام ختم ہو جائے تو بیلوں کو چقندر کا گودا اور گیہوں کا بھس ملا کر خوراک دیتے ہیں۔ اور موٹا کرتے ہیں۔ اور آئندہ سال کے کاموں کیلئے اور بیل خرید لئے جاتے ہیں۔

بیلوں سے کام لینے کی حمایت میں ایسی بات پر عموماً زور دیا گیا ہے کہ ایک ایسے جانور سے کام لینے میں جو کام کی میعاد ختم کر چکنے کے بعد ذبح کیا جا سکتا ہے۔ بہت کفایت ہے۔ اس طریق عمل کے حق میں بیشک بہت کچھ کہا جا سکتا ہے خاصکر جب یہ اُس طریقے کی صورت اختیار کرے۔ جس پر فرانس کے چقندر اُگانے والے کاشتکار کاربند ہیں۔ یہ طریق عمل بھی بہت سی خوبیاں رکھتا ہے۔ کہ تین سال کی عمر میں بیلوں سے کام لینا شروع کر دیا جائے۔ اور سات آٹھ سال کی عمر کے بعد انہیں ذبح کرنے کیلئے موٹا کیا جائے۔ لیکن جہاں بڑی بڑی منڈیاں ہوں اور گھوڑے کوچہ و بازار میں گاڑیوں کے آگے جتنے کے کام آ سکیں۔ وہاں بھی کاشتکار ایسی ہی کفایت کر سکتا ہے۔ وہ یوں کہ تین سال کی عمر میں گھوڑوں سے کام لینا شروع کر دے اور سات آٹھ سال کی عمر میں بلکہ دس سال کی عمر میں بھی اگر وہ تندرست و توانا

اور کام کرنے کے لائق ہیں۔ تو معقول داموں پر شہر کے گاڑیبانوں کے ہاتھ بیچ دیے
ان عمروں میں گھوڑے پختہ ہو جاتے ہیں۔ اور کوچہ و بازار کے مشکل کام کیلئے تیار ہو جاتے
ہیں۔ شہر کے بازاروں میں کام کرنے سے گھوڑے اتنی جلدی نحیف و نزار ہو جاتے
ہیں۔ کہ متوسط درجہ کا گھوڑا اگر آٹھ یا دس سال کی عمر میں شہر میں آئے تو اتنی ہی مدت
زندہ رہتا ہے۔ جتنی مدت وہ اس صورت میں زندہ رہتا کہ چار یا پانچ سال کی عمر میں
شہر آتا۔ دوسرے الفاظ میں عمر کے تقاضے سے اُس پر کہولت طاری نہیں ہوتی
بلکہ شہروں کی کُٹی ہوئی سڑکوں سے اور بوجھ کی کثرت سے۔ اور آئے دن کے زخموں سے
بیچارا دنوں میں بوڑھا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پکّی عمر کا گھوڑا اگر صحیح و تندرست ہو تو
بہ نسبت ایک چھوٹی عمر کے گھوڑے کے شہر کے بازاروں میں گاڑیاں چلانے کیلئے
بہتر سمجھا جاتا ہے۔ اور زیادہ قیمت پاتا ہے۔ اس لیئے کاشتکار اگر چاہے تو اپنے
گھوڑوں سے اُس وقت تک کام لے سکتا ہے۔ جب تک کہ وہ پکّی عمر نہ حاصل کریں
اس کے بعد وہ اُن کو اچھی قیمت پر بیچ سکتا ہے۔ اس طرح وہ گھوڑوں سے کام لے
وہی کفایت کر سکتا ہے۔ جو وہ بیلوں سے کام لیکر کر سکتا تھا۔ تاہم ایک بڑا نقصان ہے
جس سے کوئی مفر نہیں۔ وہ یہ کہ اگر گھوڑا بیمار اور نکما ہو جائے۔ خاصکر اگر اُس کے پاؤں میں
کوئی نقص واقع ہو جائے۔ تو اس کی قیمت سرے سے کچھ نہیں رہتی۔ برخلاف اس کے
اگر بیل اس کی جگہ ہوتا تو پھر بھی اُس کا گوشت کچھ قیمت رکھتا۔ جب تک گھوڑے کا
گوشت کھانے کا رواج عام نہیں ہوتا۔ اس وقت تک گھوڑوں سے کام لینے والے
کو نقصان ضرور ہوا کریگا۔

خچریں۔ گھوڑے اور خچر کے درمیان باعتبار طاقت کے جو فرق معاشیاتی نقطۂ نگاہ سے
ہیں۔ وہ اُتنے زیادہ نہیں جو گھوڑے اور بیل کے درمیان ہیں۔ گھوڑا خچر سے بڑا جانور
ہے۔ اور بالعموم قد و قامت اور وزن کی بدولت ذرا سے جھٹکے سے بہت طاقت کا
کام کر سکتا ہے۔ اگر فی پونڈ کا حساب کیا جائے۔ تو خچر گھوڑے سے کم زور آور ثابت
نہیں ہوتی۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ وہ اُس سے زیادہ زور آور ہے۔ خچر کی زبردست

قوت کے متعلق بعض اوقات مبالغہ آمیز رائیں پیش کی جاتی ہیں۔ تاہم یہ رائیں عملی فائدے کی کسوٹی پر پرکھنے سے ناقص ثابت ہوگئی ہیں۔ بہرحال ایک بات ہے کہ خچر میں قوتِ برداشت زیادہ ہے۔ اگر کوئی ایسا کام ہو۔ جس میں ثابت قدمی کی ضرورت ہو۔ مثلاً ہل چلانا۔ جس میں جھٹکوں سے کام نہیں چلتا۔ بلکہ گھنٹوں تک متواتر مشقت کرنی پڑتی ہے۔ تو ایسے کام میں خچر اپنے قدوقامت کے بموجب زیادہ کام کرتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے۔ کہ وہ گھوڑے کی بہ نسبت سادہ خوراک پر بھی گذر کر سکتی ہے۔ گو اس بارہ میں ان دونوں میں جو فرق ہے۔ وہ اتنا بڑا نہیں۔ جتنا عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ فی پونڈ کے حساب سے وہ اتنی ہی غذا چاہتی ہے۔ جتنی کہ گھوڑا۔ اسو کھی گھاس کھلائی جائے۔ تو وہ زیادہ غذا چاہتی ہے۔ اور اگر دانہ کھلایا جائے۔ تو نسبتاً کم۔ لیکن یہ بات ہر صورت میں باعث کفایت نہیں ہوتی۔ یہ فرض کر لینا یقیناً ایک غلطی ہے۔ کہ جس طرح گھوڑا اچھی خوراک کھا کر زیادہ کام کرتا ہے۔ اس طرح خچر نہیں کرتی۔ اگر اس کو اچھی غذا دی جائے۔ تو یقیناً زیادہ کام کریگی۔ مزید برآں خچر اتنی جلدی گھبرا نہیں جاتی۔ اور نہ اتنی جلدی بھڑکتی ہے۔ اگر اس سے کٹھن کام لیا جائے اور نامہربانی کا سلوک کیا جائے۔ تو گھوڑے کی طرح کڑھ کڑھ کر اپنے تن بدن کو نہیں جلاتی۔ آخری بات یہ ہے۔ کہ شدید گرمی کو خچر گھوڑے کی بہ نسبت زیادہ برداشت کر سکتی ہے۔ اخیر میں جو صفات بیان کی گئی ہیں۔ ان کی بنا پر جنوب کے کپاس اور نیشکر کے مزارعوں میں خچر کو قطعی طور پر برتری حاصل ہے۔ کیونکہ وہاں کام زیادہ تر حبشی غلام کرتے ہیں۔ اور گرمی شدت کی پڑتی ہے۔

دوسری طرف یہ بات ہے۔ کہ گھوڑے کی جنائی پر قدرے کم خرچ آتا ہے۔ اگر نر گدھے اور گھوڑی کو جفت کیا جائے۔ تو اس سے بہ نسبت گھوڑی اور نر گھوڑے کے جفت کرنے کے فیصدی کم تولید ہوتی ہے۔ مزید برین بچپن کے ابتدائی زمانے میں جب تک خچر کے بچھڑے کے ہاتھ پاؤں نہیں کھلتے۔ وہ بہت جلد بیمار پڑ جاتا ہے گو بعدہٗ وہ گھوڑے کے بچھڑے سے زیادہ چاق چوبند ہوتا ہے۔ گھوڑے کو

ایک اور برتری حاصل ہے۔ خاصکر شمالی شہروں میں وہ یہ کہ اس کا قدوقامت خچر سے بڑا ہوتا ہے۔ اور وہ کٹی ہوئی سڑکوں پر اُس سے زیادہ بھاری بھاری بوجھ کھینچ کرلے جا سکتا ہے۔ مزید برں جیسا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ اُس کے سُم خچر کے سموں کی بہ نسبت پکی سڑکوں پر کم گھستے ہیں۔ گھوڑے کے برتر ہونے کی ایک اور وجہ یہ ہے۔ کہ شمالی شہر کے لوگ بہ نسبت خچر کے گھوڑے سے زیادہ مانوس ہیں۔ اور اس لئے گھوڑا خریدنے کو خچر پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ بات اُس کاشتکار کیلئے جو اپنے پکی عمر کے جانوروں کو شہر کے لوگوں کے ہاتھ بیچنا چاہتا ہو بڑی اہم بات ہے۔ بہرحال جنوب میں خچروں کی جو منڈی ہے۔ وہ کسی حد تک یہ کسر پوری کر دیتی ہے۔ لیکن اگر یہ ضرورت ہوتی کہ جتنے گھوڑے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اتنی ہی خچریں پیدا کی جاتیں۔ تو اس منڈی میں طلب سے زیادہ رسد ہو جاتی اور خچریں وہاں اتنی قیمت نہ پاتیں۔ اگر گھوڑوں کی بکری اتنی زیادہ نہ ہوتی تو ظاہر بات ہے کہ خچروں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوتا۔ خاصکر ریاستہائے متحدہ کے مرکزی علاقوں کے اُن مزرعوں میں جہاں بھوسہ اور دانہ کی پیداوار کی جاتی ہے۔ وجہ یہ کہ خچر اپنی بُردباری اور قوتِ برداشت کی بدولت کھیتی باڑی کے کام کیلئے بیحد موزوں جانور ہے۔

قوتِ میکانی (Mechanical power) جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے جہاں کہیں قوتِ ساکن کی ضرورت ہو۔ وہاں میکانی قوت بلاشک وشبہ قوتِ حیوانی سے زیادہ کفایت کا باعث اور کارآمد ہے۔ نقل وحمل کیلئے بھی میکانی قوت کا استعمال روز بروز زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور یقیناً زیادہ ہوتا جائیگا۔ لیکن یہ بات مشکوک ہے کہ وہ کسی دن مکمل طور پر قوتِ حیوانی کی جگہ لے لیگی۔ جہاں جہاں عمدہ سڑکیں بنی ہوئی ہیں۔ وہاں وہاں قوتِ میکانی قوتِ حیوانی کے مقابلے میں اور نیز اور نقل وحمل کیلئے بھی زیادہ مفید ثابت ہو رہی ہے اسلئے قیاس چاہتا ہے کہ ایک دن ایسا ہوگا کہ ہمارے شہروں کی سڑکوں اور بازاروں میں جانوروں کی بجائے مشینیں گاڑیاں کھینچ کر لیجانے کیلئے استعمال کی جائیں گی۔ بڑے بڑے کھیتوں میں ہل چلانے کے کام میں مشینیں اپنی فوقیت ثابت کر چکی ہیں اور اس کا بہت امکان ہے کہ جوں جوں انجن ترقی کریں گے۔ ان کو زیادہ قبولیت حاصل ہوگی۔ لیکن وہ دن ابھی غالباً

دور رہے کہ یہ مکمل طور پر قوتِ حیوانی کی جگہ لے لیں گی۔ مغرب بعیدہ میں فصل کاٹنے کیلئے جو بڑی بڑی مشینیں استعمال کی جاتی ہیں۔ اُن میں سے اکثر کو میکانی قوت سے چلا کر دیکھا گیا ہے۔ لیکن یہ تجربہ تمام صورتوں میں کامیاب نہیں ثابت ہوا۔ اس لئے میکانی قوت کے استعمال کو قبولیت عامہ حاصل نہیں ہوگی۔ ان دنوں ایک نئی ترکیب کی آزمائش کی جارہی ہے۔ وہ یہ کہ فصل کاٹنے والی کل کے وزن کو تو گھوڑے کھینچتے ہیں اور مشینری کو بھاپ کے یا گیسولین (gasoline) کے انجن چلاتے ہیں۔ اس کی تشریح یوں کیجئے کہ ایک ساکن انجن ہے جو مشینری کو چلاتا ہے اور کھینچنے کی طاقت گھوڑوں کی ہوتی ہے۔ اگر مشین کو اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ پہیوں کے اوپر ایک بوجھ لدا ہوا ہے۔ تو آٹھ گھوڑے پوری مشین کو کھینچ کرلے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر کھینچنے کے ساتھ مشینری کو چلانا بھی ہو تو تیئس[۲۳] گھوڑے درکار ہوں گے۔

ایک مزرعہ میں ساکن مشینری چلانے کیلئے پانی کی قوت اگر میسر آجائے تو اس سے زیادہ باکفایت کوئی چیز نہیں۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ ایسے مزرعے بہت کم جگہ میسر آتے ہیں۔ پون چکی کی قوت استعمال کی جائے۔ تو وہ بھی اتنی ہی باکفایت ثابت ہوتی ہے اور اس کا استعمال تقریباً ہر جگہ اور ہر مزرعہ میں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے۔ کہ فقط معدودے چند کاموں کیلئے موزوں و مناسب ہے۔ مثلاً پانی کھینچنا۔ آٹا پیسنا اور وہ یہ کام ہیں کہ ان کا کوئی وقت معین نہیں۔ جہاں مزدور مہنگی اُجرت پر ملتے ہیں۔ وہاں ایسے کاموں میں جو محنت اور قوت دونوں چاہتے ہیں۔ ہوا جیسے وسیلہ قوت کا استعمال جس کا کوئی اعتبار نہیں اور جس پر کوئی قابو نہیں چلتا۔ بالکل کفایت کے منافی ہے۔ خواہ مخواہ کے جھمیلے ہونگے۔ کام میں بات بات پر خلل پڑیگا۔ اور کئی کئی دن تک کام رکا رہا کرے گا۔ اور ایک طرف بھاپ کے انجن (gasoline) کے انجن ہوں اور دوسری طرف قوتِ ساکن کے لئے استعمال پذیر انجن ہوں۔ اور ان میں انتخاب کرنا ہو۔ تو انتخاب کا انحصار متعدد حالات و واقعات پر ہوگا۔ ایک شیر خانہ میں گرم پانی کی کافی مقدار کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ جس بائیلر سے پانی گرم کیا جاتا ہے اُسی سے انجن کو چلایا جا سکتا ہے۔ اس لئے شیر خانہ میں بھاپ کی

قوت یقینی طور پر زیادہ باکفایت ہے۔ اسی طرح جہاں کوئلے کو دور تک نہ لیجانا پڑتا ہو اور اس کا خروج بھی زیادہ نہ آتا ہو۔ اور جہاں قوت کی کافی مقدار کافی مدت کیلئے درکار ہو۔ وہاں بھی بھاپ کو دوسری چیزوں پر ترجیح دینی چاہیئے۔ لیکن اگر کسی جگہ قوت کی تھوڑی سی مقدار درکار ہو۔ یا انجن کا ہر وقت دھیان رکھنا خواہ مخواہ کی تکلیف کا باعث ہو۔ تو صریح طور پر ایسی جگہ اشتعال پذیر انجن کا استعمال فوقیت رکھتا ہے۔ اشتعال پذیر انجن میں خوبی یہ ہوتی ہے۔ کہ اُسے بہت جلد استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ اور جب وہ چل رہا ہو۔ تو اتنی زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

مستقبل کے واقعات کے متعلق پیشین گوئی یقین سے نہیں کی جاسکتی۔ کس کو معلوم ہوتا ہے کہ کون کونسی نئی ایجادات یا اصلاحات اس اثنا میں ہونگی۔ جن سے حالات کا تمام نقشہ بدل جائیگا۔ لیکن جہاں تک موجودہ آثار ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ مزرعوں میں میکانی قوت کا استعمال زیادہ ہو جائیگا۔ اور حیوانی قوت کا قدرے کم۔ مزید براں یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ ایک دن پیداوار کو بازار یا بندرگاہوں میں لے جانے کا کام تمام کا تمام میکانی قوت کے ذریعے کیا جائیگا کہ یہ بات کسی حد تک شاہراہوں کی درستی پر منحصر ہے۔ جب خود چلنے والے ٹھیلے عام استعمال ہونے لگے تو جس کاشتکار کے یہاں اپنے مزرعہ ہی میں گھوڑوں کیلئے کافی کام ہو۔ وہ ہرگز یہ نہیں کرے گا کہ سڑک پر بھی گھوڑوں ہی سے کام لے یا اس غرض کیلئے اور گھوڑے خریدے۔ اگر کاشتکار کے پاس اپنا ذاتی ٹھیلا نہ ہوگا۔ تو وہ اسی میں کفایت دیکھے گا کہ کسی شخص سے جس کے پاس ٹھیلا ہو کرایہ پر لے لے۔ اور بوجھ لادنے کا کام اس شخص کے ذمے کر دے۔ جیسے کہ آجکل بجائے اس کے کہ وہ خود اپنی اجناس بازار اُٹھا کر لے جایا کرے۔ وہ ریلوں کے ذریعے انہیں جہاز پر بھیجتا ہے۔ لیکن اگر کاشتکار دیکھے کہ اُسے جتنے گھوڑے مزرعہ میں فصل کٹنے کے بعد درکار ہیں۔ اُس سے زیادہ گھوڑے رکھنے پر وہ مجبور رہے تو پھر اُس صورت میں اُس کیلئے یہ باعثِ کفایت ہوگا کہ خود اپنے گھوڑوں سے اپنا سامان اٹھوا کر منڈی میں لے جائے یہ تو سامان اُٹھا کر منڈی لے جانے کا حال تھا۔ ہل چلانے کے جو بھاری بھاری کام ہونگے

وہ بھی آئندہ میکانی قوّت سے کیئے جایا کریں گے۔ جس کاشتکار کا مزرعہ اتنا چھوٹا ہوگا۔ کہ ایک گاڑی کھینچنے کا انجن اور بہت سی جوڑیوں والا ہل اُس کیلئے باعث کفایت نہ ہوگا۔ اور بھی بعض بعض حالات میں اس میں کفایت دیکھیگا۔ کہ کسی اور کو اُجرت دیکر اپنے کھیتوں میں ہل چلوائے۔ بالکل اسی طرح جیسے آجکل وہ کسی اور کو اُجرت دے کر اپنا غلّہ چھڑواتا ہے۔ ان رجحانات کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ مزرعوں میں جتنے جانور ان دنوں کام کرتے ہیں۔ ان کی تعداد میں تخفیف ہوگی۔ یا اُن کی ترقی رُک جائیگی۔ اور کھیتوں کی پیداوار کا بیشتر حصّہ نقد قیمت پر فروخت کر دیا جایا کرے گا کیونکہ گھوڑوں کو کھلاتے ہیں وہ پہلے کی بہ نسبت کم صرف ہوگا۔

مال مویشی۔ ہم بلا خوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ جانوروں کے بغیر اچھی کاشت ایک بے معنی لفظ ہے۔ البتہ بعض بڑے شہروں کے قرب و جوار میں اس کا امکان ہے۔ جہاں سے کھاد کی کافی رسد گاڑیوں میں بھر کر لائی جا سکتی ہے۔ اور جہاں حاصل خیز کیمیائی اشیاء کا کافی مقدار میں استعمال کرنا نفع بخش ہوتا ہے۔ اور ان چیزوں سے بیش قیمت اجناس خاص اُگائی جا سکتی ہیں۔ مال مویشی اور اچھی زراعت دونوں ایک دوسرے کی علّت بھی ہیں۔ اور ایک دوسرے کے معلول بھی۔ مال مویشی کو اچھی زراعت کی علّت ان معنوں میں کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ زمین اور کاشتکار دونوں کیلئے مفید ہیں۔ اچھی زراعت کا معلول ان معنوں میں کہا جا سکتا ہے کہ مال مویشی کی صنعت کے معراج ترقی پر پہنچنے کیلئے اچھی زراعت کا ہونا ضروری ہے۔

زمین کو جو فائدہ مال مویشی سے ہوتا ہے۔ وہ کسی حد تک ایسے اسباب کا ممنون ہے۔ جن کو عام طور پر بخوبی نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً جانوروں کے پاؤں کے نیچے مٹی کا روندا جانا . . . . لیکن ایسے مبہم وجوہ پیش کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ جب دو نہایت واضح وجوہ موجود ہیں۔ اوّل۔ جب مزرعہ کی نباتی پیداوار کا بہت سا حصہ صرف ہو جائے۔ اور صرف عمدہ پیداوار یعنی ایسی پیداوار جس کا بوجھ ہلکا ہو اور قیمت گراں۔ مثلاً مکھن۔ پنیر۔ اون۔ انڈے۔ اور گوشت وغیرہ کی پیداوار جب زمین سے حاصل کر لی جائے۔ تو اس سے زمین کے زرخیز مادّہ کا ذخیرہ

بہت کم خرچ ہوتا ہے۔ یعنی جو خوراک جانور اور مویشی خاصکر بھیڑیں اور بکریاں کھاتی ہیں۔ اُس کا بہت سا حصّہ جو زمین کی زرخیزی کیلئے قدر و قیمت رکھتا ہے۔ کھاد کی صورت میں زمین کا زمین ہی پر رہ جاتا ہے۔ دوسرے جانور خاصکر بھیڑ بکریاں بعض گھاس پات کی بعض ضرر رساں اقسام اور مضر پودوں کو جن سے کاشتکار کو متواتر جنگ کرنی پڑتی ہے۔ پسند کرتے ہیں۔ اس طور پر وہ ان چیزوں کے قلع و قمع میں اس کی زبردست معاون ثابت ہوتی ہیں۔ یعنی وہ کھیت کو صاف رکھنے میں مدد دیتی ہیں۔ اس کام میں مُرغیاں بھی بہت تھوڑی مدد دیتی ہیں۔ وہ نہ صرف گھاس پات سے جنگ کرتی ہیں۔ بلکہ کیڑوں مکوڑوں سے بھی۔ جو لوگ مغرب وسطیٰ کے حالات سے بخوبی واقف ہیں۔ اُن کو اس قسم کی باتیں دیکھنے کا موقعہ ملا ہوگا۔ مثلاً جس سال ٹڈّی دل امنڈ کر آ جانے اور چراگاہوں کا نقصان ہو رہا ہو۔ تو ایک قسم کا کاشتکار اس بلا سے محفوظ رہتا ہے۔ یعنی وہ کاشتکار جس کی چراگاہوں میں فیل مُرغوں کا ایک جھرمٹ موجود ہو۔ جو ہر طرف ٹڈیوں کا صفایا کرتے پھریں۔ ہمارے یہاں جو لوگ پھل دار درختوں کے باغ لگاتے ہیں۔ اُنہوں نے ابتک شاید اس بات کو نہیں سمجھا۔ کہ مُرغیاں انہیں کیڑوں مکوڑوں کے دَل بادل سے محفوظ رکھنے میں کتنی مدد دیتی ہیں۔ اور اُنہیں کس حد تک تباہی سے بچاتی ہیں۔

اگر مال مویشی کاشتکار اور مزرعہ دونوں کیلئے مفید ہیں۔ تو اس کی سب سے پہلی وجہ یہ ہے۔ کہ اگر جانور موجود ہوں تو ہر وقت ان کی خبر گیری کرنی پڑتی ہے۔ اور اس طور پر کاشتکار میں "جزرسی"۔ "کفایت شعاری"۔ اور دور اندیشی کی عادتیں راسخ ہو جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے مویشی کاشتکار کو ان خوبیوں کی تعلیم دینے کا ایک ذریعہ ہیں جو ایک اچھے کاشتکار کے لوازم میں سے ہیں۔ جو کاشتکار اپنا سارا بھوسہ دانے اور گھاس فروخت کر دے اور جس کو کوئی ایسا متواتر کام نہ ہو۔ کہ ایک جنس کی فروخت اور دوسرے جنس کے بونے کے درمیانی وقفہ میں جب وہ بالکل فارغ ہوتا ہے۔ خود کو مصروف رکھ سکے۔ ایسا کاشتکار عموماً زیاں کاری اور ہاتھ پر ہاتھ

دھر کر بیٹھ رہنے کی عادتوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر جانوروں کے گلّے اُس کے پاس ہوں تو وہ ہر وقت ہوشیار اور خبردار رہتا ہے۔ ایک اور بات بھی ہے۔ جانوروں سے انسان کو بہ نسبت پودوں کے زیادہ اُنس ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مدارجِ حیات میں جانوروں کا درجہ نسبتاً اعلیٰ ہے۔ اور وہ انسان سے ایک زینہ قریب تر ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر جانوروں سے کاشتکار کو زیادہ محبّت ہو جاتی ہے۔ اگر یہ بات ہو جائے کہ اُسے جانوروں سے صرف اسلئے محبت نہ ہو کہ وہ اس کی آمدنی کا ذریعہ ہیں۔ بلکہ اس لئے بھی کہ وہ جانور ہیں۔ تو پھر انکی خبرگیری اور حفاظت کرنے کے دو اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس امر کی بدولت وہ ہر اعتبار سے ہوشیار اور محنتی آدمی بن جاتا ہے۔ بہر حال بعض استثنائی حالات میں یہ افسوسناک نتیجہ ہوتا ہے کہ کاشتکار اپنے جانوروں پر زیادہ محنت اور توجہ صرف کرنے لگتا ہے اور اپنے خاندان کو بھول جاتا ہے۔

یہ امر کہ اچھی مال زراعت مال مویشی کی پرورش کی صنعت کیلئے لازمی ہے۔ تاریخی طور پر اس امر سے ظاہر ہے۔ کہ جب تک تیتیا گھاس اور زمینی پیداوار کی کاشت انگلستان میں شروع نہیں ہوئی۔ اور وہ اعلیٰ قسم کی کاشتکاری جو اس کا نتیجہ تھی جب تک اُس کا آغاز نہیں ہوا۔ اُس وقت تک انگلستان میں مال مویشی کی جدید نسلوں کی تربیت کا کام بڑے پیمانے پر شروع نہیں ہوا۔ جب مذکورہ بالا چیزیں پیدا ہونے لگیں تو جانوروں کی نسل افزائی بھی ہونے لگی۔ وجہ یہ تھی کہ ان چیزوں نے اتنی مقدار میں جانوروں کی خوراک مہیا کی۔ کہ بھیڑوں کے گلّے اور مویشیوں کے ریوڑ اس کو کھا کر سارا سال اچھی طرح پل سکتے تھے۔ تاہم امریکہ میں اب تک یہ اصول عام طور پر سمجھا نہیں گیا۔ کیونکہ ہمارے یہاں ہر وقت ایک ایسا سرحدی علاقہ موجود رہا ہے۔ جہاں جانور وسیع میدانی علاقوں میں تھوڑے خرچ پر پل سکتے تھے۔ جب ان میدانی علاقوں کا چارہ ختم ہو جائے گا اور ہمیں اپنے مزارعوں میں مویشیوں کی پرورش کرنا پڑیگا۔ تو یہ بات ضروری ہو جائیگی کہ ہم اپنے جانوروں کی تربیت کے مخصوص طریقے میں اصلاح کریں اور بالخصوص چراگاہیں جن میں سب سے زیادہ اصلاح کی گنجائش ہے اُن کا انتظام ہمیں بہتر بنانا پڑیگا

نئے اور بہتر جانوروں کے کھانے کے پودے مثلاً الفا لفا جب اُگنے لگے تو امید ہے کہ ہمارے مال مویشیوں کی پرورش کی صنعت پر نہایت گہرا اثر ہوا۔ بھیڑوں کی پرورش کرنے کا کام ایک ایسی جماعت کیلئے ایک غیر ممکن الوقوع امر ہے۔ جس کی اخلاقی اور ذہنی حالت یہ ہو کہ معمولی لینڈی کتے ہزاروں کی تعداد میں پائے جائیں۔ اور وہ کاشتکاروں کے گلوں کا ستیاناس کیا کریں ؎

آلات ۔ جیساکہ اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے۔ اس سوال کا حل کہ کس قسم کے آلات اوزار وغیرہ اور کس مقدار میں استعمال کرنے چاہئیں۔ ایک حد تک مزرعہ کے رقبہ پر منحصر ہے کسی حد تک یہ جماعت کی اجتماعی اور معاشیاتی حالت پر بھی منحصر ہے۔ مثلاً اس امر پر کہ کس قسم کے مزدور دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اور خاصکر اس بات پر کہ مزدوروں کی اُجرت کیا ہے۔ ایک مشین فی الواقعہ محنت بچانے کی ترکیب ہے۔ اب آپ کو اس سے فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ منحصر ہے۔ اس بات پر کہ جو محنت اس مشین کے ذریعے سے بچتی ہے آیا اس کے مصارف کم ہیں یا مشین کے مصارف کم۔ اگر محنت کی اُجرت مشین کے مصارف کم ہو تو صحیح طور پر مشین کا استعمال کرنا نفع بخش ہے زراعتی کلوں کا بافراط استعمال بہترین ذریعہ کفایت نہیں۔ اسلئے کلیں زیادہ تعداد میں وہیں استعمال کی جاتی ہیں۔ جہاں مزدوروں کی اُجرت زیادہ ہو۔ اور وہ کمیاب ہوں۔ پھر ایک بات اور مشینوں کے وسیع استعمال کیلئے اُن مزدوروں سے جو صرف قوت جسمانی سے کام کر سکتے ہیں۔ بہت بہتر مزدور درکار ہوتے ہیں۔ وہ بہتر کس حیثیت سے ہونے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ذہنی اعتبار سے بھی اور اخلاقی اعتبار سے بھی؟ لیکن اخلاقی اعتبار سے خاص طور پر زیادہ۔ یعنی ان کو زیادہ مستقل مزاج اور ثابت قدم قابل اعتبار اور حاضر دماغ ہونا چاہیئے۔

عمارتیں ۔ عام مزرعوں میں قوت کے بے فائدہ ضائع ہوجانے کے بڑے وجوہ میں ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ اچھی عمارتیں بہت کم ملتی ہیں۔ اور جو موجود ہیں۔ اُن کی ترتیب اچھی نہیں۔ ایک نئے ملک کے کاشتکاروں کو یہ الزام دینا بہت آسان ہے۔ کہ اُن کے طور طریقے بے سلیقہ اور بے ڈھنگے ہیں۔ یا یہ کہ جب وہ اچھی مشینوں اور آلات سے کام نہیں لیتے

توان کو باہر کھلا پڑا رہنے دیتے ہیں۔ لیکن اگر آپ ان کو یہ سمجھانے کی کوشش کریں کہ اپنے آلات اور مشینوں کی حفاظت کیلئے عمارتیں بنا کر وہ کس طرح اور کس قدر روپیہ بچا سکتے ہیں۔ تو یہ بہت مشکل ہے۔ کہ وہ آپ کی بات سمجھیں۔ اور اس پر عمل کریں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ ایک نئے ملک میں عمارت کا مصالحہ اور جو محنت اس پر صرف ہوتی ہے دونو چیزیں مہنگی پڑتی ہیں۔ اصل کاشتکاروں کے پاس ہوتا نہیں۔ اور شرح سود ہوتی ہے۔ بہت زیادہ۔ پھر آلات چاہے محفوظ جگہ ہی کیوں نہ رکھے جائیں۔ تاہم بڑی جلدی خراب ہو جاتے ہیں۔ ان باتوں کے ہوتے ہوئے اگر کاشتکار عمارتیں نہ بنائیں تو وہ حق بجانب ہیں۔ اور یہ اچھی عمارتوں کے نہ ہونے کی ایک معقول وجہ ہے۔ تاہم ایک پرانے ملک میں یہ مشکلات پیش نہیں آتیں۔ ان کا حل مدتوں پہلے ہو چکتا ہے۔ اور ایسے ملکوں میں کاشتکاروں پر لاپروائی اور غفلت کا الزام نہیں دھرا جاتا۔

ایک نئے ملک میں اچھی عمارتوں کا فقدان ایک ایسا امر ہے جس کی توجیہ آسان ہے۔ لیکن اس امر کی تشریح مشکل ہے کہ عمارتیں تو موجود ہوں۔ لیکن ان کی ترتیب ایسی خراب ہو کہ گھر کا کام دھندا جو کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔ اس کی بدولت پہلے سے بھی زیادہ بکھیڑا بن جائے۔ یہ ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ کہ ہم سر دست اس پر تفصیلی بحث نہیں کر سکتے۔ مصنف کو اول تو اس کے متعلق پورا پورا علم نہیں۔ اور ہوتا بھی تو کیا تھا۔ یہاں اس پر بحث کرنے کی گنجائش ہی نہیں تاہم مختلف ملکوں میں جو مکانوں کی تقسیم و ترتیب کے طریقے نظر آتے ہیں۔ ان کا اجمالی تذکرہ فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ ان ترتیب کے طریقوں میں ایک نہایت دلچسپ طریقہ وہ ہے۔ جو شمالی فرانس میں بالخصوص نارمنڈی (Normandy) اور پیکارڈی (Picardy) میں پایا جاتا ہے۔ وہ یوں ہے کہ مزرعہ کی تمام عمارتیں کاشتکار کے سکونتی مکان سمیت ایک صحن یا چوک کے گرداگرد بنائی جاتی ہیں۔ اور سب کا منہ اندر کی طرف ہوتا ہے۔ یہ اندر کا چوک مکان کے آنگن۔ کھلیان کے سامنے صحن۔ اور مرغیوں کے پھرنے کی جگہ ان سب چیزوں کا کام دیتا ہے اسی زمانے بھر کی چیز بہت بھری جاتی ہے۔ اور اصطبل۔ گاڑی خانہ۔ اوزار خانہ۔ اناج

گودام سب کا دروازہ اس چوک ہی کی طرف کھلتا ہے۔ پھر اسی چوک میں کھاد کا ڈھیر یعنی کوڑی بھی ہوتی ہے۔ جس کے بغیر ان لوگوں کا گذارہ نہیں۔ بحیثیت مجموعی یہ انتظام کافی آرام دہ ہے۔ لیکن سکونتی مکان کا مہرہ مارا جاتا ہے۔ ہالینڈ میں یہ دستور ہے۔ کہ ایک ہی عمارت میں دنیا جہان کی چیزیں ہوتی ہیں۔ سامنے سکونتی مکان۔ پچھواڑے میں اصطبل اور وسط میں سوکھی گھاس کی کوٹھڑی اور غلہ کا کھتہ۔ ہالینڈ کے لوگ صاف ستھرے رہنے میں مشہور ہیں۔ لیکن یہ خوب انتظام انہوں نے کر رکھا ہے۔ اٹلی کے بعض حصوں میں کہیں کہیں ایسی عمارتیں نظر آتی ہیں۔ کہ کافی بڑی کشادہ ہوتی ہیں۔ پتھر کی بنی ہوتی ہیں۔ اور چھت کھپریل کی ہوتی ہے۔ نیچے کی منزل کی فرش سے اصطبل۔ اناج گودام وغیرہ کا کام لیا جاتا ہے۔ اور اوپر کی منزلیں رہنے کے کام آتی ہیں۔ نیو انگلینڈ میں ایک خاص دستور ہے جس سے بہت لوگ واقف نہیں۔ وہ یہ کہ کھلیان اور سکونتی مکان دونوں ملحق ہوتے ہیں۔ اور ان کی درمیانی کڑی یہ چیزیں ہوتی ہیں۔ کاٹھ کباڑ کی کوٹھڑی۔ اوزار خانہ یا گاڑی خانہ۔ یہ انتظام آرام دہ بھی ہے اور باکفایت بھی۔ اگر بہت سی غیر متعلق عمارتیں ہوتیں تو اتنے تھوڑے مصارف کے بدلے اتنی زیادہ جگہ نہ ملتی۔ پھر یہ فائدہ بھی ہے۔ کہ آدمی سکونتی مکان سے کھلیان تک چھت کے نیچے نیچے جا سکتا ہے۔ علاوہ بریں اس سے صفائی کی عادت بھی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ گھر کے اس قدر قریب کھلیان میں اگر چیزیں گل سڑ رہی ہوں۔ تو بدبو سے تکلیف ہوتی ہے۔ اور آدمی اس کے دُور کرنے کا انتظام کرتا ہے۔

نگرانی اور بندوبست کے مسائل۔ نگرانی اور بندوبست کے مسائل سے ایک ایسے مختصر رسالہ میں مفصل بحث نہیں ہو سکتی۔ بغیر ذاتی تجربہ اور تعلیم کے کوئی شخص مزرعہ کے روزمرہ کے کام کا اہتمام نہیں کر سکتا۔ اور جتنے کاروبار اس پیمانے پر ہوتے ہیں۔ اُن میں غالباً کوئی ایسا نہیں جس کے مینجر کو اس قدر غور۔ تدبر۔ قوت فیصلہ۔ مستعدی اور ہمت کی ضرورت ہوتی ہو۔ زراعت کا کام چونکہ موسم موسم کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ ساتھ ہر وقت نئی نئی تجویزیں سوچنی پڑتی ہیں۔

اور نئی نئی مشکلات حل کرنی پڑتی ہیں۔ ایک بات تبا کید کہہ دینی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ عمدہ طریقے سے حساب کتاب رکھنا بندوبست کے کام میں کلید کامیابی ہے۔ چاہے وہ بندوبست مزرعہ کا ہو یا مال گودام کا یا کارخانے کا یا کسی باربرداری کی کمپنی کا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے۔ جس کے تسلیم کرنے میں کاشتکاروں نے اوروں سے زیادہ سُستی سے کام لیا ہے۔ باقاعدہ حساب کتاب رکھنے کے معنی فقط یہی نہیں کہ نقد رقوم یا خرچ اور آمدنی کا بھی کھاتہ رکھا جائے۔ اس سے مراد ہے ایسا حساب کتاب جس کی مدد سے کاشتکار سال کے اختتام پر یہ معلوم کر سکے کہ مختلف قسم کے کاموں پر اُس کے مصارف کیا ہوئے ہیں۔ اور اُن سے آمدنی کیا ہوئی ہے۔ صرف یہ ایک ذریعہ ہے۔ جس سے وہ اس بات کا اندازہ کر سکتا ہے کہ نقصان کس کس بات میں ہوا ہے۔ اور فائدہ کس کس بات میں۔ اگر اُس کو یہ بات معلوم نہ ہو تو وہ تباہ کن غلطیوں کا شکار ہو سکتا ہے۔ مثلاً یہ ایک جنس سے اُسے جتنی آمدنی ہوئی ہے۔ وہ سب کسی دوسری جنس کے اُگانے میں ڈبو دے ؛

سائنٹفک انتظام ۔ مکئی کے علاقہ میں ہر کاشتکار یہ جانتا ہے۔ کہ مکی کے اوپر کا پردہ الگ کرنے کے سیدھے سادے عمل کو کن کن طریقوں سے ایک باضابطہ عمل بنایا جا سکتا ہے۔ اس فن کے جتنے ماہر ہیں۔ اُن کا طریقہ جُدا جُدا ہے لیکن ان سب کی خوبی یہ ہے کہ ایک بھٹے کا چھلکا الگ کرنے اور چھکڑوں پر لادنے کیلئے ہاتھ پاؤں ہلانے کی جتنی کم ممکن ہو ضرورت پڑے۔ اگلے زمانے میں جب مکئی کی پولیاں ہاتھوں سے باندھی جاتی تھیں۔ تو ہر ماہر فن پولیاں باندھنے والے کا مرغوب طریقہ علیحدہ علیحدہ تھا۔ لیکن اُنکی مشترکہ خوبی یہ تھی۔ کہ پولی کے باندھنے میں جو جسمانی حرکات درکار ہوتی ہیں۔ اُن کی کمترین تعداد سے کام چلتا تھا۔ اس قسم کی مثالوں سے ہمیں مزرعے کے انتظام کی باقاعدہ و باضابطہ تعلیم کی ایک بنیاد ہاتھ آتی ہے۔ گھوڑے کو ساز سجنا۔ گاڑی میں جوتنا اور کھولنا۔ اور ساز و سامان اُتارنا غلّہ اور سوکھی گھاس کا اُٹھا ڈالنا۔ مزرعے کی عمارتوں کی ضرورتوں کے مطابق تقسیم و

وتربیت اور ایک کام کو چھوڑ کر دوسرا شروع کرنا۔ یہ چھتنے امور ہیں۔ ان سب کا حل اس صورت سے ہو سکتا ہے۔ کہ مزرعہ کے انتظام کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی جائے مینجر کے سامنے ہمیشہ یہ سوال ہونا چاہیئے۔ کہ جسمانی حرکات کی تعداد کو کمترین مقدار تک گھٹایا جائے۔ اور ہر کام میں ایک ایک لمحہ کی بچت کی جائے۔ طالب علم کیلئے یہ ایک نہایت بسیط موضوع اور ایک مزرعہ کے مینجر کیلئے اپنی فراست اور ذکاوت کمال نمائی اور وقت بینی دکھانے کا وسیع میدان ہے۔ ہر وہ طریقہ کفایت جس سے محنت اور قوت جسمانی کی بچت ہو اُس کو ہمارے ملک کو دوسرے تمام ملکوں سے زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ یہاں اُجرتیں اور سب جگہ سے زیادہ ہیں۔

خرید و فروخت کے مسائل۔ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ کہ جب کاشتکاری ایک قائم بالذات[۱] صنعت کے درجے سے گذر کر ایک تجارتی کاروبار کی حیثیت اختیار کرتی ہے۔ تو اس کے پہلو بہ پہلو خرید و فروخت کا مسئلہ اہمیت میں ترقی کرتا ہے۔ اور اسی طرح جب کاشت بازار کے رائج الوقت اجناس کے درجے سے گذر کر خاص خاص اجناس کے درجے تک پہنچتی ہے۔ تو یہ مسئلہ اور بھی زیادہ اہمیت حاصل کرتا ہے۔ علاوہ اس بنیادی مسئلے کے جو خریدار کو درپیش ہوتا ہے۔ یعنی کیا چیز خریدنی چاہیئے؟ تین مسائل ایسے ہیں جو عمومی اعتبار سے اہمیت رکھتے ہیں۔ کس سے خریدنا چاہیئے۔ کس طور پر خریدنا چاہیئے۔ اور کس چیز سے خریدنا چاہیئے؟

بچولیا[۲]۔ ان میں سے جو پہلا مسئلہ ہے۔ اس کے مطالعے کے لئے ملک کی تجارت سے واقفیت رکھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ مسئلہ فی الاصل یہ ہے۔ کہ کیا بچولیوں یعنی درمیانی اشخاص سے خریدنا چاہیئے یا سیدھا پیدا کنندوں سے۔ بچولئے کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ پیدا کنندہ اور صرف کنندہ دونوں کو تکلیف سے بچائے اگر پیدا کنندہ اپنی چیز کیلئے صرف کنندہ کی تلاش میں پھرے تو اس کا کچھ وقت ضائع ہوگا

---

[۱] جو کسی کی مدد کے بغیر اپنے آپ قائم رہنے کی قدر ہو۔ [۲] Middle man یعنی وہ دلال جو کاشتکار سے جنس خرید کر بازار میں بیچے اور اس طرح پیدا کنندہ (کاشتکار) اور صرف کنندہ (خریدار) کے درمیان واسطہ بنے۔

یہ وقت اس کو اپنے پیدا آوری کے کام میں سے نکالنا پڑیگا - اور اس طرح وہ اتنی مقدار پیدا نہ کر سکے گا جتنی وہ اس تضییع اوقات کے نہ ہونے کی صورت میں کرتا - بچولیا اس کو اس تکلیف سے بچا لیتا ہے - اور اس کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنا سارا وقت پیدائش کے کام میں لگا سکے - اس لئے وہ ایک نہایت گرانقدر خدمت انجام دیتا ہے - اس لئے اس کاروبار میں کسی قدر منافع کا حقدار ہے - ایسی ہی خدمت وہ صرف کنندہ کرتا ہے - جب تک کہ بچولئے کا نفع صرف اس قدر ہو کہ اس کی خدمات کا پورا صلہ ہو - اور اس سے زیادہ نہ ہو - اس وقت تک نہ کاشتکار اور نہ اجناس زرعی کا صرف کرنے والا شکایت کرنے کا حق رکھتا ہے - تاہم بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بازار کا انتظام ایسا ہوتا ہے - کہ بچولئے کے ہاتھ میں سب اختیار ہوتا ہے - اور صرف کنندہ اس کے قابو میں ہوتا ہے - سامان پیدا کنندہ کے قبضہ سے نکل کر صرف کنندہ کے قبضہ میں آتے آتے بازار کی تنظیم (organisation) کی وجہ سے خاص خاص واسطوں یا وسیلوں سے گذر کر آتا ہے - ان کے علاوہ باقی تمام وسیلے بند ہوتے ہیں - وہ بچولئے جو ان واسطوں کے محافظ ہوتے ہیں - چاہیں تو تمام سامان پر جو وہاں سے گذرے کافی چُنگی محصول وصول کر سکتے ہیں - اس قسم کی خرابیاں دُور کرنے کیلئے یہ ضروری بات ہے کہ پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کے درمیان لین دین کے جتنے وسائط ممکن ہوں کھلے رکھے جائیں دوسرے الفاظ میں بہتر بات یہ ہے - کہ اُن کو براہ راست معاملہ کرنے کا موقع دیا جائے چاہیے اُن کو اس سے فائدہ ہو یا نہ ہو لیکن چاہے کوئی ترکیب ایسی کیوں نہ کی جائے - جس سے پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کے درمیان براہ راست خرید و فروخت کا سلسلہ قائم ہو جائے یہ بات قرین قیاس نہیں کہ بچولیا قطعاً خارج از بحث ہو جائیگا - بچولئے کی حیثیت ہمیشہ یہ رہیگی - کہ پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کو تکلیف سے بچائے - تاہم اگر پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کو ہمیشہ آپس میں براہ راست معاملہ کرنے کا موقع مل جائے - تو نتیجہ یہ ہوگا - کہ بچولیا صرف اتنا نفع لے سکیگا - جتنا اُس کا حق خدمت ہو - اگر وہ یہ کوشش کرے کہ اپنے حق سے زیادہ مطالبہ کرے - یعنی اگر اس کے مطالبات اتنے زیادہ ہوں کہ پیدا کنندہ اور

صرف کنندہ اس کی وساطت کے بغیر آپس میں سودا کرنے سے فائدے میں رہتے تو پھر کیا ہے۔ دونوں فریق اس کو جواب دیدیں گے۔ لیکن اگر دونوں کو آپس میں راہ ورسم کا موقع نہ ملے اور وہ بچولئے کی وساطت سے سودا کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ تو بچولئے کو مُنہ مانگی مراد ملیگی۔ اور اپنی خدمات کی حقیقی قدر و قیمت سے زیادہ دلالی وصول کر لیگا۔

پارسلوں کی ڈاک ان وجوہ کی بنا پر یہ نہایت اہم بات ہے کہ پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کے درمیان براہ راست لین دین کے جو موقع ہمارے بڑے شہروں کی منڈیوں میں ملتے ہیں۔ وہ برقرار رکھے جائیں۔ اور اگر پارسلوں کی ڈاک کھولدی جائے تو یہ نہایت نفع بخش ہوگی۔ اگر اس دستور پر ٹھیک ٹھیک عملدرآمد کیا گیا۔ تو صرف کنندہ کے واسطے یہ بات ممکن ہو جائیگی۔ کہ مُرغیاں۔ انڈے اور دوسری ہلکی ہلکی چیزیں پیدا کنندہ سے بذریعہ ڈاک منگالے۔ اس کے معنی یہ نہ ہونگے کہ بیوپار کا معقول حصّہ ڈاکخانہ کے ذریعے انجام پائیگا۔ تاہم اتنا ضرور ہوگا کہ پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کے درمیان ردّو بدل اور عوض و معاوضہ کا راستہ کھلا رہیگا۔ اور اس طرح بچولئے صرف اتنا نفع لے سکینگے۔ جتنا ان کا فی الاصل حق ہے۔

خریدنا کیونکر چاہیئے؟ دوسرا سوال یہ ہے۔ کہ خریدنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس سوال کا جواب اس امر کو اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے۔ کہ انفرادی طور پر خرید کرنے کے مقابلے میں امداد باہمی کے طریقے پر خرید کرنے میں کیا کیا فائدے ہیں۔ جن لوگوں نے ہمارے شہروں کے مسئلہ محنت کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ متحدہ طور پر سودا کرنے پر بہت زور دیتے ہیں۔ متحدہ سودے سے مراد وہ عمل ہے۔ جس کے ذریعے مزدوروں کا ایک گروہ متحدہ طور پر اپنے نمائندوں کے ذریعے اُجرت کا معاملہ طے کرتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس ترکیب سے مزدوروں کو اپنی من مانی شرائط طے کرانیکی زیادہ قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر اُن کو اُجرت پسند آئے تو کام کریں۔ نہ آئے نہ کریں۔ صرف کنندوں کا امداد باہمی سے دستور مروج کر سکیں۔ کیونکہ اُن کے معاشرتی حالات ناگفتہ بہ ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ امریکہ کی کاشتکاری کے بدترین مصائب میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ ہمارے اکثر

کاشتکار انتہائی درجے کے خود پرست اور اکل کھرے ہیں۔ اور ان کی یہ صفت مذمومہ اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے مشترکہ فائدے کیلئے اپنے ہمسایوں کے ساتھ شرکت کرنا گوارا نہیں کرتے۔ چند امداد باہمی کے ذخیرہ خانے کامیابی کے ساتھ چلائے گئے ہیں لیکن جتنی کوششیں اس سلسلے میں رونما ہوئیں اُن میں سے بیشتر کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ اس کی فضیلت میں صرف یہی نہیں کہ امداد باہمی کا شوق ہمارے کاشتکاروں میں ناپید ہے اکثر ایسا ہوا ہے کہ امداد باہمی کے ذخیرے ایسی جگہوں میں کھولے گئے ہیں۔ جہاں ان کی مطلق ضرورت نہیں۔ اور جہاں کوئی آڑھتی نہایت معقول کاروبار چلا رہا ہے۔ اور اپنے حق سے زیادہ مطالبہ نہیں کرتا۔ ایسے آڑھتی کے مقابلے میں امداد باہمی کے ذخیرے کا چلانا فعل عبث ہے۔ اور اگر ایسا ذخیرہ ناکام ثابت ہو تو یہی اس کا حق ہے بہر حال ایسی پیداوار جو گھٹیا بڑھیا میل کے مطابق تقسیم ہو کر بازار کے مفرد [illegible] بیچی جا سکتی ہے۔ مثلاً زمین کو کمانے کی کھادیں۔ مروجہ زراعتی مشینری۔ لکڑی اور ایسی ایسی جتنی اور چیزیں ہیں۔ اُن کے معاملے میں امداد باہمی کسی حد تک مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ کاشتکار امداد باہمی کیلئے تیار ہو جائیں اور ایک دوسرے کے متعلق بدگمانی نہ کریں۔ امداد باہمی کے ذخیروں کا فائدہ اصل میں اس بات سے نہیں ہوتا کہ جو نفع مقامی آڑھتی کو دینا ہوتا ہے۔ وہ اپنے پاس موجود رہتا ہے۔ بلکہ اس بات سے کہ چیزیں تھوڑی تھوڑی کر کے نہیں خریدی جاتیں۔ بلکہ بہت سی چیزوں کیلئے یکبارگی فرمائش کر دی جاتی ہے۔ تاہم بعض اوقات یہ فائدہ بجائے خالص امداد باہمی کی انجمنوں کے مقامی آڑھتی کے ذریعے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اعتبار (Credit)۔ یہ سوال کہ خرید کس چیز سے کرنی چاہیئے۔ اس سوال کے جواب پر موقوف ہے۔ کہ آیا ہر وقت نقد قیمت ادا کر کے چیز خریدنی چاہیئے یا اعتبار سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ یہ بہت غور طلب مسئلہ ہے۔ کہ اس بارے میں کاشتکاروں کو کیا مشورہ دینا چاہیئے۔ جو کاشتکار چیزوں کی قدر و قیمت پہچاننے میں زود رس واقع نہیں ہوا یا صحیح صحیح حساب کتاب رکھنے کا عادی نہیں اور مطالبات فرسودگی کی اہمیت نہیں

جانچ سکتا۔ اس کے لئے بھی بہتر ہے۔ کہ اعتبار سے کام لینے سے ایسے ہی بچے جیسے یہ اُس کیلئے کوئی آفت آسمانی ہو۔ اگر وہ کبھی اعتبار سے کام نہ لے تو غالبًا وہ بحیثیت کاشتکار کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کریگا۔ لیکن اگر ایک ایسا کاروبار کے معاملے میں اناڑی کاشتکار قرض لینا شروع کردے تو ایک نہ ایک دن ضرور اس کا دیوالہ نکل جائیگا۔ مگر جو کاشتکار چیزوں کی قدر وقیمت جانچنے میں تیز فہم واقع ہوا ہے۔ جو بیوپار کے ڈھنگ سے واقف ہے۔ جو حساب کتاب کے معاملے میں بڑا محتاط ہے۔ اور یہ جانتا ہے کہ فرسودگی کے کہاں تک مطالبات کرنے چاہئیں۔ پھر اُس کے ساتھ ہی ایک اچھا منیجر بھی ہے۔ ان معنوں میں کہ اچھی پیداوار کرکے اس کو نفع پر بیچ سکتا ہے۔ ایسے کاشتکار کو اعتبار سے کام لینے میں تامل نہ کرنا چاہیئے۔ اس کے ذریعے سے اس کا وقت بچے گا۔ وہ زمین پر ود چیزیں۔ وہ مزرعہ کی کلیں۔ مال مویشی اور ایسی اور چیزیں دوسرے طریقوں کی بہ نسبت اعتبار کے ذریعے سے جلدی حاصل کرسکتا ہے۔ اگر وہ خریدنے کے معاملے میں نہایت دور اندیش اور انتظام کے معاملے میں نہایت ہوشیار رہے۔ تو جو قرض وہ لیگا۔ اس سے وہ اتنا فائدہ اُٹھالیگا کہ سود بھی ادا کرسکے اور اسی کے علاوہ کافی نفع بھی بچا سکے۔ یہ نفع جو اس کو حاصل ہوگا۔ یعنی وہ رقم جو اصل زر اور سود ادا کرکے اپنے پاس بچائیگا اس رقم سے ظاہر ہوگا کہ اعتبار سے کام لینے کا کیا فائدہ ہے؟

بعض اوقات کسی ملک کے سیاسی اور معاشرتی حالات ایسے ہوتے ہیں کہ اوّل تو قرض پر مل نہیں سکتا۔ اور ملے بھی تو حد سے زیادہ شرح سود پر یا نہایت بُری شرائط پر ملتا ہے۔ ایسی صورت میں بیچارا دیانتدار اور قابل کاشتکار اپنے اجتماعی ماحول کی بدولت نقصان اُٹھاتا ہے۔ اس بنا پر ایک دیانتدار اور قابل کاشتکار کیلئے سب سے زیادہ گرانقدر چیزوں میں ایک چیز کوئی ایسا نظام اعتبار ہے۔ جس کی بدولت وہ اپنی قابلیتِ تنظیم سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکے۔

جس جماعت کی یہ معاشرتی حالت ہو کہ مالی ذمہ داری کا احساس نہایت کمزور ہو۔ قرضدار واجب الادا رقم بیباق کرنے سے گریز کریں۔ اور جماعت کے جذباتِ عامہ

اس بددیانتی کے حامی اور معاون ہوں۔ سود خوار۔ ساہوکار اور مہاجن عزت کی نگاہ سے نہ دیکھے جاتے ہوں۔ اور ان کے ساتھ انصاف نہ کیا جاتا ہو۔ ایسی جماعت ہمیشہ ترقی میں پیچھے ہوتی ہے۔ ایسی جماعت میں رہنا ایک دیانتدار اور قابل کاشتکار کیلئے ناموافق ہے کیونکہ زر اور اعتبار کم۔ شرح سود زیادہ اور قیمتیں تھوڑی ہوتی ہیں۔ جن لوگوں کے پاس اصل ہوتا ہے جسے وہ کسی کام میں لگا سکتے ہیں۔ جو لوگ دور اندیش اور باہمت ہوتے ہیں۔ یعنی جو لوگ جماعت کی خوشحالی کا باعث ہوتے ہیں وہ لوگ ایسے ماحول سے گریز کرتے ہیں۔ جس جماعت میں اس قسم کے لوگ ناپید ہوں اور ایسے لوگوں کی کثرت ہو جو مالی ذمہ داری کے احساس سے خالی ہوں اور اپنے سے زیادہ خوشحال اور ترقی یافتہ اشخاص سے نفرت کرتے ہوں ایسی جماعت کی قسمت میں یہی لکھا ہے کہ ہمیشہ نہیں تو کم از کم کچھ مدت تک وہ خستہ حال اور مفلس اور زیادہ روشن خیال قوموں میں بدنام اور ضرب المثل رہے۔ کاشتکار عموماً چار قسم کے اعتبار سے کام لیتے ہیں۔ انفرادی اعتبار۔ سٹور کا اعتبار۔ بنک کا اعتبار۔ اعتبار امداد باہمی۔ انفرادی اعتبار وہ ہوتا ہے کہ ایک کاشتکار ذاتی طور پر ایک مہاجن سے ان شرائط پر جو اُن دونوں کے درمیان مقرر ہوں قرض لے۔ یہ قرض کی سادہ ترین قسم ہے۔ اور اگر فریقین دونوں دیانتدار اور دانشمند ہوں تو یہ سب سے زیادہ تسلی بخش ہے۔ تاہم اس کا اطلاق بہت وسیع نہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک صرف کنندہ ایک پیدا کنندہ سے براہ راست خریدتا ہے۔ یہ ایک نہایت اعلیٰ دستور ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنے کا امکان نہیں۔

سٹور کا اعتبار۔ سٹور کے اعتبار سے کم و بیش ہر دیہاتی جماعت میں کام لیا جاتا ہے اکثر حالات میں سٹور کے اعتبار کی صورت یوں ہوتی ہے کہ کاشتکار مقامی سٹور کیپر یا ذخیرہ دار سے وہ سامان خریدتا ہے۔ جو گھر کے کاروبار چلانے کیلئے ضروری ہو۔ اور اس کی قیمت اس وقت ادا کرتا ہے۔ جب فصل کاٹی جا چکے۔ بعض بعض جگہ اس دستور نے اتنی ترقی کی ہے کہ تمام دیہاتی زندگی پر چھا گیا ہے۔ ایک مقامی سٹور کے کاروبار کا بہت سا حصہ بجائے خرید فروخت کے اس قرض سے متعلق ہوتا ہے۔ جو وہ مختلف اشخاص کو دیتا ہے۔ جہاں کہیں یہ

دستور مروج ہے۔ تقریباً ہر کاشتکار موسم کے شروع میں یہ انتظام کرتا ہے کہ مقامی سٹور سے چیزوں کی کچھ مقدار قرض پر لے۔ اور اپنی فصل کو یا تو سٹور کیپر کے پاس گروی رکھ دے یا اُسے اس فصل کا حق قانونی دے۔ اس طور پر سٹور کیپر کو یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ کاشتکار سے جس قسم کی فصل چاہے کاشت کرائے۔ اور بعض اوقات تو یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ وہ کاشت کا طریقہ بھی خود ہی بتاتا ہے اور اس پر کاشتکار کو کاربند ہونا پڑتا ہے۔ وہ طریق کاشت خود اس لئے بتاتا ہے۔ کہ اس کو اپنی حفاظت مقصود ہوتی ہے۔ یعنی وہ یہ چاہتا ہے۔ کہ اُس کو رہن یا استحقاق قانونی سے کچھ فائدہ بھی ہو۔ قرض پر وہ ایسی چیزیں دیتا ہے۔ جیسے گھر کے استعمال کی معمولی چیزیں۔ گھوڑوں کا دانہ۔ بیج۔ زمین پر ور چیزیں۔ آلات۔ اوزار وغیرہ۔ یہ دستور گو بذاتِ خود بُرا نہیں۔ تاہم بہت سی صورتوں میں نہایت تباہ کن ثابت ہوا ہے بالخصوص جنوب کی کپاس کی ریاستوں میں۔ بعض اوقات تو اس وجہ سے کہ اسٹور کیپر کو جن کاشتکاروں سے واسطہ پڑا ہے۔ وہ نہایت فضول خرچ اور ناقابل تھے۔ اور بعض اوقات اس وجہ سے کہ خود اسٹور کیپر بددیانت تھا۔ اور بعض اوقات دونو وجوہ کی بنا پر۔

بنک کا اعتبار۔ بالجملہ بنک کا اعتبار اگر کسی اور دستور سے مثلاً اسٹور کے کام سے مخلوط نہ کر دیا جائے۔ بلکہ ایک خالص اعتبار کا دستور ہو تو اس صورت میں اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں بنک کا اعتبار بہ نسبت سٹور کے اعتبار سے بہتر ہے اوّل یہ بات ہے کہ جب کوئی شخص ایک سٹور سے قرض لیتا ہے۔ تو وہ زر قرض پر نہیں لیتا اس کو اور چیزیں وصول ہوں تو ہوں۔ لیکن زر وصول نہیں ہوتا۔ علاوہ بریں اُس کو یہ آزادی نہیں ہوتی۔ کہ جہاں سے چاہے اشیائے ضروریہ خریدے۔ وہ صرف اعتبار مستعار لیتا ہے اور وہ مجبور ہوتا ہے کہ جس سٹور سے وہ قرضہ پر چیزیں لے۔ تو یا تو اُسے زر وصول ہوتا ہے یا اُسے حق حاصل ہو جاتا ہے کہ جب چاہے وہاں سے زر وصول کرلے۔ اس طور پر اُسے یہ اُسے اختیار رہتا ہے کہ اُس زر کے ساتھ جس اسٹور سے چاہے یا جس طریقے سے چاہے اشیائے ضروریہ خرید لے۔ اس صورت میں اُسے بہ نسبت اس کے کہ وہ اسٹور سے قرض لے

زیادہ آزادی اور خود مختاری حاصل ہوتی ہے۔ جن جن ملکوں میں بنک کافی ترقی کر چکے ہیں۔ اور مختلف بنکوں کے درمیان مقابلہ جاری ہے۔ وہاں یہ ممکن نہیں۔ کہ شرح سود حد سے زیادہ ہو گو یہ ضرور ہے کہ وہ تھوڑی کبھی نہیں ہوتی۔ بنک کو یوں سمجھئے۔ کہ ایک بچولیا ہے۔ وہ وہی کام انجام دیتا ہے۔ جو ایک بچولیا انجام دیتا ہے۔ اور اس لئے اس کا وہی حق ہوتا ہے۔ جو ایک بچولیئے کا ہوتا ہے۔ جب تک کہ کوئی قرض لینے والا قرض دینے والے سے براہ راست قرض لے سکے۔ اس وقت تک وہ منافع جو بنک کو دینا پڑتا ہے۔ اپنے پاس ہی بچایا جا سکتا ہے۔ لیکن جب یہ حالت ہو کہ قرض لینے والے کو کوئی قرض دینے والا مشکل سے ملے۔ یا انسانوں کے ذاتی تعلقات ایسے ہوں کہ وہ ایک دوسرے سے ذاتی طور پر دادوستد نہ کر سکیں تو بنک فی الحقیقت ایک بڑی خدمت انجام دیتا ہے۔ جن کے پاس کچھ پس ماندہ رقم ہے۔ وہ اُسے بنک میں بطور امانت جمع کرا سکتے ہیں۔ اور جن کو زر کی ضرورت ہے۔ وہ بنک سے زر لے سکتے ہیں۔ دونو فریق اس طرح زحمت سے بچ جاتے ہیں۔ علاوہ بریں بنک عموماً ذاتی تعلقات سے بے نیاز ہو کر مقررہ قواعد و ضوابط کے مطابق معاملہ کرتے ہیں۔ اور ان مقررہ قواعد و ضوابط سے ذاتی رعایتوں کو ملحوظ رکھ کر سر مو انحراف نہیں کرتے۔ داد و ستد جیسے نازک معاملات میں یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ جس کا اندازہ کرنے سے کاشتکار عام طور پر قاصر رہتے ہیں کاشتکاروں کی جماعت میں قرض کے معاملے میں ذاتی رعایت کو ملحوظ رکھنے سے جس قدر تباہی پھیلی ہے یا جس قدر رنجشیں پیدا ہوئی ہیں۔ اتنی کسی اور چیز سے نہیں ہوئیں۔ اور جتنے نقصانات مالی ہوئے ہیں۔ اُتنے غالباً کسی اور چیز سے نہیں ہوئے۔

مغرب وسطیٰ کی ہر بستی میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو اُس دن کو روتے ہیں۔ جب اُنہوں نے ذاتی لحاظ ملاحظہ کی وجہ سے اپنے آپ کو ڈبو دیا۔ مروت کی وجہ سے لوگوں کو روپیہ قرض پر دیدیا۔ یا دوستوں کے ذاتی رقعوں کی بنا پر دیا ساٹھ سال کی عمر سے بڑا کوئی کاشتکار لے لیجئے۔ جو کسی زمانے میں کاروباری قابلیت اور دیانتداری کی وجہ سے مشہور تھا۔ آپ دیکھیں گے کہ اس شہرت کی وجہ سے اس کو ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ بیسیوں مرتبہ روپے کے معاملے میں ضرور زیر بار ہونا پڑا ہے۔ ایسے لوگوں پر یہ عموماً گذرتی ہے۔ کہ اگر اُن کے کوئی [illegible] ایسے ہوں جو بد دیانت

ہوں۔ اور ان پر اعتبار کم ہو تو ان کے رقعوں کی ان لوگوں سے تصدیق کرالی جاتی ہے۔ گذشتہ زمانے میں اس قسم کی عنایتوں کی اُن سے درخواست کی جاتی تھی۔ اور کوئی خوش قسمت ایسا ہو گا۔ کہ ایسی درخواستیں مان کر اُس نے مالی نقصان نہ اُٹھایا ہو۔ ایسے بنکوں کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے۔ کہ عزت دار اور ایماندار آدمیوں کو اس قسم کے جعلساز لوگوں کے پھندے سے بچایا جا سکتا ہے۔

قرضۂ امداد باہمی ۔ قرضہ امداد باہمی نے ہمارے ملک میں کوئی شاندار ترقی نہیں کی۔ یورپ کے ممالک میں اور خاصکر چھوٹی حیثیت کے کسانوں میں اس کا دستور گذشتہ چند سال سے عام ہے۔ امداد باہمی کے بنکوں کی تین ممتاز اقسام ہیں۔ جنہوں نے ان دنوں ترقی کی ہے۔ اوّل وہ جسے ریفائیزن دستور (Raifeisen system) کہا جاتا ہے دوسرا وہ جسے شُلزے (Schulze Delitzch system) دستور کہا جاتا ہے۔ تیسرے کا کوئی خاص نام نہیں۔ لیکن وہ اس طور پر ہے۔ کہ بہت سے لوگ ملکر ایک جماعت بناتے ہیں۔ جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ مشترکہ کفالت پر کوئی معقول رقم قرض لیں۔ ہر شخص اپنا اپنا حصہ اس قرضے میں سے لے لیتا ہے۔ اور کل رقم کی ادائیگی کا دوسروں کے برابر ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس دستور کے لئے اعتبار کے کسی خاص نظام کی ضرورت نہیں نہ اس کے لئے کسی ادارہ کی ضرورت ہے۔ جیسے بنک فرض کیجئے کہ دس کاشتکار ہیں۔ وہ پانچ برس کی مدت کیلئے فی کس ۱۰۰۰ ڈالر چاہتے ہیں۔ اب ان کو صرف یہ کرنا ہوتا ہے کہ ۱۰۰۰۰ ڈالر کیلئے ایک مشترکہ رقعہ پر دستخط کردیں۔ اس ذریعہ سے وہ مل کر اتنی کم شرح سود پر زر لیتے ہیں کہ اکیلا شخص نہ لے سکتا تھا۔ لیکن اس دستور میں چونکہ مشترکہ طور پر ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس لئے اس پر وہی لوگ عمل کر سکتے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے بخوبی واقف ہوں اور ایک دوسرے کی ساکھ اور مالی حیثیت پر اعتماد رکھتے ہوں۔

ریفائیزن دستور ۔ ریفائیزن طریقہ جو اپنے بانی ہر ایف ڈبلیو ریفائیزن کے نام سے منسوب ہے۔ جرمنی میں ۱۸۴۷ء کے قحط کے بعد ایجاد ہوا۔ ہر ریفائیزن نے دیکھا۔ کہ ساہوکاروں کے ہاتھوں کاشتکاروں پر کیا کیا مصیبتیں پڑتی تھیں اور انہیں

کیسی کیسی سخت شرائط پر روپیہ مہاجنوں سے لینا پڑتا تھا۔ اُس نے اس صورت حالات کی اصلاح کرنے کی بہت کوشش کی بالآخر ۱۸۴۹ء میں اُس نے فلیمرس فیلڈ (Flammersfield) میں ایک امداد باہمی کا بنک کھولا۔ اس بنک کا مقصد یہ تھا کہ روپیہ تھوڑی شرح سود پر قرض دیا جائے۔ اور وہ بھی زراعتی پیداوار مقاصد کیلئے اور ایسے کاشتکاروں کو جو مقررہ قوانین کے مطابق عمل کرنے کو تیار رہوں۔ یہ تجویز کامیاب ثابت ہوئی۔ چنانچہ بہت سے بنک ملک کے مختلف حصوں میں یکے بعد دیگرے کھولے گئے۔ ان بنکوں کی تنظیم جن اصولوں کے مطابق ہوئی وہ یہ ہیں۔ اوّل ہر شخص جو اس تجویز میں حصہ لے۔ تمام اس اصل کا جو قرض لیا جائے ذمہ وار ہوگا۔ یعنی اُس پر ذمہ داری غیر محدود عائد ہوگی۔ دوسرے روپیہ ایک کاشتکار کو صرف زراعتی مقاصد کیلئے قرض دیا جائے گا۔ کسی شخص کو قرض نہیں دیا جائے گا۔ جب تک کہ یہ دریافت نہ کر لیا جائے۔ کہ وہ روپیہ کو کس مصرف کیلئے چاہتا ہے۔ پھر اگر اس بات کی تسلی ہو جائے۔ کہ اُس کو قرض لینے میں نفع ہے۔ تو زر اُسے دیا جائیگا۔ یعنی نمائندے اس بات کا فیصلہ کرینگے۔ کہ آیا وہ مقصد جس کیلئے شخص مذکور زر چاہتا ہے۔ ایسا ہے یا نہیں کہ اُس شخص کیلئے نفع بخش ثابت ہو۔ اور اُسے اس قابل بنادے کہ وہ اپنا قرض بھی اُتار دے اور کچھ اپنے پاس بھی بچا رکھے ہ

ان حالات کے ماتحت بنک کے تمام ارکان کے دلوں میں استواری اور باہمی ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ تجربہ بتاتا ہے۔ کہ اس قسم کے قرضوں سے اب تک کسی کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اس تنظیم کی تیسری خصوصیت یہ ہے۔ کہ پہلی تنظیم کے بعد نئے اراکین اُن لوگوں کے ووٹ سے جو پہلے اراکین ہیں۔ انتخاب کئے جاتے ہیں۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے۔ کہ یہ بنک چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور محدود رقبوں سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ صرف قریب قریب کے ہمسائے ایک بنک کے ممبر ہوں۔ اس کی ضرورت اس لئے لاحق ہوتی ہے۔ کہ ہر رکن اُس قرضے کا ذمہ وار ہوتا ہے جو دوسرے ارکان کو دیا جائے۔ پانچویں بات یہ ہے کہ بنک کا انتظام سراسر جمہوری

قاعدے کے مطابق ہوتا ہے۔ تمام مقامی مسائل کے متعلق قطعی اور فیصلہ کن رائے مجلس عامہ کی ہوتی ہے۔ جس میں ہر رکن کو رائے دینے کا حق ہوتا ہے۔ بنک کی کتابوں اور رجسٹروں کا ہر رکن جس وقت چاہے جائزہ لے سکتا ہے۔

شلزے دستور۔ شلزے کے قاعدے کے مطابق جو بنک جاری کئے گئے۔ وہ ریفائیزن بنکوں کے ساتھ وجود میں آئے۔ لیکن دونوں میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ شلزے بنکوں کا تعلق ریفائیزن بنکوں کی بہ نسبت زیادہ متمول طبقے سے ہے وہ ذمہ واری غیر محدود (Unlimited liability) پر منحصر نہیں ہوتے۔ جب اُن کو ضرورت ہو وہ اپنا راس المال حصے بیچ کر جمع کرتے ہیں۔ وہ اپنے عہدہ داروں کو تنخواہ دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات مادی ضمانت (Collateral security) طلب کرتے ہیں۔ قرضۂ امداد باہمی کے ایک اور دستور نے جو ریفائیزن طریقے سے بعض باتوں میں ملتا جلتا ہے۔ گذشتہ چند سالوں میں ڈنمارک اور آئرلینڈ میں ترقی کی ہے۔ اور ان ملکوں کی زراعت کی زندگی کا ایک زبردست سبب ثابت ہوا ہے ڈنمارک میں اس نے سب سے زیادہ ترقی کی ہے۔ وہاں اس کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ اس کی بنا دہقانی آبادی کے باہمی دوستانہ تعلقات اور ایک دوسرے کی خیر خواہی پر ہے۔ چند ہمسائے ملکر ایک بنک قائم کر لیتے ہیں۔ اور اس کا ایک صدر اور مجلس منتظمین انتخاب کر لیتے ہیں۔ صرف ایک شخص کو تنخواہ ملتی ہے۔ یعنی اس کو جو حساب کتاب ٹھیک ٹھاک رکھنے کا ذمہ لے۔ عموماً اس کو تنخواہ ۱۵۰ ڈالر سالانہ ملتی ہے۔ یہ تنخواہ اور دفتر کے باقی ضروری اخراجات بنک کے منافع سے ادا کئے جاتے ہیں۔ بنک کا منافع کیا ہوتا ہے۔ بنک جو شرح سود قرضداروں سے لیتا ہے۔ اس میں سے وہ شرح سود جو وہ ان لوگوں کو ادا کرتا ہے۔ جن کا روپیہ[1] بنک میں جمع ہوتا ہے۔ منہا کی جائے

[1] روپیہ اور زر کے الفاظ بغیر کسی فرق کے استعمال کئے گئے ہیں۔ اصطلاحی لفظ تو فقط زر ہونا چاہیئے لیکن کہیں کہیں روپیہ کا لفظ زیادہ مانوس اور کثیر استعمال ہونیکی وجہ سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ روپیہ سے ہماری مراد اس کتاب میں کہیں بھی اُس سکہ سے نہیں جو ہندوستان میں رائج ہے (مترجم)

تو جو حاصل تفریق ہو وہ بنک کا منافع ہے۔ اخراجات چونکہ بہت کم ہوتے ہیں۔ اس لئے روپیہ دینے اور لینے کی شرح سود میں ½ فیصدی کا فرق بہت زیادہ ہوتا ہے معمولی اخراجات کے بعد اگر کچھ رقم بچ رہے۔ تو وہ اپنے کسی مشترکہ یا کسی رفاہ عام کے مقصد کیلئے خرچ کی جاتی ہے۔ بنک مقررہ تاریخوں پر جو مہینے میں عموماً دو مرتبہ آتی ہیں امانتیں جمع کرتا ہے اور قرضہ دیتا ہے۔ ان تاریخوں پر مجلس منتظمہ کا کوئی رکن موجود ہوتا ہے۔ لیکن اس کو اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا۔

جن ماہرین نے ریفائیزن اور شلز کے نظام ہائے امداد باہمی کا بنگاہ غور مطالعہ کیا ہے اُن کی رائے ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ بغیر قابلقدر ترمیم کے ریاستہائے متحدہ کے مناسب حال ہو۔ ممکن ہے کہ جہاں نہایت مفلس اور نادار کاشتکار رہتے ہوں وہاں بعض حالات میں ریفائیزن طریقہ مفید ثابت ہو۔ لیکن ذمہ داری غیر محدود کا اصول جس پر اس کی بنیاد ہے۔ ایسا اصول ہے کہ جو کاشتکار اچھے کھاتے پیتے متمول اور صاحب ملکیت ہیں وہ اس کا نام سننے کیلئے بھی تیار نہ ہونگے۔ جس کاشتکار کے پاس معقول ملکیت ہو گی۔ وہ ایک ایسے بنک کی تجویز میں حصہ نہ لے گا جس میں اس کو یہ خطرہ ہو کہ کل کو اگر بنک کا دیوالہ نکل جائے۔ تو اس کی ساری ملکیت بنک کا قرضہ ادا کرنے کیلئے چھن جائیگی۔ اگر نہایت غریب کاشتکاروں کی کوئی جماعت ہو۔ جن میں سے کسی کے پاس ایک سو ڈالر سے زیادہ کی ملکیت نہ ہو۔ اور سب کے سب ایک جیسے مالدار ہوں۔ یا یوں کہئے۔ کہ ایک جیسے غریب ہوں۔ تو اس جماعت میں ذمہ داری غیر محدود کا اصول لازمی ہے۔ اس بغیر قرضہ موافق شرائط پر نہ مل سکیگا۔ اور یہ کاشتکار کے انفرادی نقطۂ نگاہ سے کوئی بڑا نقص نہیں۔ بلکہ اس بات کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ قرضہ امداد باہمی کی انجمنیں جن کی بنا ذمہ داری غیر محدود پر ہو ہمارے ملک میں ترقی کیوں نہیں کرتیں۔

فروخت کے مسائل مزرعہ کی پیداوار فروخت کرنے کا مسئلہ چند اُن مسائل کو لئے ہوئے ہے۔ جو مسئلہ خرید میں بھی شامل ہیں۔ مثلاً یہ کہ آیا جنس براہ راست صرف کنندوں کے ہاتھ بیچنی چاہیئے۔ یا بچولیوں کے ذریعے آیا انفرادی طور بیچنی چاہیئے۔ یا امداد باہمی کے

طریقے کے مطابق اور اس طرح کے اور جتنے مسائل ہیں۔ اُن کے ضمن میں انہی امور کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ جن کا تذکرہ مسئلہ خرید کی بحث میں آچکا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے فروخت کا مسئلہ مقابلتہً ایک سیدھا سادہ مسئلہ ہے۔ بشرطیکہ کاشتکار صرف بازاری اجناس کی پیداوار کرے۔ ان اجناس کا بازار میں کسی نہ کسی قیمت پر ضرور مانگ ہوتی ہے اور بھاؤ ہمیشہ مقرر ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص خاص خاص اجناس پیدا کرتا ہے۔ اُس کو اپنے لئے کوئی خاص بازار تلاش کرنا پڑتا ہے۔ اگر ایسا بازار موجود ہو تو اس کو خاص اور گنجائشی دام وصول ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر ایسا بازار اُس شخص کو نہ ملے تو ممکن ہے کہ اعلیٰ قیمت کا تو تذکرہ ہی کیا وہ تھوڑی سی قیمت پر اپنی چیزوں کو فروخت نہ کر سکے۔ اس لئے سب کچھ ایک خاص بازار کے موجود ہونے پر اور اس امر پر کہ کاشتکار بیچنے میں کتنی مہارت رکھتا ہے۔ منحصر ہے۔

مزرعہ کی اجناس خواہ وہ بازار کی رائج الوقت اجناس ہوں۔ خواہ خاص خاص اجناس اُن کے بیچنے میں بعض امور ایسے ہیں۔ کہ معاشیات کے طالب علم کو اور کسی حد تک کاشتکار کو بھی ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً بیچنے کے چار مسلّم طریقے ہیں۔ اوّل واحد مقداروں میں بیچنا۔ یعنی تودہ فروشی دوسرا ٹھوک فروشی۔ تیسرا نمونہ سے بیچنا۔ چوتھا گھٹیا بڑھیا میل کے مطابق بیچنا۔ ان چار طریقوں کی مثال حسب ذیل ہے:-

ایک گھوڑے کی فروخت میں خاصکر جب وہ گھوڑا اصیل ہو۔ صرف پہلا طریقہ ممکن العمل ہے۔ ہر گھوڑا علیحدہ علیحدہ اپنی انفرادی صفات کا مالک ہوتا ہے۔ اور ایک جداگانہ قدر و قیمت رکھتا ہے۔ چنانچہ ہر گھوڑا بذاتِ خود ایک مقدار واحد یا اکائی ہے۔ اور بطور ایک مقدار واحد یا اکائی کے بیچا جاتا ہے۔ جو جانور ذبح کرنے کے لائق ہیں۔ مثلاً گائے یا سؤر۔ اُن کا ایک گلہ کا گلہ ایک ٹھہرائی ہوئی قیمت پر بحساب فی پونڈ یا فی ہنڈرڈ ویٹ بیچا جائے گا۔ لیکن خریدنے سے پہلے سارے گلّے کی دیکھ بھال کی جائیگی اور قیمت ٹھہرائی جائیگی۔ اس کے معنی ہیں سارا ڈھیر یکبار بیچنا۔ یعنی ٹھوک فروشی۔ تیسرا طریقہ یعنی نمونہ سے بیچنا۔ عموماً خاص خاص زراعتی اجناس یا پھلوں اور ترکاریوں کے بیچنے میں اختیار کیا جاتا ہے۔ ساری مقدار کا ملاحظہ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بمصداق مُشتے نمونہ از خروارے کچھ نمونہ دکھا دیا جاتا ہے۔ اور اس نمونہ کی بنا پر قیمت کا فیصلہ

ہوتا ہے۔ چوتھے طریقے کی مثال یہ ہے۔ مبادلہ پیداوار کے بعض بازاروں میں مثلاً شکاگو کے بورڈ آف ٹریڈ (Board of Trade) میں یہ ہوتا ہے۔ کہ گیہوں۔ سؤر کا گوشت وغیرہ جیسی بازاری پیداوار حسب احکام کے حسب الحکم گھٹیا بڑھیا میلوں میں تقسیم کی جاتی ہے اور پھر خریدار بشل یا پونڈ کے حساب سے کسی خاص میل کی پیداوار خرید لیتا ہے۔ اُس کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی۔ کہ اس کو کونسا ڈھیر ملتا ہے۔ اس کو صرف اس بات کی پرواہ ہوتی ہے۔ کہ مطلوبہ میل کی ضروری پیداوار ہاتھ آجائے۔ اور تو اور وہ نمونہ تک نہیں دیکھتا۔ اسے کہتے ہیں میل یا درجہ کے مطابق بیچنا۔

ان میں سے پہلا طریقہ سب سے زیادہ بیش خرچ ہے اور آخری سب سے کم خرچ۔ لیکن آخر الذکر پر عمل کرنے کا امکان صرف چند صورتوں میں ہوتا ہے۔ جس جس صورت میں یہ ممکن العمل ہو۔ اس کے اختیار کرنے سے بہت سی قوتِ معاشرتی کی بچت کی جا سکتی ہے علاوہ بریں جو رقم پیدا کنندہ کو ملتی ہے۔ اور جو رقم صرف کنندہ دیتا ہے۔ اس کے درمیان فرق دوسری صورتوں کی بہ نسبت بہت کم ہوتا ہے۔ بچولئے کے ہاتھ میں پیداوار کی بہت سی اقسام بڑی مقداروں میں ہوتی ہیں۔ اس لئے پیداوار کی ہر مقدار واحد پر بہت تھوڑا نفع اس بات کیلئے کافی ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے بیوپار کے اخراجات چلائے۔ اور کچھ نفع بھی پس انداز کرے جہاں یہ طریقہ ممکن العمل نہیں ہوتا۔ وہاں بیچ کرنے والے کو بہت دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے۔ اسلئے اس کو بہت سا وقت لین دین کی بات چیت میں ضائع کرنا پڑتا ہے۔ اُس کا جو وقت اور جو طاقت صرف ہوتی ہے۔ اُس کا معاوضہ پیدا کنندہ یا صرف کنندہ کو یا دونوں کو دینا پڑتا ہے۔ یہ جو معاوضہ زیادہ ہوتا ہے یہ یوں ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جو رقم پیدا کنندہ کو ملتی ہے۔ اور جو رقم صرف کنندہ دیتا ہے۔ اُن کے درمیان بہت بڑا فرق ہوتا ہے اور یہ فرق بہ نسبت اس صورت کے کہ چوتھا طریقہ اختیار کیا جائے۔ غیر ضروری طور پر زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ نمونہ سے بیچنے اور میل یا درجہ کے مطابق بیچنے میں جو فرق ہوتا ہے وہ اون اور کپاس کا مقابلہ کرنے سے واضح ہو سکتا ہے۔ کپاس کے میل بڑی آسانی سے بنائے جا سکتے ہیں۔ لیکن اون کے میلوں کو تقسیم کرنا اس قدر آسان نہیں چنانچہ

کپاس کو درجہ یا میل کے مطابق بیچا جاتا ہے۔ اور اون کو نمونہ سے ؛

فصل کے بیچنے میں اندازہ ۔ ایک سوال یہ بھی ہے کہ کب بیچنا چاہیئے۔ آیا یہ بہتر ہے۔ کہ ادہر فصل کٹے اور ادہر بیچ دی جائے۔ یا یہ کہ اپنے پاس محفوظ رکھی جائے تا آں کہ قیمتیں چڑھ جائیں۔ یا یہ کہ فصل کاٹنے سے پہلے بیچ دی جائے۔ اگر فصل کٹنے سے پہلے بیچ دی جائے یا قیمتوں کے چڑھنے تک اپنے پاس رکھی جائے۔ تو دونوں صورتوں میں ہم بازار کے متعلق اندازہ کرتے ہیں۔ ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ کہنا چاہیئے۔ کہ کاشتکار کیلئے مصلحت اسی میں ہے کہ اپنے کاشت کے کام سے کام رکھے اور اندازہ کا کام دوسروں کو کرنے دے جو اُسے اپنے لئے مخصوص کرلیں۔ یہ ایک ایسا زریں اصول ہے کہ کاروبار کے دوسرے شعبوں میں کامیاب آدمی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ مثلاً سمجھدار چکی والا تخمین سے جہاں تک ہو سکے گریز کرتا ہے۔ اگر کام لینے کی غرض سے اُسے قبل از وقت ٹھیکہ لینا پڑے تو وہ خود کو جوکھوں میں ڈالتا ہے۔ لیکن اس کی پیش بندی وہ یوں کرتا ہے۔ کہ پیشگی گیہوں خرید لیتا ہے۔ فرض کیجئے کہ کسی چکی والے نے یہ ٹھیکہ لیا ہے۔ کہ ایک ہزار بیرل (Barrel) فی ہفتہ کے حساب سے وہ چھ مہینے تک ایک مقررہ قیمت پر آٹا دیگا وہ جانتا ہے کہ آجکل گیہوں کا نرخ کیا ہے۔ لیکن اُسے یہ معلوم نہیں کہ تین مہینے گذرنے پر اُس کا نرخ کیا ہو جائیگا۔ اگر قیمت چڑھی اور وہ اپنے اجارہ سے سبکدوش ہونے کیلئے ہفتہ وار گیہوں خریدے اور ٹھیکہ کی قیمت پر آٹا دے۔ تو اس کا نفع خاک میں مل جائیگا۔ گو یہ بات ضروری ہے۔ کہ گیہوں کی قیمت اگر گر گئی۔ تو اُس کے پو بارہ ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اس کا کام ہے۔ چکی چلانا اور جتنی قوت اور توجہ اس کیلئے ممکن ہے وہ سب اس کو اسی کام پہ خرچ کرنی پڑتی ہے۔ اس کے پاس اتنا وقت اور اتنی قوت کہاں کہ وہ بازار کے حالات کا خیال رکھے اور یہ سوچے کہ تخمین سے کام لینا چاہیئے یا نہیں۔ اسلئے اپنے آپ کو کلی طور پر مامون و مصئون رکھنے کیلئے وہ کیا کرتا ہے۔ کہ وہ آج ہی ایک مقرّرہ قیمت پر اتنا گیہوں خرید لیتا ہے کہ چھ مہینے تک کافی ہو سکے اور وہ اپنے ٹھیکے کے فرائض سے سبکدوش ہو جائے۔ اس عمل کے

مطابق اُسے معلوم ہوتا رہتا ہے۔ کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ بظاہر تو یہ بھی تخمین ہی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن دراصل یہ تخمین کے خطرات سے بچنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اب ایک اور چکی والے کو لیجئے۔ اس نے کسی طے شدہ قیمت پر آٹا بہم پہنچانے کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ لیکن اُسے امید ہے کہ جب آٹا تیار ہو گیا تو فوراً ایک خاص قیمت پر بک جائیگا۔ یہ شخص ایسا کر سکتا ہے کہ گیہوں کی دائمی رسد کا اطمینان بخش انتظام کرنے کی غرض سے وہ گیہوں کی اتنی مقدار خرید لے کہ موسم بھر کو کافی ہو سکے اور گیہوں کی قیمت اس اثنا میں چڑھ گئی تو آٹے کی قیمت بھی چڑھیگی اور اس کو نفع ہوگا۔ اگر قیمت گھٹی تو پیشگی خریدنے سے اس کو خسارہ ہوگا۔ اب اس تخمینی خطرے (Speculative risk) کو رفع کرنے کیلئے وہ ایک اور ترکیب کرتا ہے۔ جتنی مقدار گیہوں کی اُس نے خریدی ہے۔ اس کو پیشگی بیچ دیتا ہے۔ یا اس کے متعلق معاہدہ کر لیتا ہے۔ اس ترکیب سے وہ خطرے سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر گیہوں کی قیمت بڑھے تو جتنا اس کو خریدے ہوئے گیہوں پر نقصان تھا۔ اتنا ہی اس کو گیہوں پر نفع ہو جائیگا۔ جو وہ بیچے گا۔ اس ترکیب سے بھی اس کو پتہ چلتا رہتا ہے۔ کہ وہ کتنے پانی میں ہے وہ چاہے تو آٹا تیار کرنے کے کام میں مصروف رہے۔ ساری توجہ اپنے کاروبار کو دے اور بازار کے حالات کا خیال رکھنے اور قیمتوں کے متعلق پیشگی اندازہ لگانیکا کام پیشہ ور تخمین (اندازہ لگانیوالے) پر چھوڑ دے اس میں شک نہیں کہ بہت سے کاشتکار ایسے ہیں جنہوں نے اس سے نقصان اُٹھایا ہے بطور موازنہ دو کاشتکار کو لیجئے جن میں سے ایک کاشتکار ایک سال تک جنس کو اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے تا آنکہ قیمتیں چڑھ جائیں۔ دوسرا اس فصل کو کاٹتے ہی بیچ دیتا ہے۔ امکان اس بات کا ہے کہ جو کاشتکار جنس کو محفوظ رکھتا ہے۔ اس کو اتنا نفع نہ ہوگا۔ کہ گودام بھرنے کا خرچ، بیمہ کے اخراجات اور جو روپیہ بیکار پڑا ہے۔ اُس کا سود ان سب کی کسر اُن سے نکلے۔ اسلئے جو کاشتکار فصل کاٹتے ہی جنس بیچ کر الگ ہو جاتا ہے۔ اس کو بھی مجموعی طور پر اتنا ہی فائدہ ہوگا جتنا اس شخص کو جو جنس کو محفوظ رکھتا ہے۔ لیکن یہ نتیجہ جو ہم نے استنباط کیا ہے یہ اس مقدمہ پر مبنی ہے کہ جنس ایسی ہو جس کیلئے کوئی باقاعدہ بازار ہو۔ اور جس کی خرید و فروخت

کیلئے دلالوں کے پاس مناسب گودام جنس اُٹھا کرلے جانے وغیرہ کی مشینیں ہیں۔ اس صورت میں گمان غالب یہ ہے کہ بچولیا کاشتکار کی بہ نسبت کم اخراجات سے گودام بھرنے اور غلہ کے رکھنے ڈالنے کا کام کر سکیگا۔ لیکن اگر بازار کی تنظیم بہت زیادہ نہ ہو اور بچولیوں کے پاس جنس کے سنبھالنے کیلئے ضروری سامان موجود نہ ہو تو حالت اس کے برعکس ہوجاتی ہے۔ ایسی صورتوں میں کاشتکار اگر دانا ہوں تو اُنہیں چاہیئے کہ امداد باہمی کا طریقہ اختیار کریں۔ امداد باہمی کے ذخیرے وغیرہ اور آڑھتیوں کو دلالی پر مقرر کرنے میں تعاون نفع کثیر کا باعث ہوگا۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں لاتعداد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں ہم صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ اردسٹوک (Aroostook county Maine) (واقعہ ریاست مین) کے آلو کے کاشتکاروں نے اُس وقت آلو اُگانے شروع کئے۔ جب ان کے پاس علیحدہ علیحدہ آلو کے اُگانے کیلئے ساز و سامان نہ تھا اور نہ کوئی عمدہ طریقہ اُنہیں معلوم تھا۔ پھر اُنہوں نے امداد باہمی کے دستور کے مطابق ذخیرہ خانے بنائے اور اپنی جنس بیچنے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کو نہایت اعلیٰ عمدہ اور باقاعدہ بازار ہاتھ آگیا۔ اور اس بات کی ضرورت نہ رہی کہ علیحدہ علیحدہ جنس کے فروخت کرنے کا کوئی طریقہ وجود میں آئے۔ جو لوگ خاصے کی اجناس اُگاتے ہیں۔ اُن کے یہاں جنس فروخت کرنے کے دو مسلّم طریقے ہیں۔ اوّل عقلمندی سے اشتہار دینا۔ دوسرے خریداروں کے سامنے اپنی پیداوار کی نمائش کرنا۔ یہ سوال کہ اشتہار کہاں تک ذریعۂ کفایت ہے مدتوں سے موضوع بحث چلا آتا ہے۔ اور معاشیاتی نقطۂ نگاہ سے اس پر بہت سے اعتراض وارد کئے جاسکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اشتہار بازی جلبِ توجہ کیلئے ایک مفید آلہ ہو تو ہو لیکن اس سے کوئی معاشرتی غرض پوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس سے اگر ایک بیوپاری کو فائدہ ہوتا ہے تو اُتنا ہی دوسرے کو نقصان ہوتا ہے۔ جب دو پنساری یا دستکاری کا کام کرنے والے ایک دوسرے کے مدمقابل بن کر اپنے آپ صابن یا مچھلی کی خوبیوں کا اشتہار دیں تو سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ اس سے کسی معاشرتی مقصد کی تکمیل ہوتی ہے اور جمہور کو اس سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ یہ بات ہرگز قرین قیاس نہیں کہ اگر اشتہار دینے کا طریقہ نہ رائج ہوتا تو جتنی صابن یا مچھلی کی بکری اب ہوتی ہے اتنی

نہ ہوتی۔ اسلئے اس قسم کی اشتہار بازی خواہ مخواہ جماعت کی نوٹوں کو ضائع کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اور بنابریں بلاشک و شبہ مذموم و معیوب ہے۔ تاہم یہ جتنے اعتراضات ہیں اُن میں سے کوئی اعتراض کسی خاص جنس کے متعلق معقول طریقے سے اشتہار دینے پر عاید نہیں ہوتا۔ اشتہار کا مقصد ہوتا ہے اطلاع دینا اس لئے یہ خریدار اور فروشندہ دونوں کی حقیقی معنوں میں خدمت ہے۔ کسی خاص زراعتی جنس کیلئے چونکہ باقاعدہ بازار نہیں ہوتا۔ اور اس کو کوئی دائمی طلب نہیں ہوتی۔ اور کوئی مقررہ بھاؤ نہیں ہوتا۔ اسلئے نہ بیچنے والے کو پتہ چل سکتا ہے۔ کہ چیز کہاں بکیگی اور نہ خریدنے والے کو معلوم ہو سکتا ہے کہ چیز کہاں مل سکتی ہے۔ اشتہاروں سے دونوں فریق کو ایک دوسرے کا پتہ چل جاتا ہے۔ اور وہ ایک دوسرے سے لین دین کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ الف کے پاس کوئی ایسا سواری کا گھوڑا بکاؤ ہے۔ جسکو اس نے خاص طور پر سدھایا ہے۔ اور اُسی کا دل کہتا ہے کہ مجھے اس کی خاص قیمت ملنی چاہیئے۔ ب اس قسم کے گھوڑے کی تلاش میں ہے۔ لیکن اُسے معلوم نہیں کہ ایسا گھوڑا مل کہاں سکتا ہے۔ اتنے میں کسی مشہور اخبار کے کالموں میں ایک اشتہار اُسکی نظر سے گذرتا ہے اور وہ جس اطلاع کا جویا ہے۔ وہ اُسے بہم پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ خریدار اور فروشندہ دونوں کیلئے فائدے کی صورت ہو جاتی ہے۔ تاہم یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ دلیل جو ہم نے پیش کی ہے اس سے وہ مبالغہ آمیز اشتہار جائز ثابت ہوتے ہیں۔ جو بعض اوقات ہمارے مقتدر اخباروں کے صفحات کیلئے باعث بدنامی ہوتی ہیں۔ ایسے اشتہاروں میں عموماً کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ کوہ پیکر اور دیوزاد گھوڑے جن کا وجود سیمرغ کی طرح فرضی ہوتا ہے۔ اُن کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ان کی قیمتیں اتنی تھوڑی ہیں کہ برائے نام۔ اور اس طرح دنیا کو اُلو بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

میلے اور منڈیاں۔ خاص خاص زراعتی اجناس بیچنے کا طریقہ بہترین اُن کی نمائش ہے۔ دفتاً فوقتاً ایسی منڈیوں کا لگنا جہاں اس قسم کی چیزیں ہمیشہ مل سکتی ہیں اور خریدار ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ خریداروں اور فروخت کرنے والوں کو یکجا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور تمام پرانے اور ترقی یافتہ ملکوں میں بیحد مفید ثابت ہوا ہے۔ امریکہ میں اس طریقے نے کوئی

بہت ترقی نہیں کی۔ زیادہ تر اس وجہ سے کہ امریکہ کے کاشتکاروں کو زیادہ تر دلچسپی بہ نسبت خاص کی اجناس کے منڈی کی اجناس سے رہی ہے۔ اور اسی وجہ سے بھی کہ ہماری قومی معاشیات کا نظام کچھ ایسا واقع ہوا ہے۔ کہ پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کے درمیان ایک وسیع مکانی تفریق پیدا ہو گئی ہے۔ مغرب کے کم آباد علاقے مشرق کے زیادہ آباد علاقوں کیلئے پیداوار کرتے رہتے ہیں۔ اس وسیع جغرافی تفریق کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیدا کنندہ اور صرف کنندہ دونوں کمیشن ایجنٹوں اور دوسرے دلالوں کے محتاج رہے ہیں۔ جب ہماری آبادی ملک بھر میں یکساں طور پر تقسیم ہو جائے گی اور اس کا ہر مرکزی شہر یا علاقہ زراعتی پیداوار کے معاملے میں اردگرد کے علاقوں کا محتاج ہو جائے گا۔ تو امید واثق ہے۔ کہ موسمی منڈیوں کا از سر نو دور دورہ ہوگا۔ ان منڈیوں کی بدولت خریدنے اور بیچنے والے پیدا کنندہ اور صرف کنندہ کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقعہ مل جایا کرے گا۔ بہرحال بہت زیادہ توقعات بھی نہ رکھنی چاہئیں۔ جس شخص نے پرانی دنیا کے میلوں اور منڈیوں کا بغور مشاہدہ کیا ہے۔ اُس نے ضرور اس بات پر غور کیا ہوگا کہ یہ طریقہ کس قدر تضیع اوقات کا باعث ہے۔ جب اتنے آدمی ایک مقررہ مقدار پیداوار فروخت کرنے کیلئے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ تو وقت کیونکر ضائع نہ ہو تاہم جن لوگوں کا معیار زندگی پست ہے اور جن کو وقت کی کچھ قدر نہیں۔ اُن کے نزدیک یہ تضیع اوقات کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن امریکہ میں جب تک کاشتکار خوشحال ہیں۔ اور زراعتی مزدوروں کی اجرتیں زیادہ ہیں۔ اس وقت تک پد قوت اور وقت کا کفایت شعارانہ استعمال شمار نہ ہوگا کہ پیدا کنندہ منڈی کے دن بازار جا کر اپنی پیداوار بیچا کرے۔ البتہ جب آبادی بہت گنجان ہو جائیگی اور مزدوروں کی اُجرتیں سستی ہو جائیگی تو محنت کا ضائع کرنا ایسا مفت رساں نہ خیال کیا جائے گا۔

دیہات کے میلوں ٹھیلوں نے اور حکومت کی طرف سے جو منڈیاں اور زراعتی نمائشیں وغیرہ ہوتی ہیں۔ اُنہوں نے تعلیمی مقاصد سے قطع نظر کر کے ایک غرض کی بھی تکمیل کی ہے۔ نہ خاص خاص زراعتی اجناس کے بیچنے اور خریدنے میں سہولتیں پیدا کر دی ہیں

خاص طور پر مال مویشی کی خرید و فروخت کو اُنہوں نے بہت فروغ دیا ہے - اور سچ پوچھو تو یہی سہولتیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے عام کاشتکار اپنی چیزوں کو نمایش میں رکھتے ہیں ورنہ انعام واکرام کا خیال تو کم لوگوں کے دلوں میں ہوتا ہے ؛

پانچواں باب

زراعتی آمدنی کی تقسیم

زراعتی جماعتوں کی آمدنی۔ زراعتی آمدنی سے مراد مزرعہ کی مجموعی آمدنی کے اُس حصے سے ہے جو ان لوگوں کو کہ جن کا تعلق براہ راست مزارعوں سے ہوتا ہے۔ وصول ہوتا ہے۔ خواہ بطور حصہ خواہ بطور لطور آمدنی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیئے۔ کہ جب ایسے تمام عاملین مثلاً زمین پر ورا شیار۔ آلات۔ مشینری وغیرہ کے مصارف پیداوار کی کل قیمت سے منہا کر دیئے جائیں۔ تو باقی جو کچھ بچتا ہے۔ اُسے ہم زراعتی آمدنی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ زیادہ تفصیل سے یوں کہیئے۔ کہ یہ زراعتی آمدنی مشتمل ہوتی ہے۔ مزدوروں کی اُجرت پر۔ زمین کے لگان پر۔ اُس اصل کے سود پر جو جانوروں آلات اور مشینری کے خریدنے پر لگایا جائے۔ اور کاشت کے منافع پر۔ ظاہر ہے۔ کہ زراعتی آمدنی حالاتِ زمانہ کے تقاضے سے کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً ایک وقت تھا۔ کہ فصل کے لگانے میں جتنے مزدوروں سے کام لیا جاتا تھا۔ وہ سب مزرعے میں کام کرتے تھے۔ اب یہ صورت ہے۔ کہ ان کی ایک معقول تعداد ان دکانوں اور کارخانوں میں کام کرتی ہے۔ جہاں مشینیں وغیرہ تیار ہوتی ہیں۔

اگرچہ ریاستہائے متحدہ میں دستور ہے۔ کہ ایک ہی شخص مزدور۔ زمیندار اصل دار اور منیجر کی حیثیات کا جامع ہوتا ہے۔ تاہم بعض بعض صورتوں میں یہ چار اشخاص مختلف ہوتے ہیں۔ اور کاشتکار کی آمدنی آن میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ جتنا دستی محنت کا کام ہوتا ہے۔ وہ سب کام یا اس کا کچھ حصہ کاشتکار اُجرتی مزدوروں سے کراتا ہے۔ کبھی یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی دوسرے سے ساری زمین یا زمین کا کچھ حصہ لگان پر لیتا ہے۔ اور کبھی یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنا تمام اصل یا اکثر اس کا کچھ حصہ کسی دوسرے سے

مستعار لینا ہے۔ چونکہ ان امور میں ہمارے یہاں مختلف رواج ہیں۔ اس لئے پیچیدگیوں سے سے بچنے کیلئے بہتر یہی ہے۔ کہ ہم مزرعہ کی تمام آمدنی کو چار حصّوں میں تقسیم کریں۔ اُجرت۔ کرایہ۔ سود۔ اور منافع۔ یہ حصّے علیحدہ علیحدہ اشخاص کو ملیں یا سب ایک شخص کو۔ اس سے ہم سردست بحث نہیں رکھتے ہ

ا۔ اُجرت

جو کاشتکار اپنا سارا کام یا اس کا کچھ حصّہ خود اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے اسکی اُجرت ہم اس رقم کو کہہ سکتے ہیں۔ جو وہ اپنے مزدوروں کی اُجرت میں سے خود کام کرنے کی بدولت بچاتا ہے۔ جو کاشتکار اپنی ساری زمین یا اُس کے کچھ حصے کا خود مالک ہو۔ اس کا لگان ہم اس رقم کو کہہ سکتے ہیں جو وہ اپنے لگان کی رقم میں سے زمیندار ہونے کی بدولت بچاتا ہے۔ اور جو کاشتکار اپنے تمام اصل یا اس کے کچھ حصے کا بغیر کسی کا مقروض ہوئے مالک ہو۔ اس کا سود ہم اس رقم کو کہہ سکتے ہیں۔ جو وہ سود کی رقم میں سے اصل دار ہونے کی بدولت بچاتا ہے۔ اسی مطلب کو ادا کرنے کا ایک یہ طریقہ ہے۔ کہ ایک اس قسم کے کاشتکار کی اُجرت وہ رقم ہے۔ جو وہ کسی دوسرے کیلئے کام کرکے حاصل کرسکتا ہے اُس کا لگان وہ رقم ہے۔ جو وہ اپنی زمین کسی دوسرے کو لگان پر دے کر حاصل کرسکتا تھا۔ اور اس کا سود وہ رقم ہے۔ جو وہ اپنا اصل کسی دوسرے کو مستعار دیکر حاصل کرسکتا تھا۔ ان رقوم کو جمع کرنے پر اگر یہ معلوم ہو کہ ان کا مجموعہ اُسکی اوسط آمدنی سے زیادہ ہے تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ وہ کوئی نفع حاصل نہیں کررہا۔ بلکہ اُلٹا نقصان اُٹھا رہا ہے۔ اس صورت میں اُس کیلئے مصلحت اس میں ہے کہ وہ اپنی زمین لگان پر دیدے۔ اپنا اصل سود پر چڑھا دے۔ اور کسی دوسرے کیلئے اُجرت پر کام کرے لیکن اگر وہ یہ دیکھے کہ اسکی کل اوسط آمدنی ان تین مدات آمدنی کے مجموعہ سے زیادہ ہے تو اس کو یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ وہ بحیثیت ایک مزرعہ کے ناظم کے یعنی ایک خود مختار کاشتکار کے نفع اُٹھا رہا ہے ہ

قدر و قیمت۔ اُجرت۔ لگان اور سود کے مسائل قدر مبادلہ (exchange value) اور قیمت (price) کے مسئلہ کے تین پہلو ہیں۔ ایک مادی شے (مثلاً انڈا۔ روٹی۔ گھوڑا وغیرہ) کی قدر اسلئے ہوتی ہے۔ کہ اُس کی ضرورت ہے۔ اور جتنی بمقابلہ دوسری چیزوں کے اُس کی ضرورت زیادہ ہو گی۔ یعنی یہ دوسری چیزیں اتنی ہی زیادہ اسکے بدلے میں دی جائیں گی۔ اگر زیر بحث انڈے کے علاوہ اور متعدد انڈے بھی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ تو اس ایک انڈے کی ضرورت اُن کی کثرت کی نسبت سے کم ہو گی۔ اگر انڈوں کی قلت ہوتی۔ تو اسکی ضرورت بہت زیادہ ہوتی۔ یہی قضیہ روٹی۔ گھوڑے اور ہر دوسری شئے تبادلہ پر صادق آتا ہے۔ طلب و رسد کے مشہور و معروف قانون کی تہ میں یہی سیدھی سادی بات ہے۔

اس کی وجہ کما حقہ سمجھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہم کسی گذشتہ باب میں صرف کنندہ اور پیدا کنندہ کے مفید مطلب اشیاء میں جو تفریق کر چکے ہیں۔ اُس کی یاد تازہ کریں۔ صرف کنندہ کی مفید مطلب اشیاء مراد ہے۔ اُن اشیاء سے جو بذاتِ خود مطلوب ہیں نہ کہ کسی اور چیز کے وسیلہ کے طور پر۔ برخلاف اس کے پیدا کنندہ کی مفید مطلب اشیاء مقصود بالذات نہیں ہوتیں۔ بلکہ اور چیزوں کی بدولت جن کے حصول کا وہ وسیلہ ہیں مقصود ہوتی ہیں۔ اور وہ ایسی چیزوں جیسے ہلوں۔ سراونوں۔ فصل کاٹنے کی کلوں اور زمین کمانے کی کھادوں وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

پہلے صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء کو لیجئے۔ کسی خاص جنس کی رسد اگر کثیر ہو۔ تو اسکی مقدار واحد کی مانگ بہ نسبت اُس صورت کے کم ہوتی ہے۔ جبکہ اُسکی رسد قلیل ہو۔ اسکی وجہ ایک سیدھی سادی نفسیاتی حقیقت ہے۔ جسے خواہش کی تسکین پذیری کہتے ہیں۔ اس سے مطلب یہ ہے۔ کہ ہر حاجت تسکین پذیر ہے۔ اور جس قدر زیادہ وہ تسکین کے قریب ہو گی۔ اُتنی ہی اسکی شدت میں تخفیف ہو گی۔ اس سے بھی زیادہ سیدھی سادی روزمرہ کی زبان میں کہنا چاہیں۔ تو یوں کہہ دیجیے کہ اگر آپ کسی شخص کو کوئی چیز بقدرِ حاجت دیدیں۔ تو وہ زیادہ کی خواہش نہ کرے گا

اور جیسے جیسے اس کی حاجت پوری ہوتی جائیگی۔ ایسے ایسے اسکی خواہش کم ہوتی ہوجائیگی یہ صرف ایک شخص کا حال نہیں بلکہ ہر فرد بشر کا اور ہر رکن جماعت کا یہی حال ہے۔ جب کسی مصرف کی چیز کی رسد بکثرت ہو۔ تو اُس کے برتنے والوں کی خواہش بہت کم ہوتی ہے۔ اور جب اس کی رسد کی قلت ہو تو خواہش زیادہ ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ رسد کے بڑھنے کے ساتھ ہر مقدار واحد کیلئے خواہش شدید ہوتی جاتی ہے۔ یعنی عام صرف کنندہ کے پاس جتنی وہ چیز موجود ہے۔ اُس سے زیادہ کیلئے اُس کے دل میں اتنی زبردست خواہش نہیں ہوتی۔ جتنی اُس چیز کے نہ ہونے کی صورت میں ہوتی۔ کہنے کو تو یہ بات معمولی سی ہے۔ تاہم دراصل یہ نظریۂ قدر کا خلاصہ ہے۔ جہاں تک اُس نظریہ کا تعلق صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء سے ہے۔ علاوہ بریں یہ ہمارے تمام اخلاقی اور جمالیاتی اصولوں کی بیخ و بنیاد ہے۔

رہیں پیدا کنندوں کے مفید مطلب اشیاء یا عاملین پیدائش۔ ان کا معاملہ ایسا سیدھا سادہ نہیں۔ ایک عاملِ پیدائش کی جو مانگ یا خواہش ہوسکتی ہے وہ اس بات پر مبنی ہے۔ کہ جس چیز کی پیدائش میں اُن سے مدد ملے گی۔ اس کی خواہش کہاں تک ہے۔ اسکی بنا پر اگر پیدا کردہ چیز کی بہتات ہوجائے اور اسکے لئے خواہش کم ہو جائے تو اس کے پہلو بہ پہلو اُس چیز کیلئے بھی جو اس کے پیدا کرنے کا وسیلہ ہے خواہش کم ہوتی جائیگی۔ ایک عامل پیدائش کی رسد میں اضافہ ہونے کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جیسے جیسے پیدا کردہ شے کی رسد بڑھتی ہے۔ اس عامل پیدائش کیلئے خواہش کم ہوتی جاتی ہے۔ لیکن ایک اور وجہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ یعنی "قانون تقلیل حاصل"۔ اس قانون کے ماتحت اگر ایک عامل پیدائش کی رسد دوسرے عاملین پیدائش سے اضافی طور پر بڑھ جائے۔ تو اس عامل کے ہر حصۂ واحد کی پیدا آوری میں تخفیف ہوتی جاتی ہے۔

مثلاً ہم ایک عامل پیدائش۔ یعنی مزرعہ کی مزدوری کو لیتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا اصول کا اطلاق ایک عامل کی قیمت پر کہاں تک ہوتا ہے۔ اگر مزدوروں کی

تعداد میں ترقی ہو۔ اور زمین اور آلات کی مقدار اُتنی ہی اُتنی رہے۔ یا اگر یہ ہو کہ مزدوروں کی تعداد بہ نسبت زمین اور آلات کی مقدار اُتنی ہی اُتنی رہے یا اگر یہ ہو کہ مزدوروں کی تعداد بہ نسبت زمین اور آلات کی مقدار کے زیادہ سُرعت سے ترقی کرے۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر مزدور کے کیلئے زمین بھی کم ہوگی اور آلات بھی کم۔ اگر اس اثنا میں مزدوروں نے کاشت کے متعلق کوئی نئی بات سیکھ لی ہے تو خیر ورنہ یہ ہوگا کہ وہ زمین کے کم ہونے کی وجہ سے فی کس اتنی پیداوار نہ کر سکیں گے جتنی وہ زیادہ زمین ہونے کے دنوں میں کر سکتے تھے چونکہ مزدوروں کی تعداد میں ترقی ہونے کی وجہ سے ہر فرد مزدور کی پیداوار میں تخفیف ہوتی ہے اور چونکہ آجر مزدوروں کا اس لئے خواہشمند ہے کہ وہ پیداوار میں مدد دیں گے۔ اس لئے نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ جیسے جیسے مزدوروں کی تعداد دوسرے عاملین پیدائش کی بہ نسبت بڑھیگی ویسے ویسے آجر ہر فرد مزدور کا کام خواہشمند ہوتا چلا جائیگا۔ جب یہ ہوگا کہ آجر ہر فرد مزدور کا کم خواہشمند ہو جائیگا۔ تو جو قیمت یعنی اُجرت وہ اس کو ادا کرنے کو تیار ہے وہ بھی کم ہو جائیگی۔ یہ ایک بیّن سبب ہے۔ اس بات کا مزدوروں کی تعداد کی کثرت اُجرت میں کمی کا باعث ہوتی ہے۔ اگر مزدوروں کی تعداد زمین اور اصل کی نسبت سے کم ہو جائے تو نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہر مزدور کیلئے زمین بھی زیادہ ہوگی۔ اور آلات بھی زیادہ۔ اگر اس اثنا میں مزدور کاشت کے متعلق کوئی سبق بھول گئے ہوں۔ یا کسی اور وجہ سے ناکارہ ہو گئے ہوں تو یہ جُدا بات ہے۔ ورنہ فی کس وہ زیادہ پیداوار کرینگے۔ اس طریق استدلال کے مطابق ہم اس بات کی بہترین توجیہہ کر سکتے ہیں۔ کہ مزدوروں کی قلت کیوں اُجرت کی زیادتی کا باعث ہوتی ہے۔

ابھی ہم اس اصول کا اطلاق اور وسیع کر سکتے ہیں۔ یہی بتا دینا کافی نہیں۔ کہ جب مزدوروں کی قلت ہو تو اُجرت کیوں زیادہ ہوتی ہے۔ اور جب اُنکی کثرت ہو۔ تو اُجرت کم کیوں ہوتی ہے۔ اگر ممکن ہو تو یہ معلوم کرنا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ کہ زراعتی آمدنی کا کونسا حصہ مختلف حالات میں مزدوروں پر صرف ہوتا ہے۔ یا اُجرت کی صورت میں اُٹھتا ہے۔ علم انسانی کی موجودہ حالت کو مدنظر رکھ کر اسکے مطابق اس قدر صحیح صحیح اطلاع حاصل کرنا غالباً محال ہے۔ تاہم وہ اصول جس کے ماتحت اُجرت بڑھتی یا گھٹتی ہے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس اصول کو

"پیدا آوریٔ مختتم" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جس کے معنے ہیں محنت کا آخری نتیجہ یعنی جتنے مزدور کسی قطعۂ زمین میں کام کرتے ہیں۔ ان میں سے آخری مزدور کی پیدا آوری۔

پیدا آوریٔ مختتم ۔(Marginal productivity) ہم بغرضِ تمثیل یہ فرض کئے لیتے ہیں۔ کہ اگر ایک آدمی اکیلا مزرعہ میں کام کرے۔ تو وہ اوسطاً ہزار ڈالر کی قیمت کی پیداوار کرسکتا ہے۔ اور اگر دو آدمی مل کر کام کریں۔ تو وہ ۱۶۰۰ ڈالر کی پیداوار کرسکتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں حاصل کی تقلیل۔ کیونکہ ایک آدمی اکیلا کام کرے تو اوسط پیداوار ۱۰۰۰ ڈالر ہوتی ہے۔ اور اگر دو مل کر کام کریں تو اوسط پیداوار ہوتی ہے ۸۰۰ ڈالر

لیکن "پیداوار مختتم" اوسط پیداوار سے بالکل مختلف چیز ہے۔ جو صورت ہم نے فرض کی ہے اُس میں اگر اوسط پیداوار ۸۰۰ ڈالر ہے تو پیداوار مختتم ۶۰۰ ڈالر ہے۔ یعنی دوسرے آدمی کے اضافہ سے پہلے آدمی کی پیداوار میں صرف ۶۰۰ ڈالر کی رقم کا اضافہ ہوتا ہے۔ اب اگر مزرعہ کا مالک دانا اور کارآگاہ ہو۔ تو جو رقم وہ دوسرے آدمی کے خدمات کے صلے میں ادا کریگا۔ وہ زیادہ سے زیادہ ۶۰۰ ڈالر ہونی چاہیئے۔ چونکہ دو آدمی مل کر ایک اکیلے آدمی کی بہ نسبت صرف ۶۰۰ ڈالر زیادہ پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ دو آدمیوں کو ایک آدمی کی بہ نسبت صرف ۶۰۰ ڈالر زیادہ ملنے چاہئیں۔ لیکن اگر کسی ملک میں شرح اُجرت فی کس ۴۰۰ ڈالر سالانہ ہو تو کاشتکار کیلئے نفع بخش یہی امر ہے۔ کہ وہ کوئی دوسرا آدمی نوکر رکھ لے۔ کیونکہ اس طرح اُسے ۲۰۰ ڈالر کی بچت ہوگی۔

اتنا زیادہ نفع جو اس کو ہوگا۔ اس کو دیکھ کر ممکن ہے۔ کہ وہ یہ سوچنے لگے۔ کہ کسی تیسرے آدمی کو نوکر رکھنا اس سے بھی زیادہ نفع بخش ہوگا۔ اب فرض کیجیۓ۔ کہ تین آدمی مل کر اگر اسی مزرعہ میں کام کریں۔ تو ۲۰۰۰ ڈالر پیدا کرتے ہیں۔ اس کے مطابق پیداوار مختتم ہوئی پوری ۴۰۰ ڈالر۔ یعنی تیسرا آدمی دو آدمیوں کی پیداوار میں ۴۰۰ ڈالر کا اضافہ کرتا ہے۔ اگر تیسرے آدمی کی اُجرت بھی آجر کو ۴۰۰ ڈالر ادا کرنی پڑے۔ تو اس کیلئے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کہ دو آدمی کام کرتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ تیسرے کو نوکر رکھنے سے نہ اُسے کچھ فائدہ ہے نہ نقصان تاہم اگر پیداوار مختتم تیسرے آدمی کی اُجرت سے ایک ڈالر بھی زیادہ ہوتی تو کاشتکار کیلئے

یہ بات نفع بخش ہو گی ۔ کہ وہ تیسرے آدمی کو بھی رکھ لے ۔ ایک ڈالر نفع بھی تھوڑا نہیں ۔

اب یہ فرض کیجئے ۔ کہ ملک میں مزدور اتنے کم ہیں ۔ کہ اگر ان کی مساوی تقسیم کی جائے ۔ تو جیسے مزرعہ کا ہم نے تصور کیا ہے ۔ اُس جیسے مزرعوں کے حصے میں صرف دو دو آدمی آتے ہیں ۔ تو اس صورت میں قرین قیاس یہ ہے ۔ کہ اجرت ۷۰۰ ڈالر قرار پائیگی ۔ یعنی محنت کی پیداوار مختتم کے برابر ۔ اگر اُجرت ۷۰۰ ڈالر سے زیادہ ہو ۔ تو دانا کاشتکار کرینگے ۔ کہ تیسرے آدمی کو جواب دیدینگے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے آدمی بے روزگار ہو جائینگے ۔ اور کم اُجرت پر کام کرنے کیلئے آمادہ ہو جائینگے ۔ اگر اُجرت ۷۰۰ ڈالر سے کم ہو ۔ تو ہر دانا کاشتکار یہ کریگا ۔ کہ ایک تیسرا آدمی رکھ لیگا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا ۔ کہ ہر شخص برسر روزگار ہو جائیگا ۔ اگر اُجرت ۷۰۰ ڈالر سے بہت ہی کم ہو ۔ تو بہت سے کاشتکار ایسے ہونگے ۔ کہ وہ تین آدمیوں کا کیا ذکر اور بھی زیادہ آدمی رکھنے کے خواہشمند ہونگے ۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی کم ہو جائیں گے ۔ اور اُن کی مانگ زیادہ ہو جائیگی ۔ اس وجہ سے اُجرت محنت کی اوسط پیدا آوری مختتم کے مطابق از سر نو بڑھیگی ۔

یہ سچ ہے کہ کسی کاشتکار کو قبل از وقت یہ معلوم نہیں ہوتا ۔ کہ محنت کی پیدا آوری مختتم آئندہ کیا ہو گی ۔ کیونکہ وہ موسم کے متعلق کچھ پیشین گوئی نہیں کر سکتا ۔ تاہم جو لوگ اس بارے میں صائب الرائے ہیں ۔ وہ سب سے زیادہ کامیاب ہوتے ہیں ۔ اور جو لوگ اس بارے میں سائے صاحب نہیں رکھتے ۔ وہ عموماً ناکام رہتے ہیں ۔ بلکہ اکثر دیوالیہ ہو جاتے ہیں ۔ قطعی بات یہ ہے کہ مزرعے بالآخر انہی لوگوں کے ہاتھ آئینگے ۔ جو سب سے زیادہ کامیاب ہونگے ۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا ۔ کہ جو کاشتکار کاروبار میں لگے رہیں گے ۔ اُن کے پاس اتنے اُجرتی مزدور ہونگے ۔ جتنے کہ اوسطاً فصل بھر کام کر کے اپنی اُجرت کے برابر پیداوار مختتم پیدا کریں گے ۔ اس تعداد سے زیادہ یا کم مزدوروں کا رکھنا نفع سے محروم رہنے کا باعث ہوگا ۔

ہم اس کو ایک مثال سے واضح کئے دیتے ہیں ۔ ایک بندوق کی گولی جس سمت میں جاتی ہے ۔ وہ چند متعین ریاضیاتی قوانین کی تابع ہے ۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ وہی شخص اچھا نشانہ باز ہو ۔ جو ان قوانین سے واقف ہو ۔ اچھا نشانہ باز صرف شست باندھتا ہے اور اپنے تجربہ کی بنا پر نگاہ سے اندازہ کر لیتا ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے ۔ کہ وہ چاہے

اصول نشانہ بازی (theory of projectiles) سے شناسا ہو یا نہ ہو۔ تاہم اس کا عمل خواہ بالارادہ اور خواہ بلا ارادہ اس اصول کے مطابق ہوگا۔ یعنی وہ اس قانونِ ریاضی پر کاربند ہوگا۔ فرض کیجئے کہ نشانہ بازی کا ایک مقابلہ قرار پایا ہے۔ بندوقیں ہیں تھوڑی اور آدمی ہیں بہت زیادہ۔ فیصلہ یہ ہوا ہے۔ کہ بندوقیں اُن لوگوں کو انعام میں دی جائیں۔ جو اچھے نشانہ باز ثابت ہوں۔ اب ضروری بات ہے۔ کہ بندوقیں انہی لوگوں کے ہاتھ آئینگی۔ جو اصول نشانہ بازی پر کاربند ہونگے۔ خواہ ارادی طور پر اور خواہ غیر ارادی طور پر۔ ان حالات میں بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے۔ کہ دراصل بندوقوں کا استعمال اصول نشانہ بازی کے مطابق کیا گیا۔ ایک بالکل اسی طرح کا مقابلہ مزرعوں کی ملکیت کے متعلق جاری ہے۔ اور جو لوگ معاشیات کے قوانین پر سب سے زیادہ پابندی کے ساتھ کاربند ہوتے ہیں۔ وہی اس مقابلے میں سب سے اچھے رہیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ مزرعوں کا انتظام بحیثیت مجموعی معاشیاتی قوانین کے مطابق ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں۔ کہ اُجرتیں پیداآوری مختتم کے اصول کے مطابق بڑھتی یا گھٹتی ہیں۔ جو کاشتکار اس اصول کو نظر انداز کرینگے۔ اور اس پر عمل کرنے سے انحراف کرینگے۔ وہ ناکامیاب ہونگے۔ اور جو اس پر نہایت پابندی سے عمل پیرا ہونگے۔ وہ کامیاب ہونگے۔ اور زراعتی کاروبار کے مالک و مختار رہیں گے ؂

۲۔ لگان

طلب اور رسد کے قانون کے بارے میں ہم یہ لکھ چکے ہیں۔ کہ جہاں تک اسکا اطلاق عاملین پیدائش پر ہوتا ہے وہ پیدا آوری مختتم کے قانون پر مبنی ہے۔ اس قانون کا اطلاق جس طرح محنت کی اُجرت پر ہوتا ہے۔ اسی طرح زمین کے لگان پر بھی ہوتا ہے تاہم زمین کی رسد کے متعلق بعض خصوصیات ہیں جن کا تذکرہ یہاں برمحل ہوگا۔ اوّل کسی خاص قسم کی زمین کی رسد کی مقدار ہمیشہ کیلئے مقررہ ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے محنت کی رسد مختلف اوقات میں مختلف المقدار ہوتی ہے۔ دوسرے زمین ناقابلِ انتقال ہے برخلاف اس کے مزدور انتقال پذیر ہیں۔ اور انہیں ایسی جگہوں سے جہاں اُن کی ضرورت کم ہو۔ ایسی جگہ لایا جا سکتا ہے۔ جہاں اُن کی ضرورت زیادہ ہے۔ زمین کی مقدار ہونا اور اس کا ناقابل انتقال ہونا یہ دو باتیں رسد کو طلب کے مطابق بنانے میں بڑی دقتوں کا باعث ہوتی ہیں۔ جس عاملِ پیدائش کی رسد بڑھتی یا گھٹتی رہے اور جسے طلب کے تغیرات کے مطابق ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجایا سکے اُس کے معاملے میں اتنی دقت پیش نہیں آتی ؛

ان میں سے پہلی خصوصیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ بعض قطعات زمین جن میں کچھ ایسی خوبیاں ہوتی ہیں۔ جو دوسرے قطعاتِ زمین میں نہیں پائی جاتیں۔ وہ محض قلت کی وجہ سے زیادہ قیمت پاتے ہیں۔ علاوہ بریں چونکہ زمین کی رسد ہمیشہ ایک مقدار مقررہ ہوتی ہے۔ اسلئے جوں جوں آبادی ...... ترقی کرے۔ اسکی قدر و قیمت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ لیکن ان خصوصیات میں سے دوسری زیادہ اہم ہے۔ زمین کے غیر انتقال پذیر ہونے کا اثر یہ ہوتا ہے۔ کہ جو قطعہ زمین اچھی جگہ واقع ہو۔ اس کی اپنی طبعیاتی زرخیزی سے قطع نظر کرکے خاص اپنے موقعہ و مقام کے اعتبار سے قدر قیمت حاصل ہو جاتی ہے۔ دو مزدور اگر مساوی قوت ذہانت اور مہارت رکھتے ہوں۔ تو نزدیک نزدیک کے مقامات میں کسی جگہ بھی چلے جائیں۔ ایک جیسی اُجرت پائینگے۔

وجہ یہ کہ اگر ایک جگہ محنت کی طلب زیادہ ہے۔ تو مزدور دوسری جگہ چھوڑ کر وہاں چلے جائینگے۔ اگر کوئی امور ایسے ہوں۔ جن کی وجہ سے اُنہیں نئی جگہ کام نہ مل سکے یا فاصلہ اتنا زیادہ ہو کہ سفر کا خرچ بہت برداشت کرنا پڑے۔ تو یہ اور بات ہے۔ ورنہ مختلف مقامات میں ایک قسم کی محنت کی اُجرت ایک ہی ہوگی۔ اور محنت کو محض موقع و مقام کے اعتبار سے کوئی قدر و قیمت حاصل نہ ہوگی۔ لیکن زمین کا معاملہ جُدا ہے۔ زمین کے دو ایک ایک ایکڑ کے قطعوں کے درمیان چاہے صرف ایک ہی بیل کا فیصلہ ہو۔ اور وہ چاہے زرخیزی میں مساوی حیثیت رکھتے ہوں۔ تاہم بہت ممکن ہے۔ کہ ان میں سے ایک قطع محض اپنے موقع کی بدولت دوسرے کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ قیمت پائے۔ دراصل موقع کی قیمت زمین کے ہر ایکڑ قطعہ کی قدر و قیمت میں ایک اہم عنصر ہے۔ اور شہروں میں تو یہ واحد عنصر ہے ؛

بہرحال جب کاشتکار کسی قطعۂ زمین کو کرایہ پر لینے یا خریدنے کے سوال پر غور کر رہا ہو تو جو امر اصل میں اسکو درپیش ہوتا ہے۔ وہ یہ ہوتا ہے کہ جو مصارف اس قطعۂ زمین کی کاشت پر آئینگے۔ اُن سے کس قدر زیادہ پیداوار اس سے ہو سکیگی۔ پھر یہ سوال بھی ہوتا ہے اگر کاشتکار کو چھوٹے ٹکڑے کی بجائے بڑے ٹکڑے کی کاشت منظور ہے تو دو باتیں ممکن ہیں۔ یا تو وہ زیادہ اصل اور زیادہ محنت سے کام لے۔ یا یہ کہ وہ کام تو لے اتنی ہی محنت اور اصل سے جتنی وہ چھوٹے ٹکڑے پر صرف کرتا لیکن اس کو ساری زمین پر تھوڑی تھوڑی مقدار میں پھیلا دے۔ یعنی بڑے ٹکڑے کی کاشت عمیق کرے۔ ہم فرض کئے لیتے ہیں۔ کہ اُس کے پاس غیر محدود اصل موجود ہے یا وہ فراہم کر سکتا ہے۔ مزدوروں کی بھی ایک محدود تعداد سے وہ کام لے سکتا ہے۔ اور زمین کا بھی وہ ایک غیر محدود رقبہ خرید سکتا ہے یا لگان پر لے سکتا ہے۔ تاہم اس صورت میں بھی وہ رقبہ زمین جسے وہ بکفایت استعمال کر سکتا ہے محدود ہوگا۔ کیونکہ زمین کے ساتھ ساتھ نگرانی اور انتظام کی مشکلات بھی تو بڑھ جائیں گی۔ جیسے جیسے اسکی قابلیت انتظام کی حد آخری قریب ہوتی جائیگی۔ ویسے ویسے زمین کی پیداآوری کم ہوتی جائیگی۔ اور یہ زمین میں کوئی طبیعی تغیر

پیدا ہو جانے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ محض اس سبب سے کہ وہ اس کا انتظام خاطرخواہ طور پر نہیں کرسکیگا۔ جب صورتِ حالات یہ ہو کہ کاشتکار کے پاس اتنی زمین پہلے ہی موجود ہو کہ وہ اُس سے زیادہ زمین کا انتظام بوجہ احسن نہیں کرسکتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو اسکی توجہ بٹ جائیگی۔ اور ساری زمین کے انتظام میں نقص واقع ہو جائیگا۔ تو اس وقت کاشتکار کو اس سوال پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ آیا مزید قبۂ زمین میری تمام آمدنی میں اتنا ہی اضافہ کریگا۔ جتنے اُس پر مصارف آئیں گے۔ یہ سوال اس دوسرے سوال سے بالکل مختلف ہے۔ کہ آیا مزید رقبۂ زمین سے علیحدہ طور پر اتنی ہی پیداوار ہوگی۔ جتنا اسکی کاشت کا خرچ ہوگا۔ اُن میں سے صرف پہلا سوال زمین کی پیدا آمدیٔ محنتم سے علاقہ رکھتا ہے۔ دوسرے سوال کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔

اس سے زیادہ وضاحت مطلوب ہو تو یہ فرض کیجیئے کہ کسی کاشتکار کے پاس محنت اور اصل کی ایک مقررہ مقدار موجود ہے۔ اور وہ اس سوال پر غور کر رہا ہے۔ کہ زمین اتنی یا اس سے ذرا زیادہ یا اس سے ذرا کم خریدنی چاہیئے۔ یا لگان پر لینی چاہیئے۔ اب اگر وہ زیادہ زمین استعمال کرے۔ تو اسکو اپنی محنت اور اصل کو بہت سی زمین پر پھیلانا پڑیگا۔ یعنی وہ زمین میں قدرے کم عمیق کاشت کریگا۔ اس کا نتیجہ عام حالت میں یہ ہوگا۔ کہ فی ایکڑ پیداوار کم ہوگی۔ اسکی کسر زیادہ رقبۂ زمین سے نکل سکتی ہے۔ لیکن جو زیادتی ان مزید قطعات سے ہوگی۔ وہ ان کی مجموعی پیداوار نہ ہوگی۔ بلکہ کل مزرعہ کی پیداوار جمع مزید ایکڑ میں سے اگر کل مزرعے کی پیداوار بغیر ان ایکڑوں کے منہا کردی جائے۔ تو جو حاصل تفریق ہوگا۔ وہ اس پیداوار کے مساوی ہوگا۔ مثلاً اگر ایک کاشتکار جس کے پاس مزدور اور اصل دونوں موجود ہیں۔ ۴۰ ایکڑ زمین کی کاشت کرکے ۵۰ بُشل مکئی فی ایکڑ کے حساب سے پیدا کرتا ہے۔ اور اُسی محنت اور اصل کے ساتھ ۵۰ ایکڑ زمین کی کاشت کرکے فقط ۴۲ بُشل فی ایکڑ پیدا کرتا ہے۔ تو مزید دس ایکڑ شروع شروع میں اُس کیلیئے صرف ۱۰۰ بُشل سالانہ کی قیمت رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہی وہ مقدار ہے۔ جس کا اضافہ مزید اس ایکڑ کی بدولت اسکی کل پیداوار میں ہوتا ہے۔ اب اگر وہ اپنی محنت اور اصل کو

۷۰۔ ایکڑوں پر صرف کرے اور صرف ۳۶ بشل فی ایکڑ فصل حاصل کرے۔ اور یہ دوسرا اضافہ جو دس ایکڑ کا کیا گیا۔ یہ صرف ۶۰ بشل کی قیمت رکھے گا۔ کیونکہ یہ وہ مقدار ہے جس کا اضافہ ان مزید دس ایکڑوں کی بدولت اسکی کل پیداوار میں ہُوا۔ اس طرح اگر وہ اپنی محنت اور اصل کو ۷۰۔ ایکڑوں پر صرف کرکے فقط ۳۰ بشل فی ایکڑ پیداوار حاصل کرے۔ تو مزید دس ایکڑ بجائے کسی فائدے کے اُسکے لئے ۶۰ بشل کے نقصان کا باعث ہوتے ہوتے۔ کیونکہ اس مزید رقبہ کے اضافے سے اسکی کل پیداوار اُلٹی کم ہو جاتی ہے۔ اب اگر کسی جماعت میں زمین کا شتکاروں کی تعداد اور محنت اور اصل کی مقدار کی نسبت سے اتنی سستی ہو۔ کہ ایسا ہر کاشتکار جیسا ہم نے اوپر فرض کیا ہے۔ ۷۰۔ ایکڑ زمین باآسانی حاصل کرسکے۔ یا اسی حساب سے اور کاشتکار جو کسی قدر مختلف ساز و سامان رکھتے ہوں زمین لے سکیں۔ تو ظاہر ہے کہ زمین کا لگان کچھ بھی نہ ملے گا۔ (یہ فرض کرتے ہوئے کہ زمین ساری کی ساری ایک سی قابل زراعت ہے) اگر ایسے ہی کوئی کاشتکار زمین بلا لگان کے بھی لے سکے تو بھی ۷۰۔ ایکڑ کی کاشت اُس کیلئے نفع بخش نہ ہوگی۔ اسلئے اگر زمین مفت مل سکتی۔ تو ناگزیر تھا۔ کہ اس کا کچھ حصہ بیکار رہنے دیا جاتا۔ اور اب جب تک یہ حالات باقی ہوں اُس وقت تک کوئی زمیندار اپنی زمین لگان پر نہیں دے سکیگا۔

لگان کا قانون تفرقی۔ لیکن اگر زمین ساری کی ساری ایک سی اچھی نہ ہو۔ (اور عموماً ہوتا بھی ایسا ہی ہے کہ زمین کہیں ساری ایک سی نہیں ہوتی) تو جو قطعات اچھے ہیں ان کی کچھ قیمت یا لگان مل سکے گا۔ جب تک کسی جماعت کے یہاں بلا قیمت کے اور بلا لگان کے زمین ملنا ممکن ہو۔ اس وقت تک اگر کسی قطعہ زمین کا لگان ادا کیا جائے۔ تو اس سے ظاہر ہوگا کہ اجارہ دار اس زمین کو مفت کی زمین پر کس حد تک ترجیح دیتا ہے۔ جس قدر زیادہ خراب یا مشکل الحصول یہ مفت کی زمین ہوگی۔ اُسی قدر زیادہ اس لگان کی زمین کو ترجیح دیجائیگی اور اتنا ہی اس کا لگان زیادہ ہوگا۔ یہ اس لگان کے قانون تفرقی کا ایک پہلو ہے۔ جس کو گذشتہ صدی کے معاشیاتی مباحثوں میں اسقدر نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہ اصول یہ بلا شک و شبہ صداقت پر مبنی ہے؟ صرف ایک

سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا یہ اتنا پُر معنی ہے بھی یا نہیں جتنا اکثر معاشیین اسے خیال کرتے ہیں؟

لگان کا انحصار پیداآوری مختتم پر کس حد تک ہے؟ بعض ارباب رائے اس بات پر زور دیتے ہیں۔ کہ جو اصول زیادہ وسیع اور بنیادی ہے۔ وہ پیداآوری مختتم کا اصول ہے۔ ہر کاشتکار کیلئے سب سے پہلا حل طلب مسئلہ یہ ہے۔ کہ ایک قطعہ زمین میں اگر وہ کاشت کرنے لگے۔ تو بغیر اُس کے جتنی پیداوار کر سکتا تھا۔ اُس پر کتنی مزید پیداوار کر سکیگا۔ پس اس سے اُس قطعۂ زمین کی قیمت یا لگان کا اندازہ کرنا چاہیئے۔ زمین کا مفت مل سکنا اور بغیر کچھ خرچ کئے اپنی زمین میں اضافہ کر سکنا بھی ایک بات نہیں۔ جس کا خیال کاشتکار کو کرنا چاہیئے یہ تو اس وسیع مسئلہ کا کہ زمین کی پیداوار کی قیمت کیا ہوگا۔ (یعنی زمین میں کاشت کرنے سے اُسکی پیداوار میں اضافہ کتنا ہوگا) فقط ایک جزوی پہلو ہے۔

لگان کا قانون تفرقی۔ جن الفاظ میں بالعموم بیان کیا جاتا ہے۔ اس میں ایک دقت طلب امر ہے۔ وہ یہ کہ ایک ہی قطعۂ زمین مختلف آدمیوں کیلئے مختلف قدر و قیمت رکھتا ہے۔ ایک مثال لیجئے۔ ایک امریکہ کا وحشی جو تمدّن سے بے بہرہ ہے۔ اور زمین کو صرف ایک شکارگاہ کے طور پر استعمال کرنا جانتا ہے۔ اُس کے لئے ایک ایکڑ زمین کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ شکار کے ذریعے ایک وحشی خاندان کیلئے گذارہ موافق روزی مہیا کرنا ہو تو کم از کم سو ایکڑ درکار ہیں۔ اس وحشی کی جگہ اگر کوئی گورا کاشتکار ہو تو اس کیلئے یہ ایک ایکڑ زمین بڑی چیز ہے۔ اس بنا پر اگر وہ وحشی کو اس سے زیادہ قیمت ادا کر دے۔ جتنی کہ ایک ایکڑ کی قدر و قیمت اس وحشی کے لئے ہے۔ تو یہ خسارہ کا سودا نہ ہوگا۔

اس طور پر ایک ایکڑ زمین جتنی ایک غیر منتظم اور کاروباری لیاقت سے معرّا کاشتکار کیلئے قدر و قیمت رکھتی ہے۔ اُس سے بدرجہا زیادہ ایک ہنرمند اور سائنٹفک کاشتکار کیلئے اُس کی قدر و قیمت ہے۔ چونکہ ہنرمند کاشتکار بے ہنر کے مقابلے میں بہت زیادہ پیداوار کر سکتا ہے۔ اور وہ بھی کم لاگت سے۔ اس لئے

وہ اگر زیادہ قیمت بھی ادا کرے تو مضائقہ نہیں۔ اگر بے ہنر کاشتکار پہلے ہی زمین پر قبضہ رکھتا ہے۔ تو اس کو صرف اتنی قیمت ادا کردینی کافی ہے۔ جتنی اُس کے نزدیک زمین کی حیثیت ہے یا اس سے زیادہ۔ یہ بات اچھے ہنرمند کاشتکار کے بس میں ہے کہ چاہے بطور خریدار چاہے بطور لگان دار وہ زمین پر قبضہ حاصل کرسکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ زمین عموماً ادنیٰ کاشتکاروں کے ہاتھوں سے نکل کر اچھے کاشتکاروں کے قبضہ میں آجاتی ہے۔

اب مختلف قسم کی زمینوں پر سائنٹفک طریقے کی کاشت کا جو اثر ہوتا ہے اس میں زمینیں مختلف و متباین حیثیتیں رکھتی ہیں۔ جس زمین پر سائنٹفک کاشت کا کچھ اثر ہی نہ ہوتا۔ وہ جتنی ایک غیر سائنٹفک اور متوسط درجے کے کاشتکار کیلئے قدر وقیمت رکھتی ہے۔ اس سے ہرگز زیادہ کسی سائنٹفک اور متوسط درجے کے کاشتکار کے لئے قدر وقیمت نہیں رکھتی۔ اس بنا پر بہت ممکن ہے۔ کہ ایسی زمین مدتوں تک ادنےٰ درجے کے کاشتکاروں کے قبضے میں رہے۔ لیکن جو زمین باہمارت کاشت کا اثر قبول کرتی ہے۔ اُس پر ماہر کاشتکار کی نظر ضرور پڑتی ہے۔ اُس کیلئے یہ زمین بمقابلہ معمولی کاشتکار کے زیادہ قدر وقیمت رکھتی ہے۔ اور اسلئے معمولی کاشتکار جتنی قیمت یا جتنا لگان اس کا ادا کرسکتا ہے۔ اُس سے زیادہ ادا کرنے کا اچھے کاشتکار کو مقدور ہوتا ہے۔ اس طور پر مختلف علاقوں میں ماہرین زراعت تقسیم ہوجاتے ہیں۔ جو کاشتکار زیادہ قابل اور کاردان ہوتے ہیں۔ وہ اچھی زمینوں پر قبضہ حاصل کرلیتے ہیں۔ اور جو کم قابل ہوتے ہیں۔ اُن کے پاس معمولی زمینیں رہتی ہیں۔

لگان کے قانونِ تفرقی کا ایک اور پہلو جو اوپر کے پہلو سے کم اہم نہیں۔ لیکن زیادہ مشکل او پیچیدہ ہے یہ ہے کہ زراعتی اجناس کی قیمت سے زمین کے لگان کا کیا تعلق ہے۔ اس قانون نے ماتحت چونکہ محنت اور اصل کی پیداوار مختتم اُس وقت کم ہوجاتی ہے۔ جب کسی قطعۂ زمین کی کاشت میں ان کی بڑھتی ہوئی مقدار صرف کی جائے تو چاہے یہ زمین کتنی ہی زرخیز کیوں نہ ہو۔ اسکی پیداوار مختتم بدتر ین

زمین کی پیداوار کے برابر ہوگی ۔یعنی اگر کسی زرخیز قطعہ زمین میں کاشت عمیق بڑی حد تک کی جائے تو بالآخر ایک ایسا درجہ آئے گا ۔ کہ ایک بمقدار محنت اور اصل کا اضافہ کل پیداوار میں اس قدر کم اضافہ کریگا کہ یہ سوال پیدا ہوگا ۔ کہ آیا یہ مقدار اس صورت میں زیادہ پیداوار کرتی ہے ۔ اگر اس کو کسی اور زمین میں صرف کیا جاتا ۔ تو زیادہ پیداوار کرتی ؟

لگان کا تعلق پیداوار کی قیمت سے ۔ معاشیات کے مشکل ترین مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ زمین کے لگان کا زراعتی پیداوار کی قیمتوں سے کیا تعلق ہے عام رائے یہ ہے کہ زیادہ لگان کا ہونا زیادہ قیمتوں کا باعث ہے ۔ سچ پوچھئے تو یہ یوں ہے جیسے گھوڑے کی دُم میں لگام ۔ یعنی علت و معلول کے تعلق کو معکوس کر دینا ۔ زیادہ لگان زیادہ قیمتوں کا سبب نہیں بلکہ نتیجہ یہ ہے ۔ جب قیمتیں چڑھی ہوئی ہوں ۔ تو کاشتکار دولت کماتے ہیں ۔ اور اس وجہ سے اُنہیں اور بھی زمین کی خواہش پیدا ہوتی ۔ اس خواہش کی بدولت زمین کا لگان اور زمین کی قیمت چڑھ جاتی ہے ۔ واقعات کی منطقی ترتیب حسب ذیل ہے ۔

اچھی زمین کی قلت سے زراعتی پیداوار کی اضافی قلت بلحاظ اسکی طلب کے لازم آتی ہے ۔ زراعتی پیداوار کی قلت بلحاظ اُسکی طلب کے قیمتوں کے چڑھنے کا باعث ہوتی ہے ۔ زراعتی پیداوار کی قیمتیں چڑھنے سے کاشتکار خوشحال ہوتے ہیں ۔ اور ان کو قابل زراعت زمین کی زیادہ خواہش ہوتی ہے ۔ زمین کی یہ بڑھتی ہوئی خواہش یا طلب اور اسکی رسد کی قلت لگان کے چڑھنے کا باعث ہوتی ہے ۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہئے ۔ کہ کسی قطعۂ زمین کے استعمال کیلئے جو قیمت ادا کی جاتی ہے ۔ وہ دوسری تمام چیزوں کی قیمت کی طرح اس بات کی نشانی ہے ۔ کہ اس قطعۂ زمین کی مانگ کہاں تک ہے ۔ اور کسی قطعۂ زمین کیلئے جو مانگ ہوسکتی ہے ۔ اُس کا انحصار ایک حد تک اس بات پر ہے ۔ کہ اس کے استعمال سے کتنی آمدنی ہوسکیگی ۔ اور یہ بات آگے اس پر منحصر ہے ۔ کہ اسکی پیداوار کی قیمت کیا ہوگی ؟

محصول مفرد ۔ بعض مصلحین معاشرت جنہیں محصول مفرد کا حامی کہا جاتا ہے

ان کا یہ خیال ہے۔ کہ زمین کا لگان زمیندار محنت سے نہیں کماتے۔ اس دعویٰ کی تصدیق کے لئے وہ زمین کی ملکیت اور زمین کی اصلاح کے درمیان بڑی تفریق کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین (جس سے مراد سطح زمین کے بعض اصلی یعنی طبعی اور غیر فانی خواص ہیں) کسی فرد بشر کی محنت۔ سعی گندان یا دور اندیشی کا نتیجہ نہیں بلکہ فطرت کا عطیہ بلا معاوضہ ہے زمین اگر کسی شخص کی ملکیت بنتی ہے۔ تو اس لئے نہیں کہ وہ اس کا صانع ہے۔ بلکہ محض اسلئے کہ وہ اس پر قبضہ جما لیتا ہے۔ جب وہ ایک بار اُس پر قبضہ جما چکا ہے۔ تو دوسرے یعنی سوسائٹی کے ارکان اسکی ملکیت کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس طرح زمین قانوناً اس شخص کی ملکیت بن جاتی ہے۔ اور ازاں بعد وہ اگر چاہے تو دوسروں کو اس کے استعمال سے محروم رکھ سکتا ہے۔ یا اُن سے کوئی معاوضہ طلب کر سکتا ہے۔ یہ معاوضہ جو وہ اُن سے حاصل کرتا ہے۔ ایک قسم کی آمدنی بن جاتی ہے۔ اور یہ آمدنی اسکی کسی خدمت کا جو اُس نے معاشرت یا بنی نوع انسان کے حق میں انجام دی ہو معاوضہ نہیں ہوتی۔ یہ تو ہوا زمین کی "ملکیت کا معاملہ"۔ اب زمین کی "اصلاح" کو لیجئے۔ اس کا معاملہ اس سے بالکل جُدا ہے۔ جب زمین میں آبپاشی کی جائے۔ اسے قابل کاشت بنایا جائے۔ تو جو شخص یہ کام کرے وہ ایک خدمت انجام دیتا ہے۔ اُسکے کام کی بدولت دنیا کو ایک ایسی چیز ہاتھ آتی ہے۔ جو اس کے بغیر ملنی محال تھی۔ لیکن خالی زمین تو ازل سے موجود تھی۔ اور اگر کسی شخص نے فقط زمین پر قبضہ کر لیا۔ تو دنیا کو اس سے کیا حاصل ہوا۔ کسی شخص کی آمدنی کا وہ حصہ جو زمین کی اصلاح کی بدولت اُسے ملے۔ اُسکی ذاتی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ لیکن جو حصہ اُسے زمین کے خواصِ طبعی کی بدولت ملے۔ وہ اسکی کوششوں کا ثمرہ نہیں۔ بلکہ اُس کے ایک وسیلہ طبعی پر مخالفانہ قبضہ جما لینے کا نتیجہ ہے۔ اور اس کی پیداآور کارگزاری کا نتیجہ نہیں۔

مثال کے طور پر ہم فرض کرتے ہیں۔ کہ کسی کاشتکار کو علاوہ تمام اخراجات زرعیہ اور مطالباتِ فرسودگی کے ۲۰۰۰ ڈالر اوسط آمدنی ہوتی ہے۔ وہ اور اُس کا خاندان ایک ایسا کام کرتے ہیں۔ جو بازار کی شرح اُجرت کے حساب سے صرف ۱۰۰۰ ڈالر معاوضہ کا

مستحق تھا۔ پھر یہ بھی فرض کیجئے۔ کہ اُس شخص نے عمارتوں پر اپنی زمین کی اصلاح پر اور مشینری اور آلات اور گھوڑوں کی جوڑیوں وغیرہ کے فراہم کرنے پر ۱۰۰۰۰ ڈالر خرچ کئے ہیں۔ اگر شرح سود ۵ فیصدی ہو۔ تو اسکی آمدنی سے ۵۰۰ ڈالر سود میں شمار کئے جانے چاہئیں۔ ان مفروضات کے مطابق کاشتکار کی اصل آمدنی ۱۵۰۰ ڈالر رہے۔ باقی ماندہ جو ۵۰۰ ڈالر ہیں۔ وہ اسکی کارگذاری کا صلہ نہیں۔ کیونکہ جیسا ہم کہہ چکے ہیں۔ اس کے کام کی اُجرت صرف ۱۰۰۰ ڈالر ہے۔ یہ بھی ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ اس نے پیشتر ازیں جو کام زمین کی اصلاح، تعمیر عمارات وغیرہ کے سلسلے میں کیا ہے۔ یہ رقم اُس کا معاوضہ ہے۔ اسکا معاوضہ ۵۰۰ ڈالر تو ہم علیحدہ گن چکے ہیں۔ تو پھر یہ جو ۵۰۰ ڈالر کی باقیماندہ رقم ہے۔ یہ کس حساب میں ہے۔ یہ زمین کا کرایہ ہے۔ یعنی ایک شخص کی آمدنی محض اس امر کی بدولت کہ وہ زمین کے ایک حصے کا مالک بن بیٹھا ہے۔ اسکے ہاتھ آتی ہے۔ بنابریں محصول مفرد کے حامی یہ کہتے ہیں۔ کہ اس شخص نے ۱۵۰۰ ڈالر تو کما کر حاصل کئے ہیں۔ لیکن باقیماندہ ۵۰۰ ڈالر اسکو بغیر کارگذاری ہاتھ آ گئے ہیں۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ کاشتکار نے زمین کسی اور شخص سے خریدی ہے۔ اور اسکو ۱۰۰۰۰ ڈالر ادا کئے ہیں۔ علاوہ بریں عمارتوں۔ اصلاحات اور ساز و سامان پر ۱۰۰۰۰ ڈالر کی مزید رقم خرچ کی ہے۔ اس صورت میں ۵۰۰ ڈالر کی رقم جو زمین پر روپیہ لگانے کا سود ہے۔ کیا یہ اس کا اُنہی معنوں میں حق نہیں۔ جن معنوں میں دوسری جگہ ۵۰۰ ڈالر کی رقم جو اصلاحات پر روپیہ لگانے کا سود ہے۔ اُس کا حق ہے۔ بادی النظر میں یہی معلوم ہوتا ہے۔ بہرصورت محصول مُفرد کے حامی کبھی اکثریت کی جماعت کو اس کے قائل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے کہ ہمارا دعویٰ باطل ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس کاشتکار نے ایک دوسرے آدمی کو ۱۰۰۰۰ ڈالر قیمت دینے میں غلطی کی ہے۔ کیونکہ زمین اُس دوسرے شخص کی کوششوں کا نتیجہ نہیں۔ اس کو تو بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے یہ رقم خطیر مل گئی۔ اب چونکہ خریدنے والا اس غلطی کا مرتکب ہوا ہے۔ کہ اُس نے ایک غیر مستحق شخص کو ۱۰۰۰۰ ڈالر دے دیئے۔ اس لئے بعض انتہا پسند حامیان محصول مفرد کی

رائے میں وہ ہرگز کسی رعایت کا مستحق نہیں۔ ۵۰۰ ڈالر یعنی زمین کا لگان اس سے محصول کی مد میں لے لینے چاہئیں۔ چاہے اس سے یہی کیوں نہ لازم آئے۔ کہ اُس شخص نے جو ۱۰۰۰۰ ڈالر ادا کئے ہیں۔ وہ ایک طرح غرق ہو گئے۔ بعض اعتدال پسند حامیان محصول مفرد جو ذرا زیادہ انصاف کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں۔ کہ موجودہ مالک سے اگر مالگذاری وصول کی جائے۔ تو یا تو کسی صورت میں اسکی تلافی کر دی جائے۔ یا آئندہ لگان میں جو اضافہ ہو وہ بطور مالگذاری وصول کر لیا جائے۔ اور زمین کی قدر و قیمت میں جو اضافہ مالک کی ذاتی محنت سے یعنی اصلاحات سے ہوا ہے یا آئندہ ہوگا۔ اس پر مالگذاری معاف کر دی جائے۔ یہ تجویز زیادہ اعتدال اور میانہ روی پر مبنی ہے۔ اور اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس پر عملدر آمد کرنا مشکل ہے۔ تاہم اتنا مشکل نہیں جتنا مالگذاری کے دوسرے قاعدوں پر عمل کرنا مشکل ہے۔

یہ دعویٰ کہ اگر حکومت ہی صرف زمین کے لگان پر مالگذاری لیتی تو مالگذاری ہمیں بار نہ معلوم ہوتی۔ ایک ایسا تعجب انگیز دعویٰ ہے۔ کہ اس پر یقین کرنا مشکل ہے۔ تاہم اس دعویٰ کی صداقت دلائل و شواہد سے ثابت کی جا سکتی ہے۔ اگر یہ دستور ہوتا تو اوپر جو مثال ہم نے لی ہے۔ اُس میں کاشتکار کو سفید زمین کی قیمت ۱۰۰۰۰ ڈالر نہ ادا کرنی پڑتی۔ کیونکہ سفید زمین کی قیمتِ فروخت اتنی نہ چڑھتی۔ جو قیمت اس کی ہوتی وہ مالگذاری کی صورت میں حکومت کے خزانے میں چلی جاتی۔ لیکن دوسری طرف جو اصلاحات مالکِ زمین کرتا۔ ان پر کوئی محصول نہ لگایا جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ اس کاشتکار کے جو ۲۰۰۰۰ ڈالر اس مزرعے کیلئے ادا کئے ہیں۔ یعنی ۱۰۰۰۰ ڈالر زمین کی قیمت اور ۱۰۰۰۰ ڈالر اس کی اصلاح پر صرف کئے۔ تو بجائے اس کے اسے صرف ۱۰۰۰۰ ڈالر یعنی اخراجات اصلاح ادا کرنے پڑتے۔ اس کو ۱۰۰۰۰ ڈالر جو زمین کی قیمت خرید میں سے نیچے رہتے۔ اس کے بل پر وہ ٹکس ادا کرنے کے قابل ہو جاتا۔ یعنی اگر اسکے پاس یہ ۲۰۰۰۰ ڈالر نقد ہوتے۔ تو وہ ۱۰۰۰۰ ڈالر زمین کی قیمت ادا کر سکتا۔ اور باقی ماندہ ۱۰۰۰۰ اکے سود پر قرض دے دیتا۔ اس سود کے بل بوتے پر وہ اپنے محصول

ادا کرتا۔ برخلاف اس کے اگر اس کو زمین کی قیمت ادا کرنے کیلئے روپیہ قرض پر لینا پڑتا۔ ۱۰۰۰۰ ڈالر مستعار لیتا۔ یعنی جنس و رقم اس کیلئے محصول یا مالگذاری نہ ہونے کی صورت میں لینی ضروری تھی۔ اس سے ۱۰۰۰۰ ڈالر کم۔ ۱۰۰۰۰ ڈالر پر جو سود چکا لیتا اور یہ جو سود کی بچت اسے ہوتی۔ یہ اس کیلئے محصول کے بعینہٖ برابر ہوتی۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ چاہے لگان پر ہمیشہ سے محصول لگایا جاتا۔ چاہے بالکل نہ لگایا جاتا۔ دونوں صورتوں میں اس کاشتکار کیلئے کوئی فرق نہ تھا۔ بجائے اس کے کہ کاشتکار سابق مالک کو جس نے اپنی محنت سے زمین پیدا نہ کی تھی۔ ایک رقم خطیر ادا کرتا وہ اس رقم پر حکومت کو سود ادا کرتا۔ اس سود سے حکومت کو یہ مدد ملتی وہ اپنے مصارف چلا سکتی اور اس طرح اسے محنت سے پیدا کی ہوئی چیزوں پر محصول لگانے کی ضرورت نہ پڑتی؛

۳۔ سُود

سُود کیا چیز ہے اور کیوں ادا کیا جاتا ہے؟ معاشیات کے مشکل ترین اور مبہم ترین مسائل میں ایک مسئلہ سود کا ہے۔ سُود اُس آمدنی کا نام ہے۔ جو اصل کی ملکیت اور اُس کے استعمال سے ہوتی ہے۔ حل طلب سوال یہ ہے۔ کہ یہ آمدنی کیونکر ہوتی ہے اور اس کے اسباب کیا ہیں۔ اگر ہم ایک سیدھا سادہ معاملہ لیں۔ مثلاً یہ کہ ایک شخص کوئی آلہ اپنے لئے بناتا ہے۔ اور پھر اس سے پیدائش میں کام لیتا ہے۔ تو اس سوال کا حل آسانی معلوم ہوتا ہے۔ اس آلہ کے استعمال سے پیدائش میں جو اضافہ ہوگا۔ اُس کو ہم سود کہہ سکتے ہیں۔ گو عرف عام میں اس سے کبھی کبھی بلا امتیاز معنی اُجرت بھی کہہ دیتے ہیں۔ تاہم یہ اضافہ پیدائش جو آلہ کے استعمال سے وجود میں آتا ہے۔ اس کا صاف صاف سمجھ لینا ضروری ہے۔ جو وقت اور محنت اس آلہ کے تیار کرنے میں صرف کیگئی ہے۔ اُس کو اور فائدہ بخش چیزوں کے پیدا کرنے کیلئے صرف کیا جا سکتا تھا۔ جب آلہ تیار ہو چکے اور اس کا استعمال کیا جائے۔ تو دوسری مفید چیزوں کی پیدائش کی مقدار میں اس سے ترقی ہوتی ہے۔ اس ترقی کی مقدار اگر اُس مقدار سے زیادہ نہیں۔ جو اُس وقت اور محنت سے جس کو اس آلہ کے تیار کرنے میں صرف کیا گیا ہے پیدا ہو سکتی تھی۔ تو ظاہر ہے کہ اس آلہ کے تیار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں جو ظاہری آمدنی اس سے ہوتی ہے۔ وہ حقیقی آمدنی نہیں۔ کیونکہ اس سے صرف اصل زر وصول ہوتا ہے۔ لیکن اگر کل آمدنی جو آلہ کے استعمال سے ہوتی ہے۔ وہ اس مقدار سے زیادہ ہے۔ جو اس وقت اور محنت سے جو اس آلہ کے تیار کرنے پر صرف کیا گیا ہے۔ پیدا ہو سکتی تھی۔ تو ظاہر ہے کہ آلہ کے تیار کرنے میں حقیقی اور خالص نفع ہے۔ یہ بیشی دوسرے الفاظ میں وہ اضافہ ہے جو آلہ کے استعمال سے پیدائش میں ہوتا ہے۔ اور اس بیشی کا نام سود ہے۔

اگر مالک آلہ کو خود استعمال کرنے کے بجائے کسی اور کو کرایہ پر دیدے تو اُجرت

اور سود کا باہمی فرق قدرے زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن اتنا واضح پھر نہیں ہوتا جتنا ہونا چاہیئے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے۔ کہ جو آمدنی مالک کو ہوتی ہے۔ وہ اس کے اس وقت کا عوض دیتی ہے۔ جو اس نے آلہ تیار کرنے میں صرف کیا ہے۔ وہاں تک ہم اس آمدنی کو محنتانہ کہہ سکتے ہیں۔ یا ذرا زیادہ صحیح الفاظ میں ایسا محنتانہ جو دیر سے ادا کیا گیا ہے۔ اگر کل اس سے زیادہ ہے۔ جتنی کہ اُس کے وقت کا معاوضہ دینے کیلئے یا اس کو فائدہ بخش چیزوں کی وہ مقدار بہم پہنچانے کیلئے کافی تھی جو وہ اپنے قوت اور وقت خرچ کرکے پیدا کر سکتا تھا تو اُس بیشی کا نام سود ہے۔ اگر خود آلات بنانے کی بجائے مالک دوسرے آدمیوں سے اُجرت پر بنوائے۔ اور پھر آگے آلات کو کرایہ پر دیدے۔ تو ظاہر ہے کہ جب تک اس کی آمدنی اس سے زیادہ نہ ہو کہ جو اُجرت اُس نے مزدوروں کو ادا کی ہے۔ وہ اُسے واپس مل جائے۔ تو اس وقت اس کو کچھ سود حاصل نہیں ہوتا۔ یا اگر آلات کے تیار کرنے میں علاوہ مزدوروں کی اُجرت کے اس کو اور بھی اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ تو اُس کی آمدنی ان اخراجات کے معاوضہ سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ صرف اس صورت میں ہم اُسی سود کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ حاصل کلام اس بیشی کا نام سود ہے۔

اب ایک اور صورت ملاحظہ کیجئے۔ فرض کیجئے کہ بجائے اس کے کہ مالک دوسرے آدمیوں سے اُجرت پر آلات بنوائے اور اُنہیں کرایہ پر دیدے۔ وہ اس شخص سے جو آلات بناتا ہے براہ راست خریدے۔ اور خود استعمال میں لائے۔ آلات بنانے والے سے براہ راست خریدنے کے معنی ہیں۔ یک مشت اتنی رقم ادا کر دینا کہ تمام مصارف پیدائش کو (جن میں مزدوروں کی اُجرت بھی شامل ہے) منتقل ہو سکے۔ اب اگر ہر آلہ اسکی پیداوار میں اتنا اضافہ نہ کرے کہ اُس میں سے آلہ کی قیمت بھی نکل آئے۔ اور اوپر کچھ بچ رہے۔ تو پھر اُس شخص کو آلہ خریدنے کا مطلق کوئی فائدہ نہ ہوا۔ یعنی اس سے اُسے کوئی سود نہ ملا۔ لیکن اگر اُس آلہ کی بدولت وہ شخص قیمت خرید سے کچھ زیادہ کمائے تو اس کا نام سود ہوگا۔ اب ذرا یہ فرض کیجئے۔ کہ بجائے آلات کو خود استعمال کرنے کے وہ ان کو کرایہ پر دے دیتا ہے۔ جو کچھ اُسے اُس قیمت سے جو اُس نے آلہ کیلئے ادا کی ہے۔ فاضل ملیگا۔ اسکو ہم سود کہیں گے

اخیر میں یہ فرض کیجئے کہ جو آلہ اُس شخص نے خریدا ہے اُس سے کام لینے کیلئے وہ چند آدمی نوکر رکھتا ہے۔ زمانۂ حاضرہ کے اصل دار عموماً یہی کرتے ہیں۔ اچھا اب اُجرت تو مزدوروں کو دی ہی جائیگی۔ اسلئے ضروری ہے کہ مزدوروں اور آلات دونوں کی متحدہ پیداوار اتنی ہو کہ نہ صرف مزدوروں کی اُجرت اور دوسرے متفرق اخراجات مثلاً خطرہ اور فرسودگی کے مصارف وغیرہ اُس میں سے نکل سکیں۔ بلکہ آلات کی اصل قیمت بھی نکل آئے۔ اس سے اوپر جو کچھ آمدنی ہوگی۔ اُسے ہم سود کے نام سے منسوب کرینگے۔ اگر مالک کاروبار کی پرداخت غور اور توجہ سے کرے۔ باقاعدہ حساب کتاب رکھے تو وہ ہر سال کچھ رقم آلات کے اپنے پاس رکھنے اور اُن کی فرسودگی کے اخراجات کیلئے علیحدہ کر سکیگا۔ اس رقم کو ہم اس سال کے اصل مصارف میں شمار کرینگے۔ اگر ہر سال کچھ رقم بچ رہے۔ تو اس کو ہم اس سال کا سود کہہ سکتے ہیں۔ اس طور پر مالک اگر چاہے تو اپنے کاروبار کے آغاز ہی سے سالانہ سود حاصل کر سکتا ہے۔

جتنی صورتیں ہم نے اب تک ملاحظہ کی ہیں۔ وہ سب فی الاصل ایک ہی ہیں۔ اُن میں جو فرق ہیں۔ وہ صنعتی ترقی کے مختلف مدارج کی وجہ سے ہیں۔ ان سب صورتوں میں قدر مشترک یہ ہے۔ کہ سود اس امر کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ کہ آلات کے استعمال سے جو پیداوار ہوتی ہے۔ وہ اُس پیداوار سے جو آلات کے اوپر خرچ ہو جاتی ہے۔ یا اُن کے حصول میں صرف ہوتی ہے زیادہ ہوتی ہے۔

لیکن جب ہم زر کے سوال کو داخل بحث کریں تو معاملہ ذرا پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ تاہم کوئی بنیادی فرق نہیں پڑتا۔ زر چونکہ بالجملہ "خریدنے کی استطاعت" کا نام ہے۔ یا یوں کہئے۔ کہ جماعت سے اس بات کا مطالبہ ہے کہ جو چیزیں بیچی جاتی ہیں۔ اُن کا ایک حصہ صاحب زر کو دیا جائے۔ اسلئے زر کا مستعار دینا آلات یا اور مفید اشیا کے مستعار دینے کے مرادف ہے۔ جب صاحب زر اپنا زر کسی دوسرے شخص کو مستعار دے۔ تو وہ اپنی خریدنے کی قوت اس کو دے دیتا ہے۔ اور اُس کے معنی ہیں قرض لینے والے کو آلات دے دینا۔ قرض لینے والا قرض دینے والے کو جب سود ادا کرتا ہے۔ تو وہ فی الاصل اس کو آلات کے

استعمال کرنے کا معاوضہ دینا ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے دیکھئے تو یہ صورت بعینہ سابق صورتوں سے مماثل ہو جاتی ہے۔ جن میں زر کی وساطت کا کوئی جھگڑا نہ تھا۔

لیکن ہم یہ پوچھ سکتے ہیں۔ کہ یہ کیونکر ہوتا ہے۔ کہ ایک آلہ یا کوئی اور عامل پیدائش اُس سے بہت کم قیمت پاتا ہے۔ جتنی کہ اُس سے مستقبل میں مجموعی آمدنی ہوگی۔ اگر ایک آلہ کی بدولت میری پیداوار میں ۱۰ ڈالر کا اضافہ ہوگا۔ اور اگر وہ آلہ دس سال تک مجھے کام دیگا۔ تو کیا وجہ ہے کہ میں اُس کی قیمت ۱۰۰ ڈالر دینے کو تیار نہ ہو جاؤں۔ اگر میں ۱۰۰ ڈالر دیتا ہوں۔ تو آلہ کا بنانے والا آلہ کی تمام آیندہ قیمت وصول کر لیتا ہے۔ اور مجھے مطلق کوئی سود نہیں ملتا۔ دس سال کی مدت میں مجھے صرف اپنا اصل زر یعنی آلہ کی اصل قیمت خرید وصول ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آلہ کا بنانے والا ۱۰۰ ڈالر سے کم قیمت لینے پر کیوں رضامند ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ وہ ۷۰ ڈالر لینے پر راضی ہے۔ اور میں یہ رقم دینے پر راضی ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسبات کیلئے تیار ہے۔ کہ میں ۳۰ ڈالر نفع حاصل کروں۔ یعنی انتظار کا صلہ ۳ ڈالر سالانہ کے حساب سے۔ یہ صلہ گو نہایت ہیچ مقدار ہے۔ پھر بھی سود ہے۔ اگر میں ایک ایسے آلہ کیلئے ۱۰۰ ڈالر دینے پر راضی نہیں۔ بلکہ اس سے کم دینے پر مصر ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ میں سود لینے کیلئے اصرار کرتا ہوں۔ انسان عموماً بعینہ اس طریقے کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ گو اُن میں بعض ایسے بھی ہیں۔ کہ سود کی ماہیت کے متعلق مغالطہ میں مبتلا ہو کر نظری حیثیت کے سود کے اصول کو غیر مستحسن قرار دیتے ہیں لیکن جو طریقہ سود کا ہم نے بیان کیا ہے۔ یعنی مطلوبہ قیمت سے کم دیکر سود لینا اس پر سب کاربند ہوتے ہیں۔

کیا وجہ ہے۔ کہ ایک ایسا آلہ یکمشت ۱۰۰ ڈالر قیمت نہیں پاتا۔ یا کسی قسم کا اصل اپنی تمام آیندہ قیمت پر فروخت نہیں ہوتا۔ وجہ صرف یہ ہے۔ کہ لوگ انتظار نہیں چاہتے۔ وہ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں۔ کہ جو کچھ ملتا ہے اب ملے۔ آیندہ جو کچھ ملیگا وہ کم ہو یا زیادہ اُس کا وہ انتظار نہیں کر سکتے۔ یعنی وہ ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے

ہیں۔ تاہم چونکہ انتظار کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ کام کرنا۔ اور چونکہ انتظار کرنے میں طبیعت پر اتنا ہی جبر کرنا پڑتا ہے جتنا کام کرنے میں۔ اسلئے یہ لازمی امر ہے۔ کہ انسان کو انتظار کا معاوضہ دیا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص ایک آلہ خریدے یا آلہ بنائے تو وہ آمدنی کا انتظار کرنے کیلئے تیار ہوتا ہے۔ اگر آپ ایک آلہ خریدتے ہیں۔ تو اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ اپنی قوتِ خرید جس کے بل پر آپ کوئی مصرف کی چیز یعنی کوئی کھانے پینے یا پہننے اوڑھنے کی چیز خرید کر سکتے تھے۔ آپ ایک دوسرے شخص کو دیدیتے ہیں۔ آلہ آپ کیلئے مقصود بالذات نہیں۔ آپ کو اس کی ضرورت محض ان چیزوں کی بنا پر ہے۔ جو آپ اسکی وساطت سے آئندہ خرید سکیں گے۔ لیکن اب ان چیزوں کیلئے آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔ اسی طرح اگر آپ ایک آلہ بنانے میں وقت اور محنت خرچ کریں۔ تو آپ اپنی وہ قوت جسے آپ سامان تفریح یا کسی مصرف کی چیز کیلئے کام میں لا سکتے تھے خرچ کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں بھی آپکو اپنی مطلوبہ چیزیں خریدنے کیلئے انتظار کرنا پڑیگا۔ لیکن جب آپ آلہ بنا چکیں اور کوئی دوسرا شخص آپ سے آلہ خریدے۔ تو وہ آپ کو انتظار کی زحمت سے بچا لیتا ہے۔ خود اُسے آلہ کا ثمرہ حاصل کرنے کیلئے انتظار کرنا پڑیگا۔ انتظار کی زحمت سے بچنے کیلئے آپ قدرتی طور پر آمادہ ہوں ہی گے۔ اسلئے آپ ایسی قیمت پر اُسے بخوشی فروخت کر دینگے کہ خریدنے والا آئندہ اُس سے کچھ فاضل رقم حاصل کر سکے۔ اس فاضل رقم کا نام ہوگا سود۔ ایک اور صورت بھی ہے۔ اگر آپ نے آلہ مذکور کے تیار کرنے میں دوسرے آلات کا استعمال کیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ انتظار کی زحمت پہلے ہی اُٹھا چکے ہیں۔ اور اب آلہ کی جو قیمت آپ کو ملیگی اُس کا ایک حصّہ آپ کی محنت کا صلہ ہوگا۔ اور ایک حصّہ اُن آلات کا معاوضہ جو آپ نے استعمال کئے ہیں۔ اُس سے آپ کو اپنے آلات اصل قیمت خرید کا بھی کچھ حصہ واپس مل جائے گا۔ اور انتظار کا بھی کچھ معاوضہ وصول ہو جائے گا۔ اس مزید رقم کا نام سود ہوگا۔

انتظار۔ "انتظار" اور "بچت" ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے کے دو طریقے ہیں۔ عبارت بالا میں ہم نے جو تجزیہ کیا ہے اُس کا مقصد یہ تھا کہ جس عمل کے ماتحت اصل پیدا ہوتا ہے۔ اور سود حاصل ہوتا ہے۔ اُسکی ماہیت کو بجنسہ بیان کر دیا جائے۔ اگرچہ بعض اصلاح کے دلدادہ جو

غلط فہمی میں مبتلا ہیں ان دنوں ہماری تعلیم سے بالکل مختلف تعلیم دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تاہم ہمارے تجربہ سے اس عام خیال کی صداقت واضح ہو جائیگی۔ کہ جزرسی، پس اندازی اور دور اندیشی معاشیاتی نقطۂ نگاہ سے ایسے محاسن کردار ہیں۔ جن کا درجہ جفاکشی اور محنت پسندی کے سوا اور کسی سے کم نہیں۔ امریکہ کے لوگوں کو اگر کوئی سبق ازبر کرنیکی ضرورت ہے تو وہ یہ ہے کہ جو شخص پس انداز کرے وہ جمہور کا محسن و مخیر ہے اور جو شخص اسراف کرے وہ ایک مقتدر خلائق کام کرتا ہے۔ کیا امیر کیا غریب سب کو یہ امر بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ یوں تو دونو طبقے اس سے تغافل و تجاہل برتتے ہیں۔ لیکن اس کا خمیازہ زیادہ تر غریبوں کو کھینچنا پڑتا ہے۔ اسلئے سب سے زیادہ غریبوں کو اسکی ضرورت ہے کہ وہ اس حقیقت سے آشنا ہوں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے۔ جو ان کیلئے ذریعہ نجات اور کلید کامیابی ثابت ہوگی۔ یہ قضیہ کہ شاہ خرچی سے حاجتمندوں کے روزگار کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس طور پر محنتیوں اور مزدوروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ ایک بالکل باطل دعویٰ ہے اسکی تردید و تغلیط جس قدر شد و مد سے کیگئی ہے۔ اور کسی مغالطے کی نہیں کی گئی۔ اس کے باوجود یہ دعویٰ کبھی کبھی لوگوں کی زبانوں پر پایا جاتا ہے۔ آپ اُس دلیل پر جو ہم اس دعوے کی رو میں پیش کرتے ہیں۔ ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ کس قدر پادرہوا اور غلط دعویٰ ہے۔

اگر میرے پاس خرچ کرنے کیلئے ایک ڈالر ہے اور میں اپنے جی میں فیصلہ کرتا ہوں۔ کہ اسے کسی تعیش کے سامان پر خرچ کروں۔ تو یہ بیشک درست ہے کہ میں مزدوروں کو اس سامان کے پیدا کرنے کا کام تفویض کرتا ہوں۔ یا زیادہ صحیح الفاظ میں یوں کہیئے کہ جو صنعت اس سامان کو پیدا کرتی ہے میں اسکو مدد دیتا ہوں۔ لیکن اگر میں اپنا ڈالر سامان تعیش کے بجائے کسی آلے کے خریدنے میں خرچ کروں تو میں بقدر ایک ڈالر کے مزدوروں کیلئے کام مہیا کرتا ہوں۔ یا یوں کہیئے کہ میں آلہ سازی کی صنعت کو مدد دیتا ہوں۔ اب تک دونوں صورتیں یکساں ہیں۔ لیکن اگر آگے تجزیہ کیا جائے۔ تو ایک فرق ظاہر ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جب میں نے سامان تعیش ایک بار خرید لیا اور برت لیا تو وہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو چکا ہے یعنی

کہ مجھے اُس سے کوئی عارضی مسرت حاصل ہوگی۔ لیکن جہاں تک باقی دنیا کا تعلق ہے وہ چیز بالکل اس طرح نیست و نابود ہو جائے گی گویا جل کر راکھ ہو گئی ہے۔ یا دریا برد کر دی گئی ہے۔ برخلاف اس کے اگر میں اپنے پیدا آوری کے کام میں مدد لینے کیلئے کوئی آلہ خریدوں تو اُسکی بدولت میں زیادہ پیداوار کر سکتا ہوں اور باقی دنیا کی دولت و مسرت میں اضافہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہوں۔ اس طور پر میری سادہ گذران سے باقی دنیا کو نفع پہنچتا ہے۔ اور وہ میری مرہونِ منت ہوتی ہے۔

اگر میں خود آلہ کا استعمال نہ کروں اور میری بجائے کوئی اور شخص استعمال کرے تو اس صورت میں بھی دنیا کی پیداوارِ دولت میں اور خوشی میں ترقی ہوتی ہے۔ اور جو آمدنی مجھے آلہ کے صلے میں ہوتی ہے وہ اس ترقی کا جو دنیا کی پیدا آوری میں میری بدولت ہوئی صرف ایک جزئی معاوضہ ہے۔ اب یہ جو ترقی میری بدولت ہوتی ہے۔ اگر میں اپنی نئی آمدنی کو فضول خرچی میں اُڑا دوں تو اس ترقی کا فائدہ ایک حد تک زائل ہو جاتا ہے برخلاف اس کے اگر میں اس نئی آمدنی کو نئے اور بہتر آلات میں لگا دوں تو میری سادہ گذران سے دنیا کو دہرا فائدہ ہوتا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے۔ کہ اگر میری معاشی زندگی تعیش کی خاطر اسرافِ بیجا کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ تو میری وجہ سے دنیا کی قوتِ پیدا آوری کا ایک حصہ ایسی چیزوں کی بہم رسانی میں صرف ہوتا ہے جو فقط میری ذات کے لئے کار آمد ہیں۔ برخلاف اس کے اگر میری معاشی زندگی مختلف قسم کے آلات میں روپیہ لگانے کا ایک سلسلہ ہے تو میری وجہ سے دنیا کی قوتِ پیدا آوری کا حصہ ایسے آلات کی بہم رسانی میں خرچ ہوتا ہے جو میرے لئے بھی اور دنیا کیلئے بھی کار آمد ہیں۔ بلکہ پہلے دنیا کو اور بعدہٗ مجھ کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

یہ قیاس کرنا آسان ہے۔ کہ میں ایک ڈالر خود صرف کر دوں یا اُسے سیونگ بنک میں جمع کرا دوں۔ تو دونوں حالتوں میں نتائج ایک ہی ہوتے ہیں۔ اگر سیونگ بنک میرا ڈالر کسی ایسے شخص کو قرض دیدے۔ جو اُس سے کوئی ناکارہ سامانِ تعیش خریدے تو اُس سے دنیا کی حالت پر جو اثر مترتب ہوتا ہے۔ وہ بالکل ایسا ہوتا ہے جیسا اُس صورت

ہیں ہوتا جب کہ میں اس سامانِ تعیش کا خریدنے والا ہوتا۔ یہ معاملہ میرے اور اس شخص کے درمیان ہے۔ یوں کہیئے کہ میں نے معنوی طور پر یہ سامان تعیش اس شخص کو مستعار دیا۔ برخلاف اس کے کہ اگر سیونگ بنک میں اڈال رایک ایسے شخص کو مستعار دے۔ جو اُسے آلات خریدنے میں خرچ کرے۔ تو جہاں تک باقی دنیا کا تعلق ہے۔ یہ بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے میں نے خود آلات خریدے ہوں۔ دنیا پر دونوں صورتوں میں ایک ہی اثر مترتب ہوتا ہے۔ یہ شخص اُن آلات کی بدولت دوسروں کیلئے زیادہ پیداوار کرنے کے قابل بن جاتا ہے۔ اور دوسرے اُس کی مزید خدمات کا معاوضہ اُسے دیتے ہیں۔ آگے یہ اپنی جگہ بجھے آلہ کے استعمال کا معاوضہ دیتا ہے۔ جو لوگ اُس شخص سے خدمت حاصل کرتے ہیں ظاہر ہے کہ وہ اس خدمت کو اُس قیمت کا جو وہ ادا کرتے ہیں۔ نعم البدل تصوّر کرتے ہیں۔ ورنہ وہ ہرگز یہ خدمت قبول نہ کرتے۔ اب اس شخص کو بھی جتنا وہ مجھ کو آلہ کے استعمال کا معاوضہ دیتا ہے۔ اُس سے زیادہ معاوضہ خدمت کا ملنا چاہیئے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ آلہ مجھ سے مستعار نہ لیتا۔ چنانچہ اس طرح ہر فریق کو فائدہ ہوگا۔

امور بالا کو جو اہمیت فی زماننا حاصل ہے وہ دنیا کی تاریخ میں کبھی حاصل نہیں ہوئی اور وہ روز بروز زیادہ اہم ہوتے جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اصل صنعت و حرفت میں اب بیش از پیش حصّہ لینے لگا ہے۔ یہ بات ہماری اُس جدّت طرازی کا نتیجہ ہے۔ جس کی بدولت مشینری کے وسیع استعمال کا رواج ہوا۔ ایک زمانہ ایسا تھا کہ ایک کاشتکار نہایت معمولی اصل کے ساتھ کامیابی حاصل کر سکتا تھا۔ وجہ یہ کہ اُس زمانے میں کثیر اصل کا استعمال ہی سرے سے نہ تھا۔ اسلئے تھوڑے اصل والے کاشتکار کے پاس اپنے تمام حریفوں کے برابر ساز و سامان ہوتا تھا۔ اور وہ اُنہی کے برابر مصارف برداشت کرکے پیداوار کر سکتا تھا۔ لیکن ہمارے زمانہ میں (جو کہ محنت بچانے والی تدابیر کا زمانہ ہے) یہ امر ضروری ہے کہ ہر کاشتکار کے پاس مشینوں اور آلات کا اتنا ہی ذخیرہ ہو جتنا اُس کے حریفوں کے پاس ہو۔ ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اتنے سستے خرچ پر پیداوار نہ کر سکیگا۔ کہ منافع پر فروخت کر سکے لیکن جدید مشینری اور آلات کا ذخیرہ مہیا کرنے کے معنی ہیں۔ اتنا کثیر اصل موجود

ہوتا جتنا آج سے ایک صدی پہلے بلکہ ایک نسل پہلے کے کاشتکاروں کے پاس نہ ہوتا تھا۔ اب آپ جانتے ہیں کہ اصل چھپر پھاڑ کر نہیں ملتا۔ نہ کسی اور پُراسرار طریقے سے اس کی تخلیق ہوتی ہے۔ اُس کے وجود میں آنے کا عمل یہی روپیہ بچانے اور مناسب کاروبار میں لگانے کا عمل ہے۔ جب تک میں اپنی تمام آمدنی صرف کنندوں کی مفید مطلب اشیاء خریدنے میں خرچ کرتا رہوں گا۔ اُس وقت تک ناممکن ہے کہ میں اصل وار بن سکوں۔ لیکن جب بھی میں ایک ڈالر ایک آلۂ پیداآور پر خرچ کروں۔ تو میں بقدر ایک ڈالر کے اصل دار بن جاتا ہوں۔ اگر میں اس طور پر بہت سے ڈالر خرچ کروں۔ تو میں ایک بہت بڑا اصل دار بن سکتا ہوں۔ بس یہ ہے سارا قصہ۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ آیا میں اپنے ڈالروں کو براہ راست ذاتی طور پر خرچ کروں گا یا سیونگ بنکوں اور دوسرے ادامات قرض کی وساطت سے:۔

چونکہ اصل صنعت و حرفت کا ایک ناگریز عنصر بنتا چلا جارہا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ کہ جو شخص اصل کی بہم رسانی کرتا ہے۔ یعنی اپنی آمدنی اپنے مصرف کی اشیاء کی بجائے آلات کے خریدنے پر خرچ کرتا ہے۔ وہ دوسروں سے زیادہ دنیا کا مخیر اور محسن ہے۔ وہ ایک ایسی چیز مہیا کرتا ہے۔ جس کی ضرورت اب پہلے سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اور ہر سال زیادہ ہوتی جارہی ہے۔ قاعدہ ہے کہ سوسائیٹی ان اشیاء کیلئے جن کی اُسے سب سے زیادہ احتیاج ہو سب سے زیادہ قیمت ادا کرتی ہے۔

یہ ہے اس امر کی سیدھی سادی اور منطقی تشریح کہ اصل دار ہر ترقی پذیر نظام (سوسائٹی) میں پہلے سے بہت زیادہ نمایاں حیثیت حاصل کرتا چلا جارہا ہے یہ ایک ایسی ہی سیدھی سادی بات ہے جیسی کسی زمانے میں یہ تھی کہ جن دنوں سوسائٹی کو باقی سب لوگوں سے زیادہ سپاہیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُن دنوں اُن کی حیثیت سب سے افضل و اشرف ہوتی ہے۔ جو لوگ ضروریات زمانہ کے رمز شناس ہیں۔ وہ اصل داروں کے خلاف زہر اُگلنے سے احتراز کریں گے۔ بلکہ جتنی جلدی ہو سکے خود بھی اصل دار بننے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح اُن کو دو طرف سے اطمینان حاصل

ہوگا۔ اوّل تو اس بات کا اطمینان ہوگا کہ اپنی ذات کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ دوسرے اس طرف سے بھی ان کی خاطر جمع ہو گی۔ کہ وہ دنیا کو بھی فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ وہ شخص ایک ایسی چیز مہیا کرینگے۔ جس کی سوسائیٹی کو روزافزوں احتیاج ہے اور چونکہ وہ سوسائٹی کے مایحتاج کی بہم رسانی کرینگے۔ اس لئے سوسایٹی ان کا معاوضہ دے گی۔

تاہم ضرورت ہے۔ کہ اُس اصل میں جو صحیح معنوں میں پیدا آور ہے۔ اور جعلی یا جلبی اصل میں نہایت احتیاط سے تمیز کی جائے۔ حقیقی اصل مشتمل ہے آلات پر۔ اوزاروں پر اور اُن قسم کی اصلاحات پر جو دنیا کی قوت پیدا آوری میں اضافہ کا باعث ہوتی ہیں۔ لیکن ایک قسم کی ملکیت ایسی ہے جو اصل کا روپ بھر کر دنیا کو مفلس بنانے میں مصروف ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کو دولتمند بنائے۔ تمام وہ چالیں جو بے خبر لوگوں کو کانکنی کی جعلی کمپنیوں کا حصّہ خریدنے اور اس قسم کے دوسرے دھوکوں میں مبتلا کرنے کیلئے چلی جاتی ہیں۔ لاٹری کی کمپنیاں جو ایسے ٹکٹوں کو جن کی قیمت نظریۂ اتفاقات کے مطابق بیس سینٹ (cents) سے بھی کم ہوتی ہے۔ ایک ڈالر کو بیچتے ہیں۔ قمار بازی کے تمام کاروبار۔ اوقاف اور امانتیں اور دوسرے تمام کاروبار جن کا واحد مقصد یہ ہوتا ہے کہ جہاں پہلے لوگوں کی جیبوں سے ایک ڈالر وصول ہوتا تھا۔ وہاں اب دو ڈالر جھاڑے جائیں۔ پیٹنٹ دواؤں کے کارخانے۔ چیزوں میں کھوٹ ملانے کی ترکیبیں۔ جعلی سکہ بنانیوالوں کی کارستانیاں۔ ہر طرح کی "سونے کی اینٹیں" اور اس طرح کے اور بیوپار نام نہاد اصل کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ سب کے سب اس عنوان کے تحت میں آتے ہیں۔ دیہات کے جاہل اور بے خبر لوگ عموماً اس قسم کی ٹھگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس کا مرکز اکثر شہروں میں ہوتا ہے۔ اگر اس قسم کی دغابازیوں کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جو لوگ ان کا تختۂ مشق بنتے ہیں۔ اُن کا قضیہ فاقہ کشی اور ناداری کے ہاتھوں فوراً پاک ہو جاتا۔ تو اس سے کم از کم اتنا ہوتا۔ کہ اگر ایک طرف شہروں کی آبادی میں عیاروں کا اضافہ ہوتا تو دوسری طرف احمقوں کی تعداد میں تو کمی ہوتی اور اس طرح کچھ کسر نکل جاتی۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ یہ بغلول یک قلم تباہ نہیں ہو جاتے۔ بلکہ اپنی قسم کے بغلولوں کی نسل بڑھاتے ہیں۔ تاکہ عیاروں کی آئندہ

نسل کیلئے کافی شکار مہیا ہو جائے۔ اور اگر ہم نے اس کا کچھ تدارک نہ کیا تو اندیشہ ہے۔ کہ عیاروں اور احمقوں کا طوفانِ بدتمیزی یونہی برپا رہیگا اور ہمارے لئے آفتِ جان بنا رہیگا۔

ہم نے جو امتیاز باب اوّل میں روزی کمانے کے معاشیاتی اور غیر معاشیاتی طریقوں میں کیا ہے۔ جب اُس کا پورا پورا احساس جدید حکومتیں کرینگی اور جب وہ تمام غیر معاشیاتی طریقوں کے استعمال کیلئے ایسی ہی کوشش کرینگی۔ جیسی وہ بعض مثلاً چوری۔ جعلی نوٹ بنانا۔ جعلی سکہ بنانا وغیرہ کے استعمال کیلئے کر رہی ہیں۔ تو اس وقت یہ مسئلہ عظیم حل ہو جائیگا۔ تاہم جب تک وہ وقت نہیں آتا۔ اُس وقت تک ہمیں جمہور کو خصوصاً دیہاتی آبادی کو تعلیم کے ذریعے عیاروں کی دغابازیوں سے محفوظ رہنے کا طریقہ سکھانا چاہیئے ؂

بہرحال مقام شکر ہے کہ زراعت میں جعلی اصل نسبتاً بہت کم استعمال کیا جاتا ہے اسلئے ہم نے دیہاتی اصل دار کی جو تعریف و توصیف کی ہے۔ اُس میں ہرگز کسی ترمیم کی ضرورت نہیں۔ بغیر کسی تجدید کے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ جو شخص اپنی آمدنی کو بجائے صرف کنندوں کی اشیاء پر خرچ کرنے کے آلات وغیرہ پر خرچ کرے۔ اور اس طرح زراعتی اصل کی مقدار میں اضافہ کرے۔ وہ سوسائٹی کی ایک گرانقدر خدمت سرانجام دیتا ہے۔ اور اس لئے جو کچھ آمدنی اُسے اپنے آلات سے ہوتی ہے۔ وہ جائز کمائی ہے۔ اگر وہ اپنا زر غیر دانشمندانہ طریقے سے لگائے۔ یعنی ایسے آلات خریدے جو اُس کی قوتِ پیدا آوری میں اضافہ کا باعث نہیں ہوتے۔ تو وہ کوئی خدمت انجام نہیں دیتا۔ اور اس کو اپنے آلات سے کچھ آمدنی نہیں ہوتی۔ جس نسبت سے اُس کے آلات اُسکی پیداوار میں اضافہ کریں بعینہٖ اس نسبت سے وہ اپنے آپ کو مفید خلائق بناتا ہے۔ اور اس نسبت سے اُس مزید آمدنی کی صورت میں معاوضہ ملے گا۔ اس مزید آمدنی کا نام سود ہے۔ جہاں تک زراعت کا تعلق ہے یہ معاملہ سیدھا سادہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ دیہات میں اشتراکیین (Socialists) کی کثیر تعداد موجود نہیں۔ لیکن شہر میں اصل ایسی ایسی غیر معاشیاتی صورتوں میں یا جعلی اصل کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ کہ صحیح معنوں میں اصل اور اصل دار کی ذاتی قدر و قیمت کا

اندازہ کرنے کیلئے انتہا درجے کی معاملہ فہمی اور ایک باریک بینی درکار ہوتی ہے۔
یہی وجہ ہے۔ کہ شہر میں اشتراکین کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں؛

۴۔ نفع

نفع کیا چیز ہے؟ جیساکہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ کاشتکاری کا نفع وہ رقم ہے۔ جو کاشتکار کی سالانہ آمدنی میں سے اپنی محنت کی اُجرت۔ زمین کا لگان اور اپنے اصل کا سود نکال کر بچ رہے۔ یہ بات محتاج بیان نہیں کہ اگر کاشتکار اچھا منتظم نہ ہوگا۔ تو کاشت کا نفع ہوتا یقین نہیں۔ سچ پوچھو تو ہمیں شک ہے کہ ہمارے ملک یا کسی دوسرے ملک کے آدھے کاشتکار کچھ منافع حاصل کرتے بھی ہیں یا نہیں۔ اور یہ تو طے شدہ امر ہے کہ ان میں جو بہت غریب ہیں اُن کے تو سرے سے کچھ پلے نہیں پڑتا۔ اجناس بازاری کی پیدائش میں چونکہ خاصے کی چیزوں کی بہ نسبت عمدہ قیمتیں پانے کا کوئی موقع نہیں ہوتا۔ اسلئے نفع زیادہ تر اُنہی لوگوں کی جیبوں میں جاتا ہے۔ جو اپنے کم قابل حریفوں کی بہ نسبت پیدائش کے مصارف میں تخفیف کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ خاص خاص زراعتی اجناس کے اُگانے میں نفع مصارفِ پیدائش کی تخفیف سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن زیادہ تر وہ کسی نفیس جنس کے پیدا کرنے سے جو عمدہ قیمت پا سکے۔ اور فروخت کرنے کی جسارت سے جس کے ذریعے بیشترین قیمت حاصل کی جا سکے حاصل ہوتا ہے۔

یہ ایک حل طلب مسئلہ ہے۔ کہ آیا نفع کی جو تعریف ہم نے اوپر کی ہے۔ اسکے مطابق اسے کاشتکار کی ذاتی محنت کی اُجرت میں شامل کرنا چاہیئے یا نہیں۔ اگر کسی جنس بازاری کا اُگانے والا محض اپنی اعلیٰ قابلیت انتظام کی بدولت جسکی مدد سے دو حریفوں کے مقابلے میں اپنی پیداوار بڑھاتا ہے۔ یا اپنی پیداوار کے مصارف گھٹاتا ہے۔ منافع حاصل کرتا ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسکی کارکردگی اعلیٰ درجہ کی ہے

اور اعلیٰ قسم کے معاوضہ کی مستحق ہے۔ اب اگر ایک ایسا کاشتکار اپنے لئے اپنی اعلیٰ تنظیمی قابلیت کے مطابق اعلیٰ قسم کا معاوضہ علیحدہ کرے تو کیا اُسکی آمدنی میں سے کچھ نفع سالانہ اوسط کے حساب سے بچ رہیگا۔ اسی طرح کسی خاص زراعتی پیداوار میں جس میں کہ منافع کا دار و مدار قابلیت فروخت پر ہے۔ اگر کاشتکار اپنے لئے ایک اعلیٰ فروشندہ کی تنخواہ علیحدہ کرلے۔ تو کیا اس کے بعد اُس کے پاس کچھ نفع بچ رہیگا۔ یا صرف یہی اس کا نفع ہوگا۔

آزاد کاشتکار اگر کوئی بازاری جنس یا غلے کی جنس ایسی اُگائے۔ جس کا سودا بازار میں کرنا مشکل ہے۔ اور جس کو ہم اُجرت یا لگان یا سود کی ذیل میں شمار نہیں کر سکتے تو وہ ایک بات ضرور کرتا ہے۔ جس زمیندار سے وہ لگان پر لے۔ جس اصل دار سے وہ اصل مستعار لے اور جن مزدوروں کو وہ نوکر رکھے اُن کے بیمہ والے یعنی کفیل خسارت کے طور پر کام کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ زمین لگان پر لے اور نقد لگان دے تو یہ زمیندار کی آمدنی کا بیمہ ہو گیا۔ یعنی اس کو آمدنی ضرور ہو جائیگی۔ چاہے فصل کا کچھ حصہ خراب ہی کیوں نہ ہو جائے اگر بالکل ہی قحط سالی ہو جائے تو ممکن ہے کہ لگان کی ادائگی نہ ہو سکے اور ایسی صورت میں زمیندار کی آمدنی ماری جا سکتی ہے۔ لیکن اگر کاشتکار کے پاس لگان ادا کرنے کیلئے کچھ موجود ہو تو چاہے اس کو ذاتی آمدنی ہو یا نہ ہو۔ لگان ہر صورت میں اُسے ادا کرنا پڑتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ کاشتکار کے مقابلے میں زمیندار فصلوں کے خراب ہو جانے وغیرہ کے معاملے میں زیادہ محفوظ و مصئون رہتا ہے۔ یہی حال اُس اصل دار کا ہے۔ جس سے کاشتکار اپنا اصل قرض پر لے۔ فصل خراب ہو یا نہ ہو۔ جب تک کاشتکار کے پاس سود ادا کرنے کیلئے کچھ ہے اُسے سود ادا کرنا پڑیگا۔ اس قاعدے کے مطابق اصل دار کاشتکار کے مقابلے میں جو اس سے اصل کو مستعار لیکر استعمال کرتا ہے۔ زیادہ محفوظ رہتا ہے۔ کیونکہ پہلے کاشتکار اپنی ساری آمدنی کھو بیٹھے تو تب کہیں جاکر اصل دار کے برابر نقصان پہنچتا ہے۔ اس طرح مزدور کی اُجرت ہر صورت میں ادا کرنی پڑتی ہے چاہے کاشتکار کے پاس اپنے لئے کچھ بچ رہے یا نہ بچے۔ مزدور کو فصلوں کے خراب ہو جانے۔

جانوروں کو مری ۔ اور اس قسم کے دوسرے معمولی حادثات سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا ۔ اُسکے پیسے ہر صورت میں کھرے ہیں ۔ ہاں اگر کاشتکار کا بالکل دیوالہ نکل جائے تو پھر ممکن ہے کہ مزدور کی اُجرت ماری جائے ۔ اس بنا پر جہاں تک کاشت کے معمولی خطرات کا تعلق ہے مزدور بہ نسبت کاشتکار کے زیادہ محفوظ رہتا ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آزاد کاشتکار کو ان بیشمار اور غیر متوقع خطرات و حادثات کا بار ذمہ داری اُٹھانا پڑتا ہے ۔ سب سے پہلے ان خطرات کا اثر کاشتکار پر ہوتا ہے ۔ اور پھر باقی کے تین فریق یعنی زمیندار ۔ اصل دار اور مزدور پر ۔ جب تک کاشتکار اپنے پاؤں پر کھڑا رہے ۔ اور ناساعد حالات کا مقابلہ کرے ۔ اُس وقت تک اُن لوگوں کو آنچ نہیں آئی ۔ صرف اُس صورت میں کہ کاشتکار کی تاب مقاومت بالکل جواب دے جائے ۔ یہ لوگ ان خطرات کی زد میں آسکتے ہیں ۔

خطرہ ۔ چونکہ کاشتکار سب سے زیادہ اپنے آپ کو معرض خطر میں ڈالتا ہے ۔ اور زمیندار جو اپنی زمین لگان پر دیتا ہے ۔ اصل دار جو اپنا اصل مستعار دیتا ہے ۔ اور مزدور جو اُجرت پر کام کرتا ہے ۔ سب کے سب نسبتاً محفوظ ہوتے ہیں ۔ اس لئے کاشتکار کا حق ہے کہ وہ منافع مزید حاصل کرے ۔ جیسے کہ کوئی بیمہ کمپنی حاصل کرتی ہے ۔ وہ جو خدمت انجام دیتا ہے ۔ وہ بعینہٖ ایک کمپنی کی سی خدمت ہوتی ہے ۔

بیمہ والا عام اس سے کہ کوئی کاشتکار ہو سندیافتہ بیمہ کمپنی ۔ اُس کی خدمت کا حقیقی معاوضہ یہ ہے ۔ کہ اُس کو نقصانات سے زیادہ منافع ہو ۔ اگر بیمہ کمپنی ہو تو اُسے خطرات کی ذمہ داری لینے سے جو نقصان ہوتا ہے ۔ وہ اگر اُن کل محاصل میں سے جو اس ذمہ داری کی بدولت ہوتے ہیں مہیا کر دیا جائے ۔ تو باقی جو کچھ رہ جائے وہ اس کا معاوضہ ہوتا ہے ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے ۔ کہ ان دو رقوم میں ۔ یعنی نفع اور نقصان کی رقوم میں فرق کیونکر پیدا ہوتا ہے ۔ ایک بیمہ کمپنی کے مربی یعنی جو لوگ اُس سے معاملہ کرتے ہیں ۔ وہ اپنے کل نقصانات سے زیادہ رقم کمپنی کو کیوں ادا کرتے ہیں ۔ اور اس طرح اسکو رسوخ کیوں حاصل ہونے دیتے ہیں ۔ اس کا جواب صاف ظاہر ہے ۔ یعنی یہ کہ بیمہ شدہ معاملے کی بہ نسبت یقیناً زیادہ خطرہ ہوتا ہے ۔ مثال کے طور پر آتشزدگی کے بیمہ کو

لیجئے۔ آگ لگ جانے کی صورت میں بیمہ والے کو جو نقصان ہوگا۔ وہ عمارات اور مال سوختہ کی قیمت تک محدود ہوگا۔ لیکن بیمہ شدہ کو صرف یہیں تک نقصان نہ ہوگا۔ بلکہ اس کی ساکھ جاتی رہے گی۔ اور اس کا کاروبار گھٹ جائے گا۔ جب تک اُس کے پاس ذاتی اصل موجود ہے۔ تو وہ اپنے اعتبار کی بنا پر اصل کی کچھ مزید مقدار جب چاہے لے سکتا ہے۔ لیکن اس اعتبار کا کچھ حصہ اصل کے تلف ہو جانے کے ساتھ ہی برباد ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ اہم یہ امر ہے کہ یکایک ایک نقصان عظیم ہو جانے سے بہ نسبت سالانہ اقساط وار ادائیگی کرنے کے اسکے صَرف پر زیادہ مُضر اثر ہوتا ہے۔ یہ سالانہ رقوم جو ادا کی جاتی ہیں۔ یہ گویا اس کی آمدنی کے سب سے کم ضروری حصے ہیں سے ادا کی جاتی ہیں۔ ان کے ادا کرنے کیلئے اسے صرف اتنا کرنا پڑتا ہے۔ کہ چند چیزیں جنکے بغیر بھی وہ گزارہ کر سکتا ہے۔ اُن کے خریدنے سے وہ درگزرتا ہے۔ لیکن یکایک ایک عظیم نقصان ہو جانے سے بہت ممکن ہے کہ کچھ مدت تک وہ ضروریاتِ زندگی سے بھی محروم ہو جائے۔ اس کی توضیح آئندہ صفحہ کے نقشہ سے ہو سکتا ہے۔

ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک کاشتکار کی آمدنی خط و ق کے اوپر ناپی جا سکتی ہے۔ اور اس آمدنی کے مختلف حصوں کا اُسکے لئے جو افادہ ہے وہ خط وی کے اوپر ناپا جا سکتا ہے۔

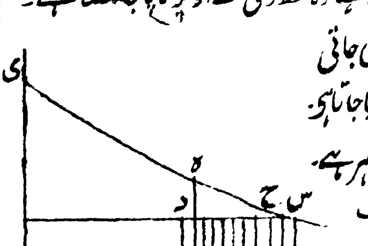

یعنی اگر اس کی آمدنی خط و ف کے ذریعہ ظاہر کی جاتی تو اُس کا افادۂ مختتم خط ہ ف کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ لیکن فرض کیجئے کہ درحقیقت وہ خط و ب سے ظاہر ہے۔ تو اُس صورت میں اس کے افادۂ مختتم کو خط ہ ف کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا۔ لیکن فرض کیجئے کہ در حقیقت وہ خط و ب سے ظاہر ہے تو اُس صورت میں اس کے افادۂ مختتم کو خط س ب بتاتا ہے۔ اب یہ فرض کیجئے کہ ہر ۵۵ سال کی اوسط مدت کے بعد اُسے آتشزدگی کی وجہ سے ۰۰۰ ڈالر کا نقصان ہوتا ہے۔ وہ بآسانی بیمہ کے premium بطور پر ۵ ڈالر ہر پانچ سال کے بعد ادا کر سکتا ہے۔ اگر ایک سال

ہیں وہ ۱۰۰ ڈالر ادا کرے تو اس کو گویا یہ ایثار کرنا پڑے گا کہ اتنے افادہ سے ہاتھ دہونا پڑیگا۔ جتنا مستطیل ح ج ب س سے ظاہر ہے۔ گویا گیارہ اقساط ادائیگی ہیں۔ جو پانچ پانچ سال کی مدت کے بعد ہوں گی۔ وہ کل ۱۰۰ ڈالر ادا کرے گا۔ اس صورت میں اس کی مجموعی قربانی مستطیل د س ب ا سے ظاہر کی جائے گی۔ لیکن اگر ایک سال میں اسے ۱۰۰ ڈالر کا نقصان ہو جائے۔ تو اس کو جتنی قربانی کرنی پڑے گی وہ شکل ہ س ب ف سے ظاہر ہے۔ یہ شکل چونکہ مستطیل د س ب ا سے رقبہ میں زیادہ ہے اس لئے اگر وہ پچپن سال میں ۱۰۰ ڈالر ادا کرے تو بہ نسبت اس صورت کے کہ وہ ایک سال میں ۱۰۰۰ ڈالر کا نقصان اُٹھائے اس کو کم خسارہ ہوگا۔

معمولی بیمہ کی صورت میں خطرے کے بیمہ شدہ کے کندہوں سے بیمہ والے کے کندہوں پر منتقل ہو جانے سے نقصانات کی تعداد کم نہیں ہو جاتی۔ تاہم نقصان کی مقدار کم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں جن لوگوں پر نقصان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ اس کو بآسانی برداشت کر سکتے ہیں۔ بیمہ والے کو اتنا بوجھ محسوس نہیں ہوتا جتنا بیمہ شدہ کو ہوتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ بیمہ شدہ بڑھوتری (premium) کی صورت میں اتنی رقم ادا کر سکتا ہے کہ بیمہ والا اس سے نقصانات ادا کر سکے اور پھر بھی اس کے پاس کچھ بچ رہے۔ بیمہ کے اس مشہور معروف اصول سے ظاہر ہے۔ کہ بیمہ کے کاروبار میں نفع کی وجہ سے ہوتا ہی۔

یہ امر صاف ظاہر ہے کہ کاشتکار کی مجموعی آمدنی کا وہ حصّہ جو اس کے خطرے کا کفیل ہو سکے۔ اور جو اُس کے نقصانات کی تلافی کرنے کے لئے ضروری ہے۔ وہ اُس کے منافع کی ذیل میں شمار نہ ہونا چاہئے۔ یہی صورت بیمہ کمپنی کی ہے۔ بازار کے ناموافق تغیرات کی وجہ سے اسے جو کچھ نقصان ہو اس کو نفی کرکے موافق تغیرات کی وجہ سے اسے جو کچھ زاید ہاتھ لگے صرف ہم اس کو منافع کہہ سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ زاید آمدنی کہاں سے آگئی؟ یہ اس وجہ سے ہے کہ اس کو جو خطرہ ہے وہ اس خطرے سے کم ہے۔ جو دوسروں کو ہوتا۔ بمقابلہ مزدوروں کے کسی نقصان سے اس پر کم اثر ہوگا۔ اگر مزدور خود اپنے نقصان کے کفیل ہوتے یا اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کو بازار میں بیچنے کے خود ذمہ دار بنتے تو ہے

گھاٹے میں رہتے یا نفع میں تو اس صورت میں ضروری تھا کہ ان کو اپنی اجرت کے معتد بہ حصّہ سے محروم رہنا پڑتا۔ اور اس محرومی سے انکو شدید صدمہ پہنچتا۔ لیکن یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کہ کوئی نقصان بالعموم کاشتکار کو بہ نسبت زمیندار اور اصل دار کے جن سے وہ زمین اور اصل مستعار لیتا ہے کم صدمہ پہنچائے گا۔ عموماً یہ لوگ نقصان برداشت کرنے کی اتنی ہی استطاعت رکھتے ہیں جتنی وہ رکھتا ہے۔ لیکن یہ خیال کرنے کے معقول وجوہ ہیں کہ اپنے حق کا ماہر کاشتکار بہ نسبت مزدوروں۔ زمینداروں اور اصل داروں کے جن کو وہ نقصان کی ذمہ داری سے سبکدوش کرتا ہے۔ کم نقصان اٹھائیگا۔ یہ امر کسی اصول پر مبنی نہیں جسمیں کہ بیمہ کمپنی کے معاملے میں یہ ایک اصول پر مبنی تھے۔ اس کی وجہ فقط کاشتکار کی اعلےٰ درجہ کی دور اندیشی اور نقصانات سے بچنے کی صلاحیت ہے۔ اس لئے اُس کی آمدنی کا یہ حصّہ صرف اس امر کے طفیل ہوتا ہے۔ کہ بمقابلہ ان لوگوں کے جن کو نقصان کی ذمہ داری سے سبکدوش کرتا ہے۔ وہ خود نقصانات سے بچ سکتا ہے۔ اگر وہ ان لوگوں کو وہ رقم ادا بھی کر دے جن کے کمانے کی انہیں عام حالات میں (بازار کے اُتار چڑھاؤ یا دوسرے اتفاقی حادثات کی بدولت جو نفع یا نقصان ہوتا ہے۔ اس کو شمار کرتے ہوئے) توقع ہو سکتی ہے۔ اُس صورت میں بھی کاروبار کا ایسے طور پر انتظام کر کے نقصانات کی تخفیف ہو جائے اور منافع کا ازدیاد ہو جائے۔ کاشتکار ایسا نفع زائد حاصل کر سکتا ہے۔ بغیر اسکے کہ وہ کسی کو دھوکا دے یا زیادہ بولی دے کر کسی کا بنا بنایا سودا بگاڑے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس کے منافع زاید کا یہ حصّہ اس امر کا مرہون منت ہے۔ کہ وہ جس خطرے کی ذمہ داری لیتا ہے۔ اس میں بہ نسبت دوسروں کے تخفیف کر دیتا ہے۔

لیکن اگر کاشتکار خطرات سے بچنے میں بمقابلہ دوسروں کے جن کو وہ خطرات کی ذمہ داری سے سبکدوش کرتا ہے۔ کامیاب نہ بھی ہو تو جب بھی وہ خطرہ خریدنے والے (Risk taker) کی حیثیت میں آمدنی پیدا کر سکتا ہے۔ کسی عامل پیدائش کے مالک کو اگر خطرے کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا جائے تو وہ اس کی اوسط پیداوار مختتم سے کچھ کم بھی قبول کرنے کو تیار ہو جائیگا۔ کسی شخص کو جو عام آمدنی ہوتی ہے۔ اس میں سے ایک رقم کا کم ہو جانا بہ نسبت اسی بات کے

کہ اس عموی آمدنی کے اوپر کچھ رقم حاصل ہو جائے ایک نہایت اہم بات ہوتی ہے۔ اس بنا پر ہر شخص ایک یقینی اور خاطر جمع کی آمدنی کو کچھ غیر متیقن اور مشتبہ آمدنی پر ترجیح دے گا۔ یا چاہے غیر متیقن آمدنی کے متیقن آمدنی کے مقابلے میں زیادہ ہونے کی توقع کیوں نہ ہو۔ مثلاً ۱۰۰۰ ڈالر سالانہ کی یقینی اُجرت سود یا لگان کو ایک عام آدمی کاروبار کی غیر متیقن کمائی پر ترجیح دے گا۔ چاہے اس غیر متیقن کمائی کی ۱۱۰۰ ڈالر کے برابر ہونے کی توقع کیوں نہ ہو۔ محنت زمین اور اصل کا سودا کرنے میں یہ جو عام لوگوں کا میلان ہوتا ہے۔ اگر اس سے کاشتکار فائدہ اٹھائے۔ تو اس کو منافع زاید ہاتھ آئے گا بشرطیکہ ناگہانی نقصانات کی وجہ سے وہ اوسط مجموعی آمدنی سے استفادہ کرنے سے محروم نہ رہے۔

فرض کیجئے کہ محنت زمین اور اصل کے ایک مجموعہ سے اوسطاً یا مجموعی طور پر ۱۰۰۰ ڈالر سالانہ آمدنی ہو سکتی ہے۔ یہ وہ رقم ہے جو ہر عاملین پیدائش اس صورت میں پیدا کریں گے۔ کہ امدادِ باہمی کے دستور کے مطابق متحدہ طور پر ان سے کام لیا جائے۔ بجائے اس کے کہ کوئی کاشتکار انہیں کرایہ پر لے لے۔ لیکن فصل کے خرابہ بازار کے اتار چڑھاؤ اور دوسرے اتفاقی حادثات کے ہاتھوں ان عاملین کی پیداوار ہر سال گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ کسی سال تو ۱۵۰۰ ڈالر تک پہنچ جاتی ہے۔ اور کسی سال ۵۰۰ ڈالر پر اتر آتی ہے۔ مزدور زمیندار اور اصل دار اس بات کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ کہ وہ اسی نشیب و فراز میں اپنی قسمت آزمادیکھیں۔ بجائے اس کے وہ اس بات کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ کہ ۱۰۰۰ ڈالر سے کم کی آمدنی یکمشت کر لیں مثلاً ۹۵۰ ڈالر بشرطیکہ کوئی شخص اُن سے یہ سودا کرے کہ ان کو یکمشت ۹۵۰ ڈالر دیدیگا۔ اور انہیں یقین دلائے کہ اپنا عہد پورا کر سکے گا۔

اس صورت میں کاشتکار کو بحیثیت مجموعی اپنی تنظیم اپنی زمین اور اپنے اصل کی آمدنی پر مستزاد ۵۰ ڈالر سالانہ کی کمائی ہو گی۔

اگر وہ مزید برہی بازار کے حالات کی پیش بینی میں مہارتِ خصوصی پیدا کر لے اور اس طرح اپنے نقصانات میں تخفیف کرے اور سالانہ آمدنی کو ۱۰۱۰ ڈالر تک پہنچا دے۔ تو اس کو ۶۰ ڈالر کی اوسط آمدنی ہو گی۔ پھر اگر وہ اس بات میں بھی کامیاب ہو جائے۔ کہ ان اشخاص سے وہ

اپنے عاملینِ پیدائش مستعار لیتا ہے۔ اُن کے ساتھ ایسا سودا کر سکے کہ خود فائدے میں رہے تو اس کی آمدنی اور بھی بڑھ جائے گی۔ علاوہ ان طریقوں کے وہ یہ بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ کہ وہ عاملینِ پیدائش کی تنظیم و ترتیب ایسے طور پر کرے کہ ان سے عام صورتوں سے زیادہ پیداوار کرے۔ اس حالت میں اس کی آمدنی پہلے سے بھی زیادہ ہو گی۔ لیکن جو رقم وہ اس صورت میں کمائے وہ در اصل اس کی نگرانی کی اُجرت ہے۔ اور اس کے منافع میں شمار نہیں ہو سکتی۔ یہ کاشتکار کی محنتِ پیدآوری کی بدولت اور ایک ایسی محنت کی بدولت جو عام طور پر ایک تنخواہ دار آدمی سے لی جاتی ہے۔ پیدا ہوتی ہے۔ جب ایک ایسا تنخواہ دار آدمی رکھا جائے۔ تو اس کی بدولت جو کمائی ہو وہ صریحًا اُجرت میں شمار ہوتی ہے۔ نہ کہ منافع میں اور اس لئے اگر کاشتکار خود یہ رقم کمائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُسے اس کے محنتانہ شمار نہ کریں بلکہ اس کے منافع کا حصّہ سمجھیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ خطرے کی کفالت کا کام ایک ایسے شخص کو جو تنخواہ دار ملازم ہو سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ لازمی طور پر کاشتکار کا وظیفۂ منصبی ہے۔ اور وہ کسی صورت میں اسے کسی دوسرے پر نہیں ڈال سکتا۔ کاشتکار لازمی طور پر ایک ایسا شخص ہے۔ جو خود بڑے کاموں کا بڑا اٹھاتا ہے۔ خود مختار اور آزاد کاشتکار کو جو خاص طور پر زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ وہ وہ اسی کا طفیل ہے۔ یا اپنی پیداوار کو بازار میں اچھے داموں بیچ سکنے کی قوت پر منحصر ہے۔ یہ آمدنی زراعت میں سوائے اس شخص کے جو خطرے میں پڑے کسی کو نہیں ہوتی۔ ایک کاشتکار کی آمدنی کا وہ حصّہ جو اس کی اس قابلیت کے طفیل پیدا ہوتا ہے جس سے وہ موسم کے تغیّرات اور بازار کے حالات کا اندازہ کر کے اپنے خطرات کو کم کرتا ہے یا وہ حصّہ نگرانی کی اجرت سے قریب کا تعلق رکھتا ہے۔ اور ہم اسے جیسے منافع کی ذیل میں شمار کر سکتے ہیں۔ ویسے ہی نگرانی کی تنخواہ کے ذیل میں بھی شمار کر سکتے ہیں چونکہ یہ خطرات کی ذمہ داری لینے کے کام سے اسقدر قریب کا واسطہ رکھتا ہے۔ اس لئے اس کو منافع کے تحت میں شمار کرنا بہتر ہے۔ یہ مخمن کا مخصوص (speculator) انعام ہے۔ جس کی مہارت خاص اس بات پر مبنی ہوتی ہے۔ کہ وہ دوسروں کی بہ نسبت خریدنے اور بیچنے کے اصول سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ ہر کاشتکار ایک مخمن ہے اِن معنوں میں کہ کوئی اس کو اِس بات کا یقین نہیں ہوتا۔ کہ کیسی فصل پیدا ہو گی

اور بازار کا کیا حال ہوگا تاہم اسے پیشگی اخراجات کرنے پڑتے ہیں۔ اور اس قسم کے بیوپار سے وہ نفع نقصان اٹھاتا ہے۔ یہ چونکہ تمام بیوپار کا جن میں زراعت بھی شامل ہے۔ ایک جزو ہے اس لئے جو آمدنی اس طریقہ سے ہو اس محنت کی کمائی سمجھنا چاہیئے۔

تخمین یا (Speculation) خالص تجارتی معنوں میں مراد ہے اس امر سے کہ جب چیزیں سستی ہوں تو انہیں خرید لیا جائے۔ اور انہیں قیمتیں چڑھنے تک محفوظ رکھا جائے۔ اور اس میں کوئی صنعتی مقصد (Industrial purpose) مضمر نہ ہو۔ یا اس قسم کی تخمین بھی لاحاصل اور غیر منفعت بخش نہیں۔ گو اکثر جماعتوں میں اس کا رواج ضرورت سے زیادہ ہے۔ جہاں کہیں اس بات کی ضرورت ہو کہ مال صرف سے پیشتر پیدا کیا جائے وہاں اس بات کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ کوئی شخص اسے اس وقت تک محفوظ رکھے محفوظ رکھنے کے فقط یہی معنی نہیں کہ اُسے کسی گودام میں رکھ دیا جائے بلکہ یہ بھی کہ ان کی قیمت حاصل کرنے کے لئے۔ یا جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے۔ اپنے خرچ ہوئے دام وصول کرنے کے لئے انتظار کیا جائے اور یہ ہم سود کی بحث میں دیکھ ہی چکے ہیں۔ کہ انتظار اگر بہت کرنا پڑے تو زحمت بن جاتا ہے۔ یا تو پیدا کنندہ کو اپنے معاوضہ کے لئے بہت مدت تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ یا صرف کنندہ کو اپنی ضرورتوں کے وقت سے بہت پیشتر مال خریدنا پڑتا ہے۔ اس سے بچاؤ کی صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ کوئی اور شخص اٹھے پیدا کنندہ کی پیداوار کو پیدا ہوتے ہی خرید لے اور صرف کنندہ کے لئے تا وقتِ ضرورت محفوظ رکھے۔ اور اس طرح دونوں کو انتظار کی تکلیف سے بچائے۔ انتظار کا صلہ ہے سود۔ لیکن یہاں تو صرف انتظار کی زحمت ہی نہیں کرنی پڑتی بلکہ خطرے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ صرف یہی ضروری نہیں کہ کوئی شخص انتظار کرے۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ کوئی شخص اپنے اصل کو معرض خطر میں ڈالے۔ لیکن جب تک کسی شخص کو منافع کا لالچ نہ ہو ممکن ہے۔ کہ وہ اس بات کے لئے آمادہ نہ ہو۔ اب جو شخص منافع کے لالچ میں اپنے اصل کو خطرے میں ڈالے وہ ایک مخمن ہے۔ ہمارا مطلب یہ نہیں کہ وہ محض مخمن ہے۔ اسکے علاوہ بھی اس کی اور بھی حیثیتیں ہو سکیں مثلاً وہ مال کا ذخیرہ رکھنے والا ہو سکتا ہے جیسے کہ مال گودام کے مالک ہوتے ہیں۔ یا مال کا تقسیم کرنے والا

جیسے کہ سوداگر ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک اس بات کا تعلق ہے۔ کہ وہ سستے سمے چیزیں خریدتا ہے۔ اور مہنگے کے دنوں میں بیچتا ہے۔ وہ ایک محسن ہے۔

فرض کیجئے۔ کہ کوئی شخص اس بات کیلئے آمادہ نہیں کہ ایک گیہوں کی فصل کو کاٹنے کے وقت سے لیکر سب سے زیادہ مانگ کے دنوں تک محفوظ رکھے۔ نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اُسے ساری فصل فوراً صرف کرنی پڑیگی۔ اس کیلئے یہ ناگریز ہوگا۔ کہ نہایت ادنیٰ کاموں کیلئے یا نہایت حقیر ضروریات کی تکمیل کیلئے اُسے صرف کیا جائے۔ بنابریں اسس کا افادہ (utility) یا اس کی رفع حاجت کی قوت بہت ادنیٰ ہوگی۔ سال کے باقی ماندہ حصّے میں گیہوں کی قلت ہوگی۔ اور کئی اہم ضروریات پوری ہوئے بغیر رہ جائیں گی۔ اگر فصل کا کچھ حصّہ اُس وقت تک جب تک اُس کی ضرورت بڑھ نہ جائے۔ محفوظ رکھا جائے۔ تو اس کے افادہ میں معتدبہ اضافہ ہوگا۔ اور یہ جماعت کی خوشحالی میں ترقی کا باعث ہوگی۔ جو شخص یہ خدمت انجام دے۔ عام اس سے کہ وہ خود کاشتکار ہو۔ یا چکی والا یا کوئی خاص قسم کا محسن۔ وہ اپنی جماعت کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ کیونکہ جو مال اُس کے قبضے میں ہے۔ اس کی تسکین حاجت کی قوت میں اضافہ کرتا ہے۔ اس عمل سے جو منافع ہو اُس کو ہم اس خدمت کا معاوضہ کہہ سکتے ہیں۔

لیکن بہت سے کام ایسے ہیں جنہیں عرفِ عام میں "تخمین" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن دراصل وہ اس نام کے مستحق نہیں۔ وہ تمام بیوپار جو بظاہر تو خرید و فروخت کا بھیس بدلتے ہیں۔ لیکن دراصل اُن کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ بازار کے حالات پر شرطیں لگائی جاتی ہیں۔ وہ سب کے سب جوئے کے نام کے مستحق ہیں۔ وہ اشخاص کیلئے چاہے وہ سٹاک کی مارکیٹ (stock market) یا بورڈ آف ٹریڈ (Board of Trade) میں ہوں یا اُن کے باہر ہوں۔ بازار کی آئندہ حالت پر شرط لگانا اور ان دونوں قسم کی شرط بازیوں سے کسی معاشیاتی مقصد کی تکمیل نہیں ہوتی۔ گو ان میں سے ایک یعنی بازار کے حالات پر شرط بازی خرید و فروخت کی صورت میں ہوتی ہے۔ اور اس میں کوئی حقیقی انتقال مال نہیں ہوتا۔ جب تک قانون یہ نہیں کرتا کہ جائز تخمین اور خرید و فروخت کی آڑ میں قمار بازی ان دونوں کے درمیان کوئی حدِ فاصل قائم کرکے

اس وقت تک عام خیال کے مطابق ان دونوں کاموں کو ایک دوسرے کے دوش بدوش ہونے دینا چاہیئے۔ کیونکہ اگر جائز تخمنین سے ایک اہم معاشیاتی مقصد کی تکمیل ہوتی ہے تو قمار بازی سے صرف اُن لوگوں پر جو اس میں حصہ لیں مُضر اثر پڑتا ہے۔ اور کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگڑتا۔

تخمنین کا جو اثر بازار کے نرخ پر ہوتا ہے۔ اُس کے متعلق بعض مغالطے نہ صرف عوام میں رواج پا گئے ہیں۔ بلکہ کانگریس کے جلسوں تک میں بھی سرایت کر گئے ہیں۔ مثلاً یہ رائے ظاہر کیجاتی ہے کہ شارٹ سیلنگ (Short selling) کا جو دستور ہے۔ یعنی جب گیہوں پاس نہ ہو تو بورڈ آف ٹریڈ (Board of trade) میں گیہوں فروخت کرنا۔ اس سے گیہوں کے نرخ میں کمی ہوتی ہے۔ کیونکہ جتنا گیہوں دراصل موجود ہے۔ اُس سے زیادہ مقدار میں بیچنے کیلئے رکھا جاتا ہے۔ اسلئے اس "فرضی" گیہوں کی اتنی کثیر مقدار کا اثر وہی ہونا چاہیئے جو فی الحقیقت گیہوں کی زاید الطلب رسد کا اثر ہوتا ہے۔ اس دلیل میں نقص یہ ہے کہ یہ اس امر کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ کہ اگر فروخت "فرضی" ہے تو اس کے ساتھ خرید بھی تو "فرضی" ہے۔ وہاں اُس کے جواب میں یہ دلیل پیش کی جا سکتی ہے۔ کہ جتنا گیہوں موجود ہے۔ اس سے زیادہ مقدار خریدنے کا وہی اثر ہونا چاہیئے۔ جو اصلی گیہوں کی اصلی طلب کا ہوتا ہے۔ اور اس سے قیمتیں چڑھ جانی چاہئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں عمل ایک دوسرے کے مخالف اثر کرتے ہیں۔ شاید یہ کہنا بہتر ہوگا۔ کہ ان کا اثر بازار کے نرخ پر اس سے زیادہ نہیں ہوتا۔ جتنا اس صورت میں ہوگا کہ جواریے گیہوں کی آئندہ قیاسی قیمت پر شرطیں بدلتے۔ یہ شرط بازی گو بطورِ خود قابلِ ممانعت ہوتی۔ لیکن بازار کے نرخ پر اس کا مطلق اثر نہ ہوتا۔

جواریوں کی اصطلاح میں جسے (Corner) کہا جاتا ہے وہ ایک بالکل مختلف چیز ہے۔ اوپر ہم نے جو مثال دی ہے اُن میں کا ایک جولو یا شرط جیتنے کیلئے اگر کوئی چال چلے۔ تو شاید یہ چال کارگر ہوتی۔ لیکن چال کے بغیر صرف شرط بدلنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جس جواریے نے یہ شرط بدلی تھی کہ گیہوں کی قیمت چڑھیگی۔ اگر وہ چپکے چپکے جتنا گیہوں بازار میں ہو خریدلے اور کسی کے ہاتھ بیچنے سے انکار کر دے تو ممکن ہے کہ اگر اس کے پاس

کافی روپیہ ہو، تو وہ قیمتیں اتنی زیادہ کردے۔ کہ شرط جیت جائے۔ لیکن یہ بڑی دشوار بات ہے۔ کیونکہ اگر حریف اُس کی چال بھانپ جائے تو اس کا سدِ باب کرسکتا ہے۔ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ اس ترکیب پر کامیابی کے ساتھ عمل کیا جاسکتا ہے۔ جو شخص بار بار اس قسم کی چالبازی کرنا چاہیئے۔ وہ ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ اور اپنی حماقت کے ہاتھوں دیوالہ نکال کر بیٹھ جاتا ہے۔

یہاں یہ ذکر کردینا بیجا نہ ہوگا۔ کہ جوارئیے بحیثیت ایک جماعت کے کوئی منافع حاصل نہیں کرتے۔ کیونکہ جو ایک کی جیب میں سے نکلتا ہے۔ وہی دوسرے کی جیب میں جاتا ہے۔ باہر سے کوڑی نہیں آتی۔ لیکن اصلی خرید و فروخت کے معاملے میں جو لوگ وقتِ مناسب پر خرید کریں مثلاً گیہوں کی فصل فوراً کٹنے کے بعد خرید لیں۔ اور جنس اس وقت کریں۔ جب اس کی ضرورت پہلے سے بہت زیادہ ہو۔ ان کیلئے نفع کی گنجائش ہوتی ہے۔ یہ گنجائش اس وجہ سے ہوتی ہے کہ محض تمام دوسری جماعتوں کو انتظار کی زحمت اور تذبذب سے بچاتا ہے۔ اور فوراً کچھ نہ کچھ نقد قیمت اُن کے پلے باندھتا ہے۔ وہ لوگ اس نقد قیمت کو مستقبل کی غیر متعین قیمت پر ترجیح دیتے ہیں۔ چاہے اُنہیں یہ توقع ہی کیوں نہ ہو۔ کہ مستقبل کی قیمت موجودہ قیمت سے قدرے زیادہ ہوگی۔ محض دوسروں کے خطرے میں حصہ لیکر ایک طرح کا بیمہ لیتے ہیں۔

بہر حال اس سے یہ نتیجہ استنباط نہ کرنا چاہیئے۔ کہ ہر قسم کا خطرہ زیر باری کا باعث ہوتا ہے۔ بعض بعض لوگوں میں جوا بازی کی عادت ایسی راسخ ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنی ساری کی ساری دولت جوئے پر لگا دینے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ چاہے اُنہیں یہ معلوم ہی کیوں نہ ہو۔ کہ اُن کیلئے جیتنے کا کوئی موقعہ نہیں۔ اس کش مکش میں اُنہیں ایسا لطف آتا ہے۔ کہ وہ اسی کو کافی صلہ سمجھتے ہیں۔ اس بارے میں افراد کی طبیعتوں میں بہت اختلاف ہوتا ہے۔ لیکن فی الجملہ یہ بات دیکھنے میں آتی ہے۔ کہ بڑی رقموں کی خاطر چھوٹی رقمیں جس مستعدی و آمادگی سے خطرے میں ڈالی جاتی ہیں۔ اُس مستعدی سے بڑی رقمیں چھوٹی رقموں کی خاطر نہیں لگائی جاتیں۔ چاہے موخر الذکر صورت میں کامیابی کے مواقع زیادہ

ہی کیوں نہ ہوں۔ اوّل الذکر خطرے کو عام طور پر اتنی ترجیح دیجاتی ہے۔ کہ بہت سے آدمی بلکہ اکثر قسم کے آدمی ۰۰۰ اڈالر جیتنے کی خاطر ا ڈالر خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔ چاہے اُنہیں یہ بھی معلوم کیوں نہ ہو۔ کہ اُن کے جیتنے کی امید اگر ایک ہے۔ تو ہارنے کی صورتیں دو ہزار۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں قانون مخالفت نہیں کرتا۔ وہاں لاٹریاں بکثرت ڈالی جاتی ہیں۔ لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ جو ایک ڈالر جیتنے کی خاطر ۰۰۰ اڈالر کو خطرے میں ڈالیں۔ گو ان کو ہارنے کی صورت ایک ہو۔ اور جیتنے کی دو ہزار۔ اگر کوئی کمپنی ۲۰۰۰ ٹکٹ ایک ایک ہزار ڈالر کی قیمت پر فروخت کرنا چاہے۔ اور ان میں سے صرف ایک خالی ہو۔ (یعنی صرف ایک انعام نہ ملتا ہو۔ اور باقی سب پر ا ڈالر کا انعام ملتا ہو۔ تو یہ اُن شرائط سے جو آج تک کسی لاٹری نے پیش کی ہیں بہتر شرائط ہونگی۔ تاہم ایسے ٹکٹوں کے بہت کم خریدار مل سکیں گے۔ جو کمپنی ایسا کرے وہ قسمت آزمائی کرنے والے اشخاص کیلئے اچھا موقعہ پیدا کریگی۔ اور جو شخص ایسے ٹکٹ خریدتا جائے وہ بحیثیت مجموعی خائدے میں رہے گا۔ خواہ پہلی آزمائش میں اس کا سارا روپیہ ضائع ہو جائے۔

کانکنی اور بعض دوسرے کاروبار جن میں مخاطرہ (Risk) غیر معمولی طور پر زیادہ ہوتا ہے۔ اُن کی اور بات ہے۔ اُن کے علاوہ جتنے صنعتی اور تجارتی مخاطرے ہیں۔ وہ سب اس قسم کے ہوتے ہیں۔ کہ بڑی رقمیں چھوٹی رقمیں حاصل کرنے کی خاطر خطرے میں ڈالنی پڑتی ہیں۔ یہ قول خصوصاً خود مختار کاشتکار پر صادق آتا ہے۔ اس قسم کے مخاطرے ان لوگوں کو جنکی طبیعت میں جوئے بازی کا مادہ ہو۔ جاذب نظر نہیں معلوم ہوتے۔ اور اسلئے بہت کم لوگوں کو اس کی طرف کشش ہوتی ہے۔ الّا اُن صورتوں میں کہ بحیثیتِ مجموعی فائدہ ہونے کی زیادہ امید ہو۔ یعنی منافعہ بحیثیت مجموعی نقصان سے زیادہ ہو۔ جو لوگ دانائی سے ایسے کاروبار میں قدم رکھتے ہیں۔ وہ مجموعی طور پر منافع حاصل کرتے ہیں۔ لیکن وہ غیر معمولی طور پر خطر کاروبار جن میں تھوڑے سے زر کے شغل (Investments) سے زیادہ منافع کی امید ہوتی ہے۔ جوئے بازوں کیلئے جاذبِ نظر ہوتے ہیں۔ ان میں روپیہ لگانے کے لوگ اس قدر زیادہ خواہشمند ہوتے ہیں۔ کہ بحیثیت مجموعی نقصان

منافع سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو من الحیث الجماعت کوئی نفع نہیں ہوتا۔ گو ان میں سے بعض بڑے بڑے انعام جیتتے ہیں۔ اوّل الذکر قسم کے کاموں میں خطرہ ایسا معمولی ہوتا ہے۔ کہ جوئے بازوں کو لطف نہیں آتا۔ اسلئے وہ ان میں شامل ہونے سے باز رہتے ہیں اسلئے ان میں مقابلہ کم ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اتنی دوراندیشی یا اتنا حوصلہ رکھتے ہیں۔ کہ ان میں حصہ لیں وہ خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔

محض بغرض تمثیل ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ دو آدمی لاٹری کے ٹکٹ بیچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک شخص تو معمولی قسم کے ٹکٹ بیچتا ہے اور دوسرا ایسی قسم کے ٹکٹ کہ آج تک کسی نے نہیں بیچے۔ پہلے شخص کے پاس ایک بکس ہے جس میں ۲۰۰۰ ٹکٹ ہیں۔ ان میں سوائے ایک کے باقی سب خالی ہیں۔ یعنی ان پر کچھ انعام نہیں ملیگا۔ اور اس ایک ٹکٹ پر ۱۰۰۰ ڈالر کا انعام ملیگا۔ دوسرے شخص کے پاس ایک بکس ہے جس میں ۲۰۰۰ ٹکٹ ہیں۔ ان میں صرف ایک خالی ہے۔ اور باقی سب پر ۱۰۰۰ ڈالر انعام ملیگا۔ مزید بریں یہ فرض کیجئے۔ کہ یہ دونوں آدمی فروخت کرنے میں یکساں مہارت اور قابلیت رکھتے ہیں۔ دونوں کو سب ٹکٹ ایک مقررہ قیمت پر بیچنے ہیں۔ لیکن یہ قیمت لگانے کا اختیار خریدنے والے کو ہے۔ یعنی جتنی قیمت وہ دینے پر تیار ہو اتنی قیمت مقرر ہوگی تو اس صورت میں دونوں علیحدہ علیحدہ جس قیمت پر سب ٹکٹ بیچیں گے۔ وہ زیادہ سے زیادہ کیا ہوگی۔ حساب کے مطابق پہلے آدمی کے ٹکٹوں کی قیمت ۵۰ سنٹ (50 cents) حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن لاٹریوں کے متعلق ہمیں جو تجربہ ہے بتاتا ہے کہ پہلا آدمی بلاشک شبہ اپنے ٹکٹ ۵۰ سنٹ فی ٹکٹ سے زیادہ قیمت پر فروخت کر سکتا ہے۔ اب اس صورت میں خریدنے والے من حیث الجماعت اس سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے جتنا وہ فائدہ حاصل کرینگے۔ دوسرے آدمی کے ٹکٹوں کی قیمت حساب کے مطابق فی ٹکٹ ۹۹۹.۵۰ ڈالر ہے۔ یعنی کل انعامات ۱۹۹۹۰۰۰ کو اگر ٹکٹوں کی کل تعداد ۲۰۰۰ پر تقسیم کر دیا جائے تو یہ رقم حاصل آتی ہے۔

اب یہ امر قرین قیاس نہیں بلکہ یقینی ہے کہ ہر شخص اپنے ٹکٹ اس قیمت پر

فروخت نہ کر سکیگا۔ بلکہ اس سے بہت کم قیمت اُسے قبول کرنی پڑیگی۔ اس صورت میں خریدنے والے من حیث المجموع نفع میں رہینگے۔ یعنی ان کا کل منافع اُن کے نقصانات سے زیادہ ہوگا۔ لوگ ان دو قسموں کے مخاطروں کی جو اخلاقی قیمت لگاتے ہیں۔ اُس میں ایک نفسیاتی راز مضمر ہے۔ جس سے ہم اس جگہ بحث کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ صنعت وحرفت اور کاروبار میں خطرات سے کوئی مفر نہیں۔ اور اگر پیدائش کا کام جاری رکھنا مقصود ہو تو ضروری ہے کہ کوئی نہ کوئی شخص ان خطرات میں اپنے آپ کو ڈالے۔ لیکن ان مخاطروں کا ایک مختلف قسم کے کاروبار میں روپیہ لگانے سے تعلق ہے۔

اگر کام ایسا ہو کہ چھوٹی رقمیں خطرے میں ڈالی جاسکیں اور نفع چاہے غیر متیقن ہی کیوں نہ ہو تاہم ہو بہت بڑا۔ تو جوئے باز اس میں بڑے ذوق وشوق سے حصہ لینگے۔ ایسے کام کے حصے اتنی بڑی قیمتوں پر بیچے جا سکتے ہیں۔ کہ روپیہ لگانے والوں کا بحیثیت ایک جماعت کے نقصان ہونا یقینی ہوتا ہے۔ اور پہلی قسم کے ٹکٹ اتنی کم قیمتوں پر فروخت کیئے جا سکتے ہیں۔ کہ اُن کے خریدنے والے یقیناً نقصان میں رہتے ہیں۔

نفع کے معاملے میں خطرے کا جو نظریہ پیش کیا جاتا ہے۔ ایک طرف تو یہ اور دوسری طرف سود کے متعلق یہ نظریہ کہ سود کے فوراً لینے سے احتراز کرنا سود کے ازدیاد کا باعث ہے۔ ان دونوں نظریوں کے درمیان بڑی مشابہت ومماثلت ہے۔ سود کی بحث میں ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ اگر اصل کی کسی قسم مثلاً کسی آلے کی پیداوار کیلئے انتظار کرنا پڑے۔ تو اس سے اُس آلہ کی موجودہ قیمت بمقابلہ اس کے مستقبل کے محاصل کے قدرے کم ہو جاتی ہے۔ جو شخص اس کو موجودہ قیمت پر خریدے اور اس کی آئندہ آمدنی کا انتظار کرے وہ اس بنا پر سود کی صورت میں زائد آمدنی حاصل کریگا۔ اسی طرح اگر کسی کاروبار کو غیر محفوظ حالات میں چلایا جائے تو اس میں جو خطرہ مضمر ہوتا ہے اس سے ممکن ہے کہ ساز و سامان (جس میں مزدور بھی شامل ہیں) کی موجودہ قیمت بمقابلہ اُن کی پیداوار کی ظنی وقیاسی قیمت کے قدرے کم ہو جائے۔

جو لوگ ایسے کاموں کا بیڑا اُٹھاتے ہیں۔ اُن کے متعلق امید کی جا سکتی

ہے کہ نفع کی صورت میں بہت سی زائد آمدنی حاصل کریں گے ۔

لیکن ہم نے سود کے مسئلہ پر بحث کرتے وقت دیکھا تھا کہ ہر طرح کا انتظار ایک جیسا باعثِ زحمت وگرانباری نہیں ۔ اور بعض قسم کا انتظار ایسا ہے کہ بغیر کسی انعام یا صلہ کی توقع کے کیا جاتا ہے ۔ اسی طرح ہر طرح کا خطرہ ایک جیسا باعثِ زحمت وگرانباری نہیں ۔ اور بعض قسم کے خطرے ایسے ہیں کہ اُن میں لوگ محض کش مکش کے لطف کیلئے پڑتے ہیں ۔ اگر کوئی ایسا کاروبار ہو جو جواریوں کی طبیعت کے موافق ہو ۔ تو لوگوں کے دل میں اس خطرے کے مُول لینے کا اتنا شوق ہوگا کہ وہ اپنی اصلی قدر وقیمت سے کچھ زیادہ قیمت پا جائے گا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو لوگ ہمیشہ بالالتزام اس قسم کے خطرے مُول لیتے ہیں وہ جتنا جیتتے ہیں ۔ اُس سے بہت زیادہ ہار دیتے ہیں ۔ گو یہ ممکن ہے ۔ کہ شروع شروع میں اُن کی جیت ہو۔[51] لیکن اگر کوئی ایسا کاروبار ہو کہ وہ جوئے بازوں کے حسب طبیعت نہ ہو تو لوگ اس کا خطرہ مُول لینے میں اس قدر ہچکچاہٹ اور تامل سے کام لیتے ہیں کہ اسکی بازاری قیمت عموماً اُس کی حقیقی قدر وقیمت سے کم پڑتی ہے اسلئے جو لوگ اس قسم کے خطرے مُول لیتے ہیں ۔ وہ من حیث المجموع جیتتے ہیں اور شروع شروع ہی میں ہار ہار کر تباہ نہیں ہو جاتے ۔

پہلی قسم کے قمار بازی کے کاموں میں جہاں تک اُن کے بیڑا اُٹھانے والوں کا بحیثیت ایک جماعت کے تعلق ہے ۔ منافع کوئی نہیں ۔ بلکہ الٹا نقصان ہے ۔ گو یہ ممکن ہے کہ شاذ و نادر کوئی فرد واحد زرِ کثیر جیت لے ۔ مؤخر الذکر قسم کے کاموں میں ۔ جہاں تک اُن کے بیڑا اُٹھانے والوں کا بحیثیت ایک جماعت کے تعلق ہے ۔ منافع کی صورت ہے گو یہ ممکن ہے کہ کبھی کبھی کوئی فرد واحد دیوالیہ ہو جائے ۔

صرف کنندہ جو قیمت ادا کرتا ہے وہ کہاں جاتی ہے

تقسیم آمدنی کی بحث میں ایک اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ مزرعہ کی پیداوار کیلئے صرف کنندہ جو قیمت ادا کرتا ہے

۵۱ یہ جملہ لاٹری کے ٹکٹوں پر بلا استثنا عاید ہوتا ہے ۔ اکثر صائب الرائے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ کانکنی کے کاروبار کے خطروں پر بھی یہ صادق آتا ہے ۔

اس کا کہنا ہے کہ کاشتکار کے ہاتھ آتا ہے۔ جو کاشتکار کی پیداوار کو صرف کنندہ تک پہنچانے کا وسیلہ بنتے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ اس مسئلہ کو ہم کسی قاعدۂ کلیہ کے طور پر حاصل نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہر مخصوص مقام کیلئے اور ہر مخصوص جنس کے معاملے میں اس کا مختلف حل ہوگا۔ بنابریں اس سوال کا مکمل جواب دینے کیلئے ضروری ہے کہ مختلف مقامات پر بڑی احتیاط اور غور و خوض سے تحقیق و تدقیق کی جائے۔ اور اس تحقیق و تدقیق کے نتائج کو بڑی بڑی ضخیم جلدوں کی صورت میں مرتب کیا جائے۔ ذیل میں ہم نے جو فہرست درج کی ہے اس سے اس قسم کی تحقیق و تدقیق اور اس کے نتائج کے متعلق کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس فہرست میں جو اعداد و شمار درج کئے گئے ہیں۔ وہ اُن طلبار نے جو ۱۹۱۱ء میں ہارورڈ یونیورسٹی میں راقم الحروف سے زراعتی معاشیات کی جماعت میں پڑھتے تھے۔ طیار کئے ہیں۔

جنس	مقام پیدائش	مقام صرف	پیدا کنندہ نے کیا قیمت وصول کی	صرف کنندہ نے کیا قیمت ادا کی	فرق
سیب (جمبرا بالڈون)	مارلبرو (میسا چوسٹس)	بوسٹن	۲٫۲۵ ڈالر (لبطا)	۷٫۵۰ ڈالر (لبطا)	۵٫۲۵ ڈالر
سیب (وکسنڈ اسپی خوانچہ)	وناچی (واشنگٹن)	شکاگو	۱٫۴۵ (فی بکس)	۸٫۰۰ (فی بکس)	۶٫۵۵ ,,
سیب (بیسٹ نمبرا بالڈون)	مین	لورپول	۴٫۰۰ (لبطا)	۶٫۴۲ (لبطا)	۲٫۴۲ ,,
سیب (جوناتھن)	یاکیما (واشنگٹن)	بوسٹن	۱٫۶۶ (فی بکس)	۳٫۶۰ (فی بکس)	۱٫۱۹ ,,
سیب۔	مین	پورٹ لینڈ	۲٫۰۰	۶٫۰۰	۴٫۰۰ ,,
سور کا گوشت (کمر کا پتا ریتا)	(ویسٹرن میسا چوسٹس)	بوسٹن	۰٫۰۸	۰٫۱۹½	۰٫۱۱½ ,,
گائے کا گوشت	ویسٹرن رینجز	بوسٹن	۴٫۲۵ (فی ہنڈرڈ ویٹ)	۲٫۶۱ (فی ہنڈرڈ ویٹ)	۳٫۷۹ ,,
مکھن (ورسٹر کیمپنی لیبسٹ)	ورسٹر	بوسٹن	۰٫۲۰¾ (فی پونڈ)	۰٫۲۵ (فی پونڈ)	۰٫۰۴۲۵ ,,
مکھن۔	ایشفیلڈ (میس)	بوسٹن	۰٫۲۵ (فی پونڈ)	۰٫۳۶ (فی پونڈ)	۰٫۱۱ ,,
مکئی	مڈل ویسٹ	بوسٹن	۰٫۴۰ — ۰٫۶۰ (فی بشل)	۰٫۶۰ — ۱٫۸۰ (فی بشل)	۰٫۲۰ — ۱٫۲۰ ,,
الکحل	پیکن (الینائس)	پیکن (الینائس)	۰٫۴۰	۰٫۸۱	۰٫۴۱ ,,
سبعی مکئی	ہائیس ٹون (این جی)	فلاڈیلفیا	۰٫۴۲۵ (فی ٹوکرا)	۱٫۱۵ (فی ٹوکرا)	۰٫۷۲۵ ,,
ڈوارف بروم مکئی	کینسس	ایسٹ	۸۵٫۰۰ (فی ٹن)	۳۴۴٫۲۵ (فی ٹن)	۲۵۹٫۲۵ ,,

جنس	مقام پیدائش	مقام صرف	پیدا کنندہ نے کیا قیمت وصول کی	صرف کنندہ نے کیا قیمت ادا کی	فرق
انڈے	ٹاٹسن ویلیس	بوسٹن اور مضافات	۱۸ ، (فی درجن)	۲۵ ، (فی درجن)	۰۷ ،
انڈے	امد این ایچ	بوسٹن	۲۰ ، (فی درجن)	۲۸ ، (فی درجن)	۰۸ ،
انڈے	انڈیانا	بوسٹن	۱۲ ، (فی درجن)	۲۵ ، (فی درجن)	۱۳ ،
بھوسہ	مین	بوسٹن	۲۰،۰۰ (فی ٹن)	۲۳،۰۰ (فی ٹن)	۳،۰۰
بھوسہ (ٹموتھی)	. . . . .	کیمبرج	۸،۰۰ (فی ٹن)	۲۶،۵۰ (فی ٹن)	۱۸،۵۰
دودھ۔	منٹگمری	فلیڈیلفیا	۰۳$\frac{5}{8}$ ، (کوارٹ)	۰۸ ، (کوارٹ)	۰۴$\frac{3}{8}$ ،
دودھ	مڈل سیکس اور ورسسٹر	بوسٹن اور مضافات	۰۴ ، (کوارٹ)	۱۰ ، (کوارٹ)	۰۶ ،
دودھ	ورسسٹر	بوسٹن	۰۲$\frac{3}{4}$ ، (کوارٹ)	۰۸ ، (کوارٹ)	۰۵$\frac{1}{4}$ ،
سنگترے (لاٹا کرساڈیول)	بونیٹیا	بوسٹن	۱،۶۱۲ (فی بکس)	۳،۵۰ (فی بکس)	۱،۸۸۸
سنگترے (روبی بلڈ)	" "	بوسٹن	۰۶۸ ، (فی بکس)	۲،۰۰ (فی بکس)	۲ ،۰۶۸
ناشپاتیاں۔	پاؤنیا	ڈینور	۲۴۵ ، (فی بکس)	۷۵ ، (فی بکس)	۵۰۵ ،
. . . .	ورجینیا	بوسٹن	۰۴$\frac{1}{2}$ ، (فی پونڈ)	۱۸ ، (فی پونڈ)	۱۳۵ ،
آلو۔	اروسٹوک	کیمبرج	۵۰ ،	۹۰ ،	۴۰ ،
آلو (اور دیگن سٹاک)	کیلیفورنیا	سان فرانسسکو	۷۰ ، (ایک بوری)	۱،۵۰ (ایک بوری)	۸۰ ،
مرغے مرغیاں (برائلر)	ایسٹرن میساچوسٹس	بوسٹن	۳۳ ، (پونڈ)	۵۵ ، (پونڈ)	۲۲ ،
مرغے مرغیاں (روسٹر)	ایسٹرن میساچوسٹس	بوسٹن	۱۹$\frac{1}{4}$ ، (فی پونڈ)	۳۳ ، (فی پونڈ)	۱۳$\frac{3}{4}$ ،
مرغے مرغیاں (کیپن)	ایسٹرن میساچوسٹس	بوسٹن	۲۲$\frac{2}{7}$ ، (فی پونڈ)	۳۵ ، (فی پونڈ)	۱۲$\frac{5}{7}$ ،
مرغے مرغیاں (کول)	ایسٹرن میساچوسٹس	بوسٹن	۱۶ ، (فی پونڈ)	۲۸ ، (فی پونڈ)	۱۲ ،
چاول۔	ارکنسس	بوسٹن	۴۰ ،	۴،۱۶$\frac{2}{3}$	۳،۷۶$\frac{2}{3}$
اسٹابری نمبر ۱	جارجیا	بوسٹن	۰۸ ، — ۱۴ ، (فی بکس)	۱۵ ، — ۲۵ ، (فی بکس)	۰۷ ، — ۱۱ ،
ٹماٹر	فلوریڈا	بوسٹن	۳۵ ،	۳۵ ،	۱،۷۵
ٹماٹر	مونٹ ہالی	فلیڈیلفیا	۳۷۷۵ ،	۸۰ ،	۴۵۲۵ ،

جنس	مقام پیدائش	مقام صرف	پیداکنندہ نے کیا قیمت وصول کی	صرف کنندہ نے کیا قیمت ادا کی	فرق
.....	شمال نیویارک	بوسٹن	۲۵، (فی پونڈ)	۳۸، (فی پونڈ)	۱۳،
دودھ (فصل ربیع میں)	کوپرسٹون	نیویارک	۲۵، (کوارٹ)	۰۸، (کوارٹ)	۰۵۵،
آلو۔	میسکوسٹس	کیمبرج	۵۵،	۹۰،	۳۵،

درخت سے توڑنا۔ ۲۵ر۰ ڈالر۔ ۲۵، ڈالر۔ باربرداری ۲۵ر ڈالر۔ دلالی ۲۵، ۰ ڈالر۔
تقسیم ۱۵، ۰ ڈالر۔ لیبل لگانا۔ گاڑی پر لادنا وغیرہ ۱۰، ۰ ڈالر۔ گودام میں رکھنا ۵۰، ۰ ڈالر۔
آڑھتی ۲۰، ۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۵۰، ۱ ڈالر ؎
گرورز ایسوسی ایشن ۰۱، ۰ ڈالر۔ ریلوے کا خرچ شکاگو تک ۵۰، ۰ ڈالر۔ آڑھتی ۵۴ ر۲ ڈالر۔
خردہ فروش ۵۰، ۳ ڈالر۔
بیرل ۳۵، ۰ ڈالر۔ باربرداری۔ ایکسپورٹر اور فروشندہ کو کمیشن وغیرہ وغیرہ ۰۰، ۱ ڈالر۔
خردہ فروش ۰۷، ۱ ڈالر۔
۰۵، ۰ ڈالر۔ کمیشن میں (دلال) ۵۰، ۱ ڈالر۔ خردہ فروش ۰۰ ر۲ ڈالر۔
باربرداری ۰۲، ۰ ڈالر۔ صاف کرنا ۱۲، ۰ ڈالر۔ بند کرنا ۰۸، ۰ ڈالر۔ جہاز پر لادنا ۱، ۰ ڈالر۔
آڑھتی ۰۴، ۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۳½، ۰ ڈالر۔
چرائی ۲۵، ۲ ڈالر۔ باربرداری ۵۰ ر۰ ڈالر۔ ذبح کرنا ۲۵، ۱ ڈالر۔ ڈبوں میں بند کرنے والے کو ۵۴، ۱ ڈالر۔ آڑھتی ۸۵، ۴ ڈالر۔ خردہ فروش ۸۸۵، ۴ (یہ سب کے سب اخراجات فی ہنڈرڈ ویٹ کے حساب سے ہیں)
باربرداری ۲۵، ۰ ڈالر۔ آڑھتی ۱ ر۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۰۳، ۰ ڈالر۔
ملائی کا کارخانہ ۰۳، ۰ ڈالر۔ آڑھتی ۰۸، ۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۰۷۲، ۰ ڈالر۔
مقامی سوداگر ۰۴، ۰ ۔ ۰۲، ۰ ڈالر۔ کمیشن ہاؤس ۰۴، ۰ ڈالر۔ مقامی سوداگر سے کو ۰۷۵، ۰ ڈالر۔
باربرداری ۰۰۵، ۰ خردہ فروش ۱۰، ۰ ۔ ۱۵، ۰ ڈالر۔
مقامی باربرداری ۰۲، ۰ ڈالر۔ ۰۲، ۰ ڈالر۔ الکحل کے پانچ گیلن ایک بشل مکی سے تیار کرنا ۳۱، ۰ ڈالر۔ . . . . خردہ فروش ۰۶، ۰ ڈالر

ریلوے کا خرچ ۔ ۵۰ء۰ ڈالر۔ کمیشن ۲۵ء۰ ڈالر۔ تباہ نے والا خرچ ۵ء۳۷ ڈالر۔ اس کا نفع ۳۰ء۲۴ ڈالر۔ ......۱۰ء۰ ڈالر۔ کمیشن ۱ء۰ ڈالر۔ اشتہار وغیرہ ۳ء۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۲ء۰ ڈالر۔ ...... اور آڑھتی تک پہنچانے کا خرچ ۔ ۱۵ء۰ ڈالر۔ آڑھتی ۴ء۰ ڈالر۔ خردہ فروش کو پہنچانا ۰۵ء۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۲ء۰ ڈالر۔

اسٹور کیپر ۔ ۲ء۰ ڈالر۔ انڈیانا میں حمل و نقل ۱ء۰ ڈالر۔ انڈیانا کے کمیشن والے کو ۱۷ء۰ ڈالر۔ انڈیانا سے ریلوے کا خرچ ۲۵ء۰ ۔ گاڑی میں لادنا ۰۱ء۰ ڈالر۔ کمیشن والا بوسٹن میں ۷۵ء۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۶۸۵ء۰ ڈالر۔

پر لیبل کرنا ۰۵ء۲ ڈالر۔ گاڑی کے اوپر لادنا ۰۱ء۰ ڈالر۔ گاڑی کا کرایہ ۰۱ء۰ ڈالر۔ بار برداری ۰۸ء۰ ۔ ۰۲ء۲ ڈالر۔ آڑھتی ۰۱ء۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۰۱ء۰ ڈالر۔ بار برداری ۳/۸ ۰ء۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۴ء۰ ڈالر۔ بار برداری ۳/۸ ۰ء۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۴ء۰ ڈالر۔

بار برداری ۔ برف بنانا ۔ بوتلوں میں ڈالنا وغیرہ ۔ ۵/۸ ۰ء۰ ڈالر۔ آڑھتی ۳/۸ ۲ء۰ ۔ خردہ فروش ۱ء۰ ڈالر۔ خریداروں تک پہنچانا ۲ء۰ ڈالر۔ نقل و حمل ۱/۲ ۰ء۰ ڈالر۔ ٹھیکہ دار ۳/۴ ۲ء۰ ۔ گلی کوچوں میں بیچنے والے ۰۲ء۲ ڈالر۔

درختوں پر سے توڑنا اور ڈبوں میں بند کرنا وغیرہ ۰۵ء۰ ڈالر۔ بار برداری ۲۸ء۰ ڈالر۔ نیلام کی کمیشن ۰۶ء۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۵۰ء۰ ڈالر۔

درختوں پر سے توڑنا اور ڈبوں میں بند کرنا وغیرہ ۵۰ء۰ ڈالر۔ بار برداری ۲۸ء۰ ڈالر۔ ٹھنڈا کرنا ۱۲ء۰ ڈالر۔ نیلام کی کمیشن ۰۳ء۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۵۰ء۰ ڈالر۔

ڈبوں میں بند کرنا اور بیچنا ۔ ۴ء۰ ڈالر۔ بار برداری ۳ء۰ ڈالر۔ برف سے ٹھنڈا کرنا ۰۱ء۰ ڈالر۔ مقامی دکاندار ۰۶ء۰ ڈالر۔

کمیشن ۵۴ء۰ ڈالر۔ ڈبوں کا غذوں اور بند کرنے کا خرچ ۱۴ء۰ ڈالر۔ آڑھتی ۲۰ء۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۱۵ء۰۱ ڈالر۔

بوریوں میں ڈالنا ۰۱ء۰ ڈالر۔ بار برداری ۱/۲ ۱۲ء۰ ڈالر۔ آڑھتی ۶۴ء۰ ڈالر۔ کیمبرج لیجانا ۳ء۰ ڈالر۔ بار برداری ۰۱ء۰ ڈالر۔ کمیشن ایجنٹ ۲۶ء۰ ڈالر۔ آڑھتی اور خردہ فروش ۴۴ء۰ ڈالر۔

جہاز پر لادنے کا خرچ اور بیچ کی کمیشن ۰۵،۰۰ ڈالر۔ آڑھتی (معہ گوشت کو بھونتے اور صاف کرنے کے خرچ کے) ۰۷،۰۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۰۱،۰۰ ڈالر۔

جہاز پر لادنے کا خرچ اور بیچنے کی کمیشن $\frac{3}{4}$۰۴،۰۰ ڈالر۔ آڑھتی (معہ بھونتے اور صاف کرنے و خرچ کے) ۰۴،۰۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۰۵،۰۰ ڈالر۔

جہاز پر لادنے کا خرچ اور بیچ کی کمیشن $\frac{1}{2}$۰۳،۰۰ ڈالر۔ آڑھتی (معہ بھونتے اور صاف کرنے کے خرچ کے) ۰۴،۰۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۰۵،۰۰ ڈالر۔

آڑھتی (معہ نمونے اور صاف کرنے کے خرچ کے) ۰۷،۰۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۰۵،۰۰ ڈالر۔

چکی میں دلنا $\frac{1}{4}$۰۶،۲۳ ڈالر۔ چکی والے کا نفع $\frac{1}{4}$۰۶،۱۲ ڈالر۔ آڑھتی کے اخراجات ۰۱،۱۵ ڈالر۔ آڑھتی کا نفع ۰۱،۰۰ ڈالر۔ خردہ فروش کے اخراجات $\frac{1}{4}$۰۶،۱۶ ڈالر۔ خردہ فروش کا نفع ۰۲،۰۰ ڈالر۔

جہاز پر پوسٹن لانے کا خرچ ۰۵،۰۰ — ۰۳،۰۰ ڈالر۔

ریلوے کا خرچ ۰۶،۲۰ ڈالر۔ گاڑی کا خرچ ۰۳،۰۰ ڈالر۔ جہاز والا ۰۱،۰۰ ڈالر۔ کمیشن مرچنٹ ۰۵،۰۰ ڈالر۔ بند کرنا ڈبوں میں ڈالنا وغیرہ ۰۳،۳۵ ڈالر۔ ۰۱،۱۵ ڈالر۔ خردہ فروش ۰۴،۵۰ ڈالر۔ باربرداری ۰۵،۰۰ ڈالر۔ کمیشن ایجنٹ ۰۲،۲۵ ڈالر۔ آڑھتی ۰۱،۱۵ ڈالر۔ خردہ فروش ۰۲،۲۰ ڈالر۔ مقامی ایجنٹ $\frac{1}{2}$۰۱،۰۰ ڈالر۔ ڈبوں میں بند کرنا ۰۱،۰۰ ڈالر۔ ریلوے کا خرچ ۰۱،۰۰ ڈالر۔ سوداگر $\frac{1}{2}$۰۱،۰۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۰۸،۰۰ ڈالر۔

مقامی خرچ باربرداری ۰۰،۰۱ جہاز کا خرچ ۰۹،۰۰ ڈالر۔ باربرداری ۰۵،۰۰ ڈالر۔ آڑھتی (جو اسے خود ہی بیچتا ہے) ۰۴،۰۰ ڈالر۔

ڈبوں میں بند کرنا ۰۲،۰۰ ڈالر۔ کمیشن ۰۳،۰۰ ڈالر۔ ریلوے کا خرچ نقل و حمل ۰۵،۰۰ ڈالر۔ خردہ فروش ۰۱،۲۵ ڈالر۔

چھٹا باب

دیہات کی اجتماعی زندگی کے متعلق چند مسائل

دیہاتی آبادی ۔ کوئی اور مسئلہ اس مسئلہ کی اہمیت کو نہیں پہنچتا ۔ کہ دیہاتی آبادی کے رجحانات فطری اور خصائص طبعی کو کیونکر قائم رکھا جا سکتا ہے ۔ دیہاتی اضلاع وہ جگہ ہیں ۔ جہاں سے آ کر لوگ شہروں میں آباد ہوتے ہیں ۔ یہاں گویا شہری آبادی کا ذخیرہ جمع رہتا ہے ۔ اس ذخیرہ کے اچھا یا بُرے ہونے پر کسی قوم کی عظمت اور اُسکی تہذیب کی ترقی کا جس قدر دارومدار ہے ۔ اس قدر کسی اور چیز پر نہیں ۔ اگر کسی ملک کے باشندوں کی اُس ذہنی وجسمانی طاقت کو جو فطرتاً اُسے ودیعت ہوئی ہے زوال آ جائے تو دنیا کی کوئی چیز اُسکی تہذیب کو انحطاط سے بچا نہیں سکتی ۔ اور نواور تعلیم بھی اس انحطاط کا سدِ باب نہیں کر سکتی ۔ کیونکہ جب تعلیم حاصل کرنیکی استعداد ہی مفقود ہو جائے ۔ تو تعلیم کا کیا اثر ہو سکتا ہے ؟ ہر شہسوار اس بات کا قائل ہے ۔ کہ گھوڑے کے پہلے ریاضت کی ہوتی ہے ۔ جب کہیں وہ دوڑنے کے قابل ہوتا ہے ۔ لیکن کوئی شہسوار چاہے اس کے سدھانے کا طریقہ کیسا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو اپنے گھوڑوں کی تیز رفتاری قائم رکھنے یا اُس میں ترقی کرنیکی توقع نہیں رکھ سکتا ۔ اگر اُسکے گھوڑے سرے سے ادنیٰ نسل کے ہوں ! اسی طرح کسی ملک کا نظامِ تعلیم کتنا ہی اعلےٰ کیوں نہ ہو تاہم اگر اُس کے باشندوں میں ذی استعداد اور قابل لوگوں کی تعداد زیادہ سُرعت سے ترقی کرتی ہے ۔ تو یہ توقع ہرگز نہیں ہو سکتی ۔ کہ اُن کی پیدا آوری کی لیاقت اور کارپردازی کی قوت قائم رہ سکیگی ۔

لیکن سوال یہ ہے ۔ کہ کسی قوم کی پیدا آوری کی لیاقت اور کارپردازی کی قوت سے مراد کیا ہے ؟ ایک کہن سال وحشی کی کہانی بیان کی جاتی ہے کہ اُس نے عمر کا بیشتر حصہ مہذب

لوگوں میں بسر کیا۔ اور اواخر عمر میں اپنے لوگوں کے پاس یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ میں نے چالیس سال تک مہذب زندگی کو آزما دیکھا۔ مجھے تو پسند نہیں آئی۔ مفت کی زحمت ہے۔ یہ مختصر کہانی تہذیب کے فلسفے کا لب لباب ہے۔ وحشی لوگوں کیلئے مہذب زندگی "مفت کی زحمت" ہے بات یہ ہے کہ وہ کسی قسم کی زحمت گوارا نہیں کر سکتے۔ صرف وہ نسلیں جو تکلیف برداشت کر سکتی ہیں۔ یا جن کو تکلیف ناگوار نہیں مہذب بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ تہذیب بڑی حد تک تکلیف گوارا کرنے کا ہی دوسرا نام ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو اس کے جنجال سے تنگ آجاتے ہیں۔ وہ چاہے مہذب ماحول میں کیوں نہ رہتے ہوں۔ تاہم بربریت کو تہذیب پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف بعض لوگوں میں اس قدر ذہنی قوت ہوتی ہے۔ کہ وہ تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے لطف اٹھاتے ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جو تہذیب کے مرکزی ستون ہوتے ہیں۔ کسی شخص نے خداداد فطانت (دماغی قابلیت) کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ بے انتہا تکلیف برداشت کرنے کی قوت کا نام ہے۔ اگر کسی نسل یا قوم میں جو ہر قابل اور تہذیب کی صلاحیت ہو تو اس کی تعریف بھی ہم انہیں الفاظ میں کر سکتے ہیں۔

دور اندیشی سے کام لینا آئندہ سال اور اس کے بعد کے سال کیلئے تدبیریں سوچنا کئی کئی سال تک آمدنی کی کچھ صورت ہونے کے باوجود محنت اور جفاکشی سے کام کرنا۔ روزانہ ہفتہ وار۔ ماہوار۔ اور سالانہ حسابات کی طول طویل تفصیلات کو دیکھنا۔ اور یہ سب کچھ ایسے حاصل کی امید میں جو اتنی مدت کے بعد ہاتھ آئیگا کہ جس کا کچھ حساب نہیں ہے اور جس کا اندازہ تنگ نظر لوگوں کے امکان سے باہر ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو کامیاب زراعت کے لوازم میں سے ہیں۔ صرف وہ افراد یا اقوام جو اس قدر ہمت اور قابلیت رکھتی ہیں۔ زراعت یا کسی قسم کی صنعت وحرفت میں کامیابی حاصل کرنے کی اہل ہیں۔ وحشیوں میں چاہے اور کتنے ہی قابل تعریف اوصاف ہوں اور انہیں مہذب انسانوں پر اور کتنے ہی امور کے اعتبار سے فوقیت حاصل ہو۔ لیکن چونکہ مذکورہ بالا صفات اُن میں نہیں پائی جاتیں۔ اسلئے وہ ہمیشہ میدان ترقی میں پیچھے رہینگے۔ اور آگے بڑھنے والوں کے قدموں تلے روندے جائینگے۔ اسی طرح ہماری نسل کے کسی فرد میں چاہے کتنی ہی قابل قدر خوبیاں کیوں نہ موجود ہوں۔ لیکن مذکورہ بالا

صفات کے بغیر وہ ہمیشہ پست حالت میں رہیگا اس قسم کا کوئی فرد یا قوم اگر اپنی قسمت کا گلہ کرے اور کہے کہ کوئی دوسری دنیا ہوتی تو اس کی حالت ایسی ذلیل نہ ہوتی یا تو اس کا گلہ فضول ہے۔ یہ دنیا جیسی ہے ویسی ہی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے۔ جس سے کوئی چارہ کار نہیں۔ اور اس دنیا کا اٹل قانون یہ ہے کہ کامیابی کا سہرا اُنہی قوموں کے سر بندھنا ہے۔ جن میں محنت پسندی۔ اعتدال۔ جزرسی۔ دُور اندیشی۔ اعتماد کے قابل ہونا۔ قوانین فطرت سے واقفیت۔ ایک دوسرے کو مدد دینے کیلئے آمادہ ہونا اور اس قسم کے دوسرے محاسنِ اخلاق موجود ہیں۔ یہ وہ اوصاف ہیں جو کسی قوم یا نسل کیلئے ذریعۂ کامیابی ہوتے ہیں۔ اور اس لئے اُن اوصاف کے موجود ہونے کا نام قابلیت اور صلاحیت ہے۔ ہم ان سے مختلف صفات کو اور ان لوگوں کو جن میں وہ موجود ہوں پسند کرتے ہیں تو کیا کریں۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ فطرت ایسے معاملات میں ہمارے پسند یا ناپسند کرنے کو نہیں پوچھتی۔ اُس کے قانون جُدا ہیں اور وہ ان سے سرِ مُو انحراف نہیں کرتی ہم دوسری صفات کو چاہے کتنا ہی اچھا سمجھیں لیکن مذکورہ بالا صفات جس قوم میں نہیں ہیں۔ کبھی پروان نہیں چڑھیگی اور ہم کفایت شعاری جُزرسی وغیرہ کی صفات کو لاکھ حقارت کی نگاہ سے دیکھا کریں اور کہا کریں کہ یہ ادنیٰ درجہ کے آدمیوں کو زیب دیتی ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں میں یہ صفات موجود ہونگی وہ پھلیں پھولیں گے اور دنیا میں اُن کا بول بالا ہوگا۔

یہ جو مسئلہ ہے کہ دیہاتی آبادی میں تہذیب کی صلاحیت قائم رکھنے کا طریقہ کیا ہے۔ اس کا حل دو اور امور پر منحصر ہے۔

(۱) وہ لوگ جو سب سے پہلے شادی کرتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ بال بچوں والے ہوتے ہیں۔ کیا یہ لوگ سب سے زیادہ یا سب سے کم قابل ہوتے ہیں۔

(۲) وہ لوگ جو اپنے کھیت چھوڑ کر شہروں میں چلے جاتے ہیں۔ کیا یہ لوگ سب سے زیادہ یا سب سے کم قابل ہوتے ہیں۔

بہترین صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ سب سے زیادہ قابل نوجوان سب سے پہلے خود مختاری کی حیثیت حاصل کریں۔ یعنی شادی کر کے گھربار کے مالک بنیں اور اپنے مال و

عیال کی ترقی میں کوشش کریں۔ جس ملک کی معاشرت صحت وسلامتی کی حالت میں ہو۔ وہاں بیشک بہترین صورت یہی ہے۔ یعنی جس ملک کی معاشرت میں خلل آجائے۔ وہاں یہ صورت بہترین نہیں۔ جس ملک میں یہ خیال کیا جاتا ہو کہ ایک خاندان کا بانی ہونا۔ ایک جائداد کا پیدا کرنا یا ایک خاندان کا جس کی عزت پہلے بن چکی ہو قائم رکھنا اور اس کے نام و ناموس کا تحفظ اور اس کی قدیم روایات کا زندہ رکھنا سعادتمندی کا کارنامہ ہے سو وہاں جتنے ہونہار نوجوان ہونگے وہ اس مقصد کو اپنے لئے دلیل ہدایت بنائینگے۔ اور علیٰ قدر قابلیت اس کی تکمیل میں کامیاب ہونگے۔ لیکن جس ملک میں معاشیاتی زندگی کا مقصد و مدعا یہ ہو کہ اپنی خواہشات نفسانی کی تکمیل کی جائے۔ اپنا بول بالا کیا جائے۔ اور ادب۔ فنون لطیفہ۔ کمال علمی اور اس قسم کی دوسری مجلسی خوبیاں میں کسب کمال کرکے اپنے معاشرین میں امتیاز حاصل کیا جائے۔ وہاں خانہ داری کی زندگی کا مقصد اور اپنے خاندان کو قائم رکھنے کا خیال دلوں سے محو ہو جاتا ہے۔ لوگ جو کچھ کرتے ہیں صرف اپنی ذات کیلئے کرتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں یہ بات سما جاتی ہے کہ ان علوم وفنون میں پایۂ فضیلت حاصل کرنا زندگی کا مقصد ہے۔ اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ ذاتی کسبِ کمال اپنے خاندان کے تحفظ کا فقط ایک ذریعہ ہے۔ وہ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ جب وہ اپنے ذاتی کمالات کو تکمیل کے درجے تک پہنچادیں تو بس اپنی زندگی کا منشا پورا کر چکے۔ رہا خاندان۔ سو اُسکی طرف سے وہ بالکل غافل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے اُلٹے اجتماعی نصب العین نوعِ انسانی کے حق میں بالکل مضر ہیں۔ کیونکہ ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ہونہار نوجوان اپنے خاندان کی سرپرستی کو بالائے طاق رکھ کر اپنی تکمیل ذات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں **خاندان گر** ۔(The family builder) خاندان کی پرورش و ترتیب کے مقصد کا ترک کردینا نوع انسانی کیلئے چند وجوہ کی بنا پر مضر ہے اوّل نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ قابل اور بلند خیال نوجوان جو بیویاں انتخاب کرتے ہیں۔ وہ اس خیال سے انتخاب نہیں کرتے کہ اُن میں ماں بننے کی صلاحیت کہاں تک ہے۔ بلکہ کسی اور خیال سے۔ جس شخص کا منشائے زندگی اپنی ذاتی خواہشات کا پورا کرنا ہو۔ اگر اُس کی حیثیت معاشی اعتبار سے ایسی اچھی ہو کہ اس کو اپنی بیوی اپنی مرضی سے انتخاب کرنے کا موقعہ مل جائے۔ تو وہ ایسی بیوی انتخاب

باعتبار کیفیت (qualitatively) ترقی کرے گی۔ جب تک دیہاتی آبادی برسر ترقی ہے۔ اس وقت تک مطمئن رہنا چاہیئے کہ قوم کے زوال یا ضعف یا تہذیب کے انحطاط کا کوئی اندیشہ نہیں۔ بنابریں یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ دیہات میں کچھ نہ کچھ حصہ قابل اور ذہین لوگوں کا باقی رہنا چاہیئے۔

اب اس بات کیلئے کہ اہلیت اور قابلیت رکھنے والے نوجوان مرد اور عورتیں دیہات میں رہیں۔ یہ ضروری ہے کہ دیہاتی زندگی اُن کیلئے مرغوب اور پسندیدہ بنائی جائے۔ مزارعہ (کھیتی باڑی) کی زندگی اس قسم کے مردوں اور عورتوں کیلئے ہرگز دلچسپ نہیں ہوسکتی جب تک کہ معقول آمدنی۔ خوشگوار صحبت اور ذہنی تفریح کے سامان مہیا نہ ہوں۔

کافی آمدنی۔ یہ مسئلہ کہ کاشتکار کے خاندان کیلئے کافی آمدنی کیونکر مہیا کی جائے ایک حد تک اس پر منحصر ہے کہ زمین اور اصل کی کافی رسد کیونکر پیدا ہوسکتی ہے؟

جہاں چھوٹے چھوٹے مزرعوں کا طریقہ رائج ہو وہاں اس کا بہت کم موقعہ ہے کیونکہ اس طریقے کے مطابق کاشتکار کے پاس زمین کی مقدار اتنی قلیل ہوتی ہے کہ کامیابی سے زراعت کرنا اُس کیلئے محال ہوتا ہے۔ اور مشینری اور اچھے جانور بھی کم کام نہیں آتے۔ اس لئے بلند خیال اور عالی ہمت نوجوانوں کو اس کی طرف بالکل کشش نہیں ہوتی۔ لیکن اگر خدانخواستہ آبادی اس قدر بڑھ جائے کہ مزرعوں کا چھوٹے چھوٹے مزرعوں میں تقسیم ہونا ضروری ہو جائے۔ تو پھر اس قسم کی کاشتکاری ہمیں مجبوراً اختیار کرنا پڑیگی۔ اس بناپر دیہاتی آبادی کی ترقی کمیت (quantity) یقیناً اسکی کیفیت (quality) سے تنزل کا باعث ہوگی۔ کیونکہ یہ چھوٹے پیمانے کی زراعت اُن لوگوں کیلئے جو بڑے کاموں کی قابلیت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس قدر کم جاذب توجہ ہوگی۔ کہ وہ دیہات سے بھاگ کر شہروں کا رُخ کر لیا کرینگے۔ اور دیہات میں وہی لوگ رہ جائیں گے جو ادنیٰ درجے کے کاموں کے قابل ہیں۔

اس سے دیہاتی آبادی کی تخفیف کا ایک ایسا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ جسے عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اگر باشندوں کی تعداد میں تخفیف اس مقصد سے ہو کہ زراعتی

طریقوں میں باہم توازن و توافق پیدا کیا جائے تو اس کا نتیجہ بالآخر اچھا ہو سکتا ہے۔ اگر مزرعے کامیاب زراعت کیلئے بہت چھوٹے ثابت ہوں۔ تو اس کیلئے چھوٹے مزرعوں کے مالک ان کو ایسا غیر نفع بخش پائیں۔ کہ ایسے ہمسایوں سے زمین خریدنے کی کوشش کریں یا ان کے ہاتھ اپنی زمین فروخت کر کے الگ ہو جائیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مزرعے بڑے ہو جاتے ہیں۔ اور کاشتکاروں کی تعداد کم ہو جاتی ہے اگر اس تبدیلی کا نتیجہ یہ ہو کہ صاحب قابلیت مرد اور عورت کاشتکاری کی طرف متوجہ ہو جائیں اور مزرعوں میں رہنا اختیار کریں۔ تو تعداد میں جو کمی ہوتی ہے اسکی تلافی کیفیت (quality) کی ترقی ہو جاتی ہے جو لوگ کیفیت کو کمیت (quantity) کی بہ نسبت زیادہ اہم خیال کرتے ہیں وہ یقیناً اس تبدیلی کو پسند کریں گے۔ اسے ہمارے ملک کی خوش قسمتی کہیئے۔ کہ اب تک یہاں انتقال اراضی اس قدر آسان اور کم خرچ ہے۔ خاصکر نئی ریاستوں میں کہ اس عمل میں کوئی بڑے موانع سدّ راہ نہیں ہیں۔ یہاں مزرعے یا تو اتنے بڑے یا اتنے چھوٹے ہوں کہ ان سے جو بیشتریں افادہ ہو سکتا ہے وہ حاصل کرنا ممکن نہ ہو وہاں یہ ہوتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے مزرعے ملا کر بڑے بنا لئے جاتے ہیں۔ اور بڑے مزرعوں کو چھوٹے چھوٹے مزرعوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے تاکہ ان کا رقبہ اتنا ہو جائے کہ جس سے بیشتریں افادہ کی توقع ہو۔ پرانے ملکوں میں یہ افادہ کیوں نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان ملکوں میں انتقال اراضی میں بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔ کہیں ساتویں پشت کے آباؤ اجداد کے حقوق کا تحفظ عدالت کو منظور ہے۔ کہیں یہ جھمیلا ہے کہیں وہ جھنجھٹ ہے۔ یہ سب چیزیں مل ملا کر ایک قطعۂ زمین کے انتقال کو نہایت کٹھن کام بنا دیتی ہیں۔

لیکن اگر دیہاتی آبادی کی تخفیف کا نتیجہ یہ ہو کہ زمین خالی پڑی رہے اور کوئی اس کا والی وارث نہ ہو۔ تو اس صورت میں معاملہ بالکل جدا ہو جاتا ہے۔ چاہے زمین اتنی ہی خراب کیوں نہ ہو۔ کہ صرف ادنیٰ درجے کے کاشتکاروں کی اس پر نظر پڑ سکے۔ تاہم خالی پڑے رہنے سے بہتر یہی ہے کہ جیسے اچھے یا بُرے کاشتکار میسر آسکیں انہیں کے سپرد اس کو کر دیا جائے۔ لیکن یہ خیال کرنا ایک غلطی ہے کہ جو زمین بے والی و وارث ہو وہ خراب ہو

جاتی ہے۔ نیو انگلینڈ میں یہ صورت حالات ہے کہ ایسی زمینوں میں بہت جلد جنگل اُگ آتے ہیں۔ اور بعض صورتوں میں تو یہ زمین کا بہترین مصرف ہے۔ بہرحال جو بات یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ گنجان آبادی اگر فی خاندان قلیل آمدنی کا باعث ہو۔ تو بحالات جدیدہ اس کا مطلب ہوتا ہے۔ ایک ادنیٰ درجہ کی آبادی۔ وجہ یہ کہ صاحب ہمت اور صاحب قابلیت نوجوان ایسی آبادی میں ہرگز نہیں رہتے۔ وہ دیہات چھوڑ چھاڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اور دیہاتی علاقے اُن کے چلے جانیکے بعد ایسے لوگوں کے قبضے میں رہ جاتے ہیں۔ جو اور کسی جگہ جانیکے قابل ہی نہیں ہوتے۔ اور اس لئے اپنے حال پر قانع رہتے ہیں۔ اور ایک پست معیار زندگی ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ لیکن اگر آبادی کم گنجان ہو اور فی خاندان آمدنی بہت ہو۔ تو اس کا مطلب ہوتا ہے اعلیٰ درجہ کی آبادی کیونکہ ایسے حالات میں صاحب ہمت اور صاحب قابلیت لوگ رہنا پسند کرتے ہیں۔ اس بات کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم اس کو ایک مرتبہ سمجھ جائیں تو ہم دیہاتی آبادی کے تنزل سے خائف نہ ہوں۔ جب تک کہ ہم اُس کے کیا نتائج پر غور نہ کریں۔

سمجھدار کاشتکار کیلئے کافی آمدنی حاصل کرنے کا ایک اس سے بھی اہم ذریعہ ہے وہ یہ کہ جو لوگ سائینٹفک واقفیت حاصل کرنے اور اس پر کاربند ہونے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ اُن کیلئے مواقع مہیا کئے جائیں۔ ہمارے یہاں کے زراعتی کالج۔ تجربہ گاہیں اور زراعت کے متعلق وہ تصنیفات جن کی وہ اشاعت کر رہے ہیں۔ ان سب چیزوں کی بدولت ذہین اور طبّاع کاشتکار ایک جاہل مطلق کے مقابلے میں بہت فائدے میں رہتا ہے۔ سائینٹفک تعلیم اور تجارت کے نتائج سمجھنے اور اُن پر عمل پیرا ہونے کی اہلیت صرف ذہین آدمیوں میں ہوتی ہے۔ اس لئے ذہین آدمی سب سے زیادہ فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اور انجام کار اپنے جاہل ہمسایوں کی زمین مول لیکر انہیں شہروں میں بھیج دیتے ہیں۔ کہ وہاں جاکر کسی کارخانہ دار کے ماتحت کام کریں۔ اور زراعت کا خیال دل سے نکال دیں۔ اگر ہماری دیہاتی آبادیوں میں ایسی اصلاح ہو تو یہ امریکہ کی آئندہ بہبودی کے حق میں ایک فال نیک ہے۔

خوشگوار اجتماعی زندگی۔ اعلیٰ درجہ کے کاشتکاروں کو زراعت کے کام کی طرف توجہ دلانے کے معاملے میں جتنا اہم کافی آمدنی کا سوال ہے۔ اتنا ہی اہم ایک خوشگوار اجتماعی زندگی کا سوال ہے۔ لوگ عموماً اس بات کا اندازہ کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ کہ کاشتکار کی زندگی کا دارو مدار دوسرے لوگوں سے کسی قدر زیادہ اپنے معاشرتی ماحول پر ہوتا ہے۔ شہر میں کوئی کاروباری آدمی اپنے کاروبار کے مقام کو تبدیل کئے بغیر جیسے ہمسایوں میں چاہے رہ سکتا ہے۔ وجہ یہ کہ اس کا سکونتی مکان اور اس کا کارخانہ ایک دوسرے سے بالکل غیر متعلق ہوتے ہیں۔ اگر اس کو سکونت کیلئے اور اپنے خاندان کی تربیت کیلئے ایک جگہ پسند نہ آئے تو وہ دوسری جگہ جا سکتا ہے۔ اور اس سے اُسکے کاروبار میں مطلق خلل نہ آئیگا۔ برخلاف اس کے کاشتکار کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے مزرعے میں رہے اور اپنے بال بچوں کی پرورش وہیں کرے۔ اُس کا اجتماعی ماحول چاہے کیسا ہی ہو اُس کو رہنا پڑے گا۔ اور اگر اُسے رہنا منظور نہیں تو بس ایک ہی صورت ہے۔ وہ یہ کہ اپنی زمین فروخت کر ڈالے۔ اور اپنے معاشرتی حلقوں کو بہتر بنانے کی خاطر نئے بنائے کام کو بگاڑ دے۔ اور اپنی خوشحالی کو معرضِ خطر میں ڈالے۔ علاوہ بریں شہری آدمیوں کو عموماً بہت سے مدرسے۔ گرجا گھر۔ اور دوسرے اداراتِ معاشرتی میسر ہوتے ہیں۔ اگر اُن میں سے ایک اُس کو پسند نہ آئے۔ تو بغیر کسی تکلیف کے وہ دوسرے سے تعلق پیدا کر سکتا ہے۔ دیہات میں مدرسے وغیرہ ایک دوسرے سے کوسوں کے فاصلے پر ہوتے ہیں۔ اس لئے کاشتکار کیلئے بڑی مشکل بات ہوتی۔ کہ وہ اپنے ضلع کا مدرسہ چھوڑ کر اپنے بچوں کو کسی دوسرے مدرسے میں بھیجے۔ یا اپنے ہمسائے کے گرجا کو چھوڑ کر کسی اور گرجا میں جائے۔ نیز شہر کا آدمی اگر اپنی سکونت کیلئے اچھی جگہ نہ بھی انتخاب کرے تو بھی اُس کی اجتماعی زندگی کا انحصار اس کے ہمسایوں پر نہیں ہوتا۔ شہروں میں ہمسائیگی کا کوئی خیال ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے کوئی شخص چاہے تو اپنے ہمسایوں سے مطلق واسطہ نہ رکھے۔ اور اپنے طبقہ۔ اپنی تجارت۔ اپنے کاروبار یا کلب کے اراکین سے نشست و برخاست رکھے۔ یہ عادت گو بعض حالات میں مضر اثرات کی حامل ہوتی ہے۔ تاہم اس سے اتنا ہوتا ہے۔ کہ شہری آدمی اپنے قرب و جوار کے معاشرتی

حالات سے بالکل بےنیاز ہو جاتا ہے۔ کاشتکار اپنے رہنے کی جگہ یا اپنا حلقۂ معاشرت اس طرح آزادی سے انتخاب نہیں کر سکتا۔ گو یہ بات اُس کے حق میں اچھی ہے۔ تاہم اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اپنے ہمسایوں سے اُس کا تعلق ایسا ہوتا ہے جس کا رشتہ توڑنے سے نہیں ٹوٹ سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کو مجبوراً اپنے قرب وجوار کے حالات و واقعات سے دلچسپی لینی پڑتی ہے۔ اس کے خاندان کی حفاظت اور صلاح و فلاح اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ اُس کو ہمسائے اچھے میسر آجائیں۔ اور ان کے اردگرد کے اخلاقی اور اجتماعی فضا اچھی ہو۔ یہ بات بلاشک وشبہ پایانِ کار مفید ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ کاشتکار اس بات پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ اگر اُسے اپنے خاندان کی بہتری اور اپنے بچوں کی آئندہ زندگی کا خیال ہے۔ تو اپنے ہمسایوں کی اصلاح میں اپنی قوت و کوشش صرف کرے۔ البتہ عارضی طور پر یہ بات صفائی پسند اور اچھے اخلاق والے شخص کے لئے تکلیف کا باعث ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے ہمسایوں کی اصلاح تو مناسب وقت پر کریگا۔ اس وقت تو خود اُس کے خاندان کی زندگی اچھے ہم صحبت نہ ملنے کی وجہ سے اجیرن ہو رہی ہے۔

خیر اس معاملے میں چاہے کچھ بھی کہا جائے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کاشتکار کو اور سب لوگوں سے زیادہ اپنے مقامی گرجا۔ مدرسہ۔ شاگرد پیشہ لوگوں کے مکانات۔ کتب خانہ مقامی کھیلوں اور ایسی تمام چیزوں سے جو اجتماعی زندگی کا جزو ضروری ہیں دلچسپی رکھنی پڑتی ہے اگر وہ ان چیزوں کی حالت بگڑتی دیکھے اور اس کے سدھارنے کی کوشش نہ کرے تو اس کیلئے لمبی چوڑی زمینوں کا مالک ہونا۔ بھرپور فصلیں پیدا کرنا اور بڑے بڑے کھلیان بنانا سب محض بیکار ہے۔

دیہاتی گرجا۔ وہ اسباب جن پر دیہات کی اجتماعی زندگی کی حالت کا درست رہنا منحصر ہے اُن میں دیہات کا گرجا سب سے پہلے قابل ذکر ہے۔ اگر اور کسی بنا پر نہیں تو کم از کم اس بنا پر کہ وہ ان سب اسباب میں سے قدیم ترین ہے۔ بدقسمتی سے امریکہ میں دیہاتی گرجا کے رسوم و آئین کی تاریخ اور زراعتی طریقوں کی تاریخ دونوں کے حالات ایک دوسرے سے بالکل ملتے جلتے ہیں۔ جیسی گرجا کی حالت میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ ویسی ہی زراعت کی حالت میں تبدیلیاں

ہوئی ہیں۔ ابتدائی دَور میں زراعت صرف اس بات پر مشتمل تھی۔ کہ زمین سے پیداوار حاصل کی جائے۔ اُس کی روئیدگی کو بڑھانے اور بہتر بنانے کی مطلق کوشش نہ کی جاتی تھی اسی طرح ابتدائی گرجے عموماً یہ کوشش کرتے تھے کہ (مذہبی -) طریقوں پر کاربند ہو کر لوگوں کو اپنی جماعت کے ارکان بنائیں۔ بجائے اس کے کہ اپنے ارکان کی باقاعدہ اور منتظم جماعت بنائیں۔ ابتدائی دَور کے ایک مشہور و معروف مبلغ کو متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اُس نے پادری لوگوں کی تعلیم کی اس بنا پر مخالفت کی کہ تعلیمیافتہ آدمی تو جتنے چاہو مل سکتے ہیں۔ کمی نیک آدمیوں کی ہے۔ خدا تعلیمیافتہ پادریوں کی خدمت کا محتاج نہیں اور اگر اس کو اُن کی ضرورت ہو تو وہ اپنی قدرت کاملہ سے یہ کرسکتا ہے کہ یہ جو پڑھے لکھے لوگ موجود ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کے دل میں عذاب دوزخ کا خوف پیدا کرے۔ اور ان کے دلوں میں صحیفۂ آسمانی کی تعلیم دینے کی لگن لگا دے۔ خوش قسمتی سے اس دلیل کا کوئی قائل نہ ہوا۔ ورنہ خدا جانے اس کا کیا اثر ہوتا۔ پھر بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر گرجا اپنے پیروؤں کی تعداد میں اضافہ کرنے کیلئے اس قسم کے لغو طریقوں پر عمل کرتے رہے ہیں۔ ان کا طرز عمل یہ تھا کہ جو لوگ عمر رسیدہ اور پکے گناہگار تھے۔ ان کو تائب اور پابند دین بنائیں۔ جو بہتر طریقہ تھا وہ انہوں نے اختیار نہیں کیا۔ یعنی یہ کہ نوجوانوں کی نئی نسلوں کو یکے بعد دیگرے تعلیم دے کر اُنہیں نیک۔ اور ایک دوسرے کے خیر خواہ ہمسائے بنائیں۔ کامیاب۔ ماہر اور خوشحال کاشتکار بنائیں۔ المختصر اُن کو ایسے اعلیٰ درجہ کے شہری بنائیں جو اپنی جماعت کے رُکن رکین اور زیب و زینت ہوتی ہیں۔ اپنے کھیتوں کی پیداوار کو بڑھاتے ہیں۔ اور اپنے ملک کو رہنے کے قابل بناتے ہیں۔

بہرکیف حالات کم از کم ایک اعتبار سے رو بہ اصلاح ہیں۔ تعلیم مذہبی کا ابتدائی دَور ختم ہو چکا ہے اور اس کے بجائے ایک مستقل اور تعمیری کارروائی کا دَور شروع ہو گیا ہے تاہم یہ تغیر کا دور بڑا نازک وقت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دیہات کے بہت سے گرجے اس دَور سے زندہ بچ کر نہ نکلیں گے۔

ایک زبردست خطرہ جس سے خبردار رہنے کے متعلق جتنی تاکید بھی کی جائے کم ہے۔

یہ ہے کہ بعض گرجوں میں ایسی روحانیت کی تعلیم دیجاتی ہے جو سراسر جذباتی ہوتی ہے۔ مذہب کو زندگی کا ایک پروگرام سمجھنے پر ایک قسم کے روحانی عیش کا وسیلہ بنا لیا جاتا ہے۔ جو گرجے اس لذت کا شکار ہوں گے اور مذہبی جذبات کی پرستش کو مقصود بالذات قرار دیں گے۔ اُن کا انجام یقیناً ناکامیابی ہے۔ اور اُن کا حق بھی یہی کہ وہ ناکامیاب ہوں۔ کیونکہ وہ دنیا کے کسی کام کے نہیں۔ جو مذہبی تعلیم اس بات کا احساس کریگی کہ اُس کی روحانیت ایسی ہونی چاہیئے۔ جو پیداآوری کی عملی کسوٹی پر پوری اُترے۔ اس کے پیرو ضروری ہے کہ اُس کے طفیل پہلے سے بہتر کاشتکار اور بہتر شہری بن جائیں اور جتنے زیادہ وہ پابند دین ہونگے۔ اتنی زیادہ وہ فصل اُگائیں گے۔ اُتنا ہی زیادہ اُن کے پاس سرمایہ ہوگا۔ اُتنی ہی زیادہ وہ اپنی پودوں کی دیکھ بھال کریں گے۔ اور اُتنے ہی وہ اچھے ہمسائے بنیں گے۔ پس یہ ہے وہ تعلیم جو کامیابی کی مستحق ہے اور بالآخر کامیاب ہوگی۔ ہم اس امر کو معاشیاتِ دیہاتی کا ایک قاعدہ کلیہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ کسی زراعتی جماعت کے پاس جو پیداآور زمین ہوگی۔ وہ آہستہ آہستہ اُن لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائیگی۔ جو بہترین طریقے پر اس کی کاشت کرسکتے ہیں۔ یعنی قابلترین کاشتکاروں کے ہاتھوں میں۔ اس کو روکنے کی صرف دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ امرا کی جماعت جو برسراقتدار ہو۔ جابرانہ قوت کا استعمال کرکے اس میں مزاحم ہو۔ دوسرے یہ کہ حق ملکیت اراضی کے انتقال کا کوئی ایسا دستور رائج ہو کہ زمین لینے والے کو بہت اخراجات کا متحمل ہونا پڑے اور بہت دقتوں کا سامنا کرنا پڑے۔

ریاستہائے متحدہ میں چونکہ جمہوری نظام حکومت قائم ہے۔ اور انتقال اراضی کی راہ میں کوئی روکاوٹیں حایل نہیں ہیں۔ اسلئے ہمیں اس بات کی توقع رکھنی چاہیئے کہ پیداآور زمینیں نکمے لوگوں کے قبضے سے نکل کر اچھے کاشتکاروں کے قبضے میں آجائیں گی۔ جو لوگ سب سے زیادہ پیداوار زمین سے حاصل کرسکتے ہیں۔ وہی سب سے زیادہ قیمتیں ادا کرسکیں گے اس لئے انجام کار زمینیں اُن کی ملکیت ہوجائینگی۔ یہ بظاہر تو ایک سیدھی سادی بات معلوم ہوتی ہے۔ جو کوئی خاص پوشیدہ بھید اپنے اندر نہیں رکھتی۔ لیکن غور کیا جائے تو اس سے انتہا درجے کے اہم اور دوررس نتایج اخذ ہوسکتے ہیں۔ جن سے تجاہل یا تغافل

برتنا اپنی زراعتی اور اقتصادی زندگی کے حق میں خودکشی کا مرادف ہے۔

اس کے صریح معنی یہ ہیں۔ کہ جب تک عیسائی غیر عیسائی لوگوں کی بہ نسبت بہتر کاشتکار نہیں گے۔ اُس وقت دیسی اضلاع میں عیسائیت کی اشاعت عام نہ ہوگی۔ اگر ایسا ہو جائے کہ عیسائی غیر عیسائی لوگوں سے فی الحقیقت بہتر کاشتکار بن جائیں تو زمین عیسائیوں کے قبضے میں آتی جائیگی۔ اور جہاں تک دیہاتی علاقے کا تعلق ہے۔ ہمارا ملک عیسائیوں کا ملک ہو جائیگا۔ اس کا اوّلین نتیجہ غالباً یہ ہوگا۔ کہ شہر عیسائیت سے منحرف ہو جائیں گے۔ وجہ یہ کہ جو غیر عیسائی مقابلے میں شکست کھا کر دیہاتی علاقے سے نکلیں گے۔ وہ شہروں میں جا کر پناہ لیں گے۔ لیکن چونکہ فطرت کا یہ قدیمی قانون ہے۔ کہ شہروں کی آبادی دو تین پشتوں کے بعد معدوم ہو جاتی ہے۔ اور شہروں میں دائماً نئے نئے لوگ دیہات چھوڑ کر آتے رہتے ہیں۔ اس لئے دیہاتی علاقہ کے لوگوں کو عیسائی بنانے کے معنی ہوں گے شہر والوں کو عیسائی بنانا۔ لیکن اگر اس کے برعکس غیر عیسائی بہتر کاشتکار بن جائیں۔ اس وجہ سے کہ عیسائیوں کے مذہبی رہنما کسی غلط فلسفے کا شکار ہیں۔ یا دولت مادی اور معاشیاتی کارگزاری کو بوجہ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امریکہ میں بالآخر غیر عیسائی لوگوں کا دور دورہ ہو جائیگا۔

لیکن ایک تیسری صورت بھی ممکن ہے۔ فرض کیجئے کہ بلحاظ علمیت و لیاقت کے اور اپنے آپ کو ماحول کے مطابق بنانے کی قابلیت کے اعتبار سے اور کرۂ زمین پر حکومت کرنے کی صلاحیت کے نقطۂ نگاہ سے جس کا معیار وہ ۔۔۔۔ ہے جو فطرت نے قائم کیا ہے نہ کہ کوئی ہمارا وضع کیا ہوا مصنوعی معیار۔ عیسائیوں اور غیر عیسائیوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عیسائی اور غیر عیسائی آبادی میں یا ایک ایسی آبادی میں جو نہ پورے طور پر عیسائی ہے اور نہ غیر عیسائی۔ محض ایک چھوٹی سی جماعت یا فرقہ بن کر رہ جائیں گے۔ اس صورت حالات سے بچنے کا صرف ایک ممکن طریقہ ہے۔ کہ ساری آبادی کو بالجبر عیسائی بنایا جائے۔ چاہے برائے نام ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن فرض کیجئے کہ اس قسم کے جبر و تشدد سے کام نہیں لیا جاتا۔ اور معاشیاتی قوتوں کو بغیر کسی خلل اندازی کے بروئے کار رہنے کی

اجازت دی جاتی ہے۔ اس صورت میں ہم نے جو دعویٰ کیا ہے وہ صحیح ثابت ہوگا۔ بعض مذہبی رہنما مذہب کو اتوار کے دن کی بھڑکیلی پوشاکوں یا رقیق القلبی اور جذبات پرستی یا دنیائے غیب کے متعلق توہم پرستانہ عقاید یا ایک جماعتی تنظیم کے ساتھ تعلق وفاداری رکھنے کا مرادف قرار دیتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ اسے عقلمندوں کا عمل کہیں۔ اگر یہ لوگ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے۔ تو جس بات کے متعلق ہم نے اندیشہ ظاہر کیا ہے وہ ہو کر رہیگی عقلمندوں کے عمل سے ہماری مراد وہ عمل ہے۔ جس کی بدولت قوتِ انسانی کا تحفظ عمل میں آتا ہے اور انسان کرۂ ارض کو اپنے زیرنگیں کرنے کے کارِ مہمہ میں کامیابی حاصل کرتا ہے اور تنازع للبقا میں فتحیاب ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اخلاق کا خلاصہ یہی امر ہے۔

اگر اس قانون کا مطلب ایک مرتبہ وضاحت کے ساتھ ذہن نشین کر لیا جائے۔ تو اس بات کا خطرہ نہ رہے گا۔ کہ ہمارے مذہبی مبلغ غلط طریق کار کو انتخاب کریں گے یا صحیح طریق کار کے اختیار کرنے میں متذبذب ہونگے۔ وہ فوراً اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لینگے۔ کہ دیہات میں ان کے گرجا کے جو اراکین ہیں۔ ان کو دوسرے لوگوں کی بہ نسبت بہتر کاشتکار بننے کی تلقین کرنی چاہیئے۔ خدشہ صرف اس بات کا ہے کہ کہیں پادری لوگ کے نفسِ مطلب کو نہ سمجھیں یا سمجھنے سے انکار کر دیں۔ اور اس خیال میں مبتلا رہیں۔ کہ تدبیر مُدن اور مصلحت معاشیاتی سے ایک بالاتر قوت ان کی رہنما ہے۔ اس لئے قوانینِ زندگی اور قوانین معاشرت کو بالائے طاق رکھ دینے میں کوئی ہرج نہیں۔ اگر وہ ایسا خیال کریں۔ تو یقیناً ایک غلط فہمی کا شکار ہونگے۔ کیونکہ قانون آخر قانون ہے۔ اور قوانین میں اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز نہیں کی جا سکتی۔ قانون کی خاصیت بس یہ ہے۔ کہ وہ اٹل اور ناگزیر ہوتا ہے۔ یہ خیال کرنا کہ قوانین ربانی اور قوانین معاشیاتی ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اس خیال کا مرادف ہے کہ کائنات کی بنیاد نامعقولیت پر قائم ہے۔ اور اس کے نظام میں کوئی ازلی فتور ہے۔ علاوہ بریں ضروری ہے کہ ہم مشیتِ ایزدی او رفرائض انسانی کے متعلق نتائج! حالات و واقعات سے اخذ کریں۔ جن کا مشاہدہ ہم اپنے عملی تجربے کی دنیا میں کرتے ہیں اور تدبیروں اور علم المعیشت کے قوانین بھی انہی مشاہدات کی ذیل میں آتے ہیں۔ اگر ہم یہ دریافت

کرنا چاہیں کہ آیا ہم منشائے ازلی کی تکمیل کر رہے ہیں یا نہیں ۔ تو اس کا صرف یہ طریقہ ہے کہ ہم یہ دریافت کریں کہ آیا ہم اپنی فانی زندگی کے فرائض بھی انجام دیتے یا نہیں اور جب تک ہمارا عمل اُن طبعی یا معاشیاتی قوانین کے مطابق نہ ہو جو کہ ہمیں معلوم ہیں۔ اُس وقت تک ناممکن ہے کہ ہم اپنی خاندانی زندگی کے فرائض انجام دے سکیں ۔

ممکن ہے بعض نہایت عقلمند اور صاحب فہم لوگ ایسے موجود ہوں جو یہ خیال کرتے ہوں کہ گرجا کا مقصد اچھے کاشتکار پیدا کرنا نہیں ۔ بلکہ جو لوگ پہلے ہی اچھے کاشتکار ہیں اُن کو صحیح معنوں میں عیسائی بنانا ۔ یہ بات بعض لوگوں کو نہایت معقول معلوم ہوگی کہ پادری لوگ صرف تبلیغ مذہب سے کام رکھیں اور اسی کو کافی سمجھیں ۔ لیکن اگر عیسائیت قبول کرنے کے معنے یہ نہیں ہیں ۔ کہ زیادہ قابلیت پیدا کی جائے ۔ اپنے آپ کو ماحول کے زیادہ مطابق بنایا جائے ۔ تنازع للبقا کیلئے بیش از بیش اہلیت حاصل کی جائے ۔ اور قوت انسانی کا بہتر استعمال کیا جائے ۔ تو مشکل ہے کہ گرجا کی بنیادیں مستحکم رہ سکیں ۔ جہاں کہیں غیر عیسائیوں سے معاشیاتی معاملات میں مقابلہ آپڑے گا عیسائیوں کو شکست ہوگی ۔ اور اس طرح اُن کے مذہبی ادارہ کی قوت کو ضعف پہنچیگا ۔

اگر اس دنیا کا کارخانہ عقل کے مطابق چل رہا ہے ۔ تو کیا ہمیں یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ جو مذہب یا مذہبی تحریک خواہ وہ بظاہر کس درجہ جاذب توجہ ہی کیوں نہ ہو ۔ اپنے پیرؤوں کی اس قوت میں اضافہ نہ کرے ۔ کہ وہ قوائے فطری کو اپنے تابع فرمان کر سکیں ۔ زمین پر غلبہ حاصل کر سکیں اور اس پر حکومت کر سکیں اور اپنے آپ کو نئے حالات کے مطابق بنا سکیں اور جس مذہب یا مذہبی تحریک سے اس قوم کی بہبودی اور خوشحالی میں ترقی نہ ہو ۔ جو اُسے قبول کرے ۔ تو وہ سراسر باطل ہے ؟ بطور مقدمہ اس دنیا کو مبنی بر عقل سمجھتے ہوئے کیا ہم یہ نتیجہ نہیں اخذ کر سکتے کہ کوئی نہ کوئی سچا مذہب ایسا ہے کہ اگر کوئی جماعت کوئی قوم اس کو قبول کرے واس جماعت یا قوم کی اپنے آپ کو موافق ماحول بنانے کی قوت ترقی کرے گی ۔ وہ زمین کو اپنے زیر نگین کرے گی ۔ اور اس جماعت یا قوم سے جو اس مذہب سے محروم ہے قوت اور دولت میں آگے نکل جائیگی ۔ اگر یہ نتیجہ اخذ نہ کیا جائے ۔ اور یہ سمجھا جائے کہ یہ شیطان کی دنیا ہے

قوانینِ خداوندی سے برسرِپیکار ہے ۔ نہ کہ خدا کی دنیا جس کی بنیاد ہم آہنگی پر ہے ۔
یہ عقیدہ اس قدر انقلاب پسندانہ عقیدہ نہیں جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے ۔ برخلاف اس کے یہ اس قدر قدیم ہے کہ دورِ حاضرہ میں یہ عقیدہ رکھنا رجعت پسندی کی دلیل ہے ۔ جو لوگ بعض حقائق قدیمہ کو فراموش کر چکے ہیں ۔ انہیں یہ ایک بدعتی اور انقلاب پسندانہ عقیدہ معلوم ہوتا ہے ۔ اگر یہ بات درست ہے کہ دیہاتی اضلاع میں عیسائیت کی اشاعت عام اُسی نسبت سے ہوگی ۔ جس نسبت سے عیسائی غیر عیسائیوں کے مقابلے میں بہتر کاشتکار بنیں گے ۔ تو پھر یہ بات بھی درست ہے کہ دیہاتی گرجا نے جو کچھ کامیابی گذشتہ زمانے میں حاصل کی ہے ۔ وہ اسی کا طفیل تھی ۔ باستثنائے ان صورتوں کے کہ جبر یا کسی اور غیر معاشیاتی ذریعہ سے کام لیا گیا ۔ تاریخ بتاتی ہے کہ امر واقع یہی ہے ۔ باوجود اس بات کے عیسائیوں کی مذہبی تعلیم روحانیت پر زور دیتی رہی ہے ۔ یا یوں کہئے کہ چونکہ یہ مذہبی تعلیم ایک درست اور معقول قسم کی روحانیت پر زور دیتی ہے ۔ اس کے زیرِ اثر لوگوں نے فی الواقعہ کاشتکاری میں ترقی کی ہے مذہبی تعلیم میں جہاں عقاید اور اعمال کے متعلق بعض رسمی پابندیاں تھیں ۔ وہاں بالعموم محنت مشقت ۔ اعتدال ۔ جزرسی ۔ عافیت اندیشی اور ایک دوسرے کی خیرخواہی اور ان جیسے معاشیاتی محاسنِ اخلاق پر کافی زور دیا جاتا تھا ۔ وہاں کہیں خالص اور اعلیٰ قسم کی عیسائیت مروج رہی ہے ۔ وہاں عیسائیوں نے غیر عیسائیوں کے مقابلے میں ان محاسنِ اخلاق کا زیادہ ثبوت دیا ہے ۔ اس کا مطلب سیدھے سادے الفاظ میں یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوتوں کو بدکرداری ۔ اوباشی ۔ شور و ہنگامہ اور فتنہ انگیزی کی زندگی بسر کر کے کم ضائع کیا ہے ۔ اپنی قوتوں کو کفایت سے استعمال کرنے کی وجہ سے وہ اس قابل ہوئے کہ جو لوگ اپنی قوتیں ضائع کرتے تھے ۔ اُن پر غالب آسکیں ۔ بعض اوقات اس معاشیاتی ترقی کو روکنے کیلئے مخالفوں کی طرف سے جنگ و جدل اور ظلم و تعدی کے طریقے اختیار کئے گئے ہیں ۔ اور بعض اوقات خود عیسائیوں نے غلبہ پانے کے ان غیر معاشیاتی طریقوں سے کام لیا ہے ۔ لیکن جہاں کہیں معاشیاتی قوتوں کو بلا مزاحمت بروئے کار آنے کی اجازت دی گئی ہے ۔ اور عیسائیت کو اس قابل سمجھا گیا ہے ۔ کہ اُس کی حمایت و حفاظت

کی جائے وہاں عیسائیت نے محض اِن معاشیاتی قوتوں کی مدد سے ترقی کی ہے اور اُسے کبھی جبر و تشدد یا حاکمانہ زبردستی کی ضرورت نہیں۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ زراعتی مقابلہ کیا بذات خود جنگ کی ایک قسم نہیں۔ بعض فلسفی جن کا علم ناقص ہے اس مغالطے میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اس کا اعلان کرتے پھرتے ہیں۔ لیکن ذیل کا فرق ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ جنگ میں کامیابی انحصار تباہ کرنے کے ارادے اور قابلیت پر ہوتا ہے۔ زراعت میں کامیابی کا انحصار پیدا کرنے کے ارادے اور قابلیت پر ہوتا ہے۔ جنگ میں وہ فتحیاب ہوتے ہیں جو سب سے زیادہ دوسروں کو دُکھ اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔ زراعت میں اُن کو کامیابی ہوتی ہے جو سب سے زیادہ فائدہ بخش کام یا خدمت انجام دیتے ہیں۔ ایک صائب الرائے شخص کے لئے یہ فرق ایک حقیقی فرق ہے۔

لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے دعوؤں کو زراعت اور دیہاتی معشیت تک محدود کیوں رکھیں؟ کیا معاشیاتی کامیابی کے لوازم شہر میں وہی نہیں جو دیہات میں ہیں؟ اور کیا مذہب کو دیہات کی طرح شہر میں بھی لامذہبی پر غالب نہ ہونا چاہیئے بشرطیکہ مذہب سے قوت النسانی کا زیادہ تحفظ عمل میں آتا ہو؟ وسیع معنوں میں یا بحیثیت مجموعی ان سوالوں کا جواب غالباً اثبات میں ہے۔ لیکن شہروں میں انفرادی معاشیاتی کامیابی حاصل کرنے کے لوازم اس قدر پیچیدہ ہیں۔ اور سیاہ کاری اور دغا بازی کے موقعے اتنے زیادہ ہوتے ہیں۔ کہ وہ قانون جس کے مطابق کامیابی کا دارو مدار پیدا آور خدمت پر ہے۔ اُس کا عمل درآمد اگر فنا نہیں ہو جاتا تو کم از کم اُس کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے۔

زراعت میں ہر شخص کو اپنی روزی فطرت سے حاصل کرنی پڑتی ہے اور فطرت کو دھوکا دینا یا اُس کے ساتھ چال چلنا محال ہے۔ لیکن ہماری شہری آبادی کا ایک عنصر عظیم جو غالباً سب پر غالب ہوتا ہے۔ دوسروں سے اپنی روزی حاصل کرتا ہے اور لوگوں کو دھوکا دینا آسان ہوتا ہے۔ بجائے اُسکے کہ لوگ یہ کوشش کریں کہ جہاں

پہلے گھاس کی ایک پتی پیدا ہوتی تھی وہاں اب دو ہوں ۔ وہ یہ کوشش کرتے ہیں ۔ کہ لوگوں کی جیبوں سے جہاں پہلے ایک ڈالر نکلتا تھا اب دو نکلیں ۔ یہ آج تک کبھی نہیں ہؤا ۔ کہ دیدہ دلیری ۔ چرب زبانی ۔ اطوار شائستہ یا بلاغت کلام کی بدولت ایک ایکڑ زمین میں پہلے سے زیادہ فصل ہو ۔ البتہ ان کی بدولت یہ ہوتا ہے کہ کسی عہدے پبلک اسٹیج یا منبر سے پہلے کی بہ نسبت زیادہ ڈالر جمع کیئے جائیں ۔ جو لوگ دوسروں کے ذریعے روزی کماتے ہیں ۔ ضروری ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کیلئے دلچسپی کا سامان مہیا کریں ۔ اور انسانوں کی افتادِ طبیعت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ عجیب و غریب اور خارقِ عادت چیزیں بہ نسبت معمولی اور روزمرہ کی چیزوں کے اُن کو زیادہ پسند آتی ہیں ۔ اگر کوئی دو سروالا بچھڑا اُن کو دکھایا جائے ۔ تو وہ جیب سے روپیہ ادا کرکے اس کو دیکھنے جائینگے ۔ لیکن ایک معمولی ایک سروالے بچھڑے کو کوئی نہ پوچھے گا ۔ اپنے جسم کی عجیب غریب اور خارق عادت ساخت کی نمائش کرکے روپیہ کماتا ہے ۔ وہ اس سے ایسی اچھی مدد معاش اکتساب کرتا ہے کہ ہم اُسے معاشیاتی اعتبار سے کامیاب کہہ سکتے ہیں ۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں ۔ کہ اس قماش کے آدمی دنیا میں زندہ رہنے کے لائق ہیں ۔ یا مذہب کو ان کے پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔ اسی طرح اور آدمی ہیں ۔ جو مصوروں ۔ افسانہ نویسوں اور ڈرامہ نگاروں کے نام سے اپنے آپ کو عوام سے متعارف کراتے ہیں ۔ اور اپنے ذہنی اور اخلاقی غرور کی نمائش کرکے اعلیٰ درجے کی کمائی کرتے ہیں ۔ یہ لوگ بھی اس اعتبار سے کہ وہ اچھی روزی کماتے ہیں ۔ معاشیاتی نقطۂ نگاہ سے کامیاب لوگ ہیں ۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس قبیل کے آدمی دنیا میں زندہ رہنے کے قابل ہیں ۔ یا مذہب کو ان کی تعداد میں اضافہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔ جس قسم کی معاشیاتی کامیابی ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے وہ شہری نقطۂ نگاہ سے کامیاب ہے ۔ نہ کہ دیہاتی نقطۂ نگاہ سے ۔ اور یہ حاصل بھی ہو سکتی ہے تو شہری حالات میں نہ کہ دیہاتی حالات میں ۔ جب تک کہ اُن لوگوں کا بول بالا ہو اور وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں ۔ اُس وقت تک کوئی وجہ نہیں کہ مذہبی آدمی جو اپنی قوتوں کو پیدا آور کاموں کے لئے محفوظ رکھتے ہیں ۔ وہ ان کو نیست و نابود کرنے کی کوشش

کریں۔ اوراس میں کامیاب ہوں۔ اگران وہو کا بازدوں کا قضیہ پاک کرنا مقصود ہے تو مذہب صرف ایک کام کرسکتا ہے۔ وہ یہ کہ لوگوں کو بُرے بھلے۔مفید و غیر مفید کی تمیز سکھائی اُن کو تلقین کرے کہ معمولی بچھڑوں سے بہ نسبت دوسروا لے بچھڑوں کے زیادہ دلچسپی رکھنی چاہیئے معمولی النسان صورت آدمیوں سے بہ نسبت عجیب الخلقت آدمیوں کے زیادہ دلبستگی چاہیئے اور عقلمند اور صحیح الدماغ مصنفین کی کتابوں کو بہ نسبت اُن ذلیل کتابوں کے جن کو لوگ اچھا سمجھتے ہیں۔ زیادہ شوق سے پڑھنا چاہیئے۔ اگر یہ صورتِ حالات پیدا کی جا سکے۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ پابند مذہب اور متدین آدمی نہ صرف دیہات میں بلکہ شہروں میں بھی لامذہب آدمیوں پر غالب رہیں گے۔ بشرطیکہ جس مذہب کے وہ پابند ہوں۔ وہ مذہب کچھ قدر و قیمت رکھتا ہو یعنی قوتِ انسانی کے تحفظ کا باعث ہو۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ سائینٹفک طریق کاشتکاری کے سکھانے سے بڑھ چڑھ کر اچھے کاشتکار کا پیدا کرنا اہمیت رکھتا ہے۔ مسٹر بنجمن کڈ (Benjmin Kidd) نے اپنی کتاب "ارتقائے اجتماعی" میں اس بات پر زور دیا ہے کہ فضیلت علمی کے اکتساب کے مقابلے میں محاسنِ اخلاق کا اپنے میں پیدا کرنا زیادہ اہم ہے۔ اور صاحب موصوف کا یہ خیال بالکل درست ہے۔ اوّل تو علمیت و فضیلت سے فائدہ اُسی صُورت میں اُٹھایا جا سکتا ہے۔ کہ اُس کی بُنیاد اخلاقِ محمودہ پر قائم ہو۔ دوسرے ایک قوم یا کسی شخص واحد کی علمیت و فضیلت کو باقی دنیا نہایت آسانی سے مستعار لے سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اخلاق حسنہ باقی دنیا میں موجود ہوں۔ جو علم سے استفادہ کرنے کیلئے ضروری ہیں۔ لیکن صفات اخلاق کا معاملہ جُدا ہے۔ ان کو ایک قوم دوسری قوم سے مستعار نہیں لے سکتی۔ مثال کے طور پر جاپان نے یورپی اقوام سے جدید فنِ حرب بآسانی اکتساب کر لیا۔ اور اُن سے آلاتِ حرب بھی مستعار لے لئے۔ لیکن وہ ہمت عالی اور حُسنِ انتظام جن کی بدولت اُس نے ان آلات سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ اُن کو اس نے کسی غیر سے مستعار نہیں لیا۔ وہ اس کے اوصاف ذاتی تھے۔ اسی طرح ایک قوم دوسری اقوام سے زراعتی کلیں اور جدید طریق زراعت اخذ کر سکتی ہے۔ لیکن وہ اخلاقی صفات جو ان چیزوں سے مستفید ہونے کیلئے ضروری ہیں۔

اُن کا مستعار لینا اُس کے لئے محال ہے۔ قوتِ اخذ رسائی دماغ اور تحصیل علم کا شوق جو اخلاقی اوصاف نہیں بلکہ ذہنی اوصاف ہیں ان کو بالائے طاق رکھئے لیکن وہ صبر و استقلال کے ساتھ محنت کرنے کی قوت وہ اپنے زور بازو پر اعتماد وہ احساسِ فرض وہ عاقبت بینی جو آج کے عیش و عشرت کو کل کے نفع پر قربان کرتی ہے اور وہ باہمی ہمدردی جو دوسروں کی امداد و اعانت کیلئے آمادہ رہتی ہے یعنی وہ صفات جو دیہاتی کام کو عمدہ طور پر انجام دینے کے لئے لازمی ہیں اُن کو ہرگز ایک قوم دوسری قوم سے مانگ کر نہیں لے سکتی۔ اسی طرح عقلمندی اور صحتِ دماغ کاشت کے کام میں پادریوں کی دعائے خیر کے بجائے اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کرنا اور وہ اولو العزمی جو معقول کاموں کا بیڑا اُٹھانے میں پس و پیش نہیں کرتی۔ یہ بھی وہ صفات ہیں جو ایک قوم دوسری قوموں سے عاریتہً نہیں لے سکتی۔ پھر وہ زمین کی محبت وہ گھر بار کی محبت اُگتی ہوئی فصلوں کی محبت اور گھر کے جانوروں کی محبت جو کامیاب دیہاتی لوگوں کا خاصہ ہے کس غیر قوم سے مانگ کر بچا سکتی ہے۔ چاہیئے کہ یہ چیزیں قوم کی گھٹی میں پڑی ہوں اور اُس کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوں! ورنہ صحیح معنوں میں زراعتی ترقی ممکن نہیں۔ اعلےٰ درجہ کی کاشتکاری کے لئے یہ سب سے پہلے ضروری ہیں؟ اور سائنٹفک علم کا درجہ ان کے بعد آتا ہے۔ ان اخلاقی صفات کی انشو و نما میں گرجا کی تعلیم نے بہت حصہ لیا ہے اور ممکن ہے کہ آیندہ بھی لے۔

یہ انہی اخلاقی صفات کا طفیل تھا کہ جو لوگ اوّل اوّل انگلستان سے ہجرت کرکے نئی دنیا میں آئے انہوں نے نیو انگلینڈ کے جنگل کو صاف کر دیا اور بنجر زمین اور ناموافق آب و ہوا کے باوجود عظیم الشان دیہاتی آبادیاں قائم کیں اور یہ سب کچھ ایسی حالت میں کہ سائنٹفک معلومات کا کوئی وافر ذخیرہ اُن کے یہاں موجود نہ تھا گو یہ درست ہے کہ بمقابلہ دوسری جماعتوں کے اُن کی زراعت سے واقفیت ادنےٰ درجہ کی نہ تھی۔ اُنہوں نے اپنا کام عزم بالجزم کے

ساتھ شروع کیا۔ اور یہی اُن لوگوں کے لئے زیبا تھا۔ جو ویرانے میں ایک سلطنت قائم کرنے کا پیش نظر رکھ کر گھر سے نکلے تھے۔ اُن کا احساسِ فرض جو کسی مشکل کے سامنے نہیں جھکا اور اُنکی جزرسی اور عاقبت بینی اسی طرح زمانہ میں ضرب المثل ہیں جس طرح اُن کی رسائیٔ ذہن مستعدی اور بذلہ سنجی زبان زدِ خلایق ہیں۔ لیکن ایک صفت جس نے اتنی شہرت حاصل نہیں کی خاص طور پر اُنکی کامیابی کا وسیلہ تھی۔ یعنی یہ کہ وہ ایک دوسرے کی امداد و اعانت کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔ اس کا ثبوت اس سے بہم پہنچتا ہے کہ کس طرح مل کر وہ جنگل سے شہتیریاں اور بالے جمع کرتے تھے کس طرح مکان تعمیر کرتے تھے۔ کس طرح باہم مل کر اناج چھوڑتے تھے اور اس قسم کے دوسرے کام کرتے تھے۔ یہ کام اُن کے تفریح کے مشغلے تھے اور اُن سے وہ عملی فائدے بھی حاصل کرتے تھے مادی بھی اور اجتماعی مادی فائدے ان معنوں میں کہ میلوں ٹھیلوں کے بعد وہ شراب خوری اور رنجگے کی وجہ سے دردِ سر لے کر نہ بیٹھ جاتے تھے۔ بلکہ کچھ مفید کام ان کے دوران میں انجام دیتے تھے؛ اور اجتماعی فائدے ان معنوں میں کہ اُنکی نشاط و تفریح کی بنیاد اجتماعی ہمدردی کے سب سے زبردست رشتے یعنی باہمی محنت پر ہوتی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ سب سے بڑا مسئلہ جو دیہاتی گرجا کو ان دنوں درپیش ہے وہ پادریوں کے لئے کافی مددِ معاش مہیا کرنے کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کا ایک صریح حل یہ ہے۔ کہ جس جس جگہ اتنے زیادہ گرجے ہیں کہ اُن کے اخراجات دیہاتی جماعت برداشت نہیں کر سکتی وہاں اُن کی تعداد کم کی جائے۔ یہ ایک عمدہ حل ہے اور غالباً سب سے آسان طریقہ بھی ہے۔ لیکن یہ بہترین طریقہ نہیں۔ ایک طریقہ اور ہے۔ وہ یہ کہ دیہاتی جماعت کی تنظیم ایسے طور پر کی جائے کہ کافی لوگ گرجا کے رکن بنیں اور اُن کو کافی مالی مدد دے سکیں۔ یہ طریقہ غالباً پہلے سے مشکل ہے۔ لیکن جہاں کہیں یہ ممکن ہو وہاں بہترین طریقہ ہے۔

ایک وقت ایسا تھا کہ دول یورپ کے وزرائے مالیات کو اتنے محاصل مہیا کرنے میں کہ جو اخراجات حکومت کے کفیل ہو سکیں بڑی وقت کا سامنا ہوتا تھا۔ بعدہٗ اُن پر اس راز کا انکشاف ہوا کہ حکومت کیلئے کافی مالیہ وصول کرنے کے لئے بہترین طریقہ ہے کہ ملک کی خوشحالی کو ترقی دی جائے۔ جب اُنہوں نے ملک کی خوشحالی کو ترقی دینے کے وسائل پر غور کرنا شروع کیا تو اُس وقت تدبیر مدن یا تدبیر ملکی کا علم وجود میں آیا۔ اسی طرح جب وہ لوگ جن کے ذمے گرجوں اور پادریوں کی امداد کے لئے روپیہ جمع کرنے کا کام ہو اس بات کا احساس کریں گے کہ کافی امدادِ مالی حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ گرجا کے علاقے کے لوگوں کو زیادہ خوشحال اور متمول بنایا جائے اُس وقت گرجا کے علاقے میں کفائیت کی تدابیر سوچنے کا علم وجود میں آئے گا۔ یہ ہمارے ملک کے دیہاتی گرجوں کے لئے ایسا ہی مبارک واقعہ ہوگا جیسا علم تدبیر مدن کا ظہور حکومت ہائے جدیدہ کے حق میں تھا۔

گرجا کے واعظ اور خطبہ میں ان معاشیاتی محاسن اخلاق جیسے محنت و جفا کشی اعتدال جزرسی سائنس کی عملی واقفیت اور ایک دوسرے کی امداد وغیرہ پر بیشک بہت زور دینا چاہیئے۔ لیکن آخر الذکر دو صفات کے پیدا کرنے کی کوشش اِس سے زیادہ کرنی چاہیئے جتنی اب تک ہوتی رہی ہے۔ زراعت سے عملی سائنٹفک واقفیت اور گاؤں کی خوشحالی و بہبودی کو فروغ دیتے ہیں امداد و باہمی سے کوشش کرنا یہ ازبس لازمی ہیں۔ اور اگر گرجے ان کی اشاعت میں مدد نہ دینگے تو وہ مالی حیثیت سے مفلس اور محتاج رہیں گے۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جلبِ منفعت کے طریقے سکھانا گرجا کیلئے کسر شان ہے اور اُسکی تعلیم کا مقصد اس سے بالاتر ہونا چاہیئے اُن کے سامنے جو بہترین اور قاطع دلیل جو ہم پیش کر سکتے ہیں وہ معاشیاتی قانون ہے جس کا تذکرہ ہم اوپر کر چکے ہیں۔

اگر خدا کی بادشاہت ایسی بادشاہت ہے جس کی بنیاد خدمت پر قائم ہے تو کسب معاش کے بہترین طریقوں کی تعلیم دینا ہرگز مذہب کے مقصد و منشا

کے منافی نہیں۔ اگر جماعت اس طرح خدمتِ خلق کی کوشش کرے اور خدمت کو اپنا فرض اوّلین سمجھے۔ تو باقی تمام چیزیں یعنی وافر دولت اراکین کی کافی تعداد اور عزت و عظمت اُس کو خود بخود حاصل ہو جائیں گی۔ لیکن اگر اُس کے برعکس وہ یہ کوشش کرے کہ اپنے اراکین کی تعداد میں نومذہبوں کا اضافہ کئے جائے یا دولت جمع کئے جائے تو پھر دائمی کامیابی کی نہ اُسے توقع رکھنی چاہیئے اور نہ وہ اُسکی حقداری ہوگی۔

تبلیغی جماعت کو منظم طور پر یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ اپنے پیروؤں کو کفایت شعاری کی تلقین کرے زراعت کی باقاعدہ سائنٹفک تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دے اور اُن میں وہ اخوت پیدا کرے جو امداد باہمی اور تعاون عدمِ مغائرت اور عدمِ خصومت رفاہِ عام کی سرگرمی بہبودی جمہور کی ترقی دینے اور اپنی جماعت کو محکم واستوار کرنے کی خواہش نوجوانوں کو مفید اور پیدا آور کاموں کے شروع کرنے میں مدد دینا بچوں کے لئے ایسی تعلیم کے مواقع مہیا کرنا جس کی بدولت وہ کسبِ معاش کے بہتر طریقے سیکھ لیں اور ایسی ایسی اور باتوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اگر تبلیغی جماعت ایسا کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود اُس کی بنیادیں مضبوط ہو جائیں گی اور اُس کو پہلے سے زیادہ مالی امداد مل سکے گی۔ کیونکہ لوگوں کے پاس ایک تو دولت و استطاعت زیادہ ہو جائے گی اور دوسرے وہ یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ تبلیغی جماعت فی الواقعہ انکی مدد کی مستحق ہے۔

یہ نصب العین جو ایک جماعت کی نہ صرف روحانی بلکہ مادّی امور میں تعمیر کرنے کے لئے ضروری ہے کوئی غیر ممکن الحصول نصب العین نہیں اِس کی تکمیل زمانۂ گذشتہ میں ہو چکی ہے اور آئندہ ہو سکتی ہے مثلاً مشہور مبلغ جین فریڈرک اوبرلن (Jean Frederic Oberlin) نے جو سٹینتال (Steinthal) کا پادری تھا اس نصب العین کی تکمیل کی قرونِ متوسطہ کے طریق ہائے مذہبی کی تاریخ میں اِسکی بیشمار مثالیں مل سکتی ہیں۔ یعنی ایسی جماعتوں کی مثالیں جو صاحب

اشیاء مذہبی رہنماؤں کے فیضانِ تعلیم کی بدولت دولتمند اور فارغ البال بن گئیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ نصب العین ایک ایسی تبلیغی جماعت کبھی حاصل نہ کر سکے گی جو اس دنیا اور اس دنیا کی تمام چیزوں سے نفرت کا اظہار کرے جو یہ خیال کرے کہ دنیا تاریکیٔ ضلالت میں گم ہے اور خود اُس کا فرض خدا کے بندوں کو گمراہی و تباہی سے بچانا ہے۔

اگر مبلّغین مذہب پہلے یہ تسلیم کرلیں کہ دنیا ہلاکت کی راہ پر گامزن نہیں بلکہ ابھی اسکا قیام مدتوں تک ہے اور اس بات کا کامل طور پر احساس کریں کہ اگر عیسائی اپنے آپ کو دنیا کے ضبط و تصرّف کا اہل ثابت کریں گے تو بالآخر دنیا پر عیسائیت کا تسلّط ہو گا اور اگر غیر عیسائی دنیا میں عمل و دخل رکھنے کی قابلیّت کا ثبوت دیں گے تو دنیا میں اُن کا بول بالا ہو گا۔ یعنی عیسائیوں یا غیر عیسائیوں کے اقتدار حاصل کرنے کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اُن میں سے کون بہتر کاشتکار بہتر کاروباری آدمی بہتر ہنرمند اور بہتر سیاست دان ہیں تو اُس صورت میں ضروری ہے کہ مبلغین پہلے سے بہتر کاشتکار بہتر کاروباری آدمی بہتر ہنرمند سیاست دان پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔

خدمتِ خلق کیا چیز ہے؟ آجکل اس امر کو بہت شدّومدّ سے بیان کیا جاتا ہے کہ مذہب کا مقصد خدمتِ مخلوق ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ خدمتِ خلق بذات خود ایک اعلےٰ چیز ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ اس کے متعلق لوگوں کے خیالات بہت محدود اور تنگ نظری پر مبنی ہیں۔ جیسے زمانۂ سابق میں سعادت کا مفہوم لوگوں کے ذہن میں بہت محدود تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ خدمتِ خلق کا نام لے کر ایسی بیہودہ گوئیوں اور ہرزہ سرائیوں کی اشاعت کرتے ہیں۔ جیسی کسی زمانے میں روحانیت کے متعلق عام تھیں۔ فی الاصل اُن لوگوں سے توقع ہی یہ ہو سکتی ہے جو یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہر طرح کا پیدا آور کام مثلاً دنیا کی خوراک بہم پہنچانے کی خاطر مکئی اور گیہوں کی کاشت کرنا اور مویشی پالنا یا دنیا کی پوشاک کا

سامان مہیا کرنے کی غرض سے اُون اور کپاس پیدا کرنا خدمتِ خلق میں داخل ہے اور بہترین خدمتِ خلق جو ایک متوسط درجہ کا آدمی کر سکتا ہے یہ ہے کہ اپنا کام باقاعدگی سے کرے مثلاً اگر وہ کاشتکار ہے تو اچھی فصلیں پیدا کرے اور اپنے خاندان کے ارکان کو جفاکشی میانہ روی جُزرسی قابلیت اعتماد اور امدادِ باہمی کی تعلیم دے الغرض ہر وہ کام جو ملک کی تعمیر میں مدد ہو اور اُسے قوی طاقتور ترقی پسند اور خوشحال بنائے وہ خدمتِ خلق میں شامل ہے۔ جو تبلیغی جماعت جو خدمتِ خلق کی ان وسیع معنوں میں تعلیم دے گی وہ ملک کی ترقی اور خوشحالی کا سببِ عظیم بنے گی اور امکان نہیں کہ وہ مالی مدد اور اعانت سے محروم رہے۔

کاشتکار کو چونکہ اپنے اجتماعی ماحول سے بہت قریب کا تعلق ہوتا ہے اس لئے دیہات کے پادریوں کو زراعتی پیداوار کے حلقے سے باہر بھی حقیقی خدمت کا بہت موقع ہوتا ہے۔ اگر کوئی تنظیم ایسی ہو جس کی بدولت کاشتکار اور اُس کے خاندان کی معاشرتی زندگی خوشگوار بنائی جا سکے تو اس سے دیہات والوں کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوگی اور وہ اس کی مدد کو ہر طرح آمادہ ہوں گے۔ اگر دیہاتی پادری یہ کام انجام دے سکیں تو کیا وجہ ہے کہ لوگ اُن کو پوری پوری امداد نہ دیں۔ اگر وہ یہ کام انجام نہ دیں گے تو کوئی اور جماعت دیگی۔ یہ ضرورت ایسی ہے کہ اسکی تکمیل کے بغیر چارہ نہیں اس لئے یہ خود بخود اپنی تکمیل کے ذرائع ڈھونڈھ لے گی۔

اس امر کے لئے کہ دیہاتی گرجا ایک خوشگوار دیہاتی زندگی کیلئے مواقع مہیا کرنے میں مدد دے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ جشن اور نمائشیں مجالس موسیقی اور ورزشی اکھاڑے وغیرہ قائم کرے گو یہ چیزیں اپنی جگہ بڑی اچھی ہیں تاہم اتنی ضروری بھی نہیں ہیں کہ ان کے بغیر گزارہ نہ ہو سکے۔ صرف ایک چیز لازمی ہے گو اُس کا حصول بعض اوقات بہت مشکل ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جن لوگوں کے مفاد مشترک ہیں اُن کو وقتاً فوقتاً مجتمع کیا جائے اور ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقع دیا جائے۔ اگر یہ بات ہو جائے تو اجتماعی زندگی کے متعلق کسی قسم

کا خدشہ باقی نہ رہے۔ دیکن مشکل یہ ہے کہ لوگوں میں مشترک مقاصد کا پایا جانا آسان نہیں۔ بعض زمانوں اور ملکوں میں ایسا ہوا ہے کہ دینیاتی مسائل یا سیاسی وعلمی مباحث نے لوگوں کی توجہ کو ایسا اپنی طرف لگا رکھا ہے کہ اُن کے لئے مشترکہ دلچسپی کا ایک موضوع مہیّا کر دیا ہے۔ جب لوگ ان کی بدولت جمع ہونے لگے تو چونکہ اُن سب کو ایک ہی چیز سے دلچسپی تھی۔ اس لئے ایک دوسری کی صحبت اُن کو بہت پسند آئی اور بڑے بڑے مسائل پر اُن کو تبادلۂ خیالات کرنے کا موقع ملا۔ اگر اس قسم کی مشترکہ دلچسپی کا کوئی موضوع موجود نہ ہو جو لوگوں کو یکجا کر سکے تو ضروری ہے کہ کوئی موضوع پیدا کیا جائے؛ ورنہ یہی ہوگا کہ گفتگو کا دائرہ فصل اور موسم کے معدودے چند امور تک محدود رہے گا اور کاشتکار من حیث الجماعت کوئی ذہنی ترقی نہ کر سکیں گے۔

لیکن یہ بھی کچھ ضروری نہیں کہ گفتگو دینیات سیاسیات یا سائنس کے دقیق مسائل کے متعلق ہی ہو دیہاتی زندگی میں کفائت کرنیکی تدابیر سوچنا اور دیہاتی کو زیادہ خوبصورت بنانے کی تجاویز پر غور کرنا یہ ایسے امور ہیں کہ پشتہا پشت تک گفتگو کا بحث مہیّا کر سکتے ہیں دیہات میں سڑکیں پل مدرسے کھیلنے کے میدان چوک وغیرہ بنانے کے مسائل ایسے ہیں کہ امریکہ کے دیہاتیوں کے لئے سو سال تک بیکار وقت کا ایک مشغلہ مہیّا کر سکتے ہیں۔ اگر کسی دیہاتی حلقے کے لوگوں میں اپنے دیہات کو خوشنما اور آراستہ بنانے کا شوق پیدا ہو جائے تو ناممکن ہے۔ کہ اُس حلقے میں اجتماعی زندگی ترقی نہ کرے۔ اور اگر کوئی تبلیغی جماعت ایسی دلچسپی لوگوں میں پیدا کر سکے تو یہ سمجھئے کہ اُس نے دیہات میں ایک خوشگوار اجتماعی زندگی کے مسئلہ کا حل بڑی حد تک کر لیا۔

شائستگی کی ترقی کا ایک معروف اور عام طریقہ ہے جسے نظر انداز نہ کر دینا چاہیئے بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جن کے نزدیک اجتماعی زندگی بس یہی ہے دو چار دوست احباب مل کر کھائیں پئیں اور جب ایک میز کے اردگرد اُن کو دوستوں

کے ساتھ مل کر بیٹھنے کا موقعہ مل جائے تو گویا اُن کے لیے اجتماعی زندگی کے جتنے لوازم ہیں سب مہیّا ہو جاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ایسی صورت میں یہ ہوتا ہے کہ چند لوگ جن میں مشترکہ دلچسپی کا رابطہ باہمی ہوتا ہے وہ یکجا جمع ہو جاتی ہیں۔ اس مجمع احباب سے شروع ہو کر اجتماعی زندگی بے انتہا وسیع ہو سکتی ہے۔ میں مضمر ہے۔ علاوہ بریں اجتماعی زندگی کے اسباب ترقی میں ایک سبب تماشے اور تفریح کے کھیل وغیرہ بھی ہیں۔ دیہاتی جماعتوں کیلئے مل کر گانا جو تفریح کی بہترین صورت ہے۔ خاص قدر وقیمت رکھتا ہے۔ اگر بہت سے لوگ دوسروں سے داد لینے کے لئے نہیں بلکہ محض اپنا دل خوش کرنے کے لئے مل کر گائیں تو یہ ذاتی غلط فہمیوں اور مخالفتوں کا ایک زبردست دفعیہ ہے اور اخوت و مدارات کو ترقی دینے کا بہترین طریقہ اور ربط اجتماعی کو مضبوط کرنے کے قدیم ترین قاعدوں میں سے ہے رقص و سرود محفل شائستگی اور تہذیب کے تکلفات ہی نہیں ہیں اگر انسے مناسب کام لیا جائے تو اجتماعی زندگی کے نشوونما کیلئے یہ ایک نہایت عمدہ وسیلہ ہے۔

ڈنمارک کی مثال۔ زراعتی نشاۃ الثانیہ نئی زندگی یا حیات تازہ کی سب سے نمایاں مثال زمانۂ جدید میں غالباً ڈنمارک کی ہے ۱۸۶۴ء میں اُسکی یہ حالت تھی۔ کہ وہ قومی ہلاکت کے درجے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اوّل ایک تباہ کن جنگ کے ہاتھوں جو ملکی قوت کی بربادی کا ایک بڑا سبب تھا۔ چند صوبے جو اُس کے بہترین صوبوں میں سے تھے اُس کے ہاتھوں سے نکل چکے تھے! دوسرے اُسے ایک کثیر رقم تاوان جنگ کے طور پر ادا کرنی پڑی۔ اس پہ طرہ یہ ہوا کہ جرمنی کی منڈیوں سے اُس کا تعلق منقطع ہو گیا۔ لیکن اس مجموعۂ آفات کا ایک اچھا نتیجہ ہوا۔ وہ یہ کہ وطنیت۔ قومیّت اور جمعیت کا ایک شدید احساس لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گیا۔ اس احساس نے یہ صورت اختیار کی کہ ملک کی از سر نو تعمیر کے لئے خاص کر زراعت کے میدان میں امداد باہمی کی تدابیر پر عمل رکھا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پچاس سال کے اندر اندر ڈنمارک براعظم یورپ کا سب سے زیادہ خوشحال ملک بن گیا

اور آج اس بات کا ایک زندہ ثبوت ہے کہ دانشمندی کے ساتھ امدادِ باہمی کی تدابیر اختیار کرنا کیسا کارگر اور فائدہ بخش طریقہ ہے۔ ڈنمارک میں امداد باہمی کی جو صورت رائج رہی ہے وہ ایسی امداد باہمی نہیں جس کے اختیار کرنے پر حکومت نے رعایا کو مجبور کیا ہو وہ ایسی امداد باہمی ہے جو حبِ وطن اور امداد باہمی کے جوش کا قدرتی نتیجہ ہے۔ جس شخص نے بھی اس تحریک کی تاریخ کا مطالعہ نظرِ غائر سے کیا ہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں [illegible] باہمی کے جوش کے پیدا کرنے میں عام میلوں ٹھیلوں اور تیوہاروں نے بڑا حصہ لیا ہے اور جو گیت مل کر گائے جاتے رہے ہیں اُن کی بدولت ایک حبِ وطن اور جوشِ مذہب کی رو پھیلتی رہی ہے۔ جس کی مثال اتنے بڑے پیمانہ پر دورِ جدید میں کہیں نہیں پائی جاتی۔

تجربہ گواہ ہے کہ کالج کا ہر طالب علم اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ جب طلبہ کی کوئی جماعت کسی مشترکہ دلچسپی کی بنا پر مجتمع ہو مثلاً ورزشی مقابلوں کے لئے تو مختلف لوگوں کو یکجا کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی اور جب وہ ایک بار یک جا ہو جائیں تو پھر سب کام خود بخود ہوئے جاتے ہیں۔ اور تو اور گانا بھی مدنیت کا ایک قدرتی اور مناسب اظہار ہے۔ بس اسی طرح جو شخص کسی قوم کی تاریخ میں ایک نازک وقت مثلاً ایام جنگ کے واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ یہی اصول ذرا بڑے پیمانے پر وہاں بھی بروئے کار ہے۔ جب لوگوں کو کسی خاص چیز سے یکساں دلچسپی ہو جائے تو اُن کا اجتماع آسان بھی ہوتا ہے اور پُر لطف بھی۔ یعنی وہ جلدی ایک دوسرے کی صحبت سے اُکتا نہیں جاتے۔ مل کر گانا مشترک احساسات و جذبات کے اظہار کا ایک قدرتی طریقہ ہے اور کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اس سے انکار کرتا ہو۔

ڈنمارک کے لوگوں نے احساسات کا عملی ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔ کہ ایک قوم کا زراعتی پیدائش اور تعمیرِ ملک کے کام میں دلچسپی کی بنا پر متحد ہونا انتہائی آسان

ہے جتنا کالج کے طالب علموں کے لئے ورزشی مقابلوں کے معاملے میں یا ایک قوم کے لئے جنگ کے بارے میں متحد ہونا۔ اگر کوئی مذہبی جماعت اپنے پیروؤں میں ایسی ہی سرگرمی پیدا کر سکے تو اُس کے لئے ایک اجتماعی زندگی کا پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں۔ اور جس جماعت میں مدنیت کافی ترقی کر چکی ہو اُس کے افراد کو دل کرگانا ناشائستہ یا نامناسب فعل نہیں معلوم ہوتا۔ اگر کوئی ایسی دلچسپی کی رو نہ ہو جو سب افراد کے دلوں میں بہتی ہو تو اُس کا نتیجہ ہوتا ہے ایک ایسی اجتماعی زندگی جس میں کوئی اتفاق و اتحاد نہیں جو سراسر تکبر خودغرضی اور خودپرستی پر مبنی ہے اور جس میں تنظیم مفقود ہے۔ ایسی زندگی کے مقابلے میں جنگ بھی باوجود بدامنی اور نقصان جان و مال کے بہتر معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سے کم از کم اتنا تو ہوتا ہے کہ تمام افرادِ ملت ایک مشترکہ دلچسپی اور ایک مشترک مقصد کے رشتہ میں پیوستہ ہو جاتے ہیں۔ ڈنمارک نے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا دیا ہے کہ ایک قوم صرف جنگ کے معاملے ہی میں متحد نہیں ہو سکتی بلکہ زمانۂ امن کے فنون کے معاملے میں بھی وہ ایک مشترکہ دلچسپی پیدا کر سکتی ہے۔ اس مثال سے جو ڈنمارک نے پیش کی ہے ظاہر ہے کہ اور ممالک میں بھی اِسبات کا امکان ہے یا اور اس امکان کے متعلق لوگوں کے دلوں میں حسنِ اعتقاد پیدا ہو جانا چاہیے۔ اور اس حسنِ اعتقاد کے پیدا کرنے کی توقع اگر ہم مذہب سے نہ رکھیں تو اور کس سے رکھیں؟

دیہاتی مدرسہ۔ دیہاتی مدرسہ کو وجود میں آئے گو بمقابلہ گرجا کے تھوڑی ہی مدّت ہوئی ہے تاہم اکثر اربابِ رائے اُسکو بمقابلہ گرجا کے زیادہ اثر و اقتدار کا حامل سمجھتے ہیں۔ دراصل مدرسہ کو بعض باتوں کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہے اور سب سے زیادہ فوقیت اس لحاظ سے کہ اُس کا تعلق کسی خاص فرقہ کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ ساری کی ساری جماعت کے ساتھ۔ اس بنا پر بمقابلہ گرجا کے مدرسہ کو دیہات کی آبادی کا مرکز بنانا آسان ہے کیونکہ وہ فرقہ دارانہ اختلافات جو مذہب کے معاملے میں لوگوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں تعلیم کے معاملے میں کچھ وقعت نہیں رکھتے

لیکن دوسری طرف ایک بات مدرسہ کے مخالف بھی ہے۔ مدرسہ چونکہ ایک ایسا ادارہ ہے جو ایک محدود علاقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی ایک خاص علاقے کے رہنے والے لوگ سب کے سب اُس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی علاقے کے لوگوں میں اکثریت ترقی کی مخالف اور جہالت پسند ہو تو مدرسہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ صرف اُس صورت میں مدرسے کا کچھ فائدہ ہو سکتا ہے کہ حکومت کے ارباب بست و کشاد اُسے اپنے وظیفہ عمل کے باحسن وجوہ ادا کرنے پر مجبور کریں۔ ورنہ رجعت پسند لوگ اُسے اپنے رنگ میں رنگ لیں گے اور اُس کے افادۂ اجتماعی کو تباہ کر دیں گے۔ بر خلاف اس کے گرجا چونکہ ایک ایسا ادارہ ہے جس کی رکنیت اختیاری ہے۔ یعنی ہر شخص کو اجازت ہوتی ہے کہ جس گرجا کا چاہے رکن ہو جائے اس لئے اگر خوش قسمتی سے اُس کو ترقی پسند اور روشن خیال ارکان میسر آ جائیں تو وہ اجتماعی زندگی کو دوبارہ زندہ کرنے کا کام ایسے طور پر کر سکتا ہے کہ مدرسے کے لئے ناممکن ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اگر گرجا تاریک خیال اور مخالفِ ترقی لوگوں کے قبضۂ تصرف میں ہو تو وہ سراسر نقصان میں رہتا ہے۔ مدرسہ کا جو بچاؤ یوں ہو جاتا ہے اُس کا تعلق ساری جماعت سے ہوتا ہے وہ گرجا کو میسر نہیں۔

دیہاتی مدرسہ اساسی طور پر ایک ادارۂ تعلیمی ہے۔ اس لئے اُسکی توجہ زیادہ تر اس امر پر منعطف ہونی چاہیئے کہ وہ رسمی مضامین جن کو دنیا تعلیم کی اولین ضروریات میں شمار کرتی ہے یا امتحانِ زندگی کی تیاری کا ایک ضروری حصہ سمجھتی ہے اُن کی درس و تدریس ٹھیک طور پر انجام پائے۔ اِس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ ہر طرح کا پیدا آوار کام خدمت بنی نوع میں شامل ہے۔ ہمیں اس بات کے سمجھنے میں ذرہ برابر دقت نہ پیش آنی چاہیئے کہ مدرسہ کا پہلا فرض اپنے طلبا کو کسی پیدا آور کام میں انفرادی کامیابی حاصل کرنے کے قابل بناتا ہے اور یہ بات بھی ہمیں سمجھ لینی چاہیئے کہ وہ پیدا آوار کام جس کے لئے دیہاتی مدرسہ اپنے طلبا کو بہترین طور پر تیار کر سکتا

ہے زراعت ہے۔ بہر حال چونکہ ہمارا مقصد سر دست یہ نہیں کہ ہم دیہاتی تعلیم کے مسئلہ پر بالجملہ بحث کریں بلکہ فقط یہ دیکھنا ہمارا مقصد ہے کہ دیہاتی مدرسہ کو ایک خوشگوار اور عمدہ اجتماعی زندگی کے پیدا کرنے کا ذریعہ کس طرح بنایا جا سکتا ہے اس لئے ہمیں دیہاتی مدرسہ کے نصابِ تعلیم سے بحث کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔

ہمارے ملک میں مدرسہ کو حبِ وطن کی اشاعت کا ذریعہ بنانے کے متعلق دلچسپی عام ہو چکی ہے قومی جشن قائم کرنا قومی تعطیلات کے موقع پر خوشیاں منانا نغمات کا پڑھنا جن میں جذبۂ وطنی کی تعلیم دی گئی ہو اپنی قوم کے ادب العالیہ کا ازبر کرنا یہ نہایت عمدہ طریقے ہیں اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ کے لوگوں نے اجتماعی زندگی کے مسئلہ کے بعض بڑے بڑے پہلوؤں کو کس خوبی سے سمجھا ہے۔ تاہم حبِ وطن کے وہ جذبات جن کی اشاعت میں ہم کوشش کر رہے ہیں اُن کی ایک معین اور مادی شکل میں منتقل کرنے یا پیش کرنے کیلئے ابھی ہمیں بہت کام کرنا پڑے گا۔ حبِ وطن کو بحیثیت ایک صفت مجرد کے پیدا کرنا یعنی اُس کو ایک اخلاقی فضیلت کے طور پر ترقی دینا جدا بات ہے؛ اور اُس کو ترقی قومی کے جوش کی معین اور مادی شکل میں نشوونما دینا بالکل جدا بات ہے ہر زمانہ اور ہر ملک میں جنگ میں فتحیاب ہونیکی خواہش حُبِ وطن اور قومی حمیت کو تحریک میں لانے کا سب سے زبردست موجب ثابت ہوئی ہے، وجہ یہ کہ اس سے لوگوں کے سامنے ایک ایسی مجسم چیز پیش ہو جاتی ہے جس کے لئے وہ کوشش کریں یعنی ایک ایسا عملی کارنامہ جس کی شکل میں جذبات حبُ الوطن ظہور پذیر ہو سکیں ہم سب اس قول کی صداقت کے متعلق کم و بیش یقین رکھتے ہیں کہ اُمن کے زمانہ میں بھی ایسی فتوحات حاصل کی جا سکتی ہیں جو جنگ کی فتوحات سے کم شاندار نہیں ہوتیں لیکن یہ محض ایک مبہم سا اعتقاد ہے! جب تک یہ کوئی خاص شکل اختیار نہ کرے یعنی جبتک ہم زمانۂ امن کے فنون میں کوئی کارنمایاں انجام دینے کو اپنا مقصد

ومدعا قرار نہ دیں اُس وقت تک یہ ناممکن ہے کہ جذبۂ حبِ وطن اُسی جوش سے امن کے زمانے میں بھی بر روئے کار آسکے جس جوش سے وہ جنگ کے زمانہ میں بر روئے کار آتا ہے۔ یہ بات خاص طور پر اُن طلبا پر واضح ہوگی جنہوں نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ مدرسہ کی محبت کا جذبہ محض ایک مجرّد اخلاقی صفت کے طور پر پیدا نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ کوئی خاص کارنامہ مثلاً کوئی ورزشی مقابلہ یا کوئی علمی مباحثہ مقصود نہ قرار دیا جائے۔ اس بنا پر کیا ہمارے دیہاتی مدرسوں کے لئے اور کیا دوسرے تمام اداراتِ اجتماعی کیلئے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ جماعت کے جذباتِ حبُ الوطنی کو کسی خاص شکل میں متشکل کیا جائے اور اُنکا مقصد ومدعا کسی پیدا آور کام کو بنایا جائے۔

لوگ وہ چیز عموماً حاصل کر لیتے ہیں جس کے متعلق زبردست خواہش اُنکے دل میں پیدا ہوجائے

جب پیدا آور کام کے متعلق ایک عام جوش لوگوں میں پیدا ہوجائے تو وہ کام خود بخود انجام پائیگا۔ اگر کوئی دیہاتی جماعت یہ چاہے کہ دیہات کے مکانوں اور سڑکوں وغیرہ کو خوش منظر بنایا جائے تو یہ کام کچھ مشکل نہیں بشرطیکہ اُسکی خواہش حقیقی خواہش ہو اور اُس میں اتنا اتفاق واتحاد ہو کہ جو کام اور محنت اس کام کیلئے درکار ہے اُسکے خرچ کرنیکے لئے اُس کے افراد آمادہ ہوں۔ اسی طرح کوئی جماعت اگر چاہے کہ اخلاق میں یا معاشیاتی بہبودی میں ترقی کرے۔ تو اُنہی شرائط کے ماتحت اُس کے لئے بھی یہ کام آسان ہے۔ کسی جماعت میں کسی مشترکہ خواہش یا دلچسپی کا نہ ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ نہ اسے جنگ میں کامیابی ہوسکتی ہے اور نہ وہ امن وامان کی دولت سے بہرہ اندوز ہوسکتی ہے۔

اگر کسی جماعت کے افراد کے دلوں میں یہ خواہش ہو کہ وہ اپنے گاؤں کو دنیا کے تمام گاؤں سے زیادہ خوبصورت بنائیں یا اپنے قصبہ کو دنیا بھر کے قصبوں میں بہترین

قصبہ بنائیں اور اُسمیں مکئی کپاس گیہوں یا آلوؤں کی پیداوار سب قصبوں سے زیادہ کریں۔ یا اپنے دیہاتی مدارس کو دنیا کے چوٹی کے مدارس کی حیثیت دیں یا ایسے گھوڑے اور مویشی پیدا کریں جنکی نظیر کہیں نہ ہو۔ المختصر کوئی ایسی خواہش جو لوگوں کو متحد کر سکے اور اُن میں عالمگیر جوش کی ایک برقی رو پھیلا سکے اگر کسی جماعت کے ارکان کے دلوں میں ہو تو بہ نسبت میلوں اور جشنوں کے اس کے ذریعہ گاؤں یا قصبہ کی اجتماعی زندگی کو زیادہ شاندار بنایا جا سکتا ہے۔ اجتماعی زندگی صرف اس بات سے پیدا نہیں ہو جاتی کہ دو چار دوست مل کر بیٹھ گئے۔ اور گپیں ہانکنے لگے۔ اس کے لئے لازمی ہے کہ کوئی مشترک مقصد ہو۔ اور وہ اتنا بلند مقصد ہو کہ تمام صحیح الدّماغ لوگ اُس کو پسند کریں اور اُسپر توجہ محنت اور وقت صرف کریں۔ جس نسل سے امریکہ کے لوگ ہیں اُس کے نوجوانوں نے کبھی یہ نہیں کیا کہ اگر قومی بہبودی کے کسی کام کیلئے جس کو انہوں نے کرنیکے لائق سمجھا ہو اُنہیں ایثار اور جفا کشی کی دعوت دی جائے تو وہ اُس کو لبیک نہ کہیں۔

مُلک میں خوشگوار اجتماعی زندگی پیدا کرنے کے اہم اسباب میں مشترک دلچسپی اور سرگرمی کے بعد دوسرا درجہ ایک دوسرے سے ملنے کے مواقع اور باہمی راہ و رسم کی سہولتوں کو حاصل ہے۔ گرجا جو خالص مذہبی خدمت انجام دیتا ہے اُس سے قطع نظر کرکے فقط یہ بات کہ وہ ہفتہ میں ایک مرتبہ لوگوں کو ایک جگہ جمع کرتا ہے بڑی اہمیت رکھتا ہے ترقیٔ تہذیب کے موثرات میں سب سے زبردست موثر لوگوں کا ایک دوسرے سے آنکھیں چار کرتے رہنا ہے ناممکن ہے کہ اُن میں ملنساری اور آشنائی پیدا نہ ہو۔ اور اگر وہ ایک دوسرے سے علیحدہ اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر رہیں تو ناممکن ہے کہ وہ ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نگاہوں سے نہ دیکھنے لگیں اور اُن میں اجنبیت و غیریت نہ پیدا ہو جس طرح گرجا لوگوں کو آپس میں ملنے کے مواقع مہیّا کرتا ہے اسی طرح مدرسہ علاوہ اپنے خالص تعلیمی وظائف و فرائض کے ایک یہ خدمت بھی انجام دیتا ہے کہ نوجوانوں اُسکی بدولت

ل بیٹھنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔

روزانہ موقعوں کے علاوہ بعض تقریبیں ایسی ہوتی ہیں جنکی بدولت لوگ مدرسوں میں جمع ہوتے ہیں مثلاً قومی جشن یا دیہاتی میلے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک نے اُن مواقع سے جو دیہاتی میلوں اور تیوہاروں کی بدولت مہیا ہوتے ہیں پورا پورا فائدہ اٹھانے میں کوتاہی کی ہے۔ ابتدا میں ایسا تھا کہ گاؤں کے لوگ مکی کو چھیلنے کھلیان بنانے لحاف تگندنے اور ایسے اور اور کاموں کے موقعوں پر جمع ہوتے تھے اور اس طرح کام کا کام ہوجاتا تھا اور تفریح کی تفریح۔ اب ملک کے حالات نے ترقی کر کے یہ صورت اختیار کی ہے کہ ہم ایسے کاموں کی ضرورت نہیں محسوس کرتے؛ اور نہ ہم نے کوئی ایسی صورتیں پیدا کی ہیں کہ وہ ان کا بدل ہوسکیں۔ اس وجہ سے اب لوگوں کو مل کر کام کرنیکے مواقع کم ملتے ہیں۔ یہ امریکہ کی دیہاتی زندگی کے حل طلب مسئلوں میں سے ایک مسئلہ ہے۔ گو ملک کے بعض حصّوں میں اس کا حل کسی حد تک کیا گیا ہے۔ پرانے طرز کا (barbacua) جو جنوبی علاقے میں اب بھی رائج ہے کہ لوگ جمع ہوکر آگ جلاتے ہیں اور سالم جانوروں کو بھونتے ہیں؛ (old settlers day) پرانے باشندوں کو دیوہار" جو مشرق وسطی کے بعض لوگوں میں اب بھی منایا جاتا ہے؛ اور نیو انگلینڈ کا میلہ ("old Home week") یہ اس بات کی مثالیں ہیں کہ جہاں گاؤں کے سارے لوگ ایکدن مل کر چھٹی منایا کریں وہاں تفریح تماشے کے طریقے کیا ہونے چاہیں۔ یقیناً ملک کے اور حصّوں میں اس کی اور مثالیں بھی ملیں گی۔ بعض قدیم ممالک میں یہ میلے اور تیوہار اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ دیہاتی زندگی کی ایک جاذب نظر خصوصیت بن گئے ہیں۔

بڑے ہمسلے - ہم امریکہ والوں کو ایک دقت پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم قدیم زمانے میں جو جنگلی زندگی بسر کرچکے ہیں اُس کے اثرات اب بھی اس حد تک باقی ہیں کہ ہماری دیہاتی آبادی میں شور شرابہ کرنیوالے لوگوں کا وجود اب تک معدوم نہیں ہوا۔ میلوں اور تماشوں کے موقعہ پر یہ لوگ استفادہ بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ شریف

اور عزت والے ہیں وہ دور رہنا پسند کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میلہ سے جو معاشرتی فائدہ ہوسکتا تھا۔ وہ نہیں ہوتا۔ چند نسلوں تک اگر شدید مقابلہ ہوتا رہا تو یقیناً غنڈے اور غل غپاڑہ کرنے والے لوگ شریف اور باعزت لوگوں کے سامنے نہ ٹھہر سکیں گے اور فنا ہو جائیں گے۔ جب یہ امر انجام پا چکے گا تو ایک خوشگوار اجتماعی زندگی کی ترقی میں جو رکاوٹیں درپیش ہیں اُن میں سے ایک کم ہو جائے گی۔ اُن علاقوں میں جہاں کاشت سب سے اچھی ہوتی ہے آہستہ آہستہ لچے شہدے لوگوں کی تعداد میں کمی ہوئی ہے اور زیادہ وہ شائستہ اور ترقی یافتہ لوگ تعداد میں بڑھ رہے ہیں۔ جن علاقوں میں پیداوار کم ہوتی ہے اُن میں فی الحال ایسی صورت پیدا نہیں ہوئی وجہ یہ کہ اعلےٰ قسم کے لوگوں کو ابھی اُن علاقوں میں جانیکا خیال نہیں آیا۔ جس دن وہ چلے گئے بس نکمّے اور رذیل لوگوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔

یہ بھی ایک متنازع مسئلہ ہے کہ ادنےٰ قسم کی زمینیں کیا ہمیشہ ادنےٰ قسم کے لوگوں کے قبضہ میں رہیں گی یا اعلےٰ طبقہ کے کاشتکار اُن پر تصرّف حاصل کر لینگے؟ جو عمل انتخاب فی زمانناجاری ہے اُس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ادنےٰ زمینیں ادنےٰ لوگوں کے ہاتھوں ہی میں رہیں گی۔ اگر زمین زرخیز ہو اور زراعتی اولوالعزمی کیلئے میدان وسیع ہو تو ذہین اور ترقی پسند کاشتکار ایسی زمین کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ کم ذہین لوگوں کو مقابلے میں شکست دیں گے اور اُن سے زمینیں خرید لیں گے۔ پھر ذہین اور ترقی پسند کاشتکار جن کو ابھی کوئی زمین ہاتھ نہیں آئی وہ ایسی زمینوں کی تاک میں بیٹھے ہیں اور جہاں موقعہ دیکھیں گے اڑ کر جائیں گے۔ بچارے کُند ذہن اور سست کاشتکار ایسے لوگوں کے مقابلے میں بھلا کیا ٹھہر سکیں گے؟ اتنی اتنی قیمتیں زمینوں کی تباہی کی جائیں گی کہ اُس کو خریدنے کی استطاعت نہ ہوگی اگر اُس کے پاس پہلے ہی زمین موجود ہے تو صاحب حیثیت کاشتکار اتنی بڑی بڑی قیمتیں دینے کو تیار ہوں گے کہ آج نہیں تو کل اُس کا جی للچا آئیگا اور وہ زمین کو بیچ کر علیحدہ ہو جائے گا۔ برخلاف اس کے اگر زمین ادنےٰ قسم کی ہو اور ترقی کے مواقع

محدود ہوں تو قابل کاشتکار ایسی زمین کو خیرباد کہہ کر دوسری جگہ قسمت آزمائی کرنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ بشرطیکہ دوسری جگہ حالات بہتر نظر آئیں۔ اب جو لوگ اپنی زرخیز زمینوں کو بیچ کر اور زمین کی تلاش میں پڑے پھرتے ہیں وہ قدرتی طور پر اُن زمینوں کا رُخ کریں گے جو سستی ہیں اور جن کے خریدنے میں صاحبِ استطاعت اور قابل کاشتکاروں سے مقابلہ نہیں کرنا پڑتا بلکہ ادنےٰ کاشتکاروں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے لیکن ممکن ہے کہ ایسی زمینوں کے معاملے میں بھی مقابلہ آخرکار ایسا ہو جائے کہ ناکارہ لوگ یہاں بھی پیر نہ جما سکیں اور نکال باہر کیے جائیں۔

معیارِ زندگی۔ یہ جو ہم نے دعوےٰ کیا ہے کہ بہترین زمینیں آہستہ آہستہ بہترین کاشتکاروں کے قبضہ میں آ جاتی ہیں اس میں کسی قدر...... حدبندی کی ضرورت ہے۔ بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زمینیں اُن لوگوں کے ہاتھ آتی ہیں۔ جن کا معیارِ زندگی سب سے پست ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ باہر کے آئے ہوئے کاشتکار امریکہ کے کاشتکاروں سے زمینیں خریدتے چلے جا رہے ہیں۔ اور اسکی وجہ یہ نہیں کہ وہ کاشتکاری کے فن میں زیادہ ماہر ہیں۔ بلکہ محض یہ کہ اُن کی بود و باش کا خرچ بہت کم ہے اور اسلئے وہ بڑی جلدی اصل جمع کر لیتے ہیں۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ امر اسبات کا مظہر ہے کہ ایک پست معیارِ زندگی ایک اعلےٰ معیارِ زندگی پر غلبہ حاصل کر رہا ہے۔ اور کاشتکاروں کی زندگی آئندہ ادنےٰ درجہ کی زندگی ہوگی۔

اس تاریک اور مایوسانہ خیال کے خلاف ہم دو دلائل پیش کر سکتے ہیں۔ اوّل اُنیسویں صدی کے ثلث آخر میں زراعت دوسرے کاروبار کے مقابلے میں کم نفع بخش تھی۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ امریکہ کے کاشتکاروں کی جگہ باہر کے کاشتکاروں کی تعداد امریکہ میں ترقی کر رہی تھی۔ جو امریکن لوگ اچھے تعلیمیافتہ تھے اور کاروباری قابلیت رکھتے تھے اور اس بنا پر بیوپار یا ملازمت کیلئے مناسب و موزوں تھے اُنکو بمقابلہ دیہات کے شہر میں ترقی کرنیکا زیادہ موقع ہوتا تھا۔ باہر سے جو لوگ آتے تھے وہ اگر غیر معمولی

تعلیم رکھتے ہوں تو ضرور نہ اُنہیں یا کاشتکاری کا پیشہ اختیار کرنا پڑتا تھا یا کوئی دستی کام
کاشتکاری کو وہ ترجیح دیتے تھے۔ اور صرف یہی ایک چیز تھی جس میں اُنہیں ترقی کی صورت
نظر آتی تھی۔ اب اگر امریکن کاشتکار اپنی زمینیں ایسی قیمتوں پر بیچتے تھے جو نووارد لوگ
ادا کر سکتے تھے تو اُسکی وجہ یہ نہ تھی کہ نووارد زمین سے زیادہ پیداوار کر سکتا تھا۔ بلکہ یہ کہ
امریکن کو شہر میں ترقی کے ایسے موقع مل سکتے تھے جو نووارد کو حاصل نہ ہو سکتے تھے کیونکہ
وہ امریکہ کی زندگی سے کماحقہ واقف نہ ہوتا تھا۔ ان دنوں زراعت خوشحالی میں ترقی کر رہی
ہے اور امریکن کاشتکار کو دیہات میں بھی اتنے ہی اچھے موقع مل سکتے ہیں جتنے شہر میں
اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا باہر کے کاشتکار امریکہ کے اصلی کاشتکاروں کو شکست دے
سکتے ہیں یا نہیں یعنی امریکن کاشتکار ایسی قیمتوں پر زمینوں کو بیچنے پر تیار ہوگا جو
باہر کا کاشتکار ادا کر سکے یا خود اتنی قیمتیں ادا کرنے کو تیار ہوگا جتنی باہر کا کاشتکار
ادا کر سکتا ہے۔ دوسری دلیل جو ہم پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ پست معیار زندگی
لازمی طور پر اچھا معیار زندگی نہیں ہوتا۔ یعنی رہنے سہنے کے اخراجات کم کرنا معاشیاتی
اعتبار سے کامیابی کی دلیل نہیں۔ ایک ایسا طریق بود و باش جسمیں خرچ زیادہ ہو اگر
معقولیت پر مبنی ہو۔ تو مقابلہ میں بہ نسبت سستے طریق بود و باش کے زیادہ اچھا ثابت
ہوتا ہے۔ فرض کیجئے ایک ایسا طریق بود و باش ہے جسمیں اخراجات زیادہ ہوتے ہیں۔ اور
ان اخراجات میں ایسے اخراجات شامل ہیں جو محض نام و نمود یا ٹھاٹھ باٹھ کی خاطر یا نامناسب
خواہشات پوری کرنے کیلئے کئے جاتے ہیں اور پھر اس سے ذہانت یا کام کرنیکی قابلیت میں
کوئی ترقی نہیں ہوتی۔ ایسا طریق بود و باش ایسے لوگوں کے مقابلے میں جن کے معیار
زندگی میں اس قسم کی نامعقول مدات خرچ شامل نہیں انسان کا ناکارہ کر دیتا ہے۔
لیکن فرض کیجئے کہ ایک اور معیار زندگی ایسا ہے جسمیں فقط وہ مدات خرچ شامل
ہیں جو قوت اور کام کرنیکی قابلیت کو بڑھاتے ہیں۔ دماغی طاقت اور مستعدی کو ترقی
دیتے ہیں اور اعلےٰ قسم کی ذہنی اجتماعی اور جمالیاتیؔ خواہش کی تسکین کرتے ہیں
ایسا معیار زندگی ہرگز پست معیار زندگی رکھنے والے لوگوں کے مقابلے میں انسان کو ناکارہ

لہ یعنی عمدہ چیزیں خوبصورتی۔ اور شعر و تصاویر دیکھنے کی خواہش۔

نہ کرے گا۔ اگر زندگی بسر کرنے کے معیاروں میں باہمی مقابلہ ہوا تو اس کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ معیار اگر غیر معقول ہیں تو معقول ہو جائیں گے۔ اور جو مدّاتِ خرچ قابلیتِ کارپردازی میں ترقی کا باعث نہیں ہوتے وہ اڑا دئے جائیں گے اور جو مدّاتِ خرچ قابلیتِ کارپردازی میں ترقی کا باعث ہوتے ہیں اُن میں اضافہ کیا جائیگا۔ یہ نتیجہ ہوگا اس امر کا کہ جن لوگوں کا طریق بود و باش معقولیت کیمطابق ہوگا وہ زیادہ کامیابی حاصل کریں گے اور جن کا طریق بود و باش معقولیت سے بعید ہوگا وہ کم کامیابی حاصل کریں گے۔ جب زراعت ایک ایسا نفع بخش چیز بن گئی کہ اُس میں ترقی کے مواقع اتنے ہی اچھے ہونے لگے جتنے شہر کے کاروبار اور پیشوں میں ہوتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہ ہوگی کہ جو کاشتکار اعلےٰ معیارِ زندگی رکھتے ہیں اُن کو پست معیارِ زندگی والے کاشتکار شکست دیں۔ ہاں ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ جسے ہم اعلےٰ معیارِ زندگی کہتے ہیں وہ معقولیت پر مبنی ہو اور ایسا نہ ہو کہ اُس سے محض کمزور کر دینے والے جذبات اور نام و نمود اور ظاہری آرائش کی خواہش کی تسکین ہو۔

دیہاتی کھیل اور تفریح کے طریقے ہر وہ طالب علم جو محنت کا عادی ہے اس بات سے بخوبی واقف ہوگا کہ دماغی اور جسمانی صحت کو برقرار رکھنے کیلئے تھوڑی بہت تفریح کسقدر ضروری ہے۔ وہ اس دعوے کی صداقت کو سمجھ سکیگا کہ معقول معیارِ زندگی وہ ہے جسمیں مشاغلِ تفریح کیمتعلق وقت اور زر کے صرف کی گنجائش نکالی جائے۔ یہ بتانا آسان نہیں کہ کس حد تک وقت اور زر کا تفریح میں خرچ کرنا مناسب اور معقول ہے تاہم اس امر کے متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں ہو سکتا کہ ضرورت سے کم تفریح جس سے جسم سست پڑ جائے اور دماغ کی قوتیں شل ہو جائیں اتنی بڑی ہے جتنی بہت زیادہ تفریح جو محض وقت قوت اور زر کی تضیع ہے۔ نیز اس امر کے متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں ہو سکتا کہ مشاغلِ تفریح ایسے ہونے چاہئیں جن میں ایک شخص دلچسپی سے حصہ لے سکتا ہو۔ معاشیات کے عالم تقسیمِ محنت کے اصول کو بہت پسند کرتے ہیں، لیکن اُن میں کم ایسے ہوں گے جو اس قسم کی تقسیمِ کار کو

پسند کریں جو دیہات میں رائج ہے کہ کچھ لوگ تو دن رات کام کرتے ہیں اور انہیں کھیل تماشے کی فرصت ہی نہیں ہوتی اور بعض طفیلی اور عہدی لوگ چوبیس ۲۴ گھنٹے دل بہلاؤ کے مشاغل میں صرف کر دیتے ہیں۔

دیہات میں اجتماعی زندگی کو برقرار رکھنے کیلئے جو دیہاتی میلے تماشے ہوتے ہیں اُن کا ایک ضروری حصّہ دیہاتی کھیل ہیں۔ امریکہ والوں میں چونکہ یہ عادت ہے کہ جس بات کو شروع کرتے ہیں اُس کو حد سے بڑھا دیتے ہیں۔ اُسلئے اُن کو یہاں دیہات میں کوئی ایسے کھیل نہیں جو خاص دیہات کی خصوصیت ہوں اور جنہیں دیہاتی زندگی کا ایک مستقل جُز دکھا جا سکے۔ لومڑی کا شکار اور گھوڑ دوڑ یہ دونوں تو اصل میں دیہات کے کھیل۔ لیکن شہر کے بڑے بڑے اُمرا اور روسائے ان میں تکلفات پیدا کر دئے ہیں اور رہا سہا لُطف گاؤں کے شوقینوں نے جو رنگین وردیوں میں پھولے نہیں سماتے اُس سادگی کو جو ان کھیلوں کی خصوصیت تھی تباہ کر دیا ہے۔ اگر چند فارغ البال کاشتکار مل کر شکار کو جائیں اور اُن کا مقصد یہ ہو کہ دیہات میں جو تکلیف دہ جانور ہیں اُن کا صفایا کر دیں تو یہ ایک نہایت عمدہ مشغلہ ہوتا ہے؛ لیکن جب چند شہری لوگ جنہوں نے مدرسوں کی چار دیواری چابک سواروں سے سواری سیکھی ہے شکار کے ارادے سے دیہات کا رُخ کریں اور ایک غریب لومڑی کے پیچھے گھوڑے بھگا کر اپنی امارت کی شان دکھائیں۔ تو یہ کوئی قابل دید منظر نہیں ہوتا۔ اس طرح جب چند کاشتکار اپنے تربیت کردہ گھوڑوں کو مقابلوں میں دوڑائیں اور اُن کے جوہر دکھائیں تو یہ ایک نہایت دلچسپ منظر ہوتا ہے۔ یہ ایسے مقابلوں ہی کا طفیل ہے کہ گھوڑوں کی خوبیاں معلوم ہوتی ہیں اور یہ پتہ چلتا ہے کہ کون کونسے گھوڑے ایسے ہیں کہ اُنکی تربیت کرنی چاہیئے۔

لیکن جب گھوڑ دوڑ محض شان و شوکت کی نمائش کی صورت اختیار کرلے یا جُوا بن جائے جس میں چند پیشہ ور قمار باز جو گھوڑ دوڑ کے گُروں سے خوب واقف ہیں اُن لوگوں کو لوٹتے ہیں جو ان گُروں کے بھیدی نہیں تو پھر یہ کہنا پڑتا ہے کہ گھوڑ دوڑ دیہات میں اجتماعی زندگی کی ترقی کیلئے جیسا ذریعہ تھی وہ اب نہیں رہی اور اُسکی قدر و قیمت

بالکل ضائع ہوگئی ہے۔

ہم امریکہ والے چونکہ فطرۃً قدرے افراط انتہا پسند واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ بات نہایت اہم ہے کہ ہمارے یہاں دیہاتی کھیل ایسے ہوں کہ خاص خاص ماہرین اُن کو اپنا مخصوص فن نہ بنالیں بلکہ سب لوگ اُن میں شریک ہوسکیں؛ ورنہ یہ احتمال ہے کہ اختصاصیین جو لوگ اُن میں خاص حصّہ لیتے ہیں اُن کو اپنا خاص مُہر بنالیں گے اور باقی لوگ صرف تماشہ دیکھنے والے رہ جائیں گے۔ اس سے نقصان یہ ہوتا ہے کہ کھیل کھیل نہیں رہتا بلکہ ایک تماشہ ہوکر رہ جاتا ہے۔ ایک اور بات نہایت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ کھیل قسم قسم کے ہوں۔ تاکہ بہت سے لوگ بیک وقت شریک ہوسکیں لیکن یہ بات خاص اہمیت رکھتی ہے کہ یہ کھیل ایسے ہوں کہ موسم موسم کی ضرورت کے مطابق ہوں۔ یعنی جیسا کام کسی موسم میں دیہات میں کیا جاتا ہو اُسی کے مطابق کھیل ہوں۔ شہر میں کام ہمیشہ کچھ ایسا ایک ہی ڈھنگ کا رہتا ہے کہ تفریح کے وقت کو ہم بارہ مہینے میں برابر برابر تقسیم کرسکتے ہیں۔ یعنی یوں کہ دن بھر میں چند گھنٹے کے لئے کام ہو اور ہفتہ دو ہفتہ مہینہ دو مہینہ کے بعد آدھے آدھے دن کی چھٹی ہو اس سے کام کرنے والوں کو تفریح کیلئے کافی وقت مل جاتا ہے۔ لیکن دیہات میں چونکہ ایسے موسم آتے ہیں کہ اگر کام چند گھنٹوں کیلئے کیا جائے اور آدھے دن کی چھٹی دی جائے تو اسکے معنی یہ ہوں گے کہ فصل کا ستیاناس ہو جائیگا۔ اسلئے تفریح کیوقت کی تقسیم ایسے باقاعدہ وقت مقرر کیا جائے اور ایسے کھیل کھیلنے جائیں جو ضروری نہیں کہ ایک ہی دن میں ختم ہو جائیں۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ملک کے مختلف حصّوں کے موسم اور زراعت کے حالات کے مطابق سالانہ میلے کیسے ضروری ہیں تاکہ جو سر توڑ محنت کاشتکاروں کو کرنی پڑتی ہے اُس سے فراغت پاکر وہ تازہ دم ہوسکیں۔ ایسے میلے اگر ہوتے رہیں تو مزدور اور خاص کر نوجوان لوگ میلے کا خیال کرکے اپنے جی میں خوش ہوتے رہتے ہیں اور اپنا کام تحمل و برداشت سے کرتے ہیں اور جی لگا کر کرتے ہیں ع کہ مزدور خوشدل کند کار بیش۔ کچھ ہے بات بھی

ممکن ہے کہ کام مل جُل کر ایسے طور پر کئے جائیں کہ کام کا کام ہو جائے اور تفریح کی تفریح۔ یہ اب بھی ہوتا ہے لیکن اتنا نہیں جتنا ہونا چاہیئے ہمارے اسلاف میں جو یہ دستور تھے کہ وہ مل کر کھلیان بناتے تھے۔ لکڑیاں جمع کرتے تھے اور ایسے ایسے اور کام کرتے تھے وہ اگر ازسر نو زندہ کئے جاسکیں تو موجودہ نسل کے افراد کے لئے اناج چھڑنے کے موسم میں اور ایسے ایسے اور موقعوں پر تفریح کا سامان مہیّا کیا جاسکے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے۔ کہ کاشتکار اپنی سال بھر کی محنت کا پھل یعنی اپنی اُگائی ہوئی فصل گھر اٹھا اٹھا کر لیجاتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔ تاہم گذشتہ زمانے میں اناج کا چھڑنا ایک ایسا مشکل کام تھا اور اتنی دُھول اڑانی پڑتی تھی کہ اگر کسی کو کوئی خوشی کی بات سوجھتی تھی تو مارے دم گھٹنے کے وہ منہ سے بول نہ سکتا تھا۔ سب گونگوں کی طرح اپنے کام میں لگے ہوتے تھے لیکن ہمارے زمانے میں پہلے سے بہتر کلیں اور اعلٰے درجہ کی مشینیں تیار ہوگئی ہیں جنکی بدولت اناج چھڑنے کے کام کا جو سب سے دشوار اور ناخوشگوار حصّہ تھا۔ وہ اب آدمیوں کو نہیں کرنا پڑتا بلکہ مشینیں کرلیتی ہیں۔ اِن حالات کے ماتحت اس بات کا امکان ہے کہ اناج چھڑنے کے موسم کو جشن کا موقعہ بنایا جاسکتا ہے جسمیں مرد اور عورتیں یکساں حصّہ لیں اور پادری مدرس و اُستانی جی کا شتکار کمیرے سب شریک ہوں۔ لیکن یہ ہمنے صرف ایک بات سمجھائی ہے۔ عملاً سر دست ایسا نہیں ہوتا۔

گرینج جو منظم جماعتیں امریکہ کے دیہات کی اجتماعی زندگی کی ترقی کا باعث ہیں اُن میں گرینج (grange) کو فی زمانہ بڑا درجہ حاصل ہے۔ کسی حدتک اِسوجہ سے کہ اُس کا مقصد ہی اجتماعی زندگی کی ترقی ہے۔ لیکن ایک لحاظ سے یہ کسقدر محدود اثر رکھتی ہے وجہ یہ کہ اِسکا مقصد صرف اپنے اراکین کی اجتماعی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے اور باقی جماعت سے اس کو کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ ان سے بھی زیادہ محدود حلقہ اثر اُن لاجوں اقامت گاہوں اور خفیہ جماعتوں کا ہے جو صرف اپنے اراکین کی ضروریات اجتماعی کو پورا کرنے کو اپنا مقصد بناتی ہیں۔ اب ہمارے سامنے ایک ایسا مسئلہ درپیش ہے جو دیہات کی معشیت کا سب سے مشکل مسئلہ ہے۔ وہ یہ کہ کیا ہم اجتماعی زندگی کو قائم رکھ سکتے ہیں بغیر کسی ایسے وسیلہ کے جس سے

ہم مناسب آدمیوں کو انتخاب کرلیں اور نامناسب آدمیوں کو خارج کردیں ؟ جن ممالک میں اُمرا کا راج ہے۔ اور مختلف طبقوں کی تفریق قدیم الایام سے چلی آتی ہے وہاں اجتماعی زندگی صرف اپنے اپنے طبقے تک محدود ہوتی ہے! لیکن طبقے کی حدود کے اندر وہ نہایت آزادی سے ترقی کرتی ہے۔ امریکہ ایک جمہوری ملک ہے۔ یہاں ذات پات کا کوئی امتیاز ملحوظ نہیں رکھا جاتا نہیں اور نہ مختلف طبقوں میں کوئی فرق مراتب کیا جاتا ہے ؟ ہمارے یہاں اجتماعی حالات نے بھی کوئی مقررہ صورت اختیار نہیں کی۔ بالخصوص دیہات میں۔ البتہ اس بات کا رجحان موجود ہے کہ مختلف گروہ بنائے جائیں ایسے طور پر کہ اپنی پسند کے آدمی لئے جائیں اور باقیوں کو نہ لیا جائے۔ اس قسم کی تقسیم میں چونکہ صرف اسبات کا لحاظ نہیں ہوتا کہ یہ شخص امیر زادہ ہے اور یہ شخص نہیں۔ بلکہ کسی خاص امر کی بنا پر تفریق کی جاتی ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ذات پات کی تفریق کا جو پرانا طریقہ تھا یا یہ کے اعلیٰ اور ادنیٰ کی تمیز کیمطابق طبقوں میں تقسیم ہوتی تھی۔ اس سے یہ نیا طریقہ بدرجہا ترقی یافتہ ہے۔ لیکن اسکے باوجود اس پر جمہوریت کی تعریف پوری پوری صادق نہیں آتی۔ کیونکہ جمہوریت تو اسکا نام ہے کہ بغیر طبقہ یا فرقہ یا دین و مذہب یا برادری کے فرق کا لحاظ ہوئے لوگ آزادی سے آپس میں راہ و رسم رکھیں۔ لیکن اس جمہوری نصب العین نے ابھی عملی صورت اختیار نہیں کی کیونکہ جن ملکوں میں حسب و نسب کا لمبا چوڑا فرق نہیں وہاں خفیہ جماعتیں برادریاں وغیرہ بن گئی ہیں اور وہ جماعت کو گروہوں میں تقسیم کئے ہوئے ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ ایک جمہوری نظامِ معاشرت کے ماتحت عامی لوگ جو خواہ مخواہ بھلے لوگوں کے کاموں میں دخل دیتے ہیں اُس سے اُن خفیہ جماعتوں وغیرہ کی بدولت رہائی نصیب ہوتی ہے۔ لیکن اس بات کا خدشہ ہے کہ جو لوگ ایسی جماعتوں کے رُکن بنتے ہیں وہ دوسرے لوگوں سے علیحدہ رہ رہ کر کہیں نخوت فروش نہ ہو جائیں اور آپ کو اصلیت سے بڑا نہ سمجھنے لگیں

دیہاتیوں کے معیار جدا ہونے چاہئیں یا انہیں شہریوں کی پیروی کرنی چاہئے؟

جتنی منظم انجمنیں وغیرہ دیہات کی اجتماعی زندگی کی ترقی کا باعث ہیں وہ اگر دیہات کی زندگی کو شہری زندگی کے معیاروں اور رواجوں سے بے نیاز

نہ کر دیں تو وہ بایۂ کمال سے بہت گری ہوئی ہیں۔ ایسی انجمنوں کا سب سے بڑا مقصد ہونا چاہیئے کہ وہ دیہات کی اجتماعی زندگی کی ایک جداگانہ شان سے محروم رہے گی۔ جب تک دیہات والے شہروں کے لباس کی وضع قطع اُن کے عادات و اطوار اور اُن کے قواعدِ شائستگی کی پیروی کریں گے۔ اُسوقت تک دیہات کی اجتماعی زندگی تسلّی بخش ترقی نہ کرے گی۔ اگر شہر کے رسم و رواج دیہات کے رسم و رواج پر غالب رہیں تو یہ فی الاصل ایک دماغی اور ذہنی غلبہ ہے۔ یعنی شہر والے دیہات والوں کے دماغوں پر قبضہ کئے ہوئے ہیں۔ اس ذہنی غلامی کی قید و بند سے دیہات والے اُس وقت آزاد ہوں گے جب وہ اپنے لئے شائستگی کا معیار خود قائم کریں گے اور شہر والوں کی اندھا دُھند پیروی کرنا ترک کر دیں گے۔ جس دن انہوں نے اس بات کو بایۂ فخر سمجھنا شروع کیا کہ ہم دیہاتی ہیں ہمارا لباس دیہاتی ہے۔ ہماری عادتیں دیہاتی ہیں ؛ ہمارے رسم و رواج دیہاتی ہیں۔ اور جس دن اُنہوں نے حقیقی دیہاتیوں کی طرح سمجھ بوجھ اور دانش مندی سے بسد ہی ساری زندگی بسر کرنی شروع کی۔ تو اُس دن ہم یہ کہنے کے قابل ہوں گے کہ آج صحیح معنوں میں ایک دیہاتی تہذیب وجود میں آئی ہے۔ اگر یہ نہ ہُوا تو یہ جتنی دیہاتی زندگی کی نام نہاد "اصلاحات" ہیں۔ ان سے صرف یہ حاصل ہوگا۔ کہ دیہات شہر کا ایک جُزو ہو کر رہ جائیگا اور دیہاتیوں کی ذہنی غلامی پہلے سے بھی بڑھ جائیگی۔ شہر سے جو ڈاک آتی ہے اُس میں اکثر کاشتکاروں کے نام شہر کے روزانہ اخبار آیا کریں۔ جن میں نمائش پسندانہ اور خرد فروشانہ اشتہارات ہوتے ہیں۔ اور سنسنی پیدا کرنیوالی جھوٹی سچی خبریں ہوتی ہیں۔ اور اس کا نتیجہ اگر یہ ہو کہ دیہات والے اُن ہل چل پیدا کرنے والی چیزوں کو پسند کرنے لگیں جنہیں شہر کے لوگ پسند کرتے ہیں۔ بلکہ اپنی جیب سے اُن کے دام ادا کرتے ہیں۔ تو اس سے یہ ہوگا کہ شہر کی کشش دیہاتیوں کی نگاہوں اور بھی بڑھ جائیگی۔ اور وہ پہلے سے زیادہ شہر کی ہر بات کی پیروی کرنے لگیں گے۔ دیہات والوں کو اکثر یہ شکایت کرتے سُنا گیا ہے کہ دیہات کی زندگی ایسی بے لُطفی کی زندگی ہوتی ہے کہ آدمی اُس سے بہت جلد اُکتا جاتا ہے۔ حالانکہ

دراصل وہ سکون اور خاموشی کی زندگی ہوتی ہے، اور جو روزانہ اخبار شہر سے آتے ہیں اُن کو وہ اپنی زندگی میں کچھ لُطف اور دلچسپی پیدا کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ آثارِ دیہات کی اجتماعی زندگی کے حق میں مفید نہیں۔ اگر دیہات والوں نے ایسے خیال دل میں لانے شروع کردئے تو ایک دن وہ دیہات کو شہر کی مکمل نقل بنانیکی کوشش کرنے لگیں گے یا دیہات چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ لیکن اگر دیہاتی ڈاک دیہاتی ٹیلیفون کی طرح دیہات کے مختلف حصّوں کو ایک دوسرے سے کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور دیہاتی لوگوں کے باہمی تبادلۂ خیالات کا ایک وسیلہ ہے اگر وہ دیہاتی لوگوں میں اپنی جماعت کی محبت کا جذبہ پیدا کردے اور اُن کو اپنی علیحدہ اجتماعی زندگی قائم کرنے کے قابل بنائے۔ تو اس سے ایک اعلےٰ درجہ کی دیہاتی تہذیب وجود میں آئیگی اور دیہات کی زندگی تسلّی بخش اور خوشگوار بن جائے گی۔

یہ امر کیا مالیاتی اور کیا اجتماعی اعتبار سے بڑی اہمیّت رکھتا ہے۔ اگر شہر میں ہر وہ چیز موجود ہوئی جس کی خواہش دیہات والوں کو ہوسکتی ہے تو وہ شہر میں جاکر اپنا روپیہ خرچ کریں گے۔ اگر کوئی کاشتکار اتنا خوشحال ہوگیا کہ اپنی کمائی مزے سے بیٹھ کر کھاسکتا ہے تو وہ شہر کا رُخ کرے گا اور وہاں جاکر رہنا شروع کرے گا، وہ بہت سی چیزیں خریدے گا اور ایک مکان بنائے گا اور اپنا وقت اور روپیہ شہر میں خرچ کرے گا۔ لیکن اگر دیہات ہی میں وہ تمام چیزیں موجود ہوں۔ جن کی خواہش دیہات والوں کو ہوسکتی ہے۔ تو وہ اپنا روپیہ دیہات میں خرچ کریں گے۔ اب اگر وہ کاشتکار جو اپنے کام سے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں۔ اُس روپیہ کو جو شہر میں مکان اور گھر کا سامان خریدنے کے لئے خرچ کرنا پڑتا دیہات ہی میں خرچ کریں۔ مثلاً اپنی زمینوں ہی میں عالی شان مکان بنائیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تھوڑی ہی مدّت میں دیہات ایسی جگہ بن جائے گی کہ جہاں انسان کا جی لگے گا۔ مدرسے۔ گرجا گھر۔ کتب خانے۔ دفانی کشتیاں وغیرہ اور ایسی ایسی اور چیزیں اگر شہر میں میسّر آسکتی ہیں تو کیا دیہات میں میسّر نہیں آسکتیں؟ لیکن اگر لوگ اُس شور و غوغا۔ بجلی کے ہنڈولے بڑے بڑے اشتہار کے تختوں۔ اور اسی قسم

کی اور نمائشی چیزوں کو پسند کرنے لگیں۔ تو پھر اس کا کوئی علاج نہیں۔ دیہات ان چیزوں میں شہروں کے مقابلے سے عاجز ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ دیہات کے لوگ آہستہ آہستہ دیہات چھوڑ کر شہروں کو سدھاریں گے اور اپنی پسند کی چیزیں خریدنے میں روپیہ خرچ کریں گے۔

کہا جا سکتا ہے کہ اگر دیہات میں ایسی چیزیں مہیا کر دی جائیں جو شہر کے لوگوں کو مطلوب ہوتی ہیں اور جن کے لئے وہ قیمت ادا کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ تو اس سے دیہات کی مالی اعتبار سے ترقی ہوگی۔ لیکن ہمیں اس نتیجہ پر بغیر تامل کئے نہ پہنچنا چاہیئے۔ یہ ہرگز خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اگر چند شہری لوگ دیہات میں جا کر اپنا روپیہ اور وقت خرچ کرنے کے لئے تیار ہوں تو یہ اتنی سی بات اس امر کی مظہر ہے کہ وہ دیہات کی زندگی کو فی الحقیقت پسند کرتے ہیں۔ یا یہ کہ اس سے شہری لوگ حقیقی معنوں میں کاشتکار بن سکتے ہیں۔ جن کا اصل ذریعہ معاش کاشتکاری ہوتا ہے اور جو شہری مشاغل تفریح پر دیہاتی مشاغل تفریح کو ترجیح دیتے۔ اگر کسی شخص کے پاس فالتو روپیہ جمع ہو گیا اور وہ اسکا بوجھ ہلکا کرنے کیلئے دیہات میں کاہے ماہے چلا جائے۔ تو یہ امر اس کا مرادف نہیں کہ وہ کاشتکار کے سیدھے سادے کھیل تماشوں کو جن میں اور تو اور موٹر گاڑی تک کی ضرورت نہیں ہوتی حقیقی معنوں میں پسند کرتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دیہاتی زندگی کے مسئلہ کا صرف ایک حل ہے۔ وہ یہ کہ چند مالدار صاحب اثر لوگ دیہات میں عالیشان محلات بنائیں اور اپنے فراغت کے وقت کا کچھ حصہ وہاں جا کر بسر کیا کریں۔ اس خیال کے برخلاف سر رابرٹ پلنکیٹ (Sir Robert Plunkett) ذیل کے گرانمایہ الفاظ میں اظہار رائے کرتے ہیں۔

میرے دوست مجھ سے کہتے ہیں کہ جدید حالات کے متعلق تمہاری واقفیت کافی نہیں تم زمانہ سے بہت پیچھے ہو۔ شہر اور دیہات کے مقابلے کے متعلق لوگوں کی رائے نے بہت پلٹا کھایا ہے۔ یہ معلوم کرنے کی دور جانے کی ضرورت نہیں کہ زمانے کی ہوا بدل چکی ہے۔ لانگ آئی لینڈ (Long Island) کے گھروں میں اتوار کے روز اگر موسم اچھا ہو بہت سے مزدور جنکے ہاتھ دستی محنت کر کر کے کھردرے ہو چکے ہیں گاؤں والوں کا

کا لباس پہنے ہوئے اپنی جرسی (Jerseys) گائے اور مرغیوں خبرگیری کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہ لوگ نیو یارک کے ایک مخصوص حلقے کے لئے مکھن اور انڈے مہیا کرتے ہیں۔ اور معقول قیمتیں طلب کرتے ہیں۔ دیہات میں نئی قسم کی جو زندگی وجود میں آئی ہے اُسکی ایک نمائش فارمرز کلب (Farmers club) کی سالانہ تقریب ہے جو ڈیلمونیکو (Delmonico) کے ہوٹل میں منعقد ہوتی ہے۔ اس تقریب کے موقعہ پر زراعت کی تعریف میں نہایت شاندار تقریریں کی جاتی ہیں۔ اور ہڈسن ولا (Hudson villa) اور نیو پورٹ کاٹیج (New port cottages) میں دیہاتی ...... نئی زندگی کے آثار ویسے ہی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ جیسے لانگ آئی لینڈ کے گھروں میں۔ میرے دوستوں کا فرمانا بالکل بجا ہے۔ لیکن جہاں تک میری زراعتی معلومات کا تعلق ہے کہ ہفتہ کی شام کو جو دیہاتی زندگی کے مناظر شہر میں نظر آتے ہیں۔ اُن کا ردِّ عمل دیکھنا ہو تو پیر کی صبح کے مناظر ملاحظہ فرمائیے۔

اگر دیہات میں دو چار شاندار مکانات شہر کے اُمراء نے تفریح کیلئے بنا لئے۔ اور وہاں جا کر اُنہوں نے وہ روپیہ جو شہر میں اُنہوں نے جمع کیا ہے خرچ کر لیا۔ تو جہاں تک اُن لوگوں کا تعلق ہے جو اپنی روزی زمین سے براہ راست حاصل کرتے ہیں اُن کے لئے یہ دیہاتی زندگی کے مسئلہ کا کوئی حل نہیں۔ اس مسئلہ کا حل صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ دولت کے ساتھ خوش مذاقی معاملہ فہمی اور دیہاتی لوگوں کے ساتھ ہمدردی بھی شامل ہو۔ اگر یہ چیزیں مفقود ہوں۔ تو شہر کی شان و شوکت کا اظہار دیہات میں جا کر کرنا اُلٹا دیہات کے نوجوان مرد عورتوں کو اس بات کی ترغیب دینا ہے کہ وہ دیہات سے بیزار ہو کر شہر چلے جائیں۔ اس سے ان لوگوں کے دلوں میں یہ خیال جم جاتا ہے کہ دیہات میں شاندار زندگی بسر کرنی ہو تو اسکا طریقہ صرف یہ ہے کہ شہر چلے جاؤ اور وہاں جا کر دولت پیدا کرو اور پھر وہاں سے واپس آکر دیہات میں دولت کے مزے لوٹو۔ اٹلی کے دیہات میں بہت سے مکانات جو رُوم کے رؤسا کی ملکیت تھے اُن دنوں بھی موجود تھے جب اٹلی میں دیہاتی زندگی زوال کے سب سے نچلے درجے کو پہنچ چکی

تھی۔ شہر کو گاؤں پر کچھ ایسا غلبہ حاصل تھا کہ دیہات کو اس لائق ہی نہ سمجھا جاتا تھا کہ وہاں جا کر کوئی رہے۔ البتہ جس کے پاس کافی دولت ہوتی رہی دیہات میں جا کر مکان بنانا اور رہنا۔ گویا دیہات کو ایک سیر گاہ تصور کر رکھا تھا۔ وہ صرف اس مصرف کی چیز تھی کہ اچھے اچھے موقعہ تلاش کر کے مکان بنائے جائیں اس سے قطع نظر کر کے دیہات کو صرف ایک ایسی جگہ خیال کیا جاتا تھا جہاں سے شہر کے لوگوں کی خوراک کی رسد آتی تھی۔ لوگ اصل میں رہتے تو تھے شہروں میں باقی تفریح کیلئے گاؤں میں چلے جاتے تھے۔ یا وہاں سے اپنے لئے خوراک لاتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ شہر کا گاؤں پر یہ غلبہ تمدنِ قدیم کی ایک خصوصیت ہے۔ گو بعض بعض زمانے میں یہ غلبہ مکمل تھا اور بعض میں نہ تھا۔

اس ضمن میں عبارت ہائے ذیل غور کرنے کے قابل ہیں۔

شہر رومانی الاصل محض ایک بلدیہ تھا۔ حکومتِ روما مراد تھی مختلف ادارات کے ایک مجموعے سے جو ایک ایسی آبادی کے مناسبِ حال تھے۔ جو ایک شہر کی فصیل کے اندر رہتی ہو یہ ادارات بلدیہ کے ادارات دفاتر تھے۔ پس یہ اُن کی امتیازی خصوصیت ہے۔ روما ہی پر کیا منحصر ہے۔ اگر ہم اس زمانے کے اٹلی کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ روما کے اردگرد تمام شہر ہی شہر تھے۔ جس چیز کو اس زمانے میں قوم کے نام سے موسوم کرتے تھے وہ محض شہروں کے ایک مجموعہ عبارت تھی۔ یوں کہئے کہ اطالوی قوم شہروں کے ایک مجموعہ کا نام تھا۔ (Sturuscans) (Samnites) (Sabines) اور (Graeca Magna) کے تمام باشندوں کی حالت کو ہم انہی الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں۔

اس زمانہ میں دیہات کا وجود کہیں نہ تھا۔ یعنی دیہات کو جس صورت میں ہم آجکل دیکھتے ہیں اس کی ان دنوں میں یہ صورت نہ تھی۔ اُس میں قبلہ رانی تو ضرور کی جاتی تھی لیکن آبادی اس میں مطلق نہ تھی۔ زمین کے مالک وہ لوگ تھے جو شہروں میں رہتے تھے۔ وہ گاہے گاہے اپنی جاگیروں کا معائنہ کرنے کیلئے چلے جاتے تھے۔ اور اپنے ساتھ چند غلام لیجاتے تھے جیسے ہم آجکل گاؤں یا دیہات کے نام سے موسوم کرتے ہیں یعنی وہ مختصر سی آبادی جو اکیلے دکیلے جھونپڑوں میں

یا چھوٹی چھوٹی بستیوں کی صورت میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ اُس کا وجود اٹلی میں سرے سے مفقود تھا۔

جب روما نے اپنے رقبہ کی وسعت دی۔ تو پھر اُس نے کیا کیا؟ تاریخ کا مطالعہ کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ اُس نے نئے شہر فتح کئے یا نئے شہر بسائے۔ اُس کی اگر جنگ ہوتی تھی تو شہروں کے ساتھ اگر صلح اور موافقت ہوتی تھی تو شہروں کے ساتھ وہ اگر نو آبادیاں قائم کرتا تھا تو وہ بھی شہروں میں۔ روم کے دنیا کو فتح کرنے کی تاریخ شروع سے لے کر اخیر تک بے شمار شہروں کے آباد کرنے کی تاریخ ہے۔

فرانس اور اسپین میں بھی آپ کو شہر ہی شہر نظر آئیں گے۔ شہروں سے کچھ دور ہٹ کر دلدلیں ہیں اور جنگل۔ ذرا روما کی قدیم یادگاروں اُسکی قدیم سڑکوں کا بنظرِ غور ... مطالعہ کیجئے۔ بڑی طول طویل سڑکیں ہیں جو ایک شہر سے لیکر دوسرے شہر تک چلی جاتی ہیں؛ ہمارے زمانے میں کوئی آشنا نہ تھا۔ قرون وسطیٰ کے بعد سے تمام یورپ میں جو بے شمار گاؤں دیہاتی مقامات اور گرجا گھر پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں ان کی قسم کی کوئی چیز اُس وقت موجود نہ تھی۔ روما کے باقیات جو اُس نے اپنی یادگاریں چھوڑے ہیں کیا ہیں؟ عظیم الشان عمارتیں جن کا تعلق بلدیات سے تھا۔ اور جو بہت سے لوگوں کے اجتماع کیلئے بنائی گئیں تھیں۔

جاگیرداری کا دستور جب قائم ہوا تو اُس نے ایک ایسی تبدیلی کی جسکی اہمیت بلاشک وشبہ بہت زیادہ ہے؛ اُس نے آبادی کو از سرِ نو تقسیم کیا اور اُس کو نئی ترتیب سے بسایا۔ اب تک زمین کے مالک اس طور پر رہتے آئے تھے کہ یا گنجان آبادی کے شہروں میں رہتے تھے یا بڑے بڑے گروہ بنا کر ملک بھر میں پڑے پھرتے تھے لیکن جب جاگیرداری کا نظام رائج ہوا تو یہی لوگ اپنی اپنی سکونت گاہ میں ایک دوسرے دور و دراز فاصلوں پر علیحدہ علیحدہ رہنے لگے۔ آپ فی الفور اندازہ کرلیں گے کہ اس تغیر نے تمدن پر کیا کچھ اثرات کئے ہوں گے۔ معاشرت میں جو غلبہ وافتدار شہروں کو

حاصل تھا وہ شہروں سے منتقل ہو کر گاؤں کو مل گیا۔ پہلے ملکیت عامہ زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ اب ملکیت انفرادی کی اہمیت زیادہ ہوگئی۔ پہلے اجتماعی زندگی کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ اب انفرادی زندگی کو حاصل ہوئی۔ جاگیرداری کے طرز معاشرت کے رواج پانے کا یہ سب سے پہلا اثر تھا۔ ہم جتنا زیادہ غور سے اس کا مشاہدہ کریں اُتنا ہی اس ایک واقعہ کے نتائج وعواقب ہماری آنکھوں کے سامنے منکشف ہوں گے۔" لے

ایک اور مقام پر (Guizot) اس معروف امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جدید تمدن اس نظام میں پھر انقلاب پیدا کر رہا ہے اور پھر آبادی دولت اور قوت شہروں میں جمع ہو رہی ہے۔ اور شہری زندگی کا نصب العین بہ نسبت دیہاتی زندگی کے نصب العین کے زیادہ اہمیت حاصل کرتا جا رہا ہے

کاشتکاری کے متعلق تحریر یا تقریر اور عملی طور کاشتکاری کرنا ان دونوں میں سے کونسا شہرت و امتیاز کا بہتر ذریعہ ہے؟

امریکہ میں نصب العین کو دیہاتی نصب العین پر جو غلبہ حاصل ہے اُس کا ایک ثبوت اس امر سے ہم پہنچتا ہے۔ کہ ہمارے مُلک کے لوگ زراعت کو کارہائے نمایاں انجام دینے کے لئے اچھا میدان خیال نہیں کرتے۔ سائنس کے اصولوں سے زراعت میں عملی طور پر کام لینا یا زراعتی پیدائش کے عاملین کی تنظیم میں اُن پر کاربند ہونا یوں تو ہر صاحب فکر کے نزدیک ملک کے لئے بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ لیکن اس پر ہم فی الواقعہ بہت کم توجہ مبذول کرتے ہیں۔ قدیم زمانے کا یہ جو مقولہ ہے۔ کہ جو شخص گھاس کی ایک پتی کے بجائے دو پتیاں اُگانے کا باعث ہو۔ وہ بمقابلہ سیاست دان کے (یا یوں کہیئے کہ بمقابلہ باتیں بگھارنے والے شخص کے) زیادہ قدر و منزلت رکھتا ہے۔ اس مقولہ کو ہم بالجملہ تو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن عملاً ہم باتونی کو کام کرنے

لے گوئیزو۔ تاریخ تمدن۔

والے شخص کے مقابلے میں بہتر سمجھتے ہیں۔ کوئی شخص اگر اعلےٰ درجہ کی قابلیت نظم و نسق اور سائنٹفک علمیّت سے کام لے کر کاشت کرے تو وہ اچھی فصل پیدا کر سکتا ہے اور نفع پا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کچھ مقامی شہرت بھی حاصل کر لے۔ خاص کر کاشتکاروں کے حلقے ہیں۔ لیکن جب تک وہ اپنے کام کے متعلق زبان یا قلم سے اشتہار نہ دے۔ اُس وقت تک اُسی کی قوم اُس کے کمال کا اعتراف نہ کرے گی۔ اس کا ثبوت درکار ہو تو ذرا کتاب "تذکرہ" ناموران امریکہ (Who's Who in America) کو دیکھئے جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اُس میں تمام اُن اشخاص کے نام مذکور ہیں جنہوں نے انسانی جد و جہد کے کسی شعبہ میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ اُس کے صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو زراعت انسانی جد و جہد کا کوئی بڑا شعبہ ہی نہیں ہے۔ یا کوئی ایسے لوگ نہیں ہیں۔ جنہوں نے اِس شعبے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہو۔ ہم اُن ریاستوں کو لیتے ہیں۔ جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اُن میں زراعت ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۹۰۸ تا ۱۹۰۹ء کے ایڈیشن میں کسی کاشتکار کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ وہ ممتاز آدمی جو زراعت سے یا اسکے متجانس ہم جنس شعبہ ہائے صنعت و حرفت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کی تعداد حسب ذیل ہے:۔

ریاست	مین	(Maine)	کاشتکار اور دستکار۔ انجینیر۔ ۱ (جامعہ سکوری میں)
"	اوہیو	(Ohio)	زراعتی معلّم۔ ۱۔ زراعت پیشہ۔ ۱۔
"	انڈیانا	(Indiana)	نخلبند۔ ۱۔
"	الینائس	(Illinois)	کاشتکار۔ ۱۔
"	آئیووا	(Iowa)	فارسٹر (ناظم جنگلات) انجینیر۔ ۱ (یہ دونوں اشخاص ایمس کے سرکاری کالج میں ملازم ہیں
"	جالوردن		کاشتکار۔ ۱۔

ریاست کنس (Kansas) ۰ ۔ ذخیرہ دار ۔ ۱ + میووں کی کاشت کرنیوالا ۔ ۱ ۔

" نبراسکا (Nebraska) زراعتی معلم ۔ ۱ ۔ + فارسٹر ناظم جنگلات ۔ ۱ + کاشتکار ۔ ۱ +

اگر کاشتکاروں کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ تو اس کا الزام ہمیں کتاب کے مولفوں کو نہ دینا چاہیئے۔ اُن کا تو کام یہ ہے کہ اپنی کتاب میں اُن لوگوں کے نام درج کریں جو مشہور و معروف ہیں اور جن کا تذکرہ لوگوں کی زبانوں پر ہے۔ یہ امر کہ ایک اعلےٰ درجہ کا کامیاب کاشتکار مشہور و معروف اشخاص میں نہیں ہے۔ اس بات کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے اہل مُلک کو اس قسم کے کارنمایاں سے دلچسپی نہیں ہے۔

اس بات کا ایک اور ثبوت اس سے بہم پہنچتا ہے۔ کہ گذشتہ چند سال میں کسی کاشتکار نے سیاسیات میں کوئی امتیاز حاصل نہیں کیا۔ اوروں کا تو تذکرہ ہی کیا۔ خود مسٹر روزولٹ (Roosevelt) نے باوجود اُس سرگرمی کے جو اُنہوں نے دیہاتی ترقی کے معاملے میں ظاہر کی اُن لوگوں کو جو کاشتکاری کے متعلق باتیں کرنا جانتے ہیں۔ ہمیشہ اُن لوگوں پر ترجیح دی جو عملاً کاشتکاری کرتے ہیں مثال کے طور پر مسٹر موصوف نے جو دیہاتی زندگی کے متعلق کمیشن مقرر کیا وہ اعلےٰ درجہ کا کمیشن تھا۔ لیکن افسوس اس کے ارکان کاشتکار نہ تھے۔ بلکہ مشہور مشہور آدمی جنہوں نے زراعت اور اُس کے متعلق مسائل پر طول طویل کتابیں لکھی تھیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کاشتکاروں کو اس بات کا یقین نہ تھا۔ کہ کمیشن کے کام کا نتیجہ اُنکے حق میں اچھا نکلیگا

جب تک انسانی فطرت ایسی ہے کہ لوگ نام و نمود اور شہرت کے خواہشمند ہیں اس وقت تک وہ ایسے کاموں سے گریز کریں گے جن میں اُنہیں اس مقصد کے حاصل کرنے کا موقع نظر نہ آئے۔ کاشتکار کی جو عزت ہمارے دل میں ہے اگر وہ اسی بات تک محدود رہی کہ ہم اُسکے کام کو تو پسند کریں۔ لیکن اُس کے نام کو روشن نہ کریں۔ اور اگر ہم نے کاشتکار اور اُس کے ذاتی کارنامے کی قدر کرنی شروع نہ کی تو ناممکن

ہے کہ جو بلند ہمت اور عالی خیال نوجوان دیہات کو چھوڑ کر شہرت کی غرض سے شہروں کو جاتے ہیں ہم اُن کو روک سکیں۔

غیر حاضر رہنے والے زمیندار (Absentee landlord)

جنگ، وبائی امراض اور قحط وہ آفتیں ہیں جو دیہاتی کے لئے تباہی کا پیغام ہوتے ہیں۔ ان کے بعد اگر کوئی بلا ہے تو وہ یہ کہ زمیندار زمینوں سے غیر حاضر رہیں اور اُن کی خبر گیری خود نہ کریں۔ اس کا نتیجہ اوّل تو یہ ہوتا ہے کہ لگان وصول کیا جاتا ہے اور جمع کر کے زمیندار کے پاس بھیجد یا جاتا ہے تاکہ وہ اور جگہ اُس کو خرچ کرے۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ جس علاقے سے لگان جمع کیا گیا ہو۔ وہ اُسکے فائدے سے محروم رہ جاتا ہے۔ لیکن یہ تو اس طریقے کے نقصانات میں عشر عشیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسری خرابی یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص ایسا موجود نہیں ہوتا۔ جس کو زمین سے صرف اس وجہ سے دلچسپی نہ ہو کہ وہ اُس کی آمدنی کا ذریعہ ہے بلکہ اس سے قطع نظر کر کے مستقل دلچسپی ہو۔ زمین جن لوگوں کے پاس ٹھیکہ یا لگان پر ہو اُن کو کیا پڑی ہے۔ کہ گاؤں کی خوبصورتی بڑھانے کے لئے روپیہ یا وقت خرچ کریں۔ یا اپنے اخلاقی اور اجتماعی ماحول کو بہتر بنانے کی تکلیف اٹھائیں۔ اُن کو تو صرف اس بات سے غرض ہوتی ہے کہ اُنہیں جتنی زیادہ آمدنی زمین سے ہو سکے وہ آمدنی حاصل کریں۔ زمیندار چونکہ گاؤں میں رہتے نہیں۔ اس لئے وہ بھی دیہاتی جماعت کی پرواہ نہیں کرتے سوائے اس کے کہ اُسے آمدنی کا ایک ذریعہ سمجھیں۔ اور وہ ہرگز اس بات کیلئے تیار نہیں ہوتے کہ اصلاحات پر روپیہ صرف کریں۔ اِلّا اس صورت میں کہ اُنہیں لگان کے بڑھ جانے کی توقع ہو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس زراعتی جماعت کے پاس ایسے زمینداروں کی زمینیں ہوں جو خود غیر حاضر رہتے ہیں وہ جماعت کوئی ترقی نہیں کرتی۔ اور اُسکے یہاں مدرسے گرجا گھر اور دوسرے ادارات اجتماعی صرف اسی قدر رہتے ہیں جتنے قانوناً ضروری ہوں۔ تیسری قباحت جو زمینداروں کے غیر حاضر رہنے سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ زمیندار

اور اسامی ایک دوسرے سے اس قدر علیحدہ رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملنے کے اُن کو اس قدر کم موقعے ملتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے مزاج اور طبیعت کے آشنا نہیں بن سکتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرقہ دارانہ لڑائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور طرح طرح کی بدمزگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر کوئی دیہاتی علاقہ سارے کا سارا ایسا ہو کہ وہاں کے مزارع غیر حاضر رہنے والے زمیندار سے مخالفت رکھتے ہوں، تو اُس کو نقصان پہنچانے کے ہزار ہا حیلے ڈھونڈھے جاتے ہیں۔ اُدھر زمیندار کے دل میں انتقام کا جوش پیدا ہوتا ہے اور وہ اتنا زیادہ اور کس کر لگان[1] لیتے ہیں کہ مزارع چیخ اُٹھتے ہیں۔ بعض اوقات مزارعوں میں جذبۂ جماعت داری اس قدر قوی ہو جاتا ہے۔ کہ وہ مصنوعی "حقوقِ مزارعان" ایجاد کرتے ہیں جو قوانین ملکی کے مخالف ہوتا ہے پھر یہ ہوتا ہے کہ قوانین اور زیادہ سخت کر دیئے جاتے ہیں تاکہ ان "حقوقِ مزارعان" کو دبایا جا سکے۔

اگر یہ مزارعوں اور زمینداروں کے طبقوں کی باہمی لڑائی بھڑائی اس حد تک طول نہ کھینچے تو کم از کم بہت سی انسانی قوت اس بات میں بیکار صرف ہو جاتی ہے کہ ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو جھکنے اور جھانسہ دینے کی کوششیں کرتا ہے۔ اور اس طرح جو آپس کا بیر اور عناد پیدا ہوتا ہے وہ دیہاتی زندگی کی نیکنامی پر ایک بدنما دھبہ ہوتا ہے۔

ہمارے ملک میں اسامی داری کے طریقے کو بُرا سمجھا جاتا ہے۔ تاہم اس طریقے کے

---

[1] آئرلینڈ کے بعض حصوں میں پہلی حکومتوں کے ماتحت یہ ہوتا تھا کہ مزارع جمع ہو کر خود لگان مقرر کرتے تھے اور نئی آسامیوں کو زمین لگان پر لینے سے روکنے کیلئے آپس میں سازشیں کرتے تھے یہاں تک کہ مزارع اپنا حق بیچ سکتا تھا اور اُسے اپنے بیٹے کو ورثہ میں دے سکتا تھا گویا وہ زمین تھی جو اُسکے قبضہ میں تھی۔ اگر کوئی اور شخص آکر ایسی زمین کو لے لیتا جو کوئی مزارع اپنے بیٹے کو بذریعہ وصیت دے گیا تھا۔ یا بیٹے کو قبضہ پانے میں مزاحمت کرتا تو اُسکی جان خطرے میں ہوتی تھی۔ ملک نے بہت سے قانون وضع کیئے۔ لیکن اُن میں سے کوئی مزارعوں کی متحدہ مخالفت کے مقابلے میں کارگر نہ ہو سکا۔

متعلق بنفسہ چاہے کچھ کہا جائے۔ اس امر میں ذرہ برابر شک نہیں کہ بد ترین طریقہ وہ ہے۔ جس کے مطابق زمیندار اپنی زمین سے کوسوں دور رہے۔ اور اُس سے سوائے لگان لینے کے اور کوئی واسطہ نہ رکھے۔ اگر زمیندار اپنی زمینوں میں رہے اور کام کی خود دیکھ بھال کرے تو اسامی کے طریقے کی جو بدترین خرابیاں ہیں۔ وہ دور ہو جاتی ہیں۔ زمیندار کا اپنے گھر بار کے کام سے دلچسپی رکھنا اس امر کا باعث ہوتا ہے کہ اُس کا رویہ اپنے دیہاتی علاقے کے متعلق ایسا ہو جاتا ہے کہ غیر حاضر رہنے والے زمیندار کا نہیں ہو سکتا۔

مزید بریں ایک ایسا طریقہ جس کے مطابق زمیندار کو بڑی بڑی اصلاحی تجویزیں سوچنے کا موقعہ ملے اور اُس کے مزارع فصل اُگانے کے کام میں ہمہ تن مشغول رہیں بعض فائدوں کا حامل ہے۔ امریکن زراعت میں یہ ہوتا ہے کہ زمین چھوٹے درجے کے یا متوسط درجے کے کاشتکاروں کی ملکیت ہوتی ہے۔ اور وہ خود اپنا کام کرتے ہیں۔ اس دستور کا سب سے بڑا نقصان یہی ہے۔ کہ اسکے مطابق زمیندار کو اپنی زمینوں کو بہتر بنانے کے متعلق تجویزیں سوچنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ کس شخص کے پاس اتنا وقت ہے یا اتنا فالتو اصل ہے کہ عمدہ عمدہ تجربے کرلے۔ پانی کے نکاس کی شاندار تدبیروں پر عمل کرے۔ یا اس کی اور بڑے پیمانے کے اصلاحات کا بیڑا اٹھائے؟ انگریزوں کے یہاں یہ دستور ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ کہ بڑے بڑے زمینداروں نے ان اصلاحی تجویزوں کا بیڑا اٹھایا ہے اور اس بات کا انتظار نہیں کیا کہ لوگوں میں عام بیداری پیدا ہولے۔ ریاست ہائے متحدہ میں یا اور ممالک میں جہاں چھوٹے چھوٹے زمیندار رہتے ہیں۔ اس قسم کے کام یا تو حکومت نے انجام دئے ہیں یا امداد باہمی کی انجمنوں نے یہ طریقے اپنی جگہ نہایت عمدہ ہیں۔ لیکن انگریزی طریقے کے مقابلے میں ان کا عمل بہت سُست ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سیدھی سادی ہے۔ یعنی یہ کہ عام لوگ خاص خاص ذہین لوگوں کے مقابلے میں ہمیشہ سُست رفتار ہوتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ریاست ہائے متحدہ میں مرکزی حکومت کا صیغہ زراعت سرکاری زراعتی کالج اور تجربہ گاہیں۔ اس قسم کا کام اتنے بڑے پیمانے پر کام کر رہی ہیں کہ اگر زمینداروں کی کوئی انجمن غیر سرکاری طور پر قائم ہوتی تو وہ ان کا

بیڑا نہ اٹھا سکتی تھی ہو چا ہے اُنکی جائداد بن کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں یہ درست ہے کہ انگریزوں نے ایسا کام اپنی اپنی زمینوں میں کیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ صرف کام تھا۔ اتنا اعلےٰ درجہ کا کام نہ تھا۔

اسامی داری کا دستور جیسے انگلستان میں رائج ہے اُس کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ اس سے زراعتی اغراض و مقاصد کی ایک قسم کی تنظیم ہو جاتی ہے۔ کوئی بڑا زمیندار اگر اپنی زمینوں میں رہتا ہو۔ اور اُن بہتر بنانے کے کام سے دلچسپی رکھتا ہو تو وہ قدرتی طور پر دیہاتی جماعت کیلئے جو کہ اُسکی اسامیوں پر مشتمل ہوتی ہے بمنزلہ ایک رہبر اور قائد کے ہوتا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ میں یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ دیہاتی جماعتوں کی تنظیم میں جو امر سب سے زیادہ مزاحم ہے وہ یہ ہے کہ اچھے رہنما موجود نہیں ہیں۔ اگر مزارعوں اور زمینداروں کی آپس کی دشمنی نے اس دقت کو اور بھی بڑھا دیا تو پھر جماعت کی شیرازہ بندی کا مسئلہ ناقابل حل ہو جائیگا۔ اگر دیہاتی گرجا اس باہمی خصومت و عداوت کو اخوت کی تعلیم دے کر دُور کر سکے تو بہت بہتر ورنہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی دیہاتی علاقے کی جماعت اپنی تنظیم اور شیرازہ بندی کیونکر کر سکے گی۔ ہم نے اپنے زراعتی کالجوں۔ تجربہ گاہوں۔ اور محکمۂ زراعت کی مدد سے اتنا تو کیا ہے کہ علیحدہ علیحدہ خاندان بنا کر کاشت کرنے کے جو نقصانات ہیں۔ اُن کو دور کر دیا ہے۔ اگر ہم اپنے دیہاتی اغراض و مقاصد میں ایک تنظیم پیدا کر سکیں تو بڑے بڑے زمینداروں کے ماتحت اسامی داری کے دستور میں جتنے فائدے ہیں وہ سب ہمیں حاصل ہوں گے اور جتنے نقصان ہیں۔ اُن سب سے ہم محفوظ رہیں گے۔

تنظیم با مقصد اور تنظیم بے مقصد میں فرق

یہ بات ہرگز قرین قیاس نہیں کہ دیہاتی کی مستقل شیرازہ بندی بغیر کسی معین مقصد کو پیش نظر رکھے وجود میں آ سکے تنظیم اگر محض تنظیم کی خاطر کی جائے تو یہ کوئی اعلےٰ پروگرام نہیں۔ اس طرح یہ بات بھی بعید از قیاس ہے کہ کوئی خاص واحد مقصد یا مجموعہ مقاصد تنظیم قومی کی بنیاد بن سکتا ہے ہمارے

دیہاتی اغراض اس قدر مختلف اور جدا جدا قسم ہیں کہ ایسی تنظیم کا ہرگز امکان نہیں اگر تمام ملک کے کاشتکاروں کی بہ حیثیت مجموعی تنظیم کرنے کی کوشش کی جائے تو ایسی کوشش یقیناً ناکامیاب ہوگی اور اب تک جب کبھی ایسی کوشش کی گئی ہے ناکامیاب ہوئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مقامی اغراض کی تنظیم معین مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کرنی چاہیئے۔ اگر کسی جگہ بہت سے کاشتکاروں کے سامنے کوئی خاص مقصد ہو۔ تو وہ اس کے لئے تنظیم کرنے میں کسی مشکل سے دوچار نہیں ہوتے اس کی بہترین مثالوں میں کیلیفورنیا کا پھل اگانے والوں کو مبادلہ (California Fruit Growers' Exchange) ہے بہت سے پھل کے اگانے والوں نے یہ دیکھا کہ اگر بازار کا انتظام ٹھیک ٹھاک نہ کیا گیا تو سب کے سب دیوالیے ہو جائیں گے۔ بس پھر کیا تھا۔ یہ بذاتِ خود ایک زبردست محرک تھا ایسی صورتوں میں قیادت (سرداری۔ رہنمائی) کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ جو شخص وہ کام کرنا جانتا ہے۔ جس کے کئے جانے کے دوسرے لوگ خواہشمند ہے بس وہ شخص حقیقی معنوں میں اُن کا رہنما ہے۔ اور اس کا حق اُس کو صرف اس طور پر پہنچتا ہے۔ کہ وہ فطرتاً اس کے لئے موزوں واقع ہوا ہے۔ اسی طرح ایک اور مثال ذرا چھوٹے پیمانے پر نیو ہمپشائر کے ایک علاقے کے کاشتکاروں نے جو منڈی کے جویا تھے پیش کی ہے۔ انہوں نے کیا کیا کہ کیمبرج واقع میکوسٹس (Cambridge, Mass.) میں ایک اسٹور کھولا اور اپنی اپنی پیداوار وہاں بھیج دی اُن کا رہنما کون تھا۔ ایک دیہاتی پادری۔ اور بھی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ جو اس اصول کی صداقت پر دال ہیں کہ اوّل تو تنظیم مقامی ہونی چاہیئے دوسرے اُس کے پیشِ نظر کوئی معین مقصد ہونا چاہیئے۔

تاہم ہماری یہ مراد نہیں کہ دیہاتی اغراض کی تنظیم مقامی ہی رہے اور اس طرح ہر مقام میں جدا جدا تنظیم ہو۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ مقامی تنظیم ترقی کرکے زیادہ وسیع ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں کو دیہاتی تنظیم سے دلچسپی ہے وہ تحریک مزدوراں

سے سبق سیکھیں۔ جب شروع شروع میں تمام مزدوروں کی مجموعی طور پر تنظیم کرنے کی کوشش کی گئی تو کامیابی کی کچھ امید تھی۔ لیکن اس میں یہ نقص تھا کہ کوئی مقررہ مقصد پیش نہ تھا اور اتحادِ مقامی ناپید تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا اثر و نفوذ بہت جلد زائل ہونا شروع ہوا حالانکہ امریکہ میں جو انجمن مزدوران American Federation of Labour) کے نام سے قائم ہوئی اس نے بہت جلد اثر و اقتدار حاصل کر لیا۔ اس تحریک کے طریقۂ کاروبار کے ارکان کی مقامی انجمنیں قائم کی جائیں۔ پھر ان کو ایک مرکزی انجمن کے ماتحت کیا جائے۔ اس طور پر کہ ہر انجمن کو مقامی خود مختاری دی جائے۔

دستور العمل نہایت صحیح اور معقول ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ متحدہ مرکزی جمعیت (federation) بہترین بنیاد ہے جس پر دیہاتی تنظیم کو قائم کرنا چاہیئے۔ ملک بھر میں جو مقامی تنظیمی انجمنیں بکھری پڑی ہیں اُن کو ایک مرکزی جمعیت کے تحت میں لانے کی کوشش شروع کر دی گئی ہے۔ اگر ان کو سرکاری اور قومی جمعیتوں کی صورت میں منظم کیا جا سکے۔ اس طور پر کہ ہر مقامی انجمن آزاد اور خود مختار ہو۔ کم از کم اس حد تک کہ جہاں تک اُس کے مخصوص مقاصد کا تعلق ہے۔ تو پھر ممکن ہے۔ کہ ایک ایسی تحریک شروع کی جا سکے جس سے کاشتکاروں کی تنظیم بھی ویسے ہی ہو جائے جیسے امریکن فیڈریشن آف لیبر کی بدولت مزدوروں کی ہو گئی۔ گو یہ ضروری نہیں کہ ہمارا عملی پروگرام بالکل وہی ہو جو مزدوروں کا تھا۔

بہر حال یہ بات نہایت تاکید سے بیان کرنے کے قابل ہے۔ کہ کوئی تنظیم جس کا مقصد کوئی تعمیری کام نہ ہوگا۔ یا ملک کی مجموعی خوشحالی اور بہبودی نہ ہوگا اُس کا انجام یقیناً ناکامی ہوگا اور ہونا بھی یہی چاہیئے۔ یہ بات ملک کے مجموعی مفاد کے حق میں نہایت ضروری ہے کہ پھلوں کی رسد کو طلب کے مطابق بنایا جائے۔ اور یہ نہ ہو کہ ایک بازار میں تو پھلوں کا طوفانِ بدتمیزی برپا ہو جائے اور دوسرے بازار میں ڈھونڈے سے نہ ملیں۔ پھل اُگانے والوں کا مبادلہ پھلوں کو جہاز پر لادنے اور بیچنے کے کام کی تنظیم کرنا ہے۔ اور رسد و طلب دونو کو ایک دوسرے کے مطابق

حال بناتا ہے۔ اس بنا پر وہ ملک کی بحیثیت مجموعی ایک پیدا آور خدمت انجام اور کامیابی کا مستحق ہے۔ جب وہ اپنی قوتوں کا بے جا استعمال شروع کر دے یعنی بجائے رسد اور طلب میں مطابقت پیدا کرنے کے اپنی مرضی کی قیمتیں مانگنے لگے۔ تو اُس وقت وہ ناکامی کا مستحق ہو گا۔ اور بالآخر یقیناً ناکام ہو گا یہی قول ڈیری والوں۔ بازار کے لئے پھل ترکاریاں اُگانے والوں۔ اور کپاس کی کاشت کرنے والوں۔ وعلیٰ ہذا القیاس دوسروں پر صادق آتا ہے۔ بہر حال اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس قسم کی تنظیمی جمعیتوں کو خیرات اور رفاہ عام کے کام کرنے چاہئیں۔ یعنی اپنی جیب سے خرچ کر کے لوگوں کو فائدہ پہنچانا چاہیئے برعکس اس کے اُن کو چاہیئے کہ اپنے ذاتی مفاد کا سب سے پہلے خیال کریں ؛ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ذاتی مفاد کی حفاظت کے لئے .... جیسا کہ ہم ان اصلاحات کی تعریف باب اوّل میں کر چکے ہیں اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل ایسے طور پر کرتا کہ تمام ملک کی قوت پیدا آوری میں ترقی ہو یقیناً مستحق اور قابل داد ہے۔ لیکن ملک کے فائدے کا خیال نہ کر کے اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل کرنا مستحق ناکامی قابلِ سرزنش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امداد باہمی کے کام جو محض کسی ذخیرہ دار مہاجن کے ساتھ حسد کرنے کی وجہ سے یا کسی اور شخص کو جو کوئی مفید اور دیانت دارانہ کام انجام دے رہا ہو نقصان پہنچانے کے لئے شروع کئے جاتے ہیں۔ وہ عموماً ناکامیاب ہوتے ہیں لیکن ایسے امداد باہمی کے کام جن کا مقصد کوئی تعمیری خدمت انجام دینا ہوتا ہے مثلاً کسی نئی حرفت کا شروع کرنا۔ کسی نئے بازار کا بنانا یا پیداوار کو فضول ضائع ہونے سے بچانا چونکہ اُن کے پیشِ نظر ایک ایسا مقصد ہوتا ہے۔ جو آپس کے بیر اور جلن اور بغض سے بالاتر ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے کام عموماً کامیاب ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ ان کاموں شریک ہوتے ہیں اُن کو نفع ہوتا ہے۔

خلاصۂ مطلب یہ کہ جب تک ہمارے دیہاتی اغراض و مقاصد کی تنظیم نہ ہو گی

اُس وقت تک دیہاتی زندگی پر شہری مقاصد، شہری معیار، شہری نصب العین غالب رہیں گے۔ اور اس وجہ سے دیہاتی زندگی کی حیثیت حقیر اور کمزور ہو گی۔ مزید بریں دیہاتی اغراض و مقاصد کی تنظیم کسی واحد جمعیت کی صورت میں مشکل ہے۔ کیونکہ ہمارے زراعتی مفاد و مقاصد بہت مختلف ہیں۔ تنظیم یوں ہونی چاہیئے کہ پہلے مقامی انجمنیں بنائی جائیں۔ جن کے پیش نظر معین تعمیری مقاصد ایک طرف ہوں اور بعدہٗ ان مقامی انجمنوں کو ایک متحدہ جمعیت کی صورت میں جمع کر دیا جائے جس میں اتحاد اور یگانگت اور دوسری طرف تنوع اور مقامی آزادی کی صفات مجتمع ہوں +

ختم شد

٦٢١٤١

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا۔

18.4.64			